یعنی

جارج مارٹز۔ ایبرس مشہور جرمنی ماہرِ علوم مصریہ کی معرکۃ الآرا تصنیف کا

ترجمہ

از

لطافت حسین خاں

زیرِ نگرانی سیّد حسن زاہد جعفری حسن منزل شاہ گنج آگرہ

(باہتمام خواجہ صدیق حسین)

آگرہ اخبار پریس آگرہ میں چھپا

اس کتاب کے قابل مصنف کی طرح مجھے بھی اندیشہ ہے کہ کہیں بعض سنجیدہ مزاج کتب علمی کے مقابلہ میں ایک افسانہ کا ترجمہ تضیع اوقات نہ سمجھیں۔ لیکن یہ خیال انصاف وراستی سے دور ہوگا۔ کیونکہ اگر تاریخ وسیر کا مطالعہ یا آثار قدیمہ کا مشاہدہ فضول و بے کار ہے تو البتہ یہ الزام ایک تاریخی فسانہ پر بھی عاید ہوسکتا ہے جس کا خاص منشا و مقصد یہ ہو کہ انہیں مضامین کو عوام کے سامنے زیادہ دلچسپ و خوش آیند پیرایہ میں بیان کیا جائے تاکہ اس سے معلوم ہو کہ اقوام پارینہ کا تمدن اور طرز معاشرت کیا تھا۔ ان کی تہذیب و شائستگی کس پایہ پر پہنچ چکی تھی۔ ان کے خیالات و عقائد کس قسم کے تھے اور ان تمام باتوں کا اثر اب موجودہ دنیا میں کہاں تک موجود ہے۔ اگر یہ علم مفید نہ خیال کیا جائے تو اس ہٹ دھرمی و تعصب پر افسوس ہے کیونکہ علاوہ دلچسپ ہونے کے اس سے وہ روشن خیالی اور وسعت نظری پیدا ہوسکتی ہے جو ایک کامل و مکمل تعلیم کی بہت بڑی خصوصیت سمجھی گئی ہے اور جس کا حاصل کرنا صرف امتحانات پاس کرنے پر منحصر نہیں ہے بلکہ یہ مشاہدہ۔ سیر و سیاحت اور بنی نوع انسان کے مختلف حالات پر غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ اب رہا یہ امر کہ

"دختر فرعون" کا مطالعہ کہاں تک اس مقصد کے لئے کافی ہے میں ناظرین کی رائے پر چھوڑتا ہوں - میری محنت ٹھکانے لگے گی اگر اسے پڑھ کر نہ صرف مصر و ایران بلکہ خود اپنے ملک کی پرانی تاریخ و آثار قدیمہ کی طرف ناظرین کے دلوں میں وہ ذوق و شوق پیدا ہو جائے جو پہلے موجود نہ تھا۔

ایبرس کی "ایجپشین پرنسز" کا ترجمہ جہاں تک ممکن ہو سکا ہے سلیس و عام فہم زبان میں کیا گیا ہے - ممکن ہے کہ یہ کوشش کہیں مبالغہ آمیز ہو اور طرز گفتگو میں "موجودہ زمانہ" کا انداز نظر آئے - لیکن اس سے بچنا ناممکن تھا کیونکہ اول تو ہمارا علم ناقص ہے دوسرے شاید بلا اس تدبیر کے اس کا سمجھنا آسان اور عوام کی دلچسپی کا باعث نہ ہوتا - بدقسمتی سے مترجم کو اس افسانہ کا وہ ایڈیشن دستیاب نہ ہو سکا جسمیں لایق مصنف نے اپنی نوٹ اور زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھے تھے نیز اسے یہ بھی خیال تھا کہ ایبر کے بعد بہت سی نئی تحقیقاتیں ظہور میں آئی ہیں جن کا شاید اس کے زمانہ میں علم نہ ہو گا اسلئے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ایسی متعدد کتابوں سے مدد لینے کی ضرورت ہوئی جو جدید ہیں - اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ افسانہ دختر فرعون صرف ایک افسانہ کی حیثیت سے نہ دیکھا جائے بلکہ اقوام ماضیہ کے اخلاق آداب - رسم و رواج - پولیٹکل و سوشل حالات کا ایک صحیح مرقع سمجھا جائے جس کا مطالعہ ناظرین کے لئے نہ صرف دلچسپ بلکہ سودمند ثابت ہو سکے - فقط

لطافت حسین خاں

مصنف کی زندگی کے مختصر حالات

جارج مارٹز - ایبرس مشہور جرمنی ماہر علوم مصریہ تھا - یکم مارچ ۱۸۳۷ء کو بمقام برلن پیدا ہوا - گوٹنجن میں اس نے قانون کی تعلیم حاصل کی اور برلن میں السنہ مشرقیہ اور علوم آثار قدیمہ کی تحصیل میں اپنا وقت صرف کیا اور مصر کو اپنے مطالعہ کے لئے خاص طور پر انتخاب کیا - کارل رچرڈ لیپسیوس جو اس زمانہ میں ایک مشہور ماہر علوم مصریہ سمجھا جاتا تھا ایبرس نے اس کی شاگردی اختیار کی اور بعد میں اپنے استاد کی سوانح عمری بھی لکھی - ایبرس ۱۸۶۵ء میں بمقام جینا السنہ مصریہ اور آثار قدیمہ کا معلم مقرر ہوا اور ۱۸۷۰ء میں لیپزگ میں انہیں مضامین کا پروفیسر ہوا - تحصیل علوم کے لئے اس نے دو مرتبہ مصر کا سفر کیا ہے - ۱۸۷۴ء میں اس نے ایک قدیم مصری طبی رسالہ دریافت کیا جو پیپوروس ایبرس (Papyrus Ebers) کے نام سے مشہور ہے - یہ رسالہ اسے تھیبز (Thebes) میں ملا تھا - اس کا ترجمہ ایچ جوشم (H. Joschim) نے انگریزی زبان میں ۱۸۹۰ء میں کر دیا ہے - اس رسالہ میں ایبرس کے خیال کے مطابق قدیم مصری موتیا بند کا علاج عمل جراحی سے کیا کرتے تھے - ایبرس کا خیال یہ تھا کہ تاریخی ناولوں کے ذریعہ سے مصری علوم اور تواریخ کا شوق لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا جائے - اس کے مشہور ناول حسب ذیل ہیں - جن کا ترجمہ سب سے پہلے ۱۸۸۰ء میں کتب خانہ بوہن (Bohn) نے شائع کیا تھا - ان میں سے بعض کئی بار مکرر طبع ہو چکے ہیں - جن ناول کا ترجمہ

ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے وہ اُس کا سب سے بہتر اور مشہور و مقبول تاریخی ناول ہے
جس میں تمدن یونان کا آغاز۔ تمدن ایران کا شباب اور تمدن مصر کے آخری زمانہ
کا حال بہت عمدگی سے درج کیا گیا ہے۔ انگریزی ترجمہ میں اس کا نام "ایک مصری شہزادی"
(An Egyptian princess) ہے اور اردو میں حالات کے مناسبت
سے کتاب کا نام "دخترِ فرعون" رکھا گیا ہے۔ ایبرس کے ناولوں میں تاریخی دلچسپی
کے علاوہ ادبی خوبی بھی ہے۔ اس نے مصر کے آثار قدیمہ اور تمدن قدیم پر متعدد
کتابیں لکھی ہیں ۱۸۸۹ء میں اسکی صحت خراب ہونے لگی جس کی وجہ سے لیپزگ
کی پروفیسری سے اسے وظیفہ لینا پڑا۔ لیکن پھر بھی اس کی صحت درست نہ ہوئی
اور بالآخر توبیریا میں بمقام تنزنگ ۷ اگست ۱۸۹۸ء کو اس عالم فانی کو وداع کیا۔
اس کے مشہور تاریخی ناول حسب ذیل ہیں:۔

(1) Eine Agyptische Konigstochter — **ایک مصری شہزادی**۔
یہ ۱۸۶۴ء میں طبع ہوا اور بہت پسند و مقبول عام ہوا۔

(2) Uarda — **اوارڈا**
یہ ناول ۱۸۷۷ء میں طبع ہوا۔ اس میں رمسیس ثانی کے زمانہ کے حالات ہیں جو بنی
اسرائیل پر ظلم کرنے والا فرعون کے لقب سے مشہور ہے۔ یہ زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے ابتدائی زندگی کا تھا اور اس مصری تہذیب و تمدن کا نہایت اچھا مرقع ہے جسکی
اصلاح کے لئے خدائے عز و جل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا تھا۔ اس
زمانہ کو مصری تمدن کی ترقی کی انتہا کہا جاتا ہے۔

(3) Homo Sum — **ہوموسم**
مطبوعہ ۱۸۷۸ء۔ اس میں اس زمانہ کا حال ہے جبکہ مصر میں مذہب عیسوی پہلے
پہل پھیلنا شروع ہوا تھا۔

(4) Die Schwestern مطبوعہ ۱۸۸۰ء

(5) Der Kaiser

قیصر روم

مطبوعہ ۱۸۸۱ء - اس میں شہنشاہ ہڈرین کے دورہ مصر اور اس زمانہ کے مصری حالات و تمدن کا ذکر ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل روما کے حکومت کے زمانہ میں مصر کی حالت کیا تھی -

(6) Die Nilbraut مطبوعہ ۱۸۸۷ء

(7) Kleopatra

کلیوپٹرا

مصر کی مشہور ملکہ کا حال ہے - مطبوعہ ۱۸۹۴ء

(8) Die Frau Burgermeisterin مطبوعہ ۱۸۸۲ء

(9) Die Gred. مطبوعہ ۱۸۸۷ء
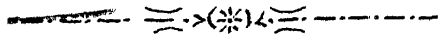
مقدمہ
جو مصنف نے کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں لکھا

میں یہ بات اپنے آپ سے مخفی نہیں رکھ سکتا کہ علما کی ایک ایسی بڑی تعداد موجود ہے جو اگر کوئی محقق علوم و حکمت اپنی تحقیقاتوں کے نتیجوں کو افسانوں کے دلچسپ پیرایہ میں لکھنا چاہے تو اُسے پسند نہیں کرتی اور اُسے نامناسب خیال کرتی ہے۔ مجھے ایک حد تک ان سے اتفاق بیشک ہے لیکن جس سرعت کے ساتھ اس کتاب کی پہلے ایڈیشن فروخت ہوئی اس سے یہ ضرور پایا جاتا ہے کہ عوام الناس اس محقق کے رہین منت ضرور ہوا کرتے ہیں جو اپنے مساعی اور تحقیقات کے نتیجوں کو ایک ایسی شکل میں ان کے سامنے پیش کرنے میں دریغ نہ کرے جو انہیں سب سے زیادہ دلچسپ معلوم ہو۔ بہر حال عوام الناس میں اکثر لوگوں کو تعلیم دینے اور اُن کے دل میں ذوق و شوق پیدا کرنے کے اس طریقہ کے علاوہ جس کا میں نے ذکر کیا اور جو طریقے ہیں وہ بہت کم ہیں۔ جو شخص سائنس و حکمت کی کوئی کتاب پڑھنے کے لئے ہاتھ میں لیتا ہے اُسے سائنس و حکمت سے ضرور دلچسپی معلوم ہونے لگتی ہے لیکن جو کوئی اس موجودہ کتاب کو

دلچسپی سے پڑھے گا اور ختم کرکے جب اسے ایک طرف رکھے گا تو شاید وہ ایک
ایسی دلچسپی اپنے ساتھ لیکر اُٹھے گا جو اُسے اس سے زیادہ عالمانہ اور محققانہ کام
کی طرف مائل کردے گی اور ممکن ہے کہ اس دلچسپی کے تقاضے سے وہ ان قوموں
کے آثار کے مطالعہ اور تحقیق کی طرف متوجہ ہو جائے جو قدیم زمانہ میں گذری
ہیں۔

جنگ فارس کے قبل یونانیوں اور ایرانیوں کی گھریلو زندگی کیسی تھی ہم بہت
کم جانتے ہیں (اس سے زیادہ تو ہم مصریوں کے تمدن و خانگی زندگی سے واقف
ہیں) اس ناواقفیت کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مہذب و متمدن قوموں کی چھٹی صدی
قبل مسیح کے خانگی زندگی کی تحقیق کرنے والا اور پھر انہیں قلمبند کرنے والا ایک
ایسا مورخ بھی جو علم و فضل میں درجہ کمال رکھتا ہو اور افسانہ کو تاریخ کے ساتھ ملانا
ہرگز پسند نہ کرتا ہو وہ بھی مجبور ہو جاتا ہے کہ تخیل کی امداد کا خواہاں ہو۔ ممکن ہے
کہ وہ ایک ایسی غلطی سے جو محض تاریخ کے متعلق ہے بچ جائے مگر ایک ایسی کتاب
کا مصنف نہیں بچ سکتا جس کی تالیف میں نے اپنے ہاتھ میں لی ہے۔ گو محنت
وسعی اور احتیاط و توجہ بڑی بڑی غلطیوں سے ایک مصنف کی حفاظت کر سکتی ہے
لیکن میں اس نقطہ نظر کو اپنی نگاہ کے سامنے سے محو نہیں کر سکتا تھا جو اس زمانہ
اور اس ملک کے ساتھ مخصوص ہے جن کا تعلق ناظرین سے اور خود مجھ سے ہے
اگر میں قدیم زمانہ کے شعار و حالات کو صرف سادہ طریقہ پر بیان کر دیتا تو یہی نہیں
کہ میری کتاب کسی کے سمجھ میں نہیں آتی بلکہ زمانہ حال کے پڑھنے والوں کی نظر میں
بالکل پھیکی اور دلچسپی سے خالی معلوم ہوتی۔ پس اس کتاب میں جن مصریوں اور
ایرانیوں کا ذکر ہے وہ اپنی خصوصیت کے لحاظ سے بالکل مصری اور ایرانی معلوم
ہوں گے مگر ان کے حرکات و سکنات کے مقابلہ میں زیادہ تر وہ الفاظ جو ان کی زبان

سے ادا ہوں گے اس راز کو فاش کرتے رہیں گے کہ اس کتاب کا لکھنے والا ایک
جرمنی الاصل شخص ہے جو اپنے زمانہ کے جذبات کے تاثر سے گریز کرنے پر ہمیشہ
قادر نہیں ہے اور جس کی پیدایش حضرت مسیح سے انیس سو برس بعد ہوئی ہے
میں پروفیسر لیپسیوس (Lepsius) کا شکر گذار ہوں کہ
انھوں نے مجھے جتلا دیا کہ اہل مصر کے علوم و فنون و صنعت و حرفت کا مجرد بیان
کتاب کے پڑھنے والے کو بہت زیادہ تھکا دے گا چنانچہ میں نے ان کے مشورہ
پر عمل کیا اور پہلے ہی اڈیشن (طبع) میں ہیروڈوٹس سے جو مواد مستعار لیا تھا اس
ترتیب سے اُسے جمایا کہ پڑھنے والا ایک ایسی یونانی سوسائٹی میں پہنچ جاتا ہے جس کے
لوگ اُسے کلی طور پر اجنبی نہیں معلوم ہوتے اور وہ ایک ایسی سوسائٹی میں ہوتا ہے
جس میں اور اس میں بعض چیزیں قدر مشترک نظر آتی ہیں مثلاً اشیائے جمیلہ کی
محبت اور فنون لطیفہ کی جانب شوق و ولولہ۔ پڑھنے والا اس یونانی جلسہ اور سوسائٹی
کی راہ سے گذر کر مصر میں اس طرح داخل ہوتا ہے کہ وہاں کے حالات معلوم کرنے
کے لیے بالکل تیار ہوتا ہے۔ غرضکہ مقصود یہ ہے کہ اُسے ان تمام قوموں کے حالات
میں یکساں لطف اور مزا آئے۔ اسی وجہ سے میں نے اس قصہ کو صرف ایک ہی
ہیرو تک محدود نہیں کیا ہے۔ میں نے تینوں قوموں (مصری۔ ایرانی اور یونانیوں)
کے حالات انہیں سے ایک ایک اہم شخص کو مثال کے طور پر لے کر بیان کیا ہے
اور اس ناول کا نام "ایک مصری شہزادی" میں نے اس لئے رکھا ہے کہ نی ٹیس
ایک مصری شہزادی تھی جس کے حالات اور انجام کا دوسرے لوگوں پر عظیم الشان
اثر پڑا ہے اس لحاظ سے وہ اس کی مستحق ہے کہ اس ناول میں توجہ عام اور
دلچسپی کا اسے مرکز سمجھا جائے۔
اماسیس کے حالات بیان کرنے میں میں نے ہیروڈوٹس کے استادانہ

طرزِ بیان کی تقلید کی ہے جس کی صحت اس بادشاہ کی اس تصویر سے اب بالکل ہو گئی ہے جو ان قدیم لوگوں کے آثار میں نظر آتی ہے۔ ہیروڈوٹس نے کمبوجیہ کی طبیعت کی خصوصیات اور اخلاق کا جو حال بیان کیا ہے میں نے اسی کے مطابق اس کی تصویر کھینچی ہے اور اصل یہ ہے کہ یہ پورا ناول اس مورخ اعظم کی کتاب پر مبنی ہے جو اُن حالات و واقعات ہی کے صرف چند ہی نسل بعد پیدا ہوا تھا جو اس ناول میں بیان کئے گئے ہیں لیکن تاریخ کے اس ابوالآبا کی تقلید میں نے ہر شے میں نہیں کی۔ لوگوں کی خصوصیات طبع اور اخلاق و عادات کے بیان کرنے میں میں نے وہ راستہ اختیار کیا ہے جو سائیکالوجی نے بتائی ہر جگہ میں نے اُن کتبات سے کام لیا ہے جو خطوطِ پیکانی اور میخی حروف میں لکھے ہوئے ملے ہیں۔ یہ کتبات بلاشبہ ہیلی کارنیسین (Halicarnassian) کے بیان کردہ حالات کے اکثر مطابق ہیں۔ فتح مصر کے بعد ہی بردیہ (برتجا) کی موت کے واقعہ کا ذکر کرنے میں میں نے ہیروڈوٹس کا اتباع کیا ہے اس لئے کہ کتبہ بیستون کا جو معمولی ترجمہ کیا گیا ہے مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ کتبہ مذکور میں جو عبارت[۱]

---

[۱] اصل عبارت مذکور (مع ترجمہ فارسی) حسب ذیل ہے

تیہا خشایاتیا ابوَم کمبوجیانا ماکوراوشش پترا اماکہام تا دمایا ہودم اِ داخشایاتیا اہا او ھیا

قبل از انکہ من پادشاہ شوم کمبوجیا نام پور کورش از تخمۂ ما او اینجا بادشاہی داشت او

کمبوجی یہیا برا تا باردیا ناما آہا یہہ ماتا ہماپِسہ وا کمبوجیا اَوَم باردیم اواجا یتہا

کمبوجیا برادرے باردیا نام داشت از یک مادر و پدر پس کمبوجیا آن برادرش باردیا را کشت چوں

کمبوجیا باردیم اواجا

کمبوجیا باردیا را کشت

ہے اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے۔

"ہمارے خاندان کا ایک شخص کمبوجیہ نام کورو کا فرزند پہلے یہاں بادشاہ تھا اور اس کا ایک بھائی تھا برتیا نام جس کے ماں باپ وہی تھے جو کمبوجیہ کے تھے بنا برین[۵] کمبوجیہ نے برتیا کو قتل کر دیا۔"

میں اس کتاب میں جو عوام الناس کے لئے ہی زبان کی بحثوں میں نہیں پڑ سکتا، تاہم ناواقف سے ناواقف آدمی بھی یہ دیکھ سکتا ہے کہ لفظ "بنا برین" اوپر کے مضامین کے تعلق کے لحاظ سے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ تمام دیگر امور میں کتبہ (بہستون) ہیروڈوٹس کے بیان سے مطابقت رکھتا ہے۔ اور میں اچھی طرح اس اختلاف کو جو ہیلی کارنیسین اور داریوش (دارا) دونوں کے بیانوں میں معلوم ہوتا ہے واضح کر کے دور کر سکتا ہوں لیکن فی الحال اس کام کو کسی دوسرے موقع کے لئے ملتوی رکھتا ہوں۔

میں نے کتاب ہذا میں (صفحہ ۶۳) اچھی طرح بیان کر دیا ہے کہ فلینس کو جو ہیلی کارنیسین ہے اتھنس کا باشندہ کیوں بنایا ہے۔ پہلے ایڈیشن ہی میں اس غلط بیانی سے میں گریز کر سکتا تھا لیکن اب اگر ایسا کروں گا تو سارا قصہ بدلنا پڑیگا۔ نٹیس (Nitetis) کو اس قدر کم سن ظاہر کرنے کے جو ذرائع اختیار کئے گئے ہیں ان کی بھی معذرت کرتا ہوں اسلئے کہ اماسیس کے طبیعت کی نیکی اور خوبیوں کے باوجود جس کی ہیروڈوٹس بھی تعریف کرتا

۵؎ یخامنشی فارسی کے الفاظ یہ ہیں:

"پسہ واکمبوجیا اَوَم بارہ دیم اواجا" پس کمبوجیہ آن برادرش بردیا را کشت۔ کے ترجمہ کے مطابق ہے جس نے "پسروا" کا ترجمہ پس۔ یا پس ازاں لکھا ہے۔ ۱۲

ہے یہ بات بہت بعید معلوم ہوتی ہے کہ شاہ ہوفرا (Hophra) اپنی سلطنت کے زوال کے بعد بیس برس اور زندہ رہا ہو لیکن پھر بھی یہ بات غیر ممکن نہیں ہے اس لئے کہ یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ اماسیس نے اپنے پیش رو (بادشاہ ہوفرا) کے خاندان کو پامال جور و ستم نہیں کیا۔ جو شاہی خاندان معرض زوال میں آگیا تھا اس کا ایک شخص سیمٹک نام اماسیس کے زمانہ حکومت کے سترہویں سال تک زندہ رہا ہے اور چھہتر برس کی عمر میں مرا ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو لیڈن کے میوزیم میں ایک پتھر کی تختی پر کندہ موجود ہے۔

روڈوپس کے متعلق بھی میں چند الفاظ درج کرنا چاہتا ہوں۔ ہیروڈوٹس اور دیگر مصنفین کے تاریخوں کے بہت سے مقامات یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایک یہ واقعی عجیب و غریب اور ممتاز عورت ہوگی۔ اس کا نام جس کے لفظی معنی "گل رخسار" (گلاب کے پھول کی طرح رخسار) کے ہیں یہ بتاتا ہے کہ یہ حسین بھی بہت ہوگی۔ افسانوں میں اور روایات تاریخی نے اس عورت کے نام کو بقائے دوام عطا کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ اپنے زمانہ میں لوگوں کی نگاہوں میں اس کی کتنی بڑی جگہ تھی۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ روڈوپس نے مصری اہراموں میں سے جو سب سے زیادہ خوبصورت اہرام ہے۔ (یعنی مای سرینوس یا منکیرا) اسے تعمیر کرایا تھا ہمارے یہاں کی سب سے زیادہ قدیم اور عمدہ کہانی "سنڈریلا" کی بنیاد شاید وہی قصہ ہے جو ایلین (Aelian) اور اسٹرابو (Strabo) نے بیان کیا تھا اور "لورلی" (Loreley) کا جو قصہ مشہور ہے وہ کچھ اس کہانی کے ہم مضمون معلوم ہوتا ہے جو اس حسین کے متعلق مشہور ہے۔ ایلین کہتا ہے کہ ایک عقاب نے اور اسٹرابو کہتا ہے کہ ہوا نے روڈوپس کے جوتوں کو جبکہ وہ نوکراتیں ہیں دریائے نیل

کے کنارے نہا رہی تھی اُڑا کر بادشاہ کے قدموں پر ڈال دیا تھا جو اس وقت سوق میں اپنا فیصلہ سنا رہا تھا بادشاہ ان خوبصورت جوتوں کے حسن کو دیکھکر اس قدر مبہوت ہوا کہ اوس نے اُس وقت تک چین نہیں لیا جب تک کہ ان جوتوں کے مالک کا اُسے پتہ نہ مل گیا۔ اور اُسے اُس نے حبالہ عقد میں داخل نہ کرلیا۔

یہ بھی مشہور ہے کہ ایک نہایت حسین برہنہ عورت ایک اہرام مصری پر تخت پر بیٹھی ہوئی تمام آنے جانے والوں کو اپنے حسن سے دیوانہ بناتی رہتی ہے۔ اس کا نام روڈوفس ہے۔ طامس مور نے زوگار (Zoega) سے یہ افسانہ لیکر اپنی نظم میں ذکر کیا ہے۔

یہ افسانے گو بالکل کہانیاں ہیں تاہم یہ ظاہر کر دیتے ہیں کہ روڈوفس ایک عجیب و غریب عورت تھی۔ بعض مصنفین نادانستگی اور عدم احتیاط سے کہتے ہیں کہ تھریس کی یہ حسین عورت اور ایک اور حسین و بہادر ملکہ ناٹاکریس (Nitocris) جس کا ذکر مانی تھو اور یوسی بیوس دونوں کرتے ہیں اور جس کا نام (فتحمند منیتھ) چھٹے خاندان کے آثار قدیمہ میں ملتا ہے اور جو ایک ملکہ کا نام ہے دونوں عورتیں ایک ہی تھیں گو یہ غلط ہے مگر اس سے اُس خیال کی اور تقویت ہوتی ہے کہ ہمارے ہیروئن کی شخصیت کس قدر اہم تھی۔ اس میں شک نہیں جو کہانیاں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے بھی تعلق رکھتی ہیں خلط ملط ہو کر باہم ایک دوسرے کے نام سے مشہور ہو گئی ہیں۔ ہیروڈوٹس۔ روڈوفس سے بہت ہی کم عرصہ بعد گذرا ہے اور اس کی خانگی ماند و بود کا جو حال وہ بیان کرتا ہے وہ اس قدر تفصیل وار اور اصلیت کے مانند ہے کہ ہم اس کو محض افسانوں کی ایک فرضی عورت نہیں کہہ سکتے۔

دارا کی طرف سے جو خط اس کتاب کے اخیر میں درج کیا ہے اوس کا مقصد صرف یہ ہے کہ یونانی روڈوپس کا افسانوں کے روڈوپس میں جو اہرام مصری کے بنانے والے تھے باہم ایک تعلق ظاہر ہو جائے۔ اول الذکر کو سافو۔ ڈوریکا کے نام سے یاد کرتی ہے۔ غالباً "گل عذار" (روڈوپس) کے نام سے مشہور ہونے کے پہلے اس کا یہی نام ہوگا۔

برتجا اور سافو کے باہمی عشق و محبت کے جو سین میں نے دکھائے ہیں ان کے متعلق اعتراضاً یہ سوال کیا گیا ہے کہ کیا ان قدما میں عشق و محبت ایسی ہی ہوا کرتی تھی جیسی کہ ہم میں پائی جاتی ہے یا ایسی محبت صرف مذہب عیسوی کا نتیجہ ہے؟ اس کے متعلق اسکندر واں ہمبالٹ کا صرف یہ قول پیش کیا جا سکتا ہے۔

"اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ سسرو اور پلینی اصغر کے جو خطوط"
"ہیں ان میں بھی اوسی طرح کے انسانی جذبات کا پتہ"
"چلتا ہے جو اس موجودہ زمانہ میں پائے جاتے ہیں۔ میرے"
"خیال میں اس قسم کا اظہار طبع انسانی کے عمیق جذبات"
"سے ہر ملک اور ہر زمانہ میں ہوا کرتا ہے اور ہر درد و"
"الم قلب میں عام طور سے ان کا نقش موجود رہتا ہے۔"

میں اپنے اس عظیم الشان ماہر علوم و حکمت اور فاضل شخص سے بالکلیہ متفق ہوں اور ہمارے پاس حسن و عشق کے ایسے افسانے بہ کثرت موجود ہیں جن کا تعلق بت پرستوں سے رہا ہے۔ مثلاً اپولیوس کی کتاب "امیر اور سائیکی" قدیم باشندوں میں یہ کہنا کہ محبت کا چرکا نہ تھا سراسر غلط ہے۔ سافو کی نظموں میں عشق و محبت کے جو قومی جذبات ہمیں نظر آتے ہیں کیا اُن سے لطیف

جذبات کی مثال کہیں اور مل سکتے ہیں ؟ ھومر جو عشق و محبت کا دلولہ پن لوپ میں دکھاتا ہے کیا اس سے زیادہ استقامت و استقلال کی محبت کی کوئی اور اعلیٰ تر تصویر کوئی شخص ہمارے سامنے پیش کر سکتا ہے - زینوفن نے پنتھیا (Panthea) اور ابراداتاس (Abradatas) کے قصہ میں دو ایسے وفا شعار قلوب کی باہمی مواصلت کی جو مرتے دم تک وابستہ اور باہم گرگرویدہ رہے جو نظیر بیان کی ہے یا ویسپےسین (Vespasian) کے زمانہ کے دو عاشق گال سابنیوس اور اُس کی بیوی کا جو حال بیان کیا ہے کیا ان سے لطیف تر کوئی مثال کہیں اور نظر آسکتی ہے ؟

چکوا اور چکوی (Halcyon) کو جو محبت ایک دوسرے سے ہوتی ہے حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ جب نر بڑھاپے کی وجہ چلنے پھرنے سے معذور ہو جاتا ہے تو جہاں جہاں وہ جانا چاہتا ہے مادہ اپنی پیٹھ پر بٹھائے لئے لئے پھرتی ہے - کیا اس سے برتر عشق و محبت کا کوئی اور قصہ ہمارے علم میں آیا ہے - کہانیوں میں ہے کہ ایسی محبت کا ثمرہ دیوتاؤں کی طرف سے ضرور ملتا ہے چنانچہ جب یہ جوڑا اپنا گھونسلہ بناتا ہے اور اپنے بچوں کو لیکر نکلتا ہے تو ہوائیں اور موجیں ساکت و صامت ہو جاتی ہیں اور یہ ہلکیان کے ایام" (یعنی اس خوشی کے زمانہ) میں سورج بھی تیز چمکنے لگتا ہے - کیا عشق و محبت کے افسانوں میں پھر بھی کمی کھی جا سکتی ہے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انٹونی سا عیاش آدمی اپنے وصیت نامہ میں یہ درج کرتا ہے کہ جہاں کہیں میں مروں میرے جسم کو میری معشوقہ کلیوپٹرا کے بازو ہی میں دفن کیا جائے - کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ محبت میں جان کو جان نہ سمجھنا اور اپنی معشوقہ کے لئے بڑی سی بڑی بہادری دکھانا اس ملک کے لوگوں کے حصہ میں نہ تھا جہاں ملکہ برنیفس کے گیسوؤں کو اجرام سماوی کا ایک برج بنا دیا جاتا ہے - جب ہم دیکھتے

ہیں کہ ایک قوم ہے جو محبت اور عشق کی خاطر نہایت شدت اور استقلال کے ساتھ خطرناک سے خطرناک جنگ میں اپنا سر دئیے ہوئے ہے تو کیا وہ محبت کے لئے قربانیاں کرنے کی ناقابل کہی جا سکتی ہے؟ یونانیوں نے جو جنگ کی تھی وہ جہاں تک انکا تعلق ہے۔ اس ہتک عزت کا انتقام تھا جو انھیں ہوئی تھی لیکن ٹروجن جو لڑے وہ ہیلن (Helen) ہی کو اپنے قبضہ میں لانے کے لئے لڑے تھے کہا گیا ہے کہ ایلیان (Illion) کے بڑی عمر والے لوگ اس پر راضی ہیں کہ ایک ایسی عورت کے لئے (جیسی کہ ہیلن ہے) وہ تمام مصائب برداشت کریں۔" کیا کرٹیوس کی نظم " "جادوگرنی" اس کل مسئلہ کا تصفیہ نہیں کرسکتی ہے؟ .... یہ الفاظ (جو اوپر درج کئے گئے ہیں) صرف اس لئے ضروری معلوم ہوئے کہ ان لوگوں کے اعتراضات کا جواب دیا جائے جو کہتے ہیں کہ قدیم زمانہ کے لوگوں میں ایسی محبت اور عشق کے واقعات نہیں ہوا کرتے تھے جیسے سافو اور برتجا کے (اس ناول میں بیان کئے گئے) ہیں .... میں نے اس کتاب میں جو نوٹ درج کئے ہیں ان سے معلوم ہوگا کہ اس موقعہ کے علاوہ کسی اور جگہ عشق و محبت کا فسانہ نہیں بیان ہوا ہے ان نوٹوں کی ضرورت اس لئے اور بھی کہ کم معروف ناموں کا حال بیان کیا جائے۔ اور علما کی نظر میں مصنف کی برات ہو سکے۔

نوٹ :۔ ترجمہ میں حاشیہ کو بہت کچھ کم کر دیا گیا ہے اور جو باقی رکھے گئے ہیں وہ صرف متن کی توضیح کی غرض سے باقی رکھے گئے ہیں۔ وہ نوٹ جن سے حوالہ مقصود تھا۔ نیز وہ جن سے مصنف کے بیان کی تصدیق مقصود تھی حذف کر دیئے گئے ہیں اس لئے کہ پروفیسر آیبرس کا صرف نام ہی واقعات کی صحت کی ضمانت کیلئے کافی ہے۔ نیز دیگر ضروری حاشئے اور نوٹ بڑھا دیئے گئے ہیں جو اصل میں نہیں تھے۔

مقدمہ

جو مصنف نے کتاب کے چوتھے ایڈیشن میں اضافہ کیا

اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن کے پروف صحیح کرنے کے موقعہ پر میں دریائے نیل کی جانب سفر کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا اور مصر کے اپنے اس قیام کو جو ۱۸۷۲-۷۳ء میں ہوا تھا میں خاص اطمینان کی نگاہ سے دیکھتا تھا کیونکہ اس زمانہ میں بالکل ایک حسن اتفاق سے مجھے نئے نئے خزانے دستیاب ہونے کی نوبت آئی تھی - ان خزانوں میں ایک شئے بے حد بیش قیمت تھی یعنی وہ عظیم قلمی نسخہ جو خطوط ہیکانی میں لکھا ہوا ملا تھا اور اب تک لیپزگ کے میوزیم میں موجود ہے اور میرے ہی نام پر "ایبرس پے پی روس" کے نام سے موسوم ہے مصر قدیم کے متعلق جسقدر کاغذات وثایق اس وقت تک ملے ہیں اور باحتیاط تمام محفوظ ہیں ان میں یہ نسخہ خوبی وضخامت کے لحاظ سے دوسرے درجہ پر ہے یہ چھٹی صدی قبل حضرت مسیح علیہ السلام میں لکھا گیا تھا - اس کے صفحوں کی تعداد ایک سو دس (۱۱۰) ہے - یہ "پے پی روس" وہ کتاب ہے جو مذہبی عباد وزہاد کے خانقاہوں میں بحفاظت تمام محفوظ رہتے تھے - جسمیں وہ تمام طبی علاجات اور نسخہ جات درج ہیں جو قدیم مصری استعمال کیا کرتے تھے اور جن سے اسکندریہ

کے یونانی باشندہ بھی واقف تھے۔ مصریوں کا دیوتا جس کا نام ٹاتھ ہے (جس کے مماثل یونانیوں میں ہرمیز تھا) طبیبوں کا راہ نما کہا جاتا ہے اور مختلف رسالے جن پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی دیوتا کے طرف سے بطور الہام کے نازل ہوئے ہیں۔ اس قدیم زمانہ کی کتاب میں تشخیص مرض کے اصول بتائے گئے ہیں اور خارجی اور داخلی امراض موثر جسم انسانی کے لئے نسخے اور ادویہ تجویز کی گئی ہیں۔ ہر دوا کے ساتھ ہندسے دئے گئے ہیں جن سے اسکا وزن اور پیمانہ معلوم ہوتا ہے۔ نسخوں کے ساتھ وہ عبارت بھی درج ہے جو طبیب دوا تیار کرتے وقت اور مریض کو دوا استعمال کرتے وقت پڑھ لیا کرتے تھے۔ پہلے صفحہ کی دوسری سطر میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ کتاب سیس (Sais) سے آئی ہے۔ ایک بہت بڑا باب بینائی کے رگ کے بیان میں لکھا گیا ہے۔ آنکھوں کے حالات صفحہ (۵۵) اور سطر (۱۰) سے شروع ہوتے ہیں اور آٹھ بڑے بڑے صفحوں میں ان کی بحث تمام ہوئی ہے۔ اس وقت تک ہم یہ بات معلوم کرنے کے لئے کہ قدیم مصریوں کا علم آنکھوں کی بابتہ کیا اور کس قدر تھا اُن بیانات کی طرف رجوع کیا کرتے تھے جو یونانی اور لاطینی مصنفوں نے لکھے ہیں۔ لیکن اب پے پی روس ایبرس ایک ایسی کتاب دستیاب ہوگئی ہے جس سے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ قدیم زمانہ کے لوگوں کو طب کی اس شاخ کے متعلق کیا علم تھا۔

مندرجہ بالا کلمات ایک ناول کے مقدمہ سے بظاہر خارج معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن مضمون ناول اس قسم کا ہے کہ اسکا بیان کرنا مناسب تھا۔ کیا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ جو شخص "ایک مصری شہزادی" کا مصنف ہے اسی کی تقدیر میں یہ لکھا جائے کہ (طبیب مصری کے) رسالہ کو بھی دریافت کرے۔ جو ناظرین اس ناول میں ایک ماہر امراض چشم سے دوچار ہونگے۔ جو سیس سے آتا ہے اور جو ایک کتاب تصنیف کرتا ہے

جس میں امراض چشم پر بحث کی جاتی ہے۔

اس بے بہا کتاب کا تعلق اس ناول کے واقعات سے بہت زیادہ ہے یعنی ماہر امراض چشم کی کتاب جو اس ناول کی تاریخ تصنیف تک "ایک مصری شہزادی" کے صرف اس مصنف کے تخیل میں موجود تھی اب ایک واقعہ نفس الامری ہے پس میری مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے سڑک پر ایک ایسا خزانہ جو اسکے صرف خواب و خیال میں موجود تھا واقعی طور پر پڑا ہوا پا لیا ہو۔

دختر فرعون
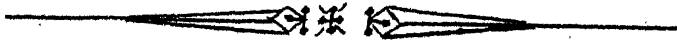
باب اوّل

دریائے[1] نیل کا پانی کناروں پر چڑھ آیا تھا اور چاروں طرف جہاں پہلے لہلہاتے ہوئے کھیت و سرسبز باغات تھے اب پانی ہی پانی پھیلا ہوا تھا۔ بالائے آب شہر کے عالیشان مندر اور محلات جو بلند [illegible] سے محفوظ تھے اُن کی چوٹیاں نظر آرہی تھیں۔ اونچے اونچے تاڑ و

---

[1] اس دریا کے دو [illegible] ہیں (نیل سفید و نیل کبود) یہ چار ہزار میل لمبا ہے۔ اس کا پاٹ کہیں بہت کم ہے۔ کہیں دو [illegible] سے لیکر بیس میل تک وسیع ہے۔ جب یہ سمندر سے سو میل رہجاتی ہے تو ایک ڈلٹا بناتی ہوئی متعدد [illegible]انوں سے بحر قلزم میں گرتی ہے۔ اس دریا کے اُتار چڑھاؤ پر ملک کی زرخیزی کا بہت کچھ دارومدار [illegible]۔ جب یہ دریا بہت اتر جاتا ہے تو سخت گرمی ہوتی ہے۔ پچاس دن (خمسین) تک سموم چلتی ہے اور مختلف وبائیں اور بیماریاں آتی ہیں۔ طغیانی کا زمانہ برکت و خوشحالی کا سمجھا جاتا ہے۔ عرب [مؤ]رخین لکھتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں دستور تھا کہ ایک دوشیزہ لڑکی کو خوبصورت لباس پہنا کر دریا پر [بھی]نٹ چڑھاتے تھے۔ یہ رسم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مٹی۔ غرضکہ یہ خوشحالی کا زمانہ آخر ماہ مئی [سے] شروع ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ پہلے شمال کی طرف سے ٹھنڈی ہوا چلتی ہے اور ستارہ سیریس

ببول کے درختوں کی صرف پھننگیں دکھائی دیتی تھیں۔ انجیر و کیلے کے درخت بالکل غرقاب تھے۔ مگر سفید چنار ابھی تک اپنی بلند شاخوں کو اوپر اٹھائے ہوئے پانی سے بچنے کی بے طرح کوشش کر رہا تھا۔ ماہِ کامل آسمان پر نکلا ہوا تھا اور لیبیا [illegible] کے پہاڑوں پر جو سمت مغرب تھیں اسکی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی بڑی آب و تاب کے ساتھ پڑ رہی تھی۔ نیلے و سفید کنول کے پھول سطحِ آب پر تیر رہے تھے۔ چمیلی و بیلے کی خوشبو سے ہوا مہک رہی تھی اور رات کی خاموشی میں جگنو ادھر ادھر اڑ رہے تھے جنگلی کبوتر اور دوسری قسم کی چڑیاں بھی درختوں پر اپنے گھونسلوں میں سو رہی تھیں لیکن ماہی خور کلنگ و سارس کو آرام نصیب نہ تھا۔ وہ لبِ دریا پیپرس Papyrus کے سبز سبز کنڈوں یا اور کسی گھانس و پودے کی آڑ میں دبکے ہوئے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ (کلب الجبار) آسمان پر نمودار ہوتا ہے۔ لوگ اسکو لیلۃ النقطہ کہتے ہیں کیونکہ زمانہ قدیم کی روایت کے مطابق اس ستارہ کی آنکھ سے ایک آنسو دریا میں گرتا ہے جس سے اس میں طغیانی پیدا ہوتی ہے۔ اس ستارہ کو قدیم زمانہ میں دیوی ماتا کہتے تھے۔ غرضکہ سیلاب شروع ہونے ہی تین دن تک کوڑا کرکٹ اور میل وغیرہ کے سبب پانی سبز رنگ ہو جاتا ہے۔ پھر دو ہفتے بعد سرخ مٹی اسکا رنگ سرخ کر دیتی ہے (قدیم زمانہ میں خیال تھا کہ یہ مقتول دیوتا آسیرس کا خون ہے) پھر شروع اگست میں دریا کناروں سے پار ہو کر وادی کو سیراب کرتا ہے بعدہٗ ماہِ اکتوبر میں اپنی سب سے زیادہ اونچائی پر پہونچکر گھٹنا شروع ہوتا ہے اس اتار چڑھاؤ کو ناپنے والے تمام لوگ مقرر تھے جو پانی کی مقدار و پیمایش کا برابر اعلان کرتے رہتے تھے۔ طغیانی کے زمانہ میں تمام ملک کی حالت یکایک بدل جاتی ہے۔ گاؤں جزیرے بن جاتے ہیں۔ کسان جلدی جلدی اپنے مویشی کھدیڑ کر دور لے جاتے ہیں یا چھوڑ جاتے ہیں وہ پانی میں کھیلتے نظر آتے ہیں۔ جگہ جگہ گھانس اگنا شروع ہو جاتے ہیں۔ بکثرت حشرات الارض پیدا ہوتے ہیں۔ اور مچھلیوں کے غول کے غول پایاب مقاموں میں آجاتے ہیں جنہیں مصری کنارے پر بیٹھے بیٹھے پکڑتے ہیں اور یہ ملک کی

کھڑے تھے۔ کلنگ اپنی لمبی چونچ اور سر کو پروں میں چھپائے ہوئے بے حس و حرکت کھڑا اونگھ رہا تھا۔ مگر سارس چوکنا و ہوشیار تھا اور جیوں ہی کسی ملاح کے گانے یا کشتی کھینے کی آواز سنائی دیتی وہ خوف زدہ ہو کر اپنی لمبی و نازک گردن اوپر اٹھا کر ادھر اُدھر غور سے دیکھنے لگتا۔

اس وقت ہوا بالکل بند تھی اور ماہتاب کا عکس جو ایک چاندی کے طبق کی طرح پانی پر پڑ رہا تھا بالکل ساکت و ہموار نظر آتا تھا کیونکہ وہی دریائے نیل جو کبھی آبشاروں جھرنوں کی صورت میں شور مچاتا ہوا نکلا تھا اور مصر بالا کے عظیم الشان مندروں کے پاس بڑی تیزی کے ساتھ بہتا ہوا گذرا تھا اب اپنے دہانہ کے قریب مختلف شاخوں میں منقسم ہو جاتا ہے اور اسکا جوش و خروش دھیما ہو کر رفتار میں صلاحیت و آہستگی پیدا ہو جاتی ہے۔ (۵۲۸) برس قبل ولادت عیسیٰ علیہ السلام اسی چاندنی رات کا واقعہ ہے کہ ایک بجرا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ایک بہت بڑا ذریعہ ہوتا ہے۔

زراعت جس سے تمام دنیا کی تہذیب و تمدن کا آغاز ہوا۔ قلدانیہ سے بھی پہلے یعنے چار ہزار برس قبل مسیح مصر میں شروع ہوئی۔ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ آسرس دیوتا نے یہ فن سکھایا۔ اور اسکی وجہ سے مختلف علوم و فنون مثلاً جبر و مقابلہ۔ مساحت و پیمایش۔ تعمیر انہار و بند وغیرہ کی ایجاد سب سے پہلے اسی ملک سے شروع ہوئے۔ غرضکہ اس زراعت کا دار و مدار دریائے نیل کی طغیانی پر ہے۔

جیسا ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ اس زمانہ میں لوگ بڑی خوشیاں و تہوار مناتے تھے۔ پھر جب چڑھاؤ کے بعد دریا اپنے کناروں کے اندر آجاتا تو زراعتی سرگرمیاں شروع ہوتیں یعنے سب سے پہلے کھیتوں کے چار طرف مینڈیں بنا کر اور نہروں کا منہ بند کر کے پانی اندر روک لیا جاتا۔ جب یہ پانی بخوبی جذب ہو کر سوکھ جاتا تو مزدوروں کے گروہ نظر آتے جو A شکل کی کدال ہاتھ میں ملئے نرم مٹی کو توڑتے تھے۔ بیل کے لکڑی کے ہل (مثل زمانہ حال کے) چلاتے تھے انکے پیچھے کچھ لوگ ہوتے جن کے ہاتھوں میں ٹوکریاں ہوتیں اور مٹھیوں سے بیج زمین پر بکھیرتے جاتے۔ پھر بعض جانوروں مثل بھیڑ

دریائے نیل کے چپتر نما دہانہ پر سے گذرتا ہوا جہاں توجہ بالکل نہ تھا نظر آیا۔ اسکے بالائی تختہ کے اونچی چھت پر ایک مصری شخص تپوار کے بلیے ڈنڈے کو پکڑے ہوئے کشتی کی رہنمائی کر رہا تھا اور نیچے چند نیم برہنہ ملاح جو چپوؤں سے کھے رہے تھے نہایت لاپروانہ انداز کے ساتھ ہم آواز ہو کر دھیمے سروں سے گا رہے تھے۔ سامنے کی طرف لکڑی کا ایک کھلا ہوا کمرہ تھا جہاں دو آدمی گدوں پر تکیہ لگائے ہوئے لیٹے تھے۔ یہ بظاہر مصری نہیں معلوم

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ گدھے و بکرے وغیرہ کو بیج دبانے کی غرض سے کھیت میں چھوڑ دیا جاتا اکثر اس کام کے لئے سور زیادہ موزوں سمجھا جاتا تھا (ہیروڈوٹس) کیونکہ وہ بلانوش ہے اور خود رو جڑیں و کیڑے مکوڑے کھا جاتا ہے بعدہٗ فصل کی تیاری کے بعد اسکے کاٹنے کے مختلف طریقے تھے۔ شروع زمانہ میں کسان اپنے ہاتھ سے اکھاڑتے تھے۔ پھر چوبی دستے کی ایک لوہے کی ہنسیا جسکے آری کی طرح دانت تھے استعمال کیے گئے۔ بعدہٗ تانبے کے ہنسیا مقبول ہوئے۔ اناج کی بالوں کو ذرا نیچے سے کاٹتے تھے اور انکے پولے اس طرح باندھتے تھے کہ دونوں طرف سے نوکیں نکلی رہتی تھیں اور تلے اوپر جما کر زمین پر ان کی ڈھیریاں لگائے جاتے تھے۔ پھر جالوں یا ٹوکریوں میں ڈالکر اور انھیں ڈنڈوں پر لٹکا کر دو آدمی اٹھاتے تھے یا بید کے صندوقوں میں گدھوں کی پشت پر لاد کر لیجاتے تھے۔ مزدوروں کی نگرانی کے لئے متعدد نگرانکار (اور سیر) عصا ہاتھوں میں لئے ہوئے کھڑے رہتے تھے اور منشی برابر لکھتے جاتے تھے کہ کس قدر اناج کھیت سے باہر جا رہا ہے۔ دانوں سے بھوسا دور کرنے کے لئے کھلے ہوئے کھلیان تھے۔ جہاں بالوں کو جانوروں کے پیر سے کچلواتے تھے (آج کل ایک مشین استعمال کرتے ہیں) پھر کچھ لوگ لکڑی کی چھوٹے سوپوں میں انھیں پھٹکتے تھے۔ بھوسا و ڈنٹھل مویشیوں کے چارہ کے کام میں آتا تھا۔ صاف اناج گوداموں میں بھیجدیا جاتا تھا اور کاتب اسکی مقدار فوراً قلمبند کر لیتے تھے (یہ تمام سین ان تصاویر میں اب تک موجود ہیں جو تین ہزار سال سے زیادہ قدیم ہیں) دریا کی مٹی قدرتی طور سے زرخیز تھی۔ کھاد وغیرہ کی بہت کم ضرورت ہوتی تھی۔ پہلی فصل کاٹتے ہی فوراً دوسری بذریعہ آب پاشی بو دیتے تھے اور کبھی ایک ہی موسم میں تین تین مختلف فصلیں بوتے اور کاٹتے تھے۔ آبپاشی کا نہایت باقاعدہ انتظام تھا۔ خاص حکام مقرر تھے اور نہروں

ہوتے ہیں اور چاند کی دھندلی روشنی ہی میں انکا یونانی النسل ہونا صاف ظاہر ہوجاتا ہے انمیں سے ایک جو زیادہ معمر ہے ایک غیر معمولی لانبے قد کا نہایت مضبوط شخص ہے اسکی عمر قریب ساٹھ برس کے ہوگی اسکے بال سفید ہیں جن کی گھنی گھنی لٹیں نہایت بے ترتیبی کے ساتھ اسکی موٹی گردن پر بکھری ہوئی ہیں۔ اسکا لباس سادہ ہے یعنی ایک معمولی سا چغہ اسکے زیب بدن ہے وہ اس وقت کسی قدر اداس اور افسردہ نظر آتا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ بند وغیرہ کی نہایت خوبی کے ساتھ نگہداشت کی جاتی تھی بعض مقامات پر سپاہیوں اور سواروں کا پہرا رہتا تھا۔ مصنوعی جھیلیں بھی پانی کے ذخائر کا کام دیتی تھیں اور محلات و باغات کو بھی سیراب کرتی تھیں۔ بعض فصلوں کے لئے مصنوعی آبپاشی کی زیادہ ضرورت تھی۔ یوں تو ہر قسم کی اشیا بوئی جاتی تھیں مگر زیادہ تر عام حسب ذیل تھیں۔

گیہوں (یہ غیر مصری ہے) نومبر میں بوتے شروع اپریل میں کاٹتے۔ جَو اور باجرا (یہ خودرو تھے) چاول۔ کپاس۔ پوستہ۔ سن (جس سے عورتیں ایسا کتان بناتیں جو ریشم سے زیادہ باریک ہوتا تھا)۔ نیل۔ پیپرس (ایک قسم کی گھانس جس سے کشتیاں۔ رسی۔ جوتے و کاغذ وغیرہ بنتے تھے۔) حشیش (بھنگ) علاوہ بریں رائی۔ پیاز۔ لہسن۔ دھنیا۔ روغنی پودوں میں آرنڈ اور تل (جسکی روٹیاں بنا کر کھاتے یا اسکے بیجوں کو جوش دیکر دبا کر تیل نکالتے اور جلانے اور پکانے کے کاموں میں لاتے) بادام و زیتون۔ پھلوں میں خربزے۔ کھیرا۔ ککڑی وغیرہ اور ترکاریاں بکثرت تھیں (حضرت عمرؓ بن عاص کے زمانہ میں صرف اسکندریہ میں چار ہزار کنوے تھے۔) پلنی (یونانی مورخ) نے اور بہت سے پودے لکھے ہیں مختلف قسم کی کھجوریں۔ انار۔ انگور۔ املی۔ انجیر (جسکی ایک قسم متبرک سمجھی جاتی تھی) وغیرہ۔ درختوں میں تاڑ۔ دیودار۔ آبنوس۔ ببول۔ جھاؤ۔ شہتوت (ریشم کے کیڑوں کی پرورش کے لئے) اور بہت سے ایسے درخت جو آجکل ناپید ہیں۔ ادویات کے بکثرت پودے۔ خصوصاً ریگستانی تھے۔ نیز بعض ایسے پودے بوئے جاتے تھے جو صنعت و حرفت میں کام آتے تھے مثلاً چمڑے کو رنگنے اور رزم خانی کے لئے علاوہ بریں مصریوں کو باغبانی کا بھی بہت شوق تھا۔ چمن بندی و روشوں کے بنانے میں

اور کسی سوچ میں دریا کی طرف غور سے دیکھ رہا ہے۔ اسکا ساتھی جو شاید بیس برس اُس سے عمر میں کم ہوگا ایک چھریرے وکسرتی جسم کا خوشرو جوان ہے۔ وہ کبھی آسمان کی طرف غور سے دیکھتا ہے۔ کبھی مانجھی کو آواز دیتا ہے۔ کبھی اپنے گہرے ارغوانی رنگ کے شلامس[۵] (Chlamys) کو لپیٹ کر دوہرا کر لیتا ہے اور کبھی اپنے سر کی خوشبودار لٹوں یا ڈاڑھی کے گھونگروالے بالوں کو سنوارنے لگتا ہے۔

آدھا گھنٹہ گزرا ہوگا کہ یہ کشتی نوکراتیس[۶] (Naucratis) سے روانہ ہوئی تھی۔ یہ مقام مصر قدیم میں یونانیوں کا صرف ایک ہی بندرگاہ تھا۔ اس دوران سفر میں معمر و سنجیدہ شخص کی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ مگر اسکا ساتھی بھی خاموش تھا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ کمال حاصل تھا اور پودوں اور پھولوں کو لکڑی یا مٹی کے گملوں میں رکھنے کا عام رواج تھا۔ (ایجپشین مینرز اینڈ کسٹم۔ پروفیسر ولکنس)

[۵] شلامس۔ یہ ایک قسم کا ہلکا چغہ تھا جسے اتھنز کے پرتکلف لوگ گرمی کے زمانہ میں پہنتے تھے۔ یہ حقیقت میں ایک لمبا سا کپڑا تھا جسے بائیں کندھے پر ڈالکر داہنے شانے پر اسکے کھلے ہوئے سروں کو کسی چیز سے باندھ دیتے تھے۔ اسکے دامن گھٹنوں تک لٹکے رہتے تھے۔ اور جنہیں سیدھا رکھنے کے لئے دھات وغیرہ کے وزنی ٹکڑے انمیں سی دیتے تھے۔ ہومر نے لکھا ہے کہ سیاح و سپاہی اسی کو پہنتے تھے۔ اہل سپارٹا کا چغہ نہایت سادہ تھا۔ یہ ایک چادر تھی جسے بائیں شانے پر ڈال کر جسم ڈھانپ لیتے تھے یا بغل کے نیچے سے نکال کر داہنا مونڈھا کھلا رہنے دیتے تھے۔

(لائف آف گریس۔ گول وکونر)

[۶] نوکراتیس۔ یہ ایک شہر تھا جسے قدیم یونانیوں نے دریائے نیل کے ڈیلٹا کے شمال مغرب میں آباد کیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ نیم خودمختار ہوگیا۔ اور انکا تجارتی مرکز بن گیا۔ یہاں انکے متعدد کارخانے تھے جہاں مصری وضع کی سستی چیزیں بنا کر باہر تجارت کے لئے بھیجتے تھے۔ یہاں کے باشندے غیر ملک میں گھر ہونے کے سبب بڑے متحد و محب وطن تھے۔ کہتے ہیں کہ آجکل اسکندریہ اسی جگہ آباد ہے۔ (پروفیسر ایبرز)

اور گفتگو کا سلسلہ چھیڑ کر اُسکے خیالات میں مخل ہونا چاہتا تھا۔ اتنے میں کشتی کنارے پر پہنچ گئی اور من چلے جوان نے سنبھلکر اپنے رفیق سے مخاطب ہو کر کہا۔ ارسٹومیکس aristomachus اب عنقریب ہم اپنے ٹھکانے پر پہونچنے والے ہیں۔ وہ خوبصورت محل جو تم بائیں طرف دیکھتے ہو اور جسکے باغ کے کھجوروں کے درخت اُس بلندی پر سیلاب سے اونچے نظر آتے ہیں وہ میرے دوست روڈوپس Rhodopis کا قیام گاہ ہے۔ اُنکے مرحوم شوہر خرکسس نے اُسے تعمیر کرایا تھا۔ اور اب اُنکے تمام دوست حتیٰ کہ بادشاہ تک ہر سال اُس میں نت نئی آرائش اور اضافہ کرانے کے آرزومند رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غیر ضروری ہے۔ اگر وہ دنیا بھر کے بھی خزانے یہاں لاکر فراہم کریں تب بھی اس مکان کی سب سے بڑی زیبایش کی باعث میں اُس کی جلیل القدر مالکہ کو کہونگا۔"

معمر شخص نے اُٹھ کر ایک فوری نگاہ محل پر ڈالی اور اپنی سفید ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر یوں کہا۔

"فینس Phanes تم روڈوپس کے بڑے گرویدہ معلوم ہوتے ہو۔ ایتھنز Athens کے باشندہ ہو کر بھلا بڑھیا عورتوں کی تعریفیں کب سے کرنے لگے ہو۔ یہ سنکر ساتھی نے مسکرا کر نرمی سے جواب دیا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ مجھے عوام الناس اور خصوصاً عورتوں کے پہچاننے میں ایک خاص ملکہ ہے۔ لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمام مصر میں اس معمر خاتون سے بڑھکر ملنے کسی کو شریف نہیں پایا۔ جب تم اُسے اور اُسکی خوبصورت نواسی کو دیکھوگے اور اس کے گھر کی اعلیٰ درجہ کی ترتیب یافتہ لونڈیوں کے منہ سے اپنے مرغوب خاطر گیت سنوگے تو ضرور میرے احسان مند ہوگے کہ میں تمہیں یہاں تک لایا۔"

اسپارٹا کے رہنے والے نے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔ "یہ کچھ بھی ہو مگر میں

ہرگز تمہارے ساتھ نہ آتا اگر مجھے ڈلفی[5] کے فرکس Phrixus سے ملنے کی امید نہ ہوتی۔"

دوست "تم اُس سے بھی ملوگے اور ایسا اچھا گانا بھی سنوگے جو تمہاری افسردگی طبع کو دور کردیگا۔"

ارسٹومیقس Aristomachus نے گردن ہلاکر جواب دیا۔ تم ایتھنز Athens کے ایک زندہ دل سپوت ہو۔ شاید تمھیں اپنے وطن کے گیت سنکر مسرت ہو لیکن میں تو جب الکمن[6] Alcaman کے اشعار سنونگا تو میری وہ حالت ہوجائیگی

---

[5] ڈلفی۔ ڈلفی قدیم یونان میں ایک شہر تھا جسکی جگہ اب ۱۸۹۱ء تک ایک گاؤں کسٹری نام آباد تھا۔ اس گاؤں کو اسی سنہ میں فرانسیسیوں نے خرید کرکے آثار قدیمہ برآمد کرنے شروع کئے۔ اس مقام پر جسکا نام ڈلفی تھا سورج کے یونانی دیوتا اپالو کا ایک بڑا مشہور بت اور مندر تھا۔ یہ مقام خلیج کارنتھ سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ زمانہ سابق میں اس جگہ کو کھود کر قدیم عمارتوں کو برآمد کیا گیا ہے اور انکا پتہ لگایا گیا ہے زمانہ قدیم میں عوام کے عقائد کے مطابق یہاں اپالو کے بت کے پاس غیب کی باتیں معلوم ہوا کرتی تھیں جس طرح کاہنوں کے متعلق مشہور ہے کہ اسرار و معموں میں غیب کی باتیں بتایا کرتے تھے اسی طرح اس بت کے پاس بھی اسرار و معموں میں احوال غیب معلوم ہوا کرتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سوالات لکھ کر دیئے جاتے تھے اور پتھیا Pythia کے ایک پجارن جواب دیا کرتی تھی۔ شروع زمانہ میں یہ ایک نوجوان دوشیزہ لڑکی ہوا کرتی تھی مگر بعد میں پچاس برس سے زیادہ عمر کی کنواری عورت یہ کام انجام دینے لگی۔ اسکے جوابات اکثر اشعار میں ہوا کرتے تھے۔

ڈلفی کی یہ غیب گوئی کہا جاتا ہے کہ اپالو کی پرستش کے پہلے سے رائج تھی اور اس زمانہ میں ہیتا کی دیوی کیطرف منسوب تھی۔

[6] یہ اسپارٹا کا مشہور شاعر ۶۵۰ ق م۔ زندہ تھا۔ اسکا باپ لیڈیہ کا رہنے والا۔ ایک ملازم تھا جسے اُسکے مالک نے آزاد کرکے اسپارٹا کے شہری ہونے کا حق بھی دلوادیا تھا۔ (ایسرا)

جیسے کوئی شخص غربت میں اپنے گھر کے مزیدار خواب دیکھکر چونک پڑے اور اُسکے اشتیاق و تمنا میں بجائے تسکین ہونے کے اور افزونی ہو جائے۔

فینس Phanes نے یہ سنکر کہا کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مجھے اپنے پیارے اتھنز Athens کی یاد نہیں آتی اور اپنے لڑکپن کے تماشہ گاہوں اور اپنے شہر کی سڑکوں اور بازاروں کے دیکھنے کو میری آنکھیں نہیں ترستی ہیں۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ جلاوطنی کی روٹیاں توڑنے میں مجھے بھی کچھ لطف نہیں آتا۔ لیکن ایسے گھرانے میں آنے جانے اور میل ملاپ سے یہ اذیت کم ہو جاتی ہے اور جب اپنے پیارے یونان کے گیتوں کو خوش الحالی میں طرب انگیز پاتا ہوں تو اپنے وطن کی تصویر میرے تخیلہ کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ اسکے زیتون و صنوبر کے درخت۔ اسکے سرو اور زمرد کے مانند سرسبز کناروں والے دریا۔ اسکے نیلگوں سمندر۔ اسکی برف سے ڈھکی ہوئی سفید پہاڑی چوٹیاں اور اُسکے مرمر کے عالیشان محلات یہ سب میری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتے ہیں اور انبساط و غم دونوں کی کیفیت دل پر طاری ہو کر بے اختیار آنسو نکل پڑتے ہیں اور پھر چونک پڑتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ میں کہاں ہوں۔ ایسے ملک میں ہوں جسکی آب و ہوا گرم و ضرر رساں ہے۔ جسکے لوگ بے مروت و ناآشنا ہیں۔ بہر حال شکر ہے کہ اب بہت جلد میں اس دیار نامرغوب کو خیرباد کہنے والا ہوں۔ لیکن ارسٹومیکس Aristomachus تمہارا تو یہ حال ہے کہ جیسے کسی کو ریگستان میں پانی کی تلاش میں ابھی ایک دشوار گذار سفر طے کرنا ہے مگر راستہ میں ایک سرسبز و زرخیز خطہ کو دیکھکر اس سے دور بھاگنا چاہتا ہے یا گھڑی بھر کے لطف محبت کو صرف اس وجہ سے کہ مصیبت کے دن سامنے آنے والے ہیں غنیمت نہیں سمجھتا۔ عزیز من۔ ذرہ اپنی طبیعت کو بشاش رکھنے کی کوشش کرو۔ یہ نامناسب ہے کہ ہم ان حُسن کی دیویوں[۱] کے استھان میں پژمردگی و آزردہ دلی کے ساتھ داخل ہوں

[۱] یونانیوں کے یہ تین دیویاں تھیں جنہیں ڈگریس یا Graces Charity

اچھا تو اب ہم منزل مقصود پر پہنچ گئے۔"
یہ گفتگو ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ کشتی باغ کی دیوار کے قریب جس پر دریا کا پانی ٹکریں
مار رہا تھا جا کر لگ گئی۔ ایجھنسی پھرتی سے کود کر کنارہ پر جا کھڑا ہوا۔ اور اسپارتی بھی سنبھلتا
سنبھلتا پاس پہونچ گیا۔ ارسٹومیقس aristomachus کی ایک ٹانگ لکڑی کی تھی لیکن
وہ اس خوبی کے ساتھ فینس Phanes کے برابر برابر قدم رکھتا ہوا چل رہا تھا کہ کسی
کو مطلق اس عیب کا گمان نہیں ہو سکتا تھا۔ روڈوپس Rhodopis کا دلکشا
چمن خوشبودار پھولوں سے لدا ہوا تھا۔ کہیں یاسمن، نافرمان و لالہ تھے کہیں انار کے پھول
گلاب کی باڑیاں، چمیلی بلسان و گل مہندی کی جھاڑیاں۔ یا اونچے اونچے تاڑ اور ببول کے
درخت قسم قسم کے لگے ہوئے اور پھولوں پر جھینگر اور حشرات الارض چار طرف سے گونج رہے
تھے۔ بڑے بڑے چمگادڑ بھی اپنے نازک بازوں کو پھیلائے ہوئے ادھر اُدھر اُڑ رہے تھے
اور دور سے نغمہ و سرود و قہقہوں و چہچہوں کی آوازیں بھی کان میں آ رہی تھیں۔ اس باغ
کے آراستہ کرنے والے مصری تھے جو زمانہ قدیم سے اس فن میں اُستاد مانے جاتے تھے
چنانچہ کیاریوں کو خوبصورتی کے ساتھ لگانا۔ درختوں اور جھاڑیوں کو باقاعدہ بنانا۔ ٹٹیوں پر
بیلیں چڑھانا۔ خوبصورت کنج و خلوت گاہیں مرتب کرنا۔ مصنوعی روشیں اور باڑیاں بنانا۔
نازک پودوں کو بلحاظ موسم خاص مکانوں میں رکھنا۔ غرضیکہ باغبانی کے یہ جتنے گر ہیں وہ سب
انھیں معلوم تھے اور رنگ برنگ کی مچھلیوں کو پتھر کے حوضوں میں پالنا بھی آتا تھا۔ فینس
Phanes پھاٹک کے قریب پہنچکر کھڑا ہو گیا۔ اور اِدھر اُدھر بغور دیکھ کر سننے لگا
بعد ازاں اُسنے سر ہلا کر کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا معاملہ ہے مجھے نہ تو کسی کی آواز

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ (چیریٹی) کہتے تھے۔ انکی شکلیں تین حسین دوشیزہ لڑکیوں کی طرح جو ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے
کھڑی ہیں بنائی جاتی تھیں۔ ان کی پرستش ہوتی تھی اور انکے مندر میں سالانہ موسیقی کے جلسے ہوا کرتے تھے
لوگوں کا خیال تھا کہ انسانی زندگی اور مناظر قدرت کی تمام حسن و خوبی انھیں دیویوں کی وجہ سے ظہور میں آتی ہے (اڈیٹر)

سنائی دیتی ہے نہ کوئی روشنی دکھائی دیتی ہے اور نہ کوئی کشتی ہی یہاں نظر آتی ہے
حالانکہ پھاٹک کے دوروبہ میناروں کے پاس رنگین چوب پر جھنڈا اُڑ رہا ہے۔ کیا یہ ممکن
ہے کہ روڈوفس Rhodopis یہاں موجود نہیں؟ یا ہماری آمد کا کسی کو خیال نہیں
رہا۔" اُسنے مشکل سے یہ جملہ ختم کیا ہوگا کہ ایک بھاری آواز یہ کہتی ہوئی سنائی دی۔

"اخاہ۔ باڈی گارڈ کے کپتان صاحب ہیں!"

فینس Phanes نے ایک بوڑھے آدمی کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھکر
کہا "سلام۔ ناسیس Cnaeis کہو یہ کیا بھید ہے کہ آج یہ دلفریب باغ مصری
بتوں سے بھی زیادہ خاموش وسنسان نظر آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خوش آمدید کا سفید پھریرا
ہوا میں یوں ہی اُڑ رہا ہے اور اُسنے نو وارد مہمانوں کو اب دہوکہ دینا سیکھ لیا ہے۔"

روڈوفس (Rhodopis) کو بوڑھے غلام نے ہنسکر یوں جوابدیا۔ "یہ کیونکر آپنے
سمجھ لیا؟ جب تک پارکی Parcae اپنی دیا سے میری فیاض مالکہ کو زندہ رکھینگی
یہ پُرانا جھنڈا اتنے مہمانوں کو جن سے یہ سارا محل بھر جائے اپنی طرف کھینچکر بلاتا رہے گا۔
روڈوفس Rhodopis گھر میں موجود نہیں ہیں۔ لیکن ابھی واپس آنیوالی ہیں
شام ایسی سہانی تھی کہ وہ اپنے تمام مہمانوں کے ساتھ دریا کی سیر کو نکل گئی ہیں۔ سورج ڈوبنے
سے دو گھنٹے پہلے سب لوگ کشتیوں پر بیٹھکر روانہ ہوگئے تھے۔ اور اب کھانے کا وقت
آپہونچا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آتے ہی ہونگے آپ مہربانی فرماکر مضطرب نہ ہوں بلکہ میرے
ساتھ گھر کے اندر تشریف لائیے۔ خاتون مکرمہ کو اگر یہ معلوم ہوگیا کہ میں نے انکے عزیز دوست
کی خاطر و مدارات نہیں کی تو مجھے ہرگز معاف نہ کرینگی۔ اور اجنبی اسپارٹی سے مخاطب ہوکر
آپ سے بھی میری التجا ہے کہ اس گھر کو عزت بخشئے۔ کیونکہ بوجہ میری مالکہ کے دوست کی

پارکا۔ قدیم رومیوں میں یہ قسمت کی تین دیبیوں کا نام تھا جو آدمی کے پیدا ہوتے ہی اوسکی تقدیر کی سرنوشت
لکھ لیا کرتی تھیں۔ یونانیوں میں موئرا دیبیاں تھیں جنکا یہی نام تھا۔

دوست ہونے کے آپ کا بھی خیر مقدم مجھ پر واجب ہے" دونوں یونانی غلام کے ساتھ ہولئے اور باغ کے اندر داخل ہو کر درختوں کے کنج کے نیچے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

ارسٹومیقس (aristomachus) نے چاندنی رات کے دلکش منظر پر چاروں طرف نظر ڈال کر یوں کہا "فینس (Phanes) یہ تو بتاؤ کہ وہ کونسے اتفاقات اور خوبی قسمت تھی کہ روڈوپس (Rhodopis) جو پہلے ایک معمولی کنیز تھی اب مثل ایک ملکہ کے رہتی ہے۔ اور اپنے مہمانوں کی ایسے شاہانہ طریقہ سے خاطر و مدارات کرتی ہے"

اتھینیی نے جواب دیا "میں پہلے ہی جانتا تھا کہ یہ سوال تم مجھ سے ضرور کرو گے اور میں خوش ہوں کہ قبل اسکے کہ ہم اپنی میزبانہ کے روبرو جائیں میں اسکی گذشتہ زندگی کے چند حالات سے تم کو واقف کر دوں۔ جب تک ہم کشتی پر تھے میں نہیں چاہتا تھا کہ تم کو مجبوراً اس قصہ کے سننے پر آمادہ کروں۔ کیونکہ معلوم نہیں اس پرانے دریا میں کونسی عجیب قوت ہے کہ سوائے سوچنے اور دھیان میں پڑے رہنے کے بولنے کو مطلق دل نہیں چاہتا میں بھی جب پہلے پہل رات کے وقت نیل پر سفر کو نکلا تھا تو تمہاری ہی طرح کیفیت تھی کہ معلوم ہوتا تھا گویا میری زبان کو کسی نے مفلوج و عاجز کر دیا ہے"

اسپارٹی نے جواب دیا "میں تمہارا ممنون ہوں کہ میری طرف سے عذر خواہی کرتے ہو اور واقعی سچ کہتے ہو۔ کیونکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں کریٹ[1] میں تھا اور سب سے پہلے

---

[1] کریٹ (Crete) بحیرۂ قلزم (بحر روم) میں ایک جزیرہ ہے جو ۳۴ درجہ ۵۰ حصہ اور ۳۵ درجہ ۴۰ حصہ کے مابین شمالاً عرض البلد میں اور ۲۳ درجہ ۳۰ حصہ اور ۲۶ درجہ ۲۰ حصہ طول البلد کے مابین مغرب کی جانب واقع ہے۔ اس جزیرہ کی شکل لمبی ہے جو طول میں شرقاً غرباً ۱۶۰ میل لمبا اور عرض میں شمالاً جنوباً ۶ میل سے لیکر ۳۵ میل تک ہے یہ جزیرہ پہلے ترکوں کے قبضہ میں تھا مگر دول یورپ کے خدع و شرارت سے اب ایک طرح پر یونان کے قبضے میں ہے۔ یہاں مسلمانوں کی ایک خاصی آبادی ہے۔ اس جزیرہ کے آثار قدیمہ کھودنے کے بعد معلوم ہوا کہ ایک زمانہ میں یہاں بڑا تمدن تھا پہلے قوم "مینائوں"

ناسوس کے راہی مناڈیز Epimenides سے ملاقات ہوئی جنکی عمر اُس زمانہ میں ایکسو پچاس برس کی تھی تو ان کی پیرانہ سالی و تقدس کا اسقدر مجھ پر اثر پڑا کہ تمام بدن کانپنے لگا۔ پھر بھلا اس قدیم دریا کا کیا کہنا۔ یہ تو کہیں زیادہ پراچین و پوتر ہے۔ اسکے اثر سے بھلا کوئی محفوظ رہ سکتا ہے۔ خیر اب روڈوپس Rhodopis کا حال سناؤ۔"

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ حاکم تھی۔ جن کے محلات کے کھنڈر اب تک اُنکی عظمت کے شاہد ہیں۔ کنوسس کے محلات سے آثار قدیمہ برآمد ہونے سے یہ معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں فن تحریر یہاں بہت ترقی کی حالت میں تھا اہل فینیشیا کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ اُنھوں نے حروف ایجاد کئے ہیں یہ ہمیں غلط ثابت ہوتا ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے انہوں نے ان کی شکل بدل دی ہے۔ غرضکہ "میناؤں" کے بعد قدیم یونانی آئے اور یہاں بسنے لگے۔ ان کی تمدن کے بھی آثار نظر آتے ہیں۔ ان کے بعد رومیوں کا قبضہ ہوا۔ اُن کے بھی آثار موجود ہیں۔ قدیم زمانہ میں اسی جزیرہ کے راستے سے قدیم مصری تمدن یونان میں پھیلا اور اہل کریٹ کہتے ہیں کہ یونانیوں کے مشہور دیوتا زیوس Zeus کی ولادت یہیں واقع ہوئی تھی۔ مصر سے اس جزیرہ کا قریبی تعلق ہمیشہ رہا ہے۔ نویں صدی عیسوی (۸۲۳ء) میں عربوں نے اسے فتح کیا لیکن ۹۶۱ء میں پھر انکے ہاتھ سے نکل کر عیسائیوں کے پاس چلا گیا۔ لیکن ۱۶۴۵ء و ۱۶۶۹ء کے درمیانی زمانہ میں پھر مسلمانوں کے ہاتھ میں آگیا اور احمد کپریلی ترکی وزیر نے اسے فتح کیا۔ سلطنت عثمانیہ کے قبضہ میں یہ جزیرہ ۱۸۳۰ء تک رہا اور آزادی یونان کے بعد ۱۸۳۲ء میں سلطان محمود خان ثانی پر جبر کر کے دول یورپ نے اسے مصر سے ملحق کرا دیا لیکن ۱۸۴۰ء میں پھر ترکوں کے پاس آگیا۔ مگر دول یورپ خاصکر انگلستان کی سازش برابر جاری رہی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جزیرہ ترکوں کے ہاتھ سے نکال لیا گیا اور ۱۴ نومبر ۱۸۹۸ء کو آخری ترکی فوج نے اسے خیرباد کہا۔ انگریزوں کے اثر سے یونان کا بادشاہ یہاں ہائی کمشنر مقرر ہوا۔ اُسکے دوسرے یونانی عہدہ دار ہائی کمشنر مقرر ہوئے اور گو دول یورپ کا اثر اب بھی ہے مگر اب یہ جزیرہ تقریباً یونان کے ملک کا ایک جزو ہے۔ ۱۲۔۵۲ یہ زیوس Zeus (یونانیوں کا بڑا دیوتا) کے مندر کا ایک پروہت تھا جسکی عمر بقول پلینی (۲۹۹) یا بقول زنوفن (۱۵۶) سال کی ہوئی تھی۔ (پروفیسر ایبر)

فینس Phanes نے قصہ اسطرح بیان کرنا شروع کیا۔ وہ جب روڈوپس Rhodopis بچہ تھی تو تھریس[۵۱] میں سمندر کے کنارے ایک دن معہ اپنے ساتھیوں کے کھیل رہی تھی کہ اتنے میں فنیقیہ[۵۲] Phanicia کے چند ملاحوں نے

---

۵۱ اس ملک کے حدود مختلف زمانوں میں مختلف رہے ہیں۔ رومیوں کے زمانہ میں یہ ملک ایک صوبہ کی حیثیت رکھتا تھا اور اس ضلع کے نام سے موسوم تھا جو دریائے ڈینوب (اسٹر) اور جبال بلقان (جبال ہیموس) کے درمیان واقع تھا۔ اس ملک کے حدود قدیم جغرافیہ میں یہ ہیں۔ شمال میں ہیموس (بلقان) مشرق میں بحر یوکسین۔ جنوب میں دریائے پروپان ٹس۔ اور ہیلیسپانٹ اور مغرب میں دریائے لسنتوس۔ اس ملک میں قدیم زمانہ کی قبریں جو مٹی کے ڈھیروں کی طرح ہیں ہزاروں نظر آتی ہیں۔ اور رومیوں کے زمانہ کے آلات و زیورات وغیرہ بھی پائے جاتے ہیں۔ اس ملک کو دارائے اعظم اور اُسکے جنرلوں نے فتح کر لیا تھا اور تھریس کے یونانی باشندوں کی طرف سے (۱۲۰) جہاز زرکسیز کی فوج میں شامل تھے۔ قوم گاتھ نے بھی اسپر بارہا حملے کیے ہیں۔ وسطی زمانہ میں تھریس کے شمالی حصہ میں قوم بلغار آکر بس گئی اور ۱۳۵۳ء میں یہ ملک ترکوں کے قبضہ میں چلا گیا اور ان کا ایک صوبہ قرار پایا۔ یہ حالت ۱۸۷۸ء تک رہی جبکہ صلحنامہ برلن کی رو سے اسکا شمالی حصہ مشرقی رومیلیا کے نام سے علحدہ ہو گیا۔ اب اسکا بڑا حصہ اہل بلغار کے قبضے میں ہے جو خود مختار ہیں۔

۵۲ جغرافیہ قدیم میں یہ نام (یعنی فنیشیا یا فنیقیہ) اس حصہ ملک کو دیا گیا تھا جو سمندر کے کنارے ملک شام میں نہر الکبیر (الوتھیروس) سے جنوب کی طرف جبل قرمل تک چلا گیا تھا اور دو درجہ عرض البلد سے زیادہ دور تھا۔ اس ملک میں صور۔ عکہ۔ بیروت۔ راس الناقورہ۔ راس الابیض۔ لبنان سے شمال دریائے قاسمیہ کا حصہ اُس میں شامل تھا۔ یہاں قدیم باشندے سامی النسل اور کنعانی تھے۔ ان باشندوں کا خیال تھا کہ ہمارے آباؤ اجداد بابل سے منتقل ہو کر آئے ہیں اور ہم کنعانی ہیں لیکن توریت میں انھیں کنعانی اور کہیں سدونی بیان کیا گیا ہے اور بعض دفعہ اس ملک کے رہنے والے خود بھی اپنے آپ کو سدونی کہا کرتے تھے یعنے آل سدون جو کنعان کی اولاد اکبر تھا۔ جو کتبے نظر آئے ہیں اُن سے معلوم

اُسے دیکھ پایا اور زبردستی پکڑ کر ساموس[۵] Samas لے گئے۔ اور وہاں کے ایک امیر ادمن Iadmon نامی کے ہاتھ اُسے بیچ ڈالا۔ یہ لڑکی جوں جوں بڑی ہوتی گئی۔ اتنی ہی زیادہ اسکے حسن و خوبی و ناز و انداز میں افزونی ہوتی گئی اور جو اُسے دیکھتا اسکا گرویدہ و شیدا ہو جاتا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ہوتا ہے کہ انکی زبان شمالی سامی فرقہ کی زبان تھی جس میں عبرانی اور موآب کی زبان بھی داخل ہے۔ اہل فنیشیا کی زبان اور عبرانی زبان میں بہت مشابہت نظر آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ قدیم کنعانی زبان سے دونوں پیدا ہوئی ہیں۔ اس ملک پر ۱۶۰۰ قام تک اہل مصر کی حکومت رہی ہے اور مصر کے اٹھارویں خاندان کا بادشاہ اہموسی تھا جسنے پہلے پہل اس ملک کو فتح کیا۔ پھر یہاں اسیریا والوں نے ۸۷۶ ق م سے ۶۰۵ ق م تک حکومت کی۔ پھر اہلِ بابل کی حکومت کا زمانہ آیا۔ پھر اہل مقدونیا نے ۳۳۲ ق م سے ۶۹ ق م تک حکومت کی جس کے بعد رومی سلطنت کا زمانہ آیا۔ جس سے مسلمانوں نے ملک فتح کیا۔ ان لوگوں کے دیوتا سب ارضی اور سفلی تھے سوائے بعل اور استارنی کے۔

۵ بحیرہ ایجین میں یہ سب سے بڑا اور زرخیز جزیرہ ہے۔ یہ تقریباً ۲۰ میل لمبا ہے اور عرض میں یا ذ سے زیادہ (۱۲) میل ہے۔ یہ ایک سلسلہ جبال ہے جس کے سب سے بلند ترین مقام کو کوہ کرکیس کہتے ہیں جو (۴۷۲۵) فیٹ بلند ہے۔ پہلے یہ جزیرہ ترکوں کے قبضہ میں تھا مگر اہل یورپ اور خاصکر انگریزوں کے اثر سے یونانیوں کے ہاتھ میں آگیا۔ ۱۹۰۰ء میں اسکی مردم شماری (۵۴۸۳۰) تھی۔ ساتویں صدی قبل مسیح میں یہ یونان کی بڑی تجارت گاہ تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس مقام پر مشہور یونانی بُت تراش فیثاغورث پیدا ہوا تھا جو مشہور یونانی حکیم فیثاغورث کا ہمنام اور بقول بعض ہموطن تھا۔
تاریخ و فنون میں یہ مقام بہت مشہور رہا ہے اور بت تراشی کا یہاں ایک بہت بڑا مدرسہ تھا روکوس یہاں کا پہلا ماہر فن تعمیر تھا جسنے ہیرا کا دیول تعمیر کیا۔

ایسابٹ[ہ] Aesop حکیم جس کی حکایتیں مشہور ہیں وہ بھی اتفاق سے اُسی
زمانہ میں اڈمن Iadmon کی غلامی میں تھا۔ اُسے اِس لڑکی کی ذہانت و
شائستگی نہایت پسند آئی۔ اور جس طرح ہم لوگ اپنے ملک میں بچوں کی تعلیم کے لئے
ملاؤں کو رکھتے ہیں اُسنے بھی زیادہ شوق اور دلدہی کے ساتھ اُسنے اِس لڑکی کو تمام
علوم و فنون پڑہانا شروع کئے۔ چنانچہ ایک اچھے اُستاد کو ایک نہایت ذکی الطبع و مطیع شاگرد
مل گیا تھا پھر کیا کہنا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ کنیزک گانے بجانے۔ پڑہنے و لکھنے میں
ایسی مشاق ہوگئی کہ اڈمن Iadmon کے تمام لڑکوں سے جنکو اتنی محنت کے ساتھ
تعلیم دی جاتی تھی سبقت لے گئی۔ مگر اسکے حسن و کمال کا اب یہ نتیجہ ہوا کہ امیر کی بیوی کو
رشک و حسد ہونے لگا اور اسنے اپنے خاوند کو مجبور کرکے اس چہیتی کنیزک کو ایک شخص
زینتھس Xanthus نامی کے ہاتھ بکوا دیا۔ اُس زمانہ میں ساموس Samos
میں ایسے امیروں کی حکومت تھی جو زیادہ متمول نہ تھے۔ یہ ظالم اپنے خزانوں کو دولت
سے اسطرح پُر کرنا چاہتے تھے جس طرح ایک نیل کنٹھ اپنے گھونسلے کو خس و خاشاک جمع
کرکے بھر دیتا ہے۔ چنانچہ یہ امیر اپنی لونڈی کو لیکر نوکرائیس Naucratis
گیا۔ اور اسکے حسن کی بدولت بڑی بڑی رقمیں اسکے ہاتھ آئیں۔ یہ تین سال روڈوپس
Rhodopis کی زندگی کے ایسی ذلت و خرابی سے کٹے جسے اب وہ خیال

ہ؎ اسے بعض نے غلطی سے حضرت لقمان کہا ہے جو پایہ صحت سے عاری ہے۔ تاریخوں میں ہے کہ یہ شخص جو
مشہور کہانیونکا مصنف ہے ۵۶۰ ق م میں پیدا ہوا۔ اور ۶۲۰ ق م میں مرا۔ کس ملک میں یہ پیدا ہوا
ابھی صحیح طور پر نہیں معلوم ہوا۔ تھریس۔ فریگیا۔ اتھیوپیا (حبش) ساموس۔ اتھینس اور سارڈیس
ان تمام مقامات کو دعویٰ ہے کہ اسکی ولادت ان میں ہوئی ہے۔ ساموس کے ایک باشندے مسمی
ایاڈمان (Iadmon) کا یہ غلام تھا مگر بعد میں آزاد ہو گیا تھا۔ ڈلفی کے باشندوں کے ہاتھ ظالمانہ
اور جابرانہ طریق پر اسکی موت واقع ہوئی۔ ۱۲

کرتی ہے تو خفت وشرم کے مارے اسکی گردن اوپر نہیں اُٹھتی۔ تمام یونان میں اسکا
حسن شہرۂ عام ہوگیا تھا اور دور دور سے اجنبی لوگ سفر کرکے اسکی خاطر نوکراتیس
Naucratis آتے تھے۔

اسی زمانہ میں لس بوس[۵۱] Lesbos کے باشندوں نے بغاوت کرکے
اپنے امراکو نکال دیا اور پِتاکوس Pittacus کو جو ایک عقلمند شخص تھا اپنا حاکم
مقرر کیا۔ انہیں امرا میں جن میں سے اکثر سِسلی (صقلیہ Sicily)

---

۵۱ بحیرہ ایجن میں یہ اک جزیرہ ہے جو خلیج سمرنا کے دہانہ کے شمال میں واقع ہے۔ اسکا نام ترکی
"مدِلّو" ہے اس جزیرے میں تین ضلع ہیں مِٹیلین۔ مولای ود۔ اور کلونی۔ وسطی زمانہ سے ان
سب کو مِٹیلین ہی کہتے ہیں - یہاں زیتون بہت ہوتا ہے جو باہر جاتا ہے۔ صابن۔ پوستین۔
دلونیا اور سارڈین مچھلی کی بھی برآمد بہت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جنگ ٹروجن کے زمانہ میں یہاں ایونی
اور پلاسگی قومیں بہت بستی تھیں۔ تاریخ میں جب سے پتہ چلتا ہے۔ یہاں ایولین قوم آباد تھی اور
نوکراتیس (مصر) میں جو نوآبادی تھی ان سے تجارتی تعلقات بہت تھے۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں یہ
مقام ایک شخص پِٹاکوس کی حکومت کے زمانہ میں جو اپنے عمدہ قوانین کی وجہ سے ہفت عقلای یونان
میں شمار کیا جاتا ہے۔ ترقی کے کمال کو پہنچ گیا تھا۔ یونان کی نغماتی شاعری ساتویں صدی کے لیباس
کے دو گویوں کی وجہ سے جنکے نام "مرپانڈ" اور "ایریان" تھے بڑے مرتبہ کو پہنچ گئی تھی۔ یہ لوگ
الکیوس اور سافو کے ہمعصر تھے سنہ ۵۵ ق م میں پای کراتیس ساموسی کے ہاتھ سے بحری شکست کرکر
اہل لسباس کا زوال شروع ہوا۔ اور جب کروسس والی لدیا کو ایرانیوں کے ہاتھ سے شکست ہوئی
تو یہ جزیرہ بھی ایرانیوں کے پاس چلا گیا۔ سنہ ۳۳۴ ق م میں اس جزیرہ کو اپنا بحری مرکز بنا کر ایرانی امیر البحر نے
جس کا نام ممنان تھا سکندر اعظم سے جنگ کی تھی۔ سلطنت بازنیٹم کے زمانہ میں بھی اس جزیرہ کو ترقی ہوتی
رہی سنہ ۱۰۹۱ء میں یہ ترکان سلجوق کے قبضہ میں آیا اور ابتک ترکوں کے پاس ہے۔ یہاں مسلمانوں کی آبادی
سے یونانیوں کی آبادی بہت زیادہ ہے۔

میگنا گریشیا[۱] Magnagracia یا مصر بھاگ کر چلے گئے تھے۔ دو امیر تھے ایک الکایوس[۲] (Alcaeus) جو اپنے زمانہ کا بڑا مشہور شاعر تھا اور دوسرا خرکسس Charaxus جو سافو[۳] Sappho کا بھائی تھا۔ سافو بھی بڑی شاعرہ تھی۔ اسکی نظمیں ایسی عمدہ تھیں کہ سولن[۴] تک نے انکی

---

[۱] میگنا گریشیا (یعنی یونان اکبر) چھٹی صدی قبل مسیح میں وہ یونانی شہر جو جنوبی اٹلی میں ساحل پر واقع تھے اس نام سے مشہور تھے۔ مشرقی ساحل پر شہر ٹارنٹوم سے لیکر شہر لوکری تک جسقدر مقامات تھے سب اس نام کے تحت میں داخل تھے اور قوم کا نام اطالیا طیس تھا۔ یونانیوں نے صرف بیرونی حصہ کو مسخر کیا تھا لیکن اندرونی حصہ قبضہ میں نہیں آیا اور قدیم پہاڑی باشندوں کے پاس رہا جنہیں بروٹائی کہا کرتے تھے۔ جیسے انگریز ہندوستان میں تجارت کے نام سے آئے اسی طرح یونانی بھی پہلے پہل وہاں تجارت کے بہانہ سے گئے اور تجارتی مرکز قایم کئے جو بعد میں بڑے شہر بن گئے۔ اسکے بعد پھر اہل اٹلی آئے۔ نوآبادیاں قائم کیں۔ میگنا گریشیا ایک زمانہ میں فلسفہ فیثا غورث اور ایلیا (جو اٹلی کے نیچے کے حصہ میں ایک یونانی شہر تھا) کے لئے بہت مشہور ہے۔ ان ممالک کی آبادی جس قدر بڑھتی گئی اسیقدر ابتر ہوتا گیا حتیٰ کہ سلطنت روما کے زمانہ میں مشکل سے اس مجمع البلاد میں کوئی شہر ایسا ہوگا جو کوئی اہمیت رکھتا ہو۔ ٹارنٹوم کا وجود ابتک ہے اور ان تمام مقامات میں جو آثار قدیمہ نظر آتے ہیں وہ ان ممالک کے پرانی شان و شوکت اور عظمت کا اظہار کرتے ہیں۔

[۲] یہ زمانہ قدیم کا مشہور شاعر۔ جو سافو کا دوست تھا۔ لس بوس کے خاندان امرا سے تھا۔ (امیر)

[۳] یہ مشہور شاعرہ جو لس بوس کے خاندان امرا سے تھی بمقام متی لین ۶۲۰ ق م پیدا ہوئی تھی اسکے متعلق بکثرت واقعات مشہور ہیں جو زیادہ تر بے بنیاد ہیں۔

[۴] یہ شخص مشہور اتھنیس کا حکیم اور مدبر سلطنت تھا جو ساتویں اور چھٹی صدی قبل مسیح میں گذرا ہے اسکے باپ کا نام اکسی سٹائیڈیز تھا جو کدروس کے خاندان سے تھا۔ سولن تقریباً ۶۳۸ ق م میں پیدا ہوا تھا اپنے باپ کے فضول خرچیوں کی وجہ سے اسے غیر ملک سے تجارت کرکے پیٹ پالنا پڑا۔ شباب میں یہ عشقیہ اشعار کہا کرتا تھا مگر آخر عمر میں حب وطنی اور نصیحت آمیز اشعار کہنے لگا۔ اسکا نام ہفت عقلائے یونان میں ہے۔ اس نے یونان میں کچھ اصلاحی قوانین جاری کرنا چاہے تھے مگر انہیں کی وجہ سے اسے اتھنیس سے دس سال باہر رہنا پڑا۔ وہاں سے مصر چلا گیا۔ پس قبرس (سائپرس) گیا کہا جاتا ہے کہ سولن لڈیا جاکر کروسوس کو یہ نصیحت کی تھی کہ "کسی شخص کو خوش مت کہو جبتک وہ مر جائے" مگر یہ واقعہ صحت تاریخی کی معیار پر نہیں آتا۔ (ص)

(ص) کچھ عرصہ بعد وہ اتھنیس واپس آگیا ۵۵۸ ق م میں اس جہان سے رخصت ہوا۔ دیوجانس لارتیوس کہتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کی خاک جزیرہ سلامیس کے چہار طرف منتشر کر دی گئی۔

داد دی ہے۔ غرضکہ یہ دونوں میر اپنا وطن چھوڑکر نوکراتیس آئے۔ یہ مقام ایک عرصہ سے مصر کا خاص بندرگاہ رہا ہے اور اسی کے ذریعہ باقیماندہ دنیا سے مصر کی تجارت و آمد ورفت رہا کی ہے۔ یہاں پہنچکر اتفاق سے چرکسس نے روڈوفس کو دیکھ پایا اور اسکے حسن کا ایسا متوالا ہو گیا کہ ایک بہت بڑی رقم دیکر اُسے زنیتھص سے جو اپنے گھر واپس جانے والا تھا خرید لیا۔ سافو نے اپنے بھائی کی حماقت اور اسکی لونڈی کے ہجو میں اشعار لکھے لیکن الکایوس نے چرکسس کی طرفداری کی اور روڈوفس کی تعریف میں ایک پورا قصیدہ لکھ ڈالا۔ شاعرہ کا بھائی جو نوکراتیس میں محض ایک اجنبی تھا اور اُسے کوئی پوچھتا تک نہ تھا۔ اب روڈوفس کی وجہ سے یکایک اس قدر مشہور ہو گیا کہ شرفا کی مجلسیں اُسکے مکان پر جمنے لگیں۔ اور اسکی حور وش لونڈی کو طرح طرح کے بیش بہا تحائف ملنے لگے حتیٰ کہ شاہ ہوفراز[۵۱] (Hofhra) نے جب اسکے حسن و جمال و ذہن و ذکاوت کی تعریف سنی تو ممفس (Memphis) میں اپنے پاس بلا لیا۔ اور چرکسس سے اُسے خرید لینے کی خواہش ظاہر کی لیکن اُسنے ایک عرصہ ہوا کہ خفیہ طور سے اُسے آزاد کر دیا تھا اور اب اسپر ایسا جان و دل سے عاشق تھا کہ کسیطرح اپنے سے جدا کرنا گوارا نہ کیا۔ روڈوفس بھی اس خوشرو جوان سے محبت کرنے لگی تھی اور باوفا تھی۔ اور باوجود دوسروں کے اصرار و طمع دہی کے ہرگز اُس سے مفارقت کی خواہاں نہ تھی۔ بالآخر کچھ دنوں بعد چرکسس نے اِس عجیب و غریب عورت سے باضابطہ نکاح کر لیا اور مع اُسکے اور اسکی چھوٹی لڑکی کلیس (Cleis) کے نوکراتیس میں

[۵۱] اسنے مصر پر ۵۸۸ ق م سے ۵۶۹ ق م تک حکمرانی کی۔ رعایا نے ناراض ہو کر اسے تخت سے اتار دیا اور اماسس کو بادشاہ مقرر کیا۔ تین سال بعد یہ قید سے بھاگ کر ایک آخری لڑائی لڑا اور اسمیں مارا گیا مگر اماسس کا قول ہے کہ خود اسکے ساتھیوں نے اسے قتل کر دیا تھا اور بعدہٗ پورے شاہانہ اعزاز کے ساتھ اسے دفن کیا گیا۔ (ایبر)

رہنا سہنا رہا۔ اس عرصہ میں پٹاکوس (Pittacus) نے جلاوطن امرا کا قصور معاف کر دیا تو وہ اپنی بیوی کو لیکر لس بوس (Lesbos) کی طرف روانہ ہوا یہاں اثنا راہ میں وہ ایک مرض مہلک میں گرفتار ہو کر مٹی لین (Mitylene) پہنچتے ہی فوت ہو گیا۔ سافو جو اولاً اپنے بھائی کی شادی پر تمسخر و تضحیک کرتی تھی اسکے مرتے ہی خوبصورت بیوہ کی بہت بڑی مداح بن گئی اور اسکی ثنا و صفت میں ایسے پُر جوش اشعار لکھے کہ الکایوس (Alcaeus) کو بھی مات کر دیا۔ شاعرہ کی وفات کے بعد روڈوفس اپنی چھوٹی لڑکی کو لے کر نوکراتیس واپس چلی گئی اور وہاں کے لوگوں نے بڑی دھوم دھام کے ساتھ اسکا استقبال کیا۔

اب وہ زمانہ آگیا کہ اماسس (Amasis) موجودہ بادشاہ مصر نے تخت فراعنہ کو اپنی قوم کے سپاہیوں کی مدد سے چھین کر حکومت کرنا شروع کی۔ چونکہ اس سے پیشتر شاہ ہوفرا کے ادبار کا باعث یہ امر ہوا تھا کہ وہ یونانیوں کو ترجیح دیتا تھا۔ اور غیر ملکیوں سے جن کو تمام مصری نہایت نفرت سے دیکھتے تھے زیادہ راہ و رسم رکھتا تھا اور اسی لئے اسکی رعایا خصوصاً پروہتوں نے بغاوت کر کے اُسے تخت سے اتار دیا تھا اس لئے ہر شخص کو یقین تھا کہ اماسس[1] (Amasis) اجنبیوں پر اپنے ملک کا دروازہ بند کر دیگا۔ یونانی سپاہیوں کو برخاست کر دیگا اور بجائے یونانیوں کے صلاح و مشورہ پر چلنے کے اپنے پروہتوں کے احکام پر زیادہ عمل درآمد کریگا۔ لیکن تم خود دیکھ سکتے ہو کہ معاملہ کس قدر دگرگوں ہے۔ چالاک مصریوں کو اپنے انتخاب میں سخت دھوکہ ہوا بلکہ اس مرتبہ تو کڑھائی سے نکلکر چولھے میں گر پڑنے کی مثل ان پر صادق آگئی اگر ہوفرا (Hophra) یونانیوں کا دوست تھا تو اماسس (Amasis) کو

---

[1] یہ مصر کے ادبار کا زمانہ تھا۔ غیر ملکی سپاہیوں پر بھروسہ کیا جاتا تھا۔ یہی حال آخر میں ایران کا بھی ہوا۔ (ولکنس)

ہمارا اولاد وشید اسمجھنا چاہیے۔ اسلئے کل مصر والے خصوصاً پروہت وسپاہی اس قدر ناراض ہیں کہ اگر انہیں موقع ملے تو اڈی سیس[۵۱] (Adisis) کی طرح جسنے اپنی ملکیت کے غضب کرنیوالوں سے کیسا سخت بدلہ لیا تھا۔ یہ بھی ہم سب کو فوراً تہ تیغ کرڈالیں۔ بادشاہ کو سپاہیوں کی کچھ پرواہ نہیں۔ اُسے مصری ویونانی دونوں کی جرأت وقابلیت کا حال بخوبی معلوم ہے مگر پجاریوں کا کچھ نہ کچھ پاس ولحاظ اُسے ضرور کرنا پڑتا ہے کیونکہ اول تو عوام الناس پر ان کا بے انتہا اثر ہے دوم خواہ وہ بذات خود کتنا ہی روشن خیال ہو۔ تاہم اس عجیب وغریب[۵۲] مذہب کی جو اس عجیب وغریب ملک میں ہزارہا سال سے ایکساں چلا آتا ہے اسکے دل میں بھی عزت وحرمت ضرور باقی ہے

۵۱ جسے غلطی سے یولی سیس بھی کہتے ہیں یونانی کہانیوں میں ایک مشہور ہیرو گذرا ہے۔ ہومر نے اسے سب سے اچھا اور بہادر ہیرو بتایا ہے جو اتھینیا کی نظروںمیں بہت مقبول تھا۔ دوسری کہانیوں میں اسے بڑا بزدل ظاہر کیا گیا ہے۔ اسکی بیوی کا نام پینیلوپ تھا۔ جنگ ٹروجن میں اسکی شرکت تھی اور یونانیوں کو اسکی دانشمندانہ مشوروں سے بہت فائدہ پہنچا ہے اور ٹرائی کو اسی نے فتح کیا ہے اور بڑی عمر پاکر اپنے بیٹے ٹیلےمیکس کے ہاتھ ناواقفیت کے عالم میں مارا گیا۔ اسے بعد مرگ دیوتا بنادیا گیا جو ہر سال موسم کے آتے ہی مرجایا کرتا ہے اور موسم بہار میں پھر زندہ ہوا کرتا ہے۔ بعض نے اُسے زراعت کا دیوتا قرار دیا اور سورج کے دیوتا سے اسکا ناتا ٹھہرایا۔ ۱۲

۵۲ مصریوں کے مذہب کے عجیب وغریب وپیچیدہ بن جانے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ جو نئی قومیں وقتاً فوقتاً آباد ہوتی گئیں وہ نہ صرف اپنے دیوتا ساتھ لائیں بلکہ ملکیوں کے پرانے بتوں کے بھی متعقد ہوتی گئیں۔ اور انکے مختلف صفات کے بھی جداگانہ دیوتا قایم کرتی گئیں جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ ہزاروں معبود پیدا ہوگئے۔ ہر کرشمہ قدرت۔ ہر فعل زندگی۔ بلکہ گھنٹے و مہینے تک دیوتا بن گئے۔ چنانچہ چار ہزار برس ہوے ایک فرعون گذرا ہے جسنے ان سب کو ایک جگہ جمع کرنے کے لئے ایک عالیشان مندر بنایا جسے یونانی لیبرنتھ یا بھول بھلیاں کہتے تھے۔ اس میں تین ہزار حجرے مختلف دیوتاؤں کے لئے مخصوص تھے

ان پروہتوں نے فرعون کی زندگی کو عجیب عذاب میں ڈال رکھا ہے وہ ہمیشہ ہم لوگوں کو تنگ کرنے اور ضرر پہنچانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ اگر میں بادشاہ کی خاص امن وامان میں نہ ہوتا تو معلوم کب کا آغوش اجل میں پہنچ گیا ہوتا۔ میں بھی کیا کہہ رہا تھا اور کدھر بھٹک گیا۔ خیر تو روڈوفس جب نوکراتیس پہنچی تو بڑی دھوم سے اسکی آؤبھگت ہوئی۔ اماسس (Amasis) نے بھی اس سے شناسائی حاصل کر کے اپنے بے شمار مراحم خسروانہ سے سرفراز کرنا شروع کر دیا۔ روڈوفس کے مکان پر ہمیشہ ہر شام کے وقت معززین و مشہور لوگوں کی مجالس جمع ہوا کرتی ہیں۔ انمیں وہ ہرگز اپنی نواسی سافو کو شامل نہیں ہونے دیتی۔ اور اس سے پہلے یہی حال اسکی بیٹی کا تھا۔ کہ شہر کی تمام لڑکیوں سے زیادہ سختی کے ساتھ اسکو تربیت دی گئی تھی اور جب وہ جوان ہو گئی تو اُسنے اسکی شادی ایک متمول و شریف خاندان فینشی تاجر کے ساتھ کر دی۔ اس شخص نے جسکا نام گلوکس (Glaucus) تھا۔ ایرانیوں کے مقابلہ میں اپنے وطن کی طرف سے بڑے کارنمایاں کئے تھے۔ وہ اپنی بیوی کو لے کر مسیلیا[۵۱] (Massilia) چلا گیا۔ یہ ایک نیا شہر ساحل سلٹک[۵۲] (Celtic) پر آباد ہوا ہے وہاں سافو کی پیدایش کے چندہی عرصہ کے بعد دونوں کا انتقال ہو گیا۔

روڈوفس کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ خود دور و دراز سفر کی تکلیفیں اٹھا کر وہاں پہونچی اور یتیم بچی کو اپنے ساتھ لے آئی۔ اور اسکی تعلیم و تربیت میں اپنا تمام وقت صرف کرنے لگی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ یہ عمارت عجائبات عالم سے تھی اور اہرام وغیرہ کی اسکے سامنے کچھ ہستی نہ تھی۔ مذہب کو اور زیادہ عجیب و غریب بنانے کی غرض سے پجاریوں اور پروہتوں نے بہت سی ایسی رسمیں قائم کیں جنہیں رازہاے سربستہ کہتے تھے اور صرف خاص لوگ انمیں حصہ لے سکتے تھے ان کا مزید بیان آگے چلکر کیا جائیگا۔ (ولکنسن) ۵۱ موجودہ فرانسیسی بندرگاہ شہر مارسیلز جسے اہل فینیقیہ نے سنہ ۶۰۰ ق م میں آباد کیا تھا (ایبرز) ۵۲ مراد از بحر قلزم۔

اور اب سافو جوان ہوگئی ہے۔ وہ کسی مرد سے اسکو ملنے جلنے کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ
ابھی تک اُسے اپنی جوانی کی ذلت و شرم یاد ہے اور اسی لئے وہ اپنی نواسی کو اس قدر
علیحدہ پردہ میں رکھتی ہے جو اس ملک کی راہ و رسم کے کسی قدر خلاف[۵۱] معلوم ہوتا ہے
سافو کو اسکی چنداں پرواہ نہیں۔ وہ اپنی تنہائی کی ہی زندگی میں خوش ہے۔ بخلاف اسکے
روڈوپس کے لئے اسکی پرانی طرز معاشرت اب ایک طبیعت ثانی ہوگئی ہے۔ اور لوگوں
سے آزادانہ ملنا جلنا۔ مجالس میں اٹھنا بیٹھنا اسکے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا مچھلی کیلئے
پانی اور پرند کے لئے ہوا۔ تمام مسافر و اجنبی جو اس طرف سے گذرتے ہیں۔ اُس سے
ملنے کے لئے آتے ہیں اور جس کسی نے ایکمرتبہ بھی اسکی میزبانی کا لطف اٹھالیا پھر کبھی
اُسے نہیں بھول سکتا۔ اور جب کبھی موقعہ ملیگا اور اسکے جھنڈے کو جو اذن ملاقات و استقبال
کا نشان ہے اڑتا ہوا دیکھے گا تو ضرور یہاں آکر ٹھہریگا۔ اس ملک میں کوئی ایسا باوقعت
یونانی نہیں ہے جو اس مکان میں اکثر نہ آتا جاتا ہو۔ کیونکہ یہاں کی مجالس میں یہ بھی مشورے
و صلاحیں ہوا کرتی ہیں کہ پروہتوں کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنا چاہیئے۔ یہاں تم اپنے وطن
بلکہ تمام دنیا کی تازہ خبریں سنو گے۔ یہ مقام بے گناہ معذوریں و پناہ گزیدوں کا سب سے
بڑا امن ہے کیونکہ فرعون نے اس جگہ پولس کو مداخلت کرنے سے منع کردیا ہے۔ یہاں
آکر ہم اپنے وطن کی زبان اور گیتوں کا لطف اٹھاتے ہیں اور یہیں بیٹھکر ہم یہ صلاحیں کرتے ہیں کہ ہیلاس[۵۲] کو

---

[۵۱] مصر میں پردہ کا رواج نہ تھا۔ آجکل کے یورپ کی طرح مرد و عورت آزادانہ ملتے جلتے تھے۔ (دولکنس)

[۵۲] یونان کو اسی "ہیلاس" نام سے پہلے پکارتے تھے۔ اس موقع پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی
زمانہ سے اس عہد تک جسکا حال اس ناول میں مذکور ہے یونانیوں کی مختصر سیاسی و ملکی تاریخ یہاں
لکھدی جائے جس سے اس زمانہ کے قدیم تمدن کا حال معلوم ہوسکے اور ایران و مصر کی حالت سے
اسکا مقابلہ کرنے اور واقعات متعلقہ کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ جسے ہم ہندوستانی یونان کہتے ہیں اسکا
نام یورپ میں اب گریس ہے اور اُس براعظم کے جنوب میں واقع ہے۔ اسکا قدیم نام ہیلاس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تھا۔ رومی اسے گریشیا کہا کرتے تھے۔ یہ آخر الذکر نام ارسطاطالیس کے پہلے کسی مصنف نے نہیں استعمال کیا۔ قدیم ہیلاس میں تھسلی داخل تھا مگر ایپیروس داخل نہیں تھا۔ جو زمانہ اسکے شباب کا تھا اس وقت اسکے حدود اربعہ یہ تھے۔ جانب مغرب خلیج امبریشیا۔ مشرق میں مقدونیا۔ تھریس اس میں [illegible] ق م کے بعد داخل ہوا۔ مگر حقیقتاً ہیلاس اس تمام ملک کو کہتے تھے جہاں جہاں ہیلاس کے باشندے آباد تھے یعنے بحر قلزم کے ساحل اور جزائر کے تمام یونانی نوآبادیاں ہیلسپانٹ باسفوس اور بحر سیاہ (جسے قدیم یونانی اکسی نوس کہتے تھے) بھی اس میں داخل تھے۔

اب سے تیس چالیس سال پہلے کے مورخوں نے یونانی تاریخ کا آغاز ۷۷۶ قبل مسیح سے شمار کیا تھا مگر موجودہ زمانہ میں جو آثار قدیمہ برآمد ہوئے ہیں انہوں نے کئی ہزار برس پہلے کے واقعات پر روشنی ڈالی ہے اس لئے اتنی ہی مدت قبل سے یونان کی تاریخ کا آغاز سمجھنا چاہیے۔ ۳۰۰۰ ق م میں مای سینا (Mycenae) میں جو قدیم آثار برآمد ہوئے ہیں اُن سے حکمرانان مای سینا کے زمانہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح کریٹ میں جو آثار برآمد ہوئے اُن سے حکمرانان مای نو (Minoea) کے زمانہ کا حال معلوم ہوتا ہے جو ہزار ڈیڑھ ہزار برس پہلے گذرے ہیں۔ دونوں آثار کے زمانہ قریب قریب تھے گروٹ (Grote) نے تاریخ یونان کا آغاز ۷۷۶ء سے کیا تھا مگر موجودہ انکشافات نے اس سے دو ہزار برس پہلے کے آثار قدیمہ ظاہر کر دئے ہیں۔ تاریخ دانوں نے اب باختلاف بعض یہ فیصلہ کیا ہے کہ حکمرانان مای سینا کا زمانہ وہی تھا جس کا ہومر کی نظموں میں ذکر ہے۔ ان لوگوں کی جو تہذیب و تمدن تھی وہ بہت حد تک مقامی تھی لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ غیر ملکوں کے اثر سے متاثر نہیں تھے حکمرانان مای سینا اور مای نو کا جسقدر زمانہ گذرا ہے اس کل مدت میں ہر جگہ مصری تہذیب و تمدن کا اثر صاف جلوہ گر نظر آتا ہے۔ کریٹ کے معمار بہت عمدہ مکانات بناتے تھے اور کنوسوس (Cnossus) میں بدررو کا جو طریقہ تھا وہ موجودہ عالم کے اُن تمام طریقوں سے بہتر تھا جو انیسویں صدی عیسوی کے قبل نظر آتے تھے۔ یہ زمانہ ایسا تھا جس میں کانسے کا رواج تھا۔ مای سینا کے حکمرانوں کے آخر زمانہ میں کہیں لوہے کا ذکر نظر آتا ہے۔ اس ملک میں اہل فنیقیہ کے حروف تہجی اسوقت تک

استعمال نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ حروف تھے جو ایشیائے کوچک اور قبرص Cyprus میں رائج تھے۔ ایک بادشاہ مطلق العنان حکومت کرتا تھا۔ اولمپیا کے دیوتاؤں کی پرستش ابھی رائج نہیں ہوئی تھی اور جو بت پرستی ایشیا میں تھی ویسی ہی وہاں تھی اور تقریباً وہی دیوتا تھے۔ ستونوں اور درختوں کی بھی پرستش ہوتی تھی۔ زمانہ حجری سے لیکر پندرہ سو برس قبل مسیح تک فنون میں برابر ترقی ہوتی رہی اسکے بعد تنزل شروع ہوا جو نویں صدی قبل مسیح تک برابر نظر آتا ہے اسکے بعد پھر نئے سرے سے ترقی شروع ہوئی۔ ان لوگوں کے بعد وہ زمانہ نظر آتا ہے جسکے متعلق کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ یہ وہی زمانہ ہے جسکا حال ہومر کی نظموں میں موجود ہے۔ مردے پہلے دفن کئے جاتے تھے اب جلائے جانے لگے۔ بجائے کانسی کے لوہے کا استعمال زیادہ نظر آیا۔ بجائے قدیم اور غیر ملکی دیوتاؤں کے اب اولمپیا کے دیوتاؤں کا راج زیادہ ہوا۔ بجائے مطلق العنان بادشاہی کے اس مطلق العنانی میں کسی قدر جمہوریت کے آثار نظر آنے لگے۔

پروفیسر رجوے (Ridgeway) کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اہل پلاسگیہ (Pelasgians) کا تمدن آیا۔ انکے بعد اہل مای سینا آئے۔ اسکے بعد وہ زمانہ آیا جسکا حال ہومر نے نظم کیا ہے لیکن یونانی ریاستیں جنکا مفصل حال تاریخوں میں موجود ہے۔ نویں صدی قبل حضرت مسیح سے ظاہر ہونی شروع ہوئیں۔ اور یہ ہومر کی نظموں کے واقعات کے بعد کا زمانہ ہے اور یونانی اپنے جزیرہ نما سے نکلکر ایشیای کوچک کے مغربی ساحل اور مقدونیہ۔ تھریس۔ جنوبی اٹلی اور صقلیہ پر قدم جماتے نظر آتے ہیں۔ اب اہل ڈورس (Dorians) کا حملہ شروع ہوتا ہے جو شمالی یونان میں ایک چھوٹی سی پہاڑی ملک ڈورس پر حکمران تھے اور وہ مقامات جو اہل مای نو اور مای سینا کے تہذیب و تمدن کے مرکز تھے رفتہ رفتہ اہل ڈوورس کے پاس چلے جاتے ہیں جنکی تہذیب قدما سے بہت مختلف تھی۔ جو فتوحات اس قوم نے کیں ان سے تین سلطنتیں قائم ہوئیں۔ آرگوس (Argos) اسپارٹا (Sparta) اور مسی نیا Messenia اہل ہیلاس زمانہ مابعد میں ساحل ایشیائے کوچک پر مسلط ہو گئے اور جو سلطنتیں قائم کیں وہ حسب ذیل تھیں۔

(۱) اہل ایولیا (Aeolians) یہ شمال کی طرف آگئے اور جزیرہ لسباس (مٹی لین)

اور بر اعظم کے بارہ دیگر شہروں پر قابض ہوئے۔

(۲) اہل ڈورس (Dorians) یہ جنوب کی طرف گئے اور بر اعظم میں کنی ڈوس (Cnidus) اور ہیلی کارنسوس (Halicarnassus) پر اور جزائر روڈس (Rodes) اور کاس (Cos) پر قابض ہوئے۔

(۳) اہل ایونیا (Ionians) یہ وسط میں گئے اور بر اعظم کے دس شہروں اور جزائر ساموس اور خیوس (Chios) پر قابض ہوئے۔

مطلق العنان بادشاہت کے بعد جمہوریت کب ہوئی اسکا تعین کرنا مشکل ہے اسلئے کہ تمام مقامات پر وقت واحد میں تغیر نہیں ہوا بلکہ اسپارٹا۔ سارڈیں۔ قبرس اور غالباً آرگوس اور ٹارنٹوم میں چھٹی صدی قبل مسیح تک اک مطلق العنان بادشاہ کی حکومت رہی ہو لیکن اتھینس (Athens) میں آٹھویں صدی ختم ہونے کے قبل یہ تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ بہر حال رفتہ رفتہ شخص واحد کے ہاتھ سے زمام حکومت نکلکر عوام الناس کے ہاتھ میں آگئی اور عوام الناس میں سے امرا نے سب سے پہلے اپنا تصرف ظاہر کیا اور گویا یہی حکمراں ہوگئے جنکے مشورہ کے لئے ایک جماعت یا انجمن منعقد ہے۔ ملکی انتظام مجسٹریٹوں کے ذریعہ سے ہوتا تھا جو کبھی کانسل سے زیادہ اقتدار اور کبھی کم رکھتی تھی۔ اسکے بعد ایک اور انقلاب رونما ہوتا ہے اور بعض مقام پر پھر ایک مطلق العنان حاکم کے حکومت کا زمانہ آیا ہے جسے "جبار" (Tyrants) کہا کرتے تھے "جبار" میں اور "بادشاہ" میں فرق تھا "بادشاہ" وہ تھا جو آئینی طریق پر حکومت کرے اور رعایا اس سے راضی ہو "جبار" وہ تھا جو غیر آئینی حکومت کرے اور رعایا اس سے ناراض ہو۔ انہیں "جبابرہ" میں سے اکثر نے علم ادب و دیگر علوم و فنون کی بڑی حمائت کی ہے۔ پنڈار۔ بیکی لائیڈیز۔ اینشی لوس۔ اور سائمونائیڈ۔ بادشاہ ہائرو (Hiero) کے دربار میں پڑے ہے۔ پالی کراٹیس نے اینکریان و ہیری آنڈر کی سرپرستی کی۔ پای سسٹراٹوس نے ہومر کی نظموں کا پہلا تنقیدی متن شائع کیا۔ اسکے بعد اتھنس میں پھر انقلاب ہوا۔ اور جمہوریت غالب آئی لیکن جسقدر ترقی کہ فلسفہ اور علم ادب و فنون نے کی وہ اب یونان خاص میں نہیں بلکہ ملی توس وغیرہ میں نظر آتی ہے اور جتنے بڑے بڑے لوگ گذرے

ظالموں[۵] کے پنجے سے کسطرح چھڑانا چاہئیے۔ مختصر یہ کہ یہ مقام آجکل مصر میں یونانی اغراض کا سب سے بڑا مرکز ہے اور پولٹکل حیثیت سے میرے خیال میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) قریب قریب سب بحیرہ ایجین کے مشرقی جانب گذرے ہیں۔ مثلاً تھلیس فیثاغورث۔ زینوفانیس۔ ہرکلی توس۔ پارمی نا ئیڈیز۔ انکسی مانڈر۔ ہیکاٹوس۔ جنکے نام ریاضی ہیت جغرافیہ۔ اور مابعد الطبعیات میں مشہور ہیں۔ سب بلا استثنا آیونی تھے۔ اور اسی نام کی وجہ سے دوسرے ملکوں میں یونانی مشہور ہوے۔ یہ سب ایشیائی ساحل کے تھے اگر گریس میں ٹاٹیراؤس اور تھیاگینز ہوے تو ایشیائی ساحل پر آرکی لوکوس۔ انیکریاین۔ سافو اور الکیوس ان سے بہتر علم ادب میں گذرے ہیں۔ اہل فارس سے جو لڑائیاں ہوئیں انکی ابتدائی معرکہ اسی آیونیا (Ionia) میں ہوئے مگر کورش اعظم (Cyrus) کے زمانہ میں فارس کو جو ترقی ہوئی اسنے یونانی تاریخ ہی کو بدلدیا۔ (مصنف) اسوقت تک یونانی ہر جگہ ایسے سمجھے جاتے تھے کہ گویا انکے بغیر کوئی چارہ ہی ممکن نہیں ہے۔ مصر میں سیٹی بادشاہوں کے زمانہ میں یہی لوگ فوج میں ملازم تھے۔ اماسیس (۵۶۹ء الی ۵۲۵ قم) گو خود بادشاہ اسی وجہ سے ہوا کہ مصریوں کو ان رعایتوں کی وجہ سے جو یونانیوں کے ساتھ کی جاتی تھیں۔ رشک و حسد پیدا ہوگیا تھا مگر خود اسنے بھی یونانیوں کی فوج رکھی لیکن کورش اعظم کی فتوحات اور بلند حوصلگیوں نے مشرقی ممالک کا دروازہ یونانیوں کے لئے بند کردیا۔ ایران کا تمدن بالکل یونان کا ضد تھا اور ان دونوں قوموں کی طبیعتیں اسقدر مختلف تھیں کہ اختلاط ممکن نہ تھا۔ پہلے یونانی ایرانیوں سے نفرت اور ایرانی یونانیوں سے خوف کرتے تھے لیکن چھٹی صدی قبل مسیح میں قضیہ معکوس ہوگیا۔ اہل ایونیا کو ایرانیوں کے مقابلہ میں کامیابی نہ ہوئی اور یونانیوں کی مختلف ریاستوں کی باہم تجارتی رقابت نے ان میں پھوٹ ڈالدی۔ یہی وہ زمانہ تھا جسکا تمدن اس ناول میں دکھایا گیا ہے۔ اس زمانہ میں ہخامنشی ایرانیوں کا غلبہ ہوتا جاتا تھا۔ انکی تمدن کا شباب تھا۔ یونانی اپنی پراگندگی اور باہمی حسد و نفاق کی وجہ سے ابھی ابھرنے نہیں پائے تھے اور مصریوں کے تمدن کا شباب قریب بہ غروب تھا۔ ۱۲

[۵] ہماری داستان کے شروع ہونے سے کچھ زمانہ پہلے چند یونانی شخص اپنے ملک کے شرفا کو

ہلیننوں[۵۱] (Hellenes) سے بھی زیادہ ممتاز ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد تم خود اس عجیب و غریب عورت کا درشن کر لوگے اور اگر ہم دونوں اکیلے رہ گئے تو شاید اس کی خوبصورت نواسی کو بھی دیکھنے کا موقعہ مل جائے نیز یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ان کو جو عزت و افتخار حاصل ہوا ہے وہ کوئی امر اتفاقیہ نہیں بلکہ تمام تر انہیں کی خوبیوں و قابلیت کا نتیجہ سمجھئے اب وہ لوگ آ گئے۔ مکان کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ کنیزوں کے گانے کی آوازیں تمہیں سنائی دیتی ہیں نا؟ اب وہ اندر داخل ہوتے ہیں۔ پہلے انکو بیٹھکر آرام لے لینے دو۔ پھر تمہیں اپنے ساتھ لے چلونگا اور جب رخصت کا وقت آئیگا تو پوچھونگا کہو آکر پچھتائے تو نہیں۔ اور روڈوفس میں ایک ملکہ کی شان زیادہ نظر آئی یا آزاد شدہ لونڈی کی؟"

روڈوفس کا محل[۵۲] یونانی طرز کا تھا وہ ایک طویل یک منزلہ عمارت تھی جو باہر سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ نکالکر حکومت پر قابض ہو گئے تھے۔ انہیں اتھنز کا پی سس ترا توس اور ساموس کا پولی کارٹیس زیادہ مشہور گذرے ہیں۔ یونان میں سب سے پہلے شخصی حکومت تھی۔ پھر حکومت شرفا ہوئی۔ بعدہ وسط ساتویں صدی میں حکومت جابرہ قائم ہوئی۔ پھر جمہوریت کا آغاز ہوا۔ (ایڈیٹر)

۵۱ یہ ایک قسم کی پولیٹیکل جماعت تھی۔ (ایڈیٹر)

۵۲ عام یونانی مکانات کا طرز نہایت سادہ تھا دروازہ (۱) سے ایک تنگ راستہ (۲) ملتا تھا جسکے دو رویہ خانگی ضروریات یا دربان وغیرہ کے لئے حجرے (۳) تھے۔ اسکے سامنے ایک کھلا ہوا صحن (۴) نظر آتا تھا جسکے تین طرف ستونوں کی قطاریں تھیں اور دالانوں میں کئی ایک کمرے کھلتے تھے جو مختلف کاموں

۱۳
۱۱ ۱۱ ۱۱
۹ الف ۱۲ ۱۰
۶ ۵
۷ ب ۷
۸ ۴ ۸
۳ ۳ ۲ ۳ ۳
۱

بالکل سادی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اندر جاکر اسکی خوبصورتی کا پتہ چلتا تھا۔ یہاں یونانی ترتیب وساخت مصری آرایش ورنگینی سے وصل ہوکر ایک عجیب دلکش اثر پیدا کرتی تھی۔ باہر سے دیکھنے والے کے سامنے ایک وسیع دروازہ تھا جہاں سے ایک دالان یا "ہال" پر نظر پڑتی تھی جسکے بائیں جانب دعوت کا کمرہ تھا جس کا رخ دریا کیطرف تھا۔ اس کمرہ کی سمت مقابل باورچیخانہ تھا جو صرف امرا کے مکانوں میں ہوا کرتا تھا اور غربا اپنے رہنے ہی کی ایک قریب کی کوٹھری میں چولھا بناکر پکالیا کرتے تھے۔ "ہال" میں داخل ہوتے ہی ملاقات کا کمرہ ملتا تھا۔ اسکی شکل مربع تھی اور چاروں طرف ستون تھے جن کے قریب مختلف کمروں کے دروازے کھلتے تھے۔ یہ "ہال" مردوں کے لئے مخصوص تھا۔ اور اسکی وسط میں ایک نہایت خوبصورت کام کیا ہوا دھات کا اگنی ہوتر (Allaheartn-Jualla) تھا جس میں اس آتش خانہ میں آگ برابر جلتی رہتی تھی۔ اس کمرہ کی چھت میں ایک روشن دان بھی تھا۔ جہاں سے دن کے وقت روشنی آتی تھی۔ اور آگ کا دھواں بھی باہر نکل جاتا تھا۔ "ہال کے پیچھے طرف ایک مضبوط دروازہ تھا جس سے ایک راستہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ کے لئے مخصوص تھے مثلاً (۵) اور (۶) میں خاندانی دیوتا وغیرہ کی پوجا ہوتی تھی۔ (۷) اور (۸) نوکروں۔ گوداموں۔ خوابگاہوں یا دیگر ضروریات کے لئے مخصوص تھے۔ (۹) مالک مکان کے سونے کا کمرہ تھا۔ اور (۱۰) میں لڑکیاں رہتی تھیں۔ (۱۱) گھر کی چھوکریوں و باندیوں کیلئے تھا جہاں وہ اپنی مالکہ کے زیر نگرانی کام کرتی تھیں۔ (۱۲) ایک کشادہ وخوشنما ہال تھا۔ جہاں خاندان والے (الف) یعنے تبرک اگنی ہوتر کے گرد جمع ہوتے تھے یہیں نذر ونیاز چڑہاتے تھے۔ اور مہمانوں سے ملاقات کرتے تھے۔ صحن کے وسط میں (ب) رئیس بڑے دیوتا کا بت نصب تھا اور دروازہ کے قریب گھر کا محافظ دیوتا (ت) رہتا تھا۔ پشت مکان پر ایک خوشنما چمن بنایا جاتا تھا۔ امرا کے مکانات اس سے زیادہ کشادہ و وسیع تھے انہیں بجائے ایک کے دو صحن ہوتے تھے اور کمروں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ ہوڈونس کا محل بھی قریباً اسی طرز کا تھا۔ (گول دکونر)

زنان خانہ میں جاتا تھا یہ ایک بڑا سا کمرہ تھا جسکے تین طرف کھمبے تھے اور فرصت کے وقت عورتیں یہاں آکر بیٹھتی تھیں مگر چرخہ کاتنے یا بننے کے لئے اس کمرہ میں جاتی تھیں جو باغ کے قریب پس پشت واقع تھا۔ علاوہ بریں دائیں اور بائیں طرف دیگر ضروریات خانگی کے لئے اور بھی کمرے تھے اور ان کے درمیان خوابگاہ کے کمرے تھے جہاں گھر کی جمع پونجی بھی حفاظت سے رکھی جاتی تھی۔ مردانے کمرہ کی دیواروں پر سرخ و سبز رنگ تھا جس کے مقابلہ میں سنگ مرمر کی سفید مورتیں جو خیوس[۵۱] (Chios) کی صناعی کا نمونہ تھیں۔ نہایت بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ فرش کو خوبصورت اور رنگ برنگی پچی کاری کے کام سے مرصع کیا گیا تھا۔ ستونوں کے قریب نیچی نیچی کوچین باترتیب لگی ہوئی تھیں۔ اور ان پر شیر و چیتے کی کھالیں پڑی ہوئی تھیں خوبصورت و منقش آتشدان کے قریب عجیب طرح کی مصری صنعت کی آرام کرسیاں پڑی تھیں جن کے پاس ہی تھیباد[۵۲] (Thebes) لکڑی کی چھوٹی چھوٹی میزیں جن پر نہایت نازک کام کیا

---

[۵۱] خیوس (Chios) ایشیائے کوچک کے مغربی کنارے پر یہ ایک جزیرہ ہے جسے یونانی "شیاس" یا "خیوس" کہا کرتے تھے اور اب ترکی اسی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اسکا طول ۳۰ میل اور عرض ۸ میل سے لیکرہ ۱۸ میل تک ہے۔ قدیم زمانہ میں یہاں کی انجیریں بہت مشہور تھیں۔ ساتویں صدی قبل مسیح میں یہاں کے ایک باشندے آسٹراو اریوشیا نے لوہے کو وصل کرنے کا طریقہ دریافت کیا تھا۔ یہاں فن بت تراشی نے بھی بہت ترقی کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ہومر اسی جزیرہ میں پیدا ہوا تھا۔ سنہ ۵۴۶ ق م۔ میں سائرس بادشاہ ایران نے اسپر قبضہ کیا اور جنگ سلامیس میں یہاں کا بیڑا ایرانیوں کے ہمراہ تھا۔ سنہ ۴۷۹ ق م میں یہ ایرانیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اور ایک مدت تک آزاد و خود مختار رہنے کے بعد رومیوں اور شاہان بازنطیم کے قبضہ میں آیا۔ سنہ ۱۰۸۹ء سے سنہ ۱۰۹۲ء تک آل سلجوق کے قبضہ میں رہا۔ پھر اہل وینس کے پاس آیا۔ پھر سنہ ۱۴۱۵ء میں آل عثمان نے قبضہ کیا۔

[۵۲] ایک قسم کی بیش بہا لکڑی جو صحرائے لیبیا سے آتی تھی۔ (ایبر)

ہوا تھا بچھی ہوئی تھیں - ان میزوں پر طرح طرح کے آلات موسیقی مثل بانسری - ستھارہ (Cithara) فارمنکس[1] (Phoenix) وغیرہ رکھے ہوئے تھے انواع و اقسام کے متعدد چراغ کیکی[2] ([illegible]) کے تیل سے بھرے ہوئے دیواروں پر لٹک رہے تھے ان میں سے ایک کی شکل مچھلی کی طرح تھی جسکے منہ سے بجائے سانس کے آگ نکل رہی تھی - اور دوسرا ایک پروار ڈراونی جانور کی صورت کا تھا جسکے کھلے ہوے جبڑوں سے شعلے نکل رہے تھے - ان سب کی روشنی آتش کدہ کے سامنے نہایت اچھی معلوم ہوتی تھی اور تمام کمرہ منور ہوگیا تھا -

اس "ہال" میں بہت سے لوگ موجود ہیں - یہ بلحاظ اپنی شکل و صورت و لباس کے ایک دوسرے سے بالکل مختلف نظر آتے ہیں ایک طرف ایک فنیقی تاجر یعنی صور کا باشندہ ایک لمبا کشمشی رنگ کا لباس پہنے ہوئے ایک دوسرے شخص سے جس کا کھڑا ناک نقشہ اور سیاہ گھونگر والے بال یہودی النسل ہونے کا پتہ دیتے ہیں بڑی سرگرمی کے ساتھ مصروف گفتگو ہے - یہ یہودی اپنا وطن چھوڑ کر زیر تیل شاہ یہودا (Judah) کے لئے مصر کے مشہور گھوڑے[3] اور گاڑیاں خریدنے آیا ہے - قریب

---

[1] یہ ایک قسم کا آلہ موسیقی کا تھا جس کی شکل قدیم کنھرا یا موجودہ "گٹار" سے مشابہ تھی - دونوں میں بہت کم فرق تھا - ۱۲

[2] رینڈی کا تیل - ۱۲

[3] حضرت سلیمانؑ نے بھی سنہ ق م مصری سے گھوڑے اور رتھیں خرید کر منگوائی تھیں اور انجیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ یوسفؑ کو عہدہ وزارت پر سرفراز کرنیکے بعد فرعون نے اپنے ساتھ رتھ پر بٹھایا تھا - اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے گھوڑے اور رتھ کا استعمال مصر میں خاندان ہکسوس کے زمانہ میں ہوا جسنے مصریوں کی فوجی قوت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا - مگر مصر میں گھوڑا کہاں سے آیا؟ غالباً مشرقی ایشیا سے جہاں قوم آریہ نے سب سے پہلے اسے قابو میں لاکر پالنا شروع کیا تھا (ایبرو ڈونلڈ مکنزی)

ہی تین یونانی ایشیائے کوچک کے رہنے والے اور اپنے وطن کا نہایت بیش بہا
لباس پہنے ہوئے کھڑے ہوئے ہیں اور ایک سادہ لباس شخص سے بڑی سنجیدگی
کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں۔ آخر الذکر کا نام فرکس (Phaxxmas) ہے یہ اپنے
وطن ڈلفی (Delphoa) سے مصر اس غرض سے آیا ہے کہ اپالو[۱] کے مندر
کی تعمیر کے لئے چندہ جمع کرے۔ دس برس ہوئے کہ یہ قدیم عبادت گاہ آگ سے جل کر
بالکل تباہ ہو گئی تھی اور اب از سر نو اس سے بھی زیادہ خوبصورت عمارت بنانے کی

---

[۱] اپالو (Apollo) اولمپیا کے دیوتاؤں میں اپالو بڑا مشہور دیوتا تھا جس کے متعدد صفات تھے۔ ہومر کی نظموں کے بموجب اپالو، لیٹو کے بطن سے زیوس کا بیٹا ہے۔ اس سے پیشین گوئیاں کرنا اور طاعون کو بھیجنا متعلق تھا اور زراعت کا بھی دیوتا کہا جاتا ہے مگر بعد میں غلطی سے ہیلیوس سورج کے دیوتا کا مرادف ہو گیا اس دیوتا کو مویشیوں کا محافظ بھی کہا جاتا تھا۔ اسکے بعد نوجوان کا پرورش کرنے والا بھی سمجھا گیا۔ اور جنگ کا بھی دیوتا مانا گیا۔ ڈلفی میں پتھیا (Pythia) کے اور یکل (آواز غیبی) کی شہرت نے جسکے متعلق یہ قصہ مشہور تھا کہ دیوتا نے پیدا ہوتے ہی پائتھان (یعنی شیطان، بہ صورت سانپ) کو قتل کر دیا۔ اس خون کا پھر اسنے کفارہ ادا کیا۔ پائتھان (سانپ) اس دیوتا کی علامت ہے جسکا گھر "اخبار" کی جگہ تھا اس رعایت سے اپالو کو خبر دینے والا دیوتا بھی کہا گیا ہے۔ اپالو کی پیشین گوئیاں زیوس (Zeus) کے طرف سے ادا ہوتی تھیں۔ یعنے زیوس سے اطلاع پا کر وہ خبر دیتا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اپالو نے پیدا ہونیکے بعد ہی ایک سال ہائپر بوریا (Hyperborea) کے لوگوں کے مقابلہ میں اُس ملک میں صرف کیا جہاں ہمیشہ دھوپ رہا کرتی تھی۔ اسکے بعد ڈلفی واپس آیا اسکی اس واپسی کو دیوتا کی ولادت ثانیہ کہتے ہیں۔ اسی واپسی کے بعد اسنے موسم سرما کے دیوتاؤں پر فتح پائی تھی۔ اپالو کے ہاتھ میں بربط اور کمان عموماً ہوا کرتے تھے اور تپائی اسکے لئے اسواسطے بنائی گئی کہ وہ "اخبار" کا بھی دیوتا ہو۔ اسکے لئے جو میلے اور تہوار ہوا کرتے تھے انمیں اہم تہوار یہ ہیں۔ کارنیا۔ ڈافنی فوریا۔ ڈیلیا۔ سنہیتیا۔ پتھیا اور تھرگیلیا۔ رومیوں نے بھی اپالو کی پرستش یونانیوں سے سیکھی تھی۔ قدیم زمانہ کے بت تراشی کی صنعت میں اپالو کا بت اکثر نظر آتا ہے۔ ۱۲

تجویز ہوئی تھی ملیشیا[۵۱] (Milesian) قوم دو باشندے جو انکسیمنڈر[۵۲] (Anaximand) اور انکسیمینز[۵۳] (Anaximenes) کے شاگرد ہیں مصر اس غرض سے آئے ہیں کہ ہیلیو پولس[۵۴] (Heliopolis) میں جاکر کواکب نجوم

۵۱ ایک شخص تھا جس کا نام ہای لیڈ (Milesians) تھا۔ اُسے لاطینی زبان میں ہای لی سیوس کہا کرتے تھے۔ اسکی قوم اور اولاد کو آل ملیسیوس یا میلاشیا قوم کہتے ہیں۔ اس شخص کے دو لڑکوں نے آئرلینڈ فتح کیا تھا اور عرصہ تک اس ملک میں حکمراں رہے۔ یہ قوم پہلے سِتھیا سے آئی تھی اور کچھ دنوں مصر، کریٹ اور تھیبا میں بسر کرکے انڈلس چلے گئے۔ اس قوم کے بعض خاندان مصر اور کریٹ میں زمانہ دراز تک رہے ہیں۔ ۱۲

۵۲ اس کا زمانہ ۶۱۱ ق م سے تا ۵۴۶ ق۔م۔ تھا۔ یہ ملیشیا کا نہایت مشہور و معروف فلسفی۔ ماہر علوم ہیئت۔ ریاضی۔ جغرافیہ داں تھا۔ اسی نے سب سے پہلے دنیا کا نقشہ کانسی کے پتھر پر بنایا تھا اور ایک قسم کی گھڑی بھی ایجاد کی تھی (ایبرا)

۵۳ یہ بھی ملیشیا کا ایک فلسفی تھا اور ۵۰۰ ق۔م۔ اسکا زمانہ گذرا ہے (ایبرا)

۵۴ ہیلیو پولس۔ یہ مصر کے صوبہ ڈیلٹا میں ایک قدیم شہر موجودہ قاہرہ کے قریب واقع تھا جسے عربی جغرافیہ دانوں نے عین الشمس لکھا ہے کیونکہ یہاں آفتاب کا ایک مندر تھا۔ انجیل میں عون اور توراۃ میں بیت الشمس کے نام سے اسکا ذکر آیا ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اسی شہر میں پرورش پائی تھی اور حضرت یوسفؑ اور زلیخا کا واقعہ بھی یہیں ہوا تھا ہیلیو پلیس کئی ہزار برس تک مصری علوم و فنون کا مرکز رہا۔ یہاں مشہور و معروف درسگاہیں تھیں جہاں تمام دنیا سے لوگ تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے فلاطون و یوکلڈ (اقلیدس) بھی اسی خرمن کے خوشہ چین تھے۔ وہ مشہور مینار جو آجکل لندن میں ہے اور جسے "کلیوپٹرا کی سوی" کہتے ہیں دراصل اسی شہر کے مندر میں قائم تھی۔

(ڈونلڈ مکنزی)

و دیگر مصری علوم کی تعلیم حاصل کریں۔ تیسرا شخص تھیومپوس (Theompompus) نامی ایک نہایت معقول تاجر و مالک جہازات ہے اسنے نوکراتیس ہیں فی الحال بود و باش اختیار کر لی ہے اور وہاں اسکا بہت بڑا کاروبار ہے مگر روڈ وفس جہاں نوں سے بڑی دلچسپی کیساتھ باتیں کر رہی ہے وہ دو یونانی ساموس (Samos) کے رہنے والے ہیں ایک جسکا نام تھیوڈورس (Theodorus) ہے وہ نہایت مشہور و معروف شخص ہے فن معماری بت تراشی زرگری و نقش و نگار کے فن میں اسے کمال حاصل ہے۔ دوسرا ابی کوس[۵۱] (Ibycus) رجیم[۵۲] (Rhegium) کا رہنے والا ہے پولی کارٹیس (Polycrates) کے دربار کا بڑا شاعر ہے اور مصر کے حالات دریافت کرنے کے لئے خاص طور سے آیا ہے اور نیز اپنے آقا کی طرف سے فرعون کے لئے چند تحائف بھی ساتھ لایا ہے۔ آتشکدہ کے قریب ایک شخص جس کے چہرے سے عیاشی و آرام طلبی کے آثار صاف طور سے نمایاں ہیں اور جس کا نام فلونوس سی باریسی (Philoinus Sybarite) ہے۔ ایک آرام کرسی پر جسپر رنگین سموری غلاف پڑا ہوا ہے۔ لمبا لمبا لیٹا ہوا ہے۔ وہ کبھی تو اپنے خوشبودار بالوں پر جن کی لٹوں میں سونے کے تار پروئے ہیں ہاتھ پھیرتا ہے اور کبھی ان طلائی زنجیروں سے کھیلتا ہے جو اسکی گردن سے لیکر پیروں تک زعفرانی لباس پر پڑی ہوئی

[۵۱] چھٹی صدی قبل مسیح کے وسط میں یہ مشہور شاعر گزرا ہے۔ یہ آخر میں قاتلوں کے ہاتھ مارا گیا (ایبر)

[۵۲] رجیم جنوبی اٹلی کے ایک شہر کا نام ہے جہاں قدیم زمانہ میں بروتای قوم رہا کرتی تھی۔ یہ مقام اٹلی اور سسلی (صقلیہ) کے وسط میں آبنائے سینا کے مشرقی جانب واقع ہے۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں یہاں ایک آزاد اور مستقل سلطنت تھی جو ۴۲۲ ق م میں اتھنس والوں کے ساتھ ہوکر سائراکیوز سے لڑی تھی۔ ۳۹۹ ق م میں سائراکیوز اول نے اسپر حملہ کرکے بارہ برس بعد اسے بالکل برباد کر دیا اور یہاں کے باشندوں کو لونڈی غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ جنگ پیونک میں یہ اہل اٹلی کے ساتھ وفادار رہے اور ہنی بال کی جنگ میں باوجود کوشش کے یہ مشہور جنرل اس شہر کو فتح نہ کرسکا۔ ۱۲

جگمگا رہی ہیں روڈونس یوں تو اپنے ہر مہمان سے بڑے لطف و اخلاق کے ساتھ پیش آتی ہے لیکن اس وقت اسکی تمام تر توجہ اُن دونوں اہالیان ساموس مصسمه کی طرف جنکا ذکر اوپر کیا گیا ہے مبذول ہے۔ وہ ان سے صنعت و حرفت و شاعری پر بحث کر رہی ہے اور بڑے دلپذیر انداز سے سرگرم گفتگو ہے۔ اسکی آنکھوں سے شباب کی روشنی چمک رہی ہے۔ اسکا قد لانبا جسم موزوں و گداز اور تیر کی طرح سیدھا ہے۔ اُسکے خوشنما سر کے سفید بالوں کو ایک نازک طلائی جال پیچھے کی طرف سمیٹے ہوئے ہے اور اسکی اونچی پیشانی پر ایک مرصع کار و بیش بہا تاج نما طرّہ لگا ہوا ہے۔ اور اسکے خط و خال یونانی ہیں چہرہ کسی قدر زرد مگر خوبصورت ہے اور باوجو اتنی عمر ہونے کے کوئی شکن اور جھری نظر نہیں آتی۔ اسکے مختصر دہن کی موزونیت ابھی تک باقی ہے۔ اسکی آنکھوں سے جو بڑی بڑی ہیں سنجیدگی و شرافت کے آثار نمایاں ہیں اسکی جبین و بینی کی خوبصورتی اب بھی ایام شباب کو یاد دلاتی ہے۔ روڈونس نے کوئی بناؤ سنگار کر کے اپنے تئیں چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ تاہم وہ اپنی اصلی عمر سے بہت کم معلوم ہوتی تھی۔ اسکے انداز سے مادرانہ وقار و سنجیدگی مترشح تھی اسکی اداؤں میں جوانی کا تصنع آمیز لبھاؤ نہ تھا بلکہ ایک بزرگانہ شفقت تھی جو دوسروں کو بھی اسکی ساتھ الطافات کی ساتھ پیش آنے اور اسکا مناسب حال پاس و لحاظ رکھنے پر مجبور کرتی تھی۔ ہمارے دوست اب "ہال" کے اندر داخل ہوئے سب کی آنکھیں انکی طرف اُٹھ گئیں اور جب فینس[۱] (مصسما ص) اپنے دوست کا ہاتھ پکڑے ہوئے آگے بڑھا تو ہر طرف سے نعرہ خوش آمدید نے اسکا خیر مقدم کیا اور ایک ملیشیا کے رہنے والے (malinnma نے چلا کر کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس جلسہ میں کسکی کسر ہے۔ اب معلوم ہوا کہ بغیر فینس

---

[۱] یہ (پایے) محمدودہ و(ن) و (س) ساکن۔

کے یہ محفل سونی نظر آتی تھی۔"

اسیر فلونس سیبارسی (Philoinus Sybarite) نے بغیر اپنی جگہ سے ہلے ہوئے بھرائی ہوئی آواز سے کہا۔

"ایتھنسی! مسرت و خوشی کی کوئی خبر لائے ہو تو میرا بھی سلام قبول ہو۔"

روڈوفس نے اپنے نو وارد مہمانوں کی طرف بڑھکر نہایت جوش و انبساط سے کہا

"مرحبا! خواہ تم شادمند ہو یا مصیبت زدہ۔ میں بدل و جان تمہارا خیر مقدم کرتی ہوں۔ اس سے بڑھ کر میرے لئے کوئی خوشی نہیں ہو سکتی کہ اپنے دوست کے کام آؤں۔ اور اسکے چہرہ کی اُداسی کو خوشی و خرمی سے بدل دوں۔ اور تم کو بھی اے اسپارٹی! اپنے دوست کے تعلق سے آج سے اپنے کرمفرماؤں میں شمار کرتی ہوں۔"

ارسٹومیقس (Aristomacus) سر جھکا کر خاموش ہو گیا۔ لیکن ایتھنسی نے سی باریسی (Sybarite) اور روڈوفس دونوں کی طرف مخاطب ہو کر یہ کہا

"بہت خوب! میرے عزیز دوستو۔ مجھے امید ہے کہ میں تم دونوں کی خاطر جمعی کر سکونگا۔ تمہیں روڈوفس اپنے دوست کے غمزدہ دل کو تسکین دینا پڑیگی اس لئے کہ وہ بہت جلد تم سے اور تمہارے گھر سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے والا ہے اور تم سیبارسی (Sybarite) یقیناً میری خوشی میں ساتھ دوگے کیونکہ میں عنقریب اپنے عزیز وطن یونان واپس جانے والا ہوں اور اس ملک کو جو میرے لئے ایک طلائی قفس سے کچھ کم نہ تھا چارو ناچار خیر باد کہنے والا ہوں۔"

یہ سنتے ہی چاروں طرف سے سب کی زبان سے نکلا۔

"ہیں! یہ تمہارا جانا کیسا؟ کیا تمہیں نوکری سے برطرف کر دیا گیا؟ کدھر جانے کا قصد رکھتے ہو؟"

فیلس (Phaeo) نے بلند آواز سے جواب دیا۔

"دوستو۔ ذرہ صبر سے کام لو مجھے تم سے ایک لمبی داستان کہنا ہے جسے دعوت کے بعد کے لئے رکھ چھوڑتا ہوں۔ کیونکہ ابھی تو مجھے بھوک اس قدر لگی ہوئی ہے کہ جدائی کے غم سے کچھ کم تکلیف دہ نہیں ہے"

اسپر سی باری ([illegible]) نے فلسفیانہ انداز سے کہا۔

"بھوک بڑی اچھی چیز ہے مگر شرط یہ کہ مزیدار کھانوں کی امید ہو"

روڈوفس نے کہا۔

"آپ اطمینان رکھیں۔ میں نے اپنے باورچی کو حکم دیا ہے کہ اچھے سے اچھے کھانے تیار کرے اور یہ بھی ڈرا دیا ہے کہ دنیا کے سب سے زیادہ متمول شہر یعنی سی باریس ([illegible]) کے رہنے والے ایک دقیقہ سنج مہمان موجود ہیں اگر ذرا سا بھی عیب ہوا تو بے طرح نکتہ چینی کرینگے (غلام سے مخاطب ہو کر) ناسیس ([illegible]) جاؤ۔ دسترخوان کی تیاری کا حکم دیدو (مہمانوں کی طرف ہنستی ہوئی) اب تو آپ سب بے صبروں کو چین آیا؟ فینس تم بڑے برے آدمی ہو کہ خبر بد سنا کر میری اچھی خاصی بھوک اُڑا دی"

فینس سر جھکا کر چپ ہو رہا۔ مگر سی باری ([illegible]) اپنے فلسفیانہ جملے کستا رہا۔

"قناعت و صبر اچھی چیز ہے بشرطیکہ کسی کے پاس اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے ذرایع بھی موجود ہوں۔ روڈوفس میں تمہارا بہت مشکور ہوں کہ تم نے میرے لاجواب وطن کی تعریف کرکے انصاف سے کام لیا۔ اناک[1] رین ([illegible]) شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

---

[1] یہ مشہور شاعر اس زمانہ میں پولی کارتیس کے دربار میں مقیم تھا (ایبر)

پروا ہے آج کی مجھے کل کی خبر نہیں — چھوڑو نہ شغل جام کو یارانِ ہمنشیں
لازم ہے پھینکتے رہو پاسے قمار کے — بکیس کی نذر کے لئے بھر زرکرو زمیں
ایسا نہ ہو کہ تن پہ ہو طاری کوئی مرض — طاقت شراب پینے کی زائل نہ ہو کہیں

کبھی ابی کوس ([illegible]) میں نے تمہارے دوست کی نظم کو جن کے ساتھ تم پوبلی کارنیلس ([illegible]) کے محفل میں ہمیشہ ہم پیالہ وہم نوالہ رہتے ہوگے صحیح طور سے پڑھا ہے یا نہیں ؟ یقین مانو کہ اگرچہ اناکرین ([illegible]) کو مجھ سے زیادہ اچھے اشعار کہنا آتے ہوں لیکن اس ناچیز کو بھی دعویٰ ہے کہ اصلیت و فطرت کے سمجھنے میں وہ بھی استاد سے کچھ کم نہیں ہے۔ اُن کی نظموں میں کھانے پینے کی تعریف کا کہیں پتہ نہیں۔ حالانکہ انصاف سے دیکھا جائے تو اسکے مقابلہ میں قماربازی و عشق بازی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مجھے گو ان دونوں مشاغل سے خاص الفت و دلچسپی ہے لیکن سچ کہتا ہوں کہ پیٹ کو سب پر ترجیح دیتا ہوں۔ اگر کھانا نہ ملے تو میری جان نکل جائے اور جوے اور عشق بازی کے بغیر تو آدمی پھر بھی کسی نہ کسی طرح مصیبت میں زندگی کے دن کاٹ سکتا ہے"

سی باریسی ([illegible]) اپنے بھدے مذاق سے آپ ہی خوش ہوکر زور سے قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔ دوسرے لوگ اسی طرح آپس میں باتیں کرتے رہے اتنے میں اسپارٹی۔فرکس ([illegible]) ڈلفی والے کی طرف مخاطب ہوکر ایک کونہ میں اُسے لے گیا۔ اور گھبرا کر مضطربانہ پوچھنے لگا کہ آریکل[۱] ([illegible]) کا

※ اس کتاب میں جس قدر نظمیں ہیں ان کا انگریزی ترجمہ پروفیسر ہاج نے اور اُردو ترجمہ پروفیسر وحیدالدین سلیم نے کیا ہے۔

[۱] یعنی پیام ربانی۔ ندائے غیبی۔ قول الہامی۔ یہ مشہور ڈلفی آریکل (آوازِ غیبی) ایک مندر کے اندر تھا جو ایک پہاڑ کی وادی میں واقع تھا۔ یہ پہلے ایک سانپ کے قبضہ میں تھا اپالو دیوتا نے اپنے تیر سے اسکو

جواب جس کا وہ ایک عرصہ سے مشتاق تھا وہ اپنے ساتھ لایا ہے کہ نہیں۔ یہ سنتے ہی فرکسس کا سنجیدہ چہرہ تمتما اٹھا۔ اُسنے اپنی شتان[۱] ([illegible]) کی جیب

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ نارکراس سے یہ چھین لیا۔ اور اس گناہ کی سزا میں آٹھ سال جلاوطنی و غلامی کی سزا بھگتی۔ آریکل مندر کے ایک سب سے اندرونی حجرہ میں تھا۔ یہاں زمین میں ایک سوراخ تھا جس سے سرد بخارات نکلتے تھے اور آدمی پر بیخودی طاری کر دیتے تھے۔ اس سوراخ پر لکڑی کا ایک خوشنما میز تھا جس پر ایک کاہنہ بیٹھی تھی۔ یہ پہلے ایک اعلیٰ خاندان کی دوشیزہ لڑکی ہوا کرتی تھی بعدہٗ ایک سن رسیدہ عورت کو ترجیح دیگئی جسکی عمر پچاس سے زیادہ ہوتی تھی۔ اور جو لڑکیوں کا لباس پہنکر ایک تپائی پر بیٹھتی تھی عموماً یہ سال میں ایک بار ظاہر ہوتی لیکن اگر شگون اچھے ہوتے تو روزانہ نظر آتی۔ نکلنے سے قبل وہ نہاتی دہوتی۔ پاک وصاف کپڑے پہنتی زیورات سے آراستہ ہوتی پھر ایک متبرک چشمہ جو اسی مندر میں تھا۔ اس کا پانی پیتی۔ اور ایک خاص قسم کا میوہ کھاتی بعدہٗ اپنی جگہ پر بیٹھتی پھر ایک بیخودی اور غفلت کی حالت اسپر طاری ہوجاتی۔ اس حالت میں اسکی زبان سے جو الفاظ نکلتے انھیں پروہت نظم میں بیان کرتا جاتا۔ یہ جوابات معمہ یا استعارہ کی صورت میں عموماً مبہم و ذومعنین ہوا کرتے۔ مگر تمام یونان اسکا معتقد تھا۔ خصوصاً اسپارٹا والے تو بلا اس سے استفسار کئے کوئی کام ہی نہ کرتے تھے۔ تمام ضروری خانگی و ملکی معاملات میں اس سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ مثلاً نئے مذہبی و ملکی قوانین بنانا۔ نوآبادیاں بسانے کے لئے باہر جانا۔ جنگ وجدل شروع کرنا وغیرہ۔ اسکے علاوہ یونان میں اور بھی آریکل تھے جو عموماً چار قسم کے تھے۔ زبانی۔ لسانی۔ رویائی و روحانی۔ مگر ڈلفی سب سے زیادہ مشہور تھا اسکا مندر بھی جس میں بکثرت دولت جمع تھی اور جائداد بھی ملحق تھی سب سے زیادہ عالی شان تھا آخر کار اسپر تباہی آئی۔ ایرانی جنگوں کے بعد اسکے معتقدین کی تعداد میں کمی ہوگئی اور چوتھی صدی عیسوی میں اسکا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ (ڈسٹلشپ کلاسکل ڈکشنری)

[۱] یونانیوں کا لباس عورت و مردوں کا قریباً ایک سا ہوتا تھا اور موسم کے لحاظ سے عموماً ڈھیلا اور کھلا ہوا اور ورزش جسمانی کے لئے نہایت موزوں ہوتا تھا۔ شتان ایک لمبا۔ سامنے سے بند کرتا۔ گھٹنوں تک نیچا تھا جسکی آستینیں مونڈھوں پر سے غائب تھیں اور کمر پر ایک ٹپکہ سے بندھا رہتا تھا۔ غلاموں اور

میں ہاتھ ڈالکر بھیڑ کی کھال کا کاغذ کی طرح پتلا ایک چھوٹا سا لپیٹا ہوا ٹکڑا نکالا جسپر چند حروف

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اہل حرفہ کا "شتان" مختلف ہوتا تھا۔ اس کا ایک شانہ اور سینہ کا کچھ حصہ کھلا رہتا
تھا۔ بعض اوقات آستینیں بھی اضافہ کردی جاتی تھیں جو کہنی یا کلائی تک لمبی ہوتیں۔ ایشیائے
کوچک کے یونانی لمبی آستینوں کو ترجیح دیتے تھے۔ عورتوں کا شتان پیروں تک نیچا ہوتا تھا اور مردوں
کی طرح انکی بھی کمر پر ایک پٹکہ سے بندھا رہتا تھا۔ شتان کے اوپر جو دوسرا لباس (چغہ نما) پہنا جاتا اس کا
مردوں کے شلامس کا اوپر ذکر ہوچکا ہے۔ علاوہ اسکے مرد و عورت دونوں ایک دوسری قسم کا چغہ
جسے ہماٹین کہتے تھے۔ پہنتے تھے یہ ایک لمبا سا کپڑا تھا جس کا ایک سرا عورتیں بائیں کاندھے پر
ڈال لیتیں جس سے صرف انکا منہ کھلا رہتا۔ مرد بعض اوقات اسے چھوٹا کرکے پہنتے۔ پائجاموں کا رواج
نہ تھا۔ یہ ایشیا والوں کا لباس سمجھا جاتا تھا۔ عموماً کپڑے اون۔ روئی یا کتان کے بنائے جاتے تھے۔
لیکن دیہاتی جانوروں کے چمڑے بھی استعمال میں لاتے تھے۔ لباس کا رنگ سفید ہوتا تھا لیکن
مزدوروں کو اسکے پہننے کی اجازت نہ تھی۔ عورتیں کبھی کبھی رنگین کپڑوں کو ترجیح دیتی تھیں اور مرد
بھی خاص موقعوں پر گہرا رنگ پسند کرتے تھے۔ سلائی کا عام طور سے کم رواج تھا۔ کیونکہ خیاط نہ تھے
بلکہ گھر کے لونڈی غلام جسم کے ناپ کے مطابق کپڑے سی لیتے تھے۔

جوتے نہ تھے اور لوگ عموماً ننگے پیر رہتے تھے، یا اگر جوتے پہنتے بھی تو گھر میں آتے ہی اتار دیتے
تھے۔ جوتا سادہ سا محض ایک تلہ کا ہوتا تھا جو پاؤں میں چمڑے کے تسمہ سے بندھا رہتا تھا گھٹنے تک (شوز)
یا ٹخنوں تک اونچے بھی جوتے (سنڈل) جنمیں متعدد تسمے ہوتے لوگ پہنتے تھے۔

ٹوپی کا بھی رواج نہ تھا۔ اعلیٰ طبقہ کے لوگ ننگے سر رہتے یا اپنے چغہ سے سر کو ڈھانپ لیتے تھے
لیکن سفر و شکار وغیرہ کے موقعوں پر ٹوپیاں پہن لیتے جو چھجے دار بھی ہوتیں اور بلا چھجے کے بھی اور پھندے
کی ہوتی تھیں۔ عورتیں نقاب ڈالکر باہر نکلتیں۔ چھتری اور پنکھے کا بھی استعمال تھا۔

زیورات کچھ تھے۔ عورتیں انگوٹھیاں۔ بروچ۔ بالیاں۔ ہار و چوڑیاں پہنتی تھیں۔ جو سونے
کی مرصع کار ہوتی تھیں۔ (نٹلشپ کلاسکل ڈکشنری)

اور سطریں کندہ تھیں۔ بہادر دحبشی اسپارٹی کے مضبوط ہاتھ اس ٹکڑے کو لیتے ہی تھر تھر کانپنے لگے۔ اسنے جلدی سے اسے کھول کر بے صبری کے ساتھ نوشتہ پر نظر ڈالی۔ کچھ دیر تک ساکت کھڑا رہا۔ پھر مایوسی کے ساتھ اپنا سر ہلا کر اسنے فرکس (Phaxmus) کو واپس دیکر یہ کہا۔

"ہم اسپارٹا والوں کو بھلا لکھنے پڑھنے سے کیا سروکار ہمیں دوسرے ہی قسم کے ہنر آتے ہیں۔ تم خود اگر ہو سکے تو مہربانی کر کے اسے پڑھکر سناؤ۔"

ڈلفی والے نے سطروں پر ایک نظر ڈالکر جواب دیا۔

"خوش ہو کہ اپالو تمہارے بخوشی و بخیریت وطن پہونچنے کی پیشین گوئی کرتا ہے۔ غور سے ندائے غیبی کے ان الفاظ کو سنو۔"

اتریں گے برف پوش پہاڑوں سے درع پوش	اُس نہر تک یہ جو وادی میں ہے رواں
دشمنوں کی حد پہ پھر تمہیں پہونچا کے آئیگا	آئیگا اک سفینہ جو کچھ دیر سے یہاں
رستے وہ دلکشا ہیں فضا جن کی دیکھکر	پائیں گے راحتوں کا غریب الوطن نشاں
وہ چیز یا نخ جج نہ جسے کر سکے عطا	اگر وہ درع پوش تمہیں دینگے بیگماں

اسپارٹی نے بڑی محویت و شوق کے ساتھ ان اشعار کو سنا اور فرکس (Phaxmus) سے دوبارہ سہ بارہ سنکر ان کو زبانی یاد کر لیا۔ پھر اُسنے شکریہ ادا کر کے نوشتہ کو احتیاط سے اپنے پاس رکھ لیا۔ اتنے میں ڈلفی والا دوسرے مہمانوں سے جا کر بات چیت کرنے لگا اور اسپارٹی خاموش کھڑا ہوا آریکل (Oracle) کے الفاظ کو دل ہی دل میں دہراتا رہا۔ تاکہ بھول نہ جائے اور اسکے پُراسرار معنی کا مطلب حل کرنے کے لئے بڑی دیر تک غلطاں و پیچاں سوچتا رہا۔

دوسرا باب

اولمپیا[1] کے کھیل اور بازیاں

دعوت کے کمرہ کے دروازے یکایک کھل جاتے ہیں اور سامنے دائیں بائیں

---

[1] یہ یونانیوں کا ایک قومی تہوار تھا جو زیئس دیوتا کے نام پر بمقام اولمپیا ہر چار سال بعد منعقد ہوا کرتا تھا۔ رومیوں کے عہد حکومت یعنی ۳۹۴ء تک جاری رہا۔ یہ پانچ دن تک رہتا تھا اور اس قدر متبرک سمجھا جاتا تھا کہ اگر دشمن بھی آتے تو انکے ساتھ بُرا برتاؤ کرنا منع تھا۔ یہاں دور دور سے تماشائی آتے مختلف ریاستیں اپنے اپنے نمایندے بھیجتیں۔ نامور لوگوں کا مجمع ہوتا شعرا مصنفین۔ مقررین اور ماہرین فنون اپنے اپنے کمال دکھاتے۔ مگر سب سے زیادہ مشہور مختلف کھیلوں دوڑوں کی بازیاں تھیں جن میں فتح پانا سب سے بڑی عزت و نام آوری سمجھا جاتا تھا۔ تہوار کا خاص مقام آلٹس (Altis) تھا جو دامن کوہ میں واقع تھا جسکے ایک طرف ندی دوسری طرف دریا بہتا تھا اور جس میں کیلے و زیتون کے شجر تھے۔ اور جو (۷۵۰) فٹ لمبا (۵۷۰) فٹ چوڑا ایک دیوار سے گھرا ہوا تھا۔ اس متبرک کنج و احاطہ کے اندر زیئس دیوتا کا وہ مشہور بت تھا جو ۴۲ فٹ اونچا۔ سونے و ہاتھی دانت کا بنا ہوا دنیا کے عجائبات سے سمجھا جاتا تھا۔ اسکے قریب ایک اگن ہوتر تھا جسکے گرد خاص دیوتاؤں کے بڑے بڑے مندر تھے

دو کم سن و خوش جمال غلام جن کے بال بھورے بھورے اور رنگ گورا ہے اپنے ہاتھو[ں]

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ جن میں زئیس کا مندر سب سے زیادہ عالیشان تھا۔ علاوہ بریں دوسرے چھوٹے
دیوتاوں کے بھی بکثرت بت و قربان گاہیں تھیں۔ ان مندروں پر لاجواب سنگ تراشی و نقاشی کا
کام تھا اور مشہور واقعات کو کندہ کرکے دکھایا تھا۔

آلٹس کے احاطہ کے باہر مگر اس سے ملحق دو اور احاطے تھے۔ ایک کو ہپوڈرم اور دوسرے
کو اسٹیڈیم کہتے تھے۔ اول الذکر بالائی شکل کا (۱۲۰۰) فٹ لمبا اور (۱۵۰) فٹ چوڑا تھا اور رتھوں و
گھوڑوں کے دوڑنیکے لئے مخصوص تھا۔ آخر الذکر جہاں کشتی وغیرہ کی بازیاں ہوتی تھیں اس سے عرض و
طول میں قریباً نصف تھا۔

ہپوڈرم میں حسب ذیل بازیاں ہوتی تھیں۔

(۱) رتھوں کی دوڑ۔ یہ دو پہیے والی گاڑیاں تھیں جن میں دو۔ تین یا چار گھوڑے جوتے جاتے
تھے۔ یہ آٹھ یا دس مرتبہ پورے احاطہ کا چکر مار کر جیت کے نشان کے سامنے گذرتی تھیں ان میں دو آدمی
بیٹھتے تھے جو بعض اوقات برہنہ یا اپنے تمام اسلحہ سے آراستہ ہوتے تھے اور کبھی ان میں سے ایک نیچے
کود کر گاڑی کے ساتھ دوڑتا تھا۔

(۲) گھوڑدوڑ۔ اس میں بھی سوار کبھی پشت اسپ پر کبھی نیچے لگام پکڑے ساتھ ساتھ دوڑتے
تھے اور پھر اُچک کر سوار ہو جاتے تھے۔

اسٹیڈیم میں اس سے زیادہ کھیل اور بازیاں تھیں۔ (۱) آدمیوں کی دوڑ۔ کبھی کم کبھی
زیادہ فاصلہ کی ہوتی۔ بارہ میل تک کی دوڑ تھی جس میں بہت سے غش کھا کر گر پڑتے تھے۔ دوڑنے
والے عموماً برہنہ ہوتے یا پورے زرہ بکتر خود و ڈھال پہن کر آتے یا رات کے وقت مشعلیں ہاتھ میں لیکر
دوڑتے۔ (۲) کودنا۔ جست مار کر خالی ہاتھ یا لوہے کے ڈمبل ہاتھ میں لیکر کودتے۔ ایک شخص کے
متعلق مشہور ہے کہ (۵۵) فٹ کود گیا۔ موجودہ زمانے میں اسکا تہائی حصہ بھی بمشکل کوئی کود سکا ہے
(۳) لوہے کے رکابی نما بھاری ٹکڑے یا نیزے پھینکنا۔ (۴) مشت زنی (۵) کشتی۔ پہلوان تیل و مٹی

ہیں مہندی کے ہار لئے ہوئے نظر آتے ہیں بائیں کمرے کے وسط میں ایک ٹیبل سی رکھی (اندر)

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ لگا کر لڑتے تھے۔ بعدہٗ ایک چمچہ نما آلہ سے بدن پونچھ ڈالتے تھے۔ دھکا دینا۔ سر سے ٹکر مارنا۔ انگلیاں موڑنا۔ گلا دبانا روا تھا جو شخص زمین پر تین مرتبہ گر پڑے یا دوسرا اپنے گھٹنوں سے دبا کر اسے اٹھنے نہ دے تو ہار گیا سمجھا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا کھیلوں میں صرف وہی آزاد یونانی جنکا چال چلن بے لوث و بے عیب ہو حصہ لے سکتے تھے۔ غیر ملکی اور غلام صرف تماشائیوں کی حیثیت سے آسکتے تھے۔ عورتوں میں سوائے پروہتنوں یا اسپارٹا کی کنواری لڑکیوں کے اور کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی بازیاں شروع ہونے سے پہلے ججوں سر پنچوں و نقیبوں کا انتخاب ہوتا تھا۔ اول الذکر تعداد میں دس ہوتے اور ارغوانی چغے پہنے ہار گلے میں ڈالے بلند اعزازی مقام پر بیٹھکر انتظامات کرتے اور یہ دیکھتے کہ قوانین و قواعد کی پوری طور سے پابندی کیجاتی ہے یا نہیں۔ ان کے پیچھے بکثرت خدام عصا لئے ہوئے کھڑے رہتے اور کوئی خلاف ورزی کرتا تو اسکی خبر لیتے یا اسکا انعام ضبط ہو جاتا۔ یا اسپر سخت جرمانہ ہوتا تھا۔ اور اس رقم سے نئے نئے بت نصب کئے جاتے تھے۔

دنگل میں آنے سے پہلے تمام سورما پہلے زیئس کے اگن ہوتر پر جا کر قسم کھاتے کہ کم از کم دس ماہ تک انھوں نے پوری تیاری کی ہے اور کوئی دھوکہ و فریب نہ دینگے۔ پھر انکی ٹولیاں یا گروہ اندر داخل ہوتے۔ نقیب ان کے نام و وطن بآواز بلند پکار کر اعلان کرتا۔ نفیریں اور قرنائیں بجائی جاتی پھر کھیل شروع ہو جاتے۔ اولاً ایک گروہ کی بازی ہوتی۔ بعدہٗ انمیں جو سبقت لیجاتے انکا مقابلہ ہوتا پھر آخری جوڑ ہوتی اور جو اس میں جیت جاتا فاتح قرار دیا جاتا۔ اسکا نام و وطن نقیب بآواز بلند اعلان کرتے۔ اور جج تاڑ کے درخت کی ایک شاخ اسے عطا کرتے۔ مگر اصلی انعام آخری دن بڑی عزت و شان کے ساتھ دیا جاتا۔ یہ پہلے کوئی قیمتی شے ہوا کرتی تھی مگر آرکل ڈولفی کے ارشاد کے بموجب رواج متروک ہو گیا۔ فاتح کو اس متبرک شجر زیتون کا تاج پہنایا جاتا جسے دیوتا ہرکلیس نے خود اپنے ہاتھ سے لگایا تھا۔ یہ تاج بڑے اہتمام سے تیار کیا جاتا یعنے ایک شریف خاندان کا لڑکا جسکے ماں و باپ زندہ ہوں سونے کی

نہایت چکنی میز بچھی ہوئی ہے جس کے دونوں سروں پر ارغوانی رنگ کی کوچیں[۵۱] مہمانوں
کے آرام کے لئے بچھی ہیں۔ میز[۵۲] کو رنگ برنگ کے پھولوں سے بڑی خوبی کے ساتھ
سجایا ہے اور اسپر انواع و اقسام کے کھانے[۵۳] چنے ہوئے ہیں۔ کہیں قسم قسم کے گوشتوں کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ چھری سے متبرک درخت کے پتوں اور شاخوں کو کاٹ کر لاتا بعدہٗ تلوار کے خاتمہ پر
فاتح اپنا تاج سر پر رکھے جب قربانگاہ پر نذر چڑھانے آتا تو ایک بہت بڑی دعوت ہوتی اور اگر اسکی خواہش
ہوتی تو اسکا ایک بت بناکر الٹس میں نصب کر دیا جاتا اسی طرح جب وہ اپنے وطن واپس جاتا تو اسکی
بڑی آؤبھگت ہوتی۔ ہزاروں لوگ اسکی پیشوائی کو آتے اور وہ لباس فاخرہ پہنے ایک خوشنما گاڑی میں
بیٹھا ہوا جسے چار سفید گھوڑے کھینچتے تھے شہر میں داخل ہوتا۔ چاروں طرف سے نعرہائے خوشی بلند ہوتے اور
سب سے پہلے اسے بڑے دیوتا کے مندر پر لیجاتے جہاں وہ اپنا تاج بطور نذر چڑھاتا پھر اسکی دعوتیں ہوتیں بڑے
بڑے شاعر اسکی تعریف میں نظمیں لکھتے اور شہر کے معزز لڑکیاں باہم ملکر اسکے سامنے فتح و خوشی کے گیت
گاتیں (ماخوذ از سمتھ کلاسکل ڈکشنری)

۵۱ شروع زمانہ میں یونانی کرسیوں پر سیدھے بیٹھکر کھانا کھاتے تھے۔ بعدہٗ کوچ یا صوفا پر ٹیک لگانے کا رواج
ہوا بعض وقت میاں بیوی دونوں ایک ہی کوچ پر اسی طرح لیٹ کر کھاتے تھے مگر عموماً عورتیں اور لڑکے
علیحدہ کرسیوں یا تپائیوں پر بیٹھتے تھے یہ کوچیں لکڑی کی ہوتی تھیں جنپر نہایت خوبصورت کام بنا ہوتا تھا اور
ان پر ملائم گدے اور تکئے بچھے ہوتے تھے۔ (گول و کونر)

۵۲ میزیں صرف کھانے کے لئے مستعمل ہوتی تھیں اور کوچ سے زیادہ اونچی نہ تھیں۔ انکی شکل چوکور، گول یا
بیضاوی ہوتی تھی اور انکے پائے نہایت خوبصورت نقش و نگار کے ساتھ مختلف جانوروں کے پیروں کے مشابہ
بنائے جاتے تھے میزوں پر دسترخوان بچھاتے یا رومال رکھنے کا رواج نہ تھا۔ (گول و کونر)

۵۳ غریبوں کی غذا جو کی روٹی اور سبزی تھی۔ امیروں کے کھانے مختلف و لذیذ ہوتے تھے۔ بکری۔ بھیڑ اور
گائے کا گوشت۔ مچھلیاں۔ ترکاریاں۔ پیاز۔ لہسن۔ مٹر کی پھلیاں وغیرہ۔ گوشت وغیرہ کاٹ کر میزوں پر
رکھدیا جاتا پھر گیہوں کی روٹیاں ٹوکریوں میں رکھی ہوئی تقسیم ہوتیں۔ (گول و کونر)

مسلم رانیں برتنوں میں رکھی ہوئی ہیں۔ شیشے کی رکابیوں اور قابوں میں طرح طرح کی فواکہات مثلاً کھجور۔ انجیر۔ انار۔ خربزے وغیرہ بھرے ہوئے ہیں اور قریب ہی مکھی کے چھوٹے چھوٹے چھتوں میں شہد خالص جھلک رہا ہے۔ خربزہ اور مزیدار پنیر کے ٹکڑے بھی تانبے کی چھوٹی رکابیوں میں جنپر ابھرا ہوا کام کیا ہوا ہے رکھی ہیں اور وسط میز پر ایک خوبصورت اگن ہوتر کی شکل کی نقرئی زیبائشی چیز رکھی ہے جسکے چاروں طرف گلاب وحنا کے پھول لپٹے ہوئے ہیں۔ اور اسکے منہ سے عود و عنبر کا خوشبودار دھواں نکل رہا ہے اس میز کے پرلے سرے پر چاندی کا ایک بڑا سا پیالہ رکھا ہوا ہے جس میں شراب ڈالکر ملائی جاتی ہے۔ یہ جام یونان کی اعلیٰ درجے کی صناعی کا نمونہ ہے اسکے خمیدہ دستے ڈبوؤں کی شکل کے ہیں جو معلوم ہوتا ہے کہ گویا برتن کے بوجھ سے جھکے ہوئے ہیں۔ اسکے بھی گرد پھولوں کے ہار لگے ہوئے ہیں اور نیز ہر ایک کاسہ کے منہ پر گل سرخ یا مہندی کا ایک ہار بندھا ہوا ہے۔ کمرے کے تمام فرش پر گلاب کی پتیاں بکھری ہوئی ہیں۔ اور سفید چکنی دیواروں کے قریب بکثرت لیمپ اور فانوس آویزاں ہیں۔

مہمانوں کے بیٹھتے ہی غلام ان کی طرف بڑھتے ہیں اور بڑے انداز و سلیقہ کے ساتھ حنا اور عشق پیچاں کے گجروں اور ہاروں کو انکی شانوں اور پیشانیوں پر باندھ دیتے ہیں اور پھر انکے پیروں کو چاندی کی سلفچیوں میں دھونے لگتے ہیں۔

ایک خادم اب آکر گوشت کی رانوں کو کاٹنا شروع کرتا ہے۔ مگر سی باریسی (Cassiteris) کو ابھی تک غلاموں ہی سے فرصت نہیں ملی تھی۔ وہ اس قدر پھولوں و ہاروں سے لدگیا ہے کہ تمام کمرہ مہک اٹھا۔ پھر بھی اسکی سیری نہیں ہوئی تھی کہ اتنے میں کھانے کی پہلی قاب جو ایک قسم کی مچھلی ہے جو اورک کے مصالحہ میں تلی ہوئی ہے سامنے حاضر کیجاتی ہے اور وہ سب چھوڑ چھاڑ کر اس کو کھانے میں ہمہ تن مصروف ہو جاتا ہے۔

روڈوفس ایک آرام کرسی پر ٹیک لگائے میز کے سرے پر جہاں شراب کا بڑا جام رکھا ہوا ہے بیٹھی ہوئی مشغول گفتگو ہے اور غلاموں اور خادموں کی بھی نگرانی کرتی جاتی ہے وہ اپنے مہمانوں کو خوش و خرم دیکھکر دل ہی دل میں پھولی نہیں سماتی ہر اور ہر ایک سے اسکے مذاق کے مطابق کچھ نہ کچھ کہتی جاتی ہے کبھی ڈلفی سے اسکے تحصیل چندہ کا حال دریافت کرتی ہے۔ کبھی سی باریسی (Callisthenes) پوچھتی ہے کہ کھانا پسند آیا یا نہیں کبھی ابی کوس (Ibycus) کی باتوں کو کان لگا کر سن رہی ہے۔ یہ شخص اُس سے کہہ رہا ہے کہ کس طرح فری نی کوس (Phrynichus) نے اتھنز کے ڈراما میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اور بجائے پرانے مذہبی کھیلوں کے اب تاریخی واقعات یا روزمرہ کی معاشرت کو اسٹیج پر دکھانا شروع کر دیا ہے۔ بعد ازاں اسپارٹی کی طرف متوجہ ہو کر ہنسی سے کہتی ہے

"ان حاضرین کے مقابلہ میں مجھے آپ ہی سے زیادہ ڈر ہے کہ شاید اپنے وطن کے سادہ کھانے کے مقابلہ میں یہ پُر تکلف طعام پسند خاطر نہ ہو۔ لیکن یقین دلاتی ہوں کہ اب کی مرتبہ تشریف لائیگا تو خاص آپ کے ملک کا کھانا کھلاؤں گی کیونکہ میرے غلام ناسیس (Nausis) کو دعوے ہے کہ خون کا شوربہ اُس سے بڑھ کر کوئی نہیں پکا سکتا"

اس حملہ کو سن کر سی باریسی (Callisthenes) کا جسم کانپ اٹھا۔

جب مہمان انواع و اقسام کے لذیذ کھانوں سے سیر ہو چکے تو ان کے سامنے ہاتھ دھونے[۵۱] کے برتن دوبارہ لائے گئے۔ بعد ازاں میز[۵۲] صاف کی گئی۔ فرش جھاڑا گیا

---

۵۱ کانٹے چھری کا استعمال نہ تھا۔ کھانے سے پہلے غلام جوتے اتار کر سپرد ہوتے پھر خوشبو دار صابن سے ہاتھ دھلا کر تولیہ سے پونچھتے۔ طعام کے بعد بھی اسی طرح ہاتھ دھوئے جاتے۔ (گول دکوز)

۵۲ میزیں صاف کر کے علیحدہ رکھدی جاتیں۔ فرش سے ہڈیاں اور کھانے کے ٹکڑے جھاڑ دیئے جاتے۔

اور مئے ارغوانی کو پانی میں ملا کر جام کے اندر ڈالا گیا۔ اور دَور چلنے لگے جب روڈوفس کو ہر طرف سے اطمینان ہو گیا تو وہ فنیس سے جو لیسیا قوم سے تھے (melaniemn) سے باتیں کر رہا تھا مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

"شریف دوست! ہم لوگوں نے اپنی بیقراری کو اتنی دیر تک ضبط کیا ہے کہ میں سمجھتی ہوں اب آپ کا فرض ہے کہ اپنے حالات سے آگاہی بخشئے۔ اور یہ فرمایئے کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اور خالص شراب کے چند گھونٹ پیکر سب لوگ دیوتا کی تعریف میں بھجن گاتے۔ بعدہٗ بانسری و دیگر خوش آہنگ باجوں کی آواز کے ساتھ بزم نشاط شروع ہوتی۔ سب سے پہلے فواکہات مثل انجیر۔ کھجور۔ بادام۔ خربزے۔ پنیر و مکھن کیک وغیرہ سامنے لائے جاتے۔ پھر شراب کا دور چلتا۔ غلام موسم کے لحاظ سے گرم یا کوہستانی برف کا ٹھنڈا پانی ایک بڑے سے قدح میں شراب کے ساتھ ملاتے پھر ایک قسم کی ڈونگی سے چھوٹے چھوٹے ساغروں میں بھر کے سب کے سامنے لاتے اب مہمانوں سے ایک شخص ممبر مجلس مقرر کیا جاتا۔ یہ ہر ایک کے لئے جاموں کی تعداد مقرر کرتا اور قواعد مجلس کی پابندی کراتا جس میں ایک یہ بھی شرط تھی کہ ایک ہی گھونٹ میں پورا جام پی لیا جائے۔ غرضکہ اب پورے طور سے لطف و مذاق شروع ہوتا۔ ایکدوسرے پر جملے کستے۔ شعر خوانی کرتے یا پانسہ۔ جوا۔ اور ایک قسم کا کھیل جو شطرنج سے مشابہ تھا کھیلتے۔ نٹنیوں یا بازیگرنیوں کے کرتب دیکھتے یا حسین رقاصہ لڑکیوں سے ہنسی دل لگی میں مشغول ہوتے جو بسا اوقات اخلاقی حد سے گذر جاتی تھی۔ موسیقی اور رقص سے یونانیوں کو بہت شوق تھا متعدد اقسام کے ناچ رائج تھے اور عموماً مذہبی پرستش کا لازمہ سمجھے جاتے تھے۔ ایک میں لڑکے اور لڑکیاں ہاتھ پکڑے ہوئے دائرہ بنا کر چلتے تھے۔ دوسرے میں تلوار پر ناچ تھا۔ مگر عموماً بزم نشاط میں سب سے زیادہ مرغوب وہ ناچ تھے جن میں جذبات و خیالات انسانی بذریعہ حرکات و سکنات ادا کئے جاتے تھے یا دیوتاؤں کی دلچسپ روایات کے سین دکھائے جاتے تھے۔ اس سے آیندہ چلکر ڈراما کے کامڈی اور ٹریجیڈی کا آغاز ہوا اور تھیٹر کی باقاعدہ عمارتیں بنیں جن میں خوشنما سینری (مناظر قدرت) اور اسٹیج ہوتا تھا اور ایکٹر مصنوعی چہرے لگا کر اپنا پارٹ کرتے تھے۔

وہ کونسے بدنصیب واقعات تھے جنہوں نے مصر چھوڑ کر ہم سے جدا ہونے کے لئے آپکو
مجبور کیا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس جدائی کا آپ پر زیادہ اثر نہ ہو کیونکہ قدرت نے اتھنز
والوں کو عجب زندہ دل بنایا ہے لیکن ہمارے دلوں کا رنج و غم ایک عرصہ تک باقی رہیگا
میرے خیال میں اس سے بڑھکر کوئی بد قسمتی نہیں ہو سکتی کہ ایک ایسا رفیق و شفیق دوست
جس نے ہمیشہ ہمارا ساتھ دیا ہو یکایک چھوٹ جائے۔ ہم میں سے چند اس مدام یکساں
رہنے والے ملک میں اتنے عرصہ سے رہتے سہتے ہیں کہ شاید ہمارے مزاجوں میں بھی
مصریوں کا سا استقلال۔ ثابت قدمی۔ جفاکشی و وفا شعاری سرایت کر گئی ہو آپ یہ سنکر مسکراتے
ہیں اور سمجھتے ہیں کہ میں آپ کو متلون مزاجی کا الزام دیتی ہوں۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ
مجھے یقین ہے کہ گو آپ ایک عرصہ سے اپنے وطن جانیکے لیے بڑے خواہشمند تھے مگر
ہماری جدائی کا آپ کو بھی سخت قلق ہے۔ کیا میں غلط کہتی ہوں؟ اچھا تو یہ فرمایئے کہ
کیا حقیقت میں یہ آپ کی خواہش تھی یا مجبوراً آپ کو ملک چھوڑنا پڑا ہے۔ ابھی موقع
ہے کہ ہم غور و فکر کرکے کوئی تدبیر اسکے روکنے کی نکالیں۔

فینلس نے ایک تلخ آمیز مسکراہٹ سے جواب دیا۔

"روڈوپس میں تمھارے ان دلسوزی و ہمدردی سے بھرے ہوئے الفاظ
تمہارا اظہار تاسف اور تمہاری اس سعی کا جو مجھے روکنے کے لئے کرنا چاہتی ہو ممنون و شکرگزار
ہوں تاہم زمانہ ایک سا نہیں رہتا نئی صورتوں کو دیکھ کر لوگ اپنے پرانے رفیقوں کو بھول
جایا کرتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ شاید تم بھی اس سے مستثنےٰ نہ ہو کیونکہ گو اس دیار نیل میں
ایک عرصہ دراز سے رہتی سہتی ہو پھر بھی یونانی ہی ہو اور تمہیں دیوتاؤں کا شکر کرنا چاہیئے کہ
ایسا ہے اور مصر میں رہکر اپنی یونانی فطرت و طبیعت کو نہیں کھو بیٹھیں۔ اور اس سے میرا یہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ محل طرب میں بعض اوقات مرغوں کی لڑائی بھی ہوتی تھی۔ انہیں لہسن کھلا کر پہلے
خوب تیز کیا جاتا تھا اور شرط بدبد کر لڑایا جاتا تھا (گول و کونز)

مطلب نہیں کہ استقلال و استحکام کو بڑا سمجھتا ہوں لیکن مصریوں کی حماقت سے سخت جلتا ہوں۔ میرے خیال میں ایک امر ناشدنی سے اپنے آپکو مغموم و رنجیدہ کرنا عقلمندی سے دور ہے۔ مصریوں کی پائیداری و ثابت قدمی دیوانگی کی حد تک پہونچکر بد نما و قابل اعتراض ہوگئی ہے۔ اور ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ اپنے مُردوں کو برسہا برس محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور خواہ خود بھوکوں مر جائیں مگر آبا و اجداد کی ایک ہڈی[1] بھی ضائع نہ ہونے پائے یہ وفاکیشی۔ ثبات نفسی اور بدام رہنے کی آرزو ہے یا حماقت کی نشانی ہے؟ کیا اپنے پیارے دوستوں کو رنجیدہ دیکھنے سے مجھے خوشی حاصل ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ان مصریوں کی طرح جن کا کوئی عزیز گم ہوجاتا ہے تو رات و دن اسکے لئے آہ و بکا کرتے رہتے ہیں۔ تم لوگ بھی میرا غم کرو۔ بلکہ اپنے دوست کی یاد کو خواہ وہ راہ عدم ہوگیا ہو یا زندہ و دور افتادہ ہو ہمیشہ اپنے دلوں میں خوشی و خرمی کے ساتھ تازہ رکھو اور جب میں اس ملک کو خیر باد کہہ کے چلا جاؤں تو میرے پیچھے بجائے یہ کہنے کے کہ ہائے افسوس فیثاغورث ہم کو چھوڑ کر کیوں چلا گیا۔ اپنے دلوں کو تسکین دو۔ اور جس طرح وہ تمہارے سامنے شاد و خرم رہا کرتا تھا اُسی طرح تم بھی اوسکی غیبت میں اپنے دلوں پر کسی قسم کا غم نہ آنے دو۔ ہمارے شاعر موسی مڈلیس (Moses Mendelssohn) نے کیا خوب اسی مضمون پر کہا ہے:

دل میں گر ہوتی ہمارے عقل و دانش جلوہ گر — اسقدر ماتم نہ کرتے دوستوں کا صبح و شام
ایک دن غم کرکے اُن کی قبر پر ہوتے خموش — کیونکہ ہے بس چند دن میں زندگی کا اختتام

[1] مصری اپنے آبا و اجداد کے ممی (حنوط شدہ نفش) کی بہت حفاظت کرتے تھے۔ اگر وہ خراب ہوکر ضائع ہوجاتی تو سخت معیوب سمجھا جاتا اور ورثا اپنے مذہبی تجہیز و تکفین سے محروم کردیئے جاتے۔ البتہ بوقت ضرورت ممی کو رہن رکھکر قرض لے سکتے تھے۔ مصریوں کا اعتقاد تھا کہ لاش اگر خراب ہوگئی تو مردہ کو دوسری مدت کے تکلیف بھگتنا پڑیگی اور وہ جنت میں داخل نہ ہوسکے گا۔ بعض کا یہ بھی خیال تھا کہ تین ہزار سال کے بعد روح پھر مردہ جسم میں واپس آتی ہے۔ (رولنسن و ایبر)

بعد مرنے کے زمانہ آئیگا بیشک طویل ہے غضب ان چند دن میں بھی ہو گر راحت حرام

جب مردوں کے لئے غم کھانا منع کیا گیا ہے تو بھلا زندوں کی جدائی پر رنج کرنا کونسی عقلمندی ہے۔ یہ کچھ ہمیشہ کے لئے جاتے تو نہیں اسلئے "یار زندہ صحبت باقی" کہہ کر انہیں الوداع کرنا چاہیے۔ بسی بارسی ([illegible]) جو اس تقریر کو سنتے سنتے اکتا گیا تھا اب اُس سے نہ رہا گیا اور متوحشانہ لہجہ سے بولا۔

"تم بھی عجیب آدمی ہو کہ اپنا حال بیان کرتے کرتے موت کا ذکر کرنے لگے۔ آخر اسکے یاد دلانے سے کیا فائدہ کہ ایک دن ہم سب کو مرنا ہے!

سچ کہتا ہوں میری طبیعت موت کا نام سنتے ہی بگڑنے لگتی ہے۔ ہاتھ پیر سرد ہو جاتے ہیں اور شراب حلق کے نیچے نہیں اترتی"

اسپر تمام حاضرین نے زور سے قہقہہ مارا اور فینیس نے اپنے واقعہ کو پھر اس طرح بیان کرنا شروع کیا۔

"تم سب کو معلوم ہے کہ بیز ([illegible]) میں میں بادشاہ کے نئے محل میں رہتا ہوں۔ اور ممفس[1] (Memphis [illegible]) میں بھی بحیثیت سپہ سالار یونانی باڈی گارڈ

[1] اس شہر کے بانی کا نام صحیح طور سے نہیں معلوم لیکن غالباً فراعنہ مصر کے اول خاندان سے بھی پہلے یعنے ساڑھے تین ہزار برس قبل مسیح سے بھی زیادہ زمانہ گذرا کہ آباد تھا۔ ممفس کے معنی ہیں "اچھا مکان" مصر کی کتابوں میں اسے "ممف" لکھا ہے۔ خاندان اول نے اسے اپنا پایہ تخت بنایا اور ایک ہزار برس تک وہ مختلف خاندانوں کا دار السلطنت رہا۔ ہکسوس کا بھی دار الخلافہ تھا توریت میں نوف کے نام سے اسکا ذکر آیا ہے۔ یہ شہر مصری صنعت و حرفت۔ تہذیب و تمدن کا مرکز تھا۔ یہاں بہت بڑی تجارتی منڈی تھی اور بڑے بڑے انجنیر و معمار تھے جنہوں نے اہرام مصری بنائے جو ابھی تک عجائبات عالم میں شمار کئے جاتے ہیں یہاں بڑے بڑے اسکول و کالج تھے اور تمام دنیا سے علوم و فنون حاصل کرنے کے لئے لوگ آتے تھے۔ شاہان اشور و ایران نے اسے تباہ کیا اور خوب لوٹا۔ تاہم یہ آخری زمانہ تک مصری تہذیب کا مرکز رہا یعنی حضرت مسیح کے ایک ہزار سال بعد ہجرت نبوی صلعم سے چار سو برس

ہونے کے جیسے بادشاہ کے ہمراہ ہمیشہ سفر وغیرہ میں ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ میرے لئے پرانے
محل کے بائیں بازو میں چند کمرے مخصوص کردیئے گئے تھے اب سامیطیق Psammeticus
اول کے زمانہ سے بادشاہوں نے سیئز[۵] (Sais) میں بود و باش اختیار کرنا شروع
کردی تو باقی محل کسقدر ویران ہوگئے۔ بہرحال میرے رہنے کی جگہ اچھی طرح آراستہ اور نہایت
عمدہ موقع پر واقع تھی اور سوائے ایک تکلیف دہ بات کے جسکا ظہور میرے آتے ہی ہوا کوئی
شکایت کا موقعہ نہ تھا وہ یہ کہ دن کے وقت تو خیریت رہتی تھی اور میں زیادہ تر باہر رہا کرتا
تھا مگر رات کو آرام وچین ونیند بالکل حرام ہوجاتی تھی ہزاروں چوہے وچوہیاں بوسیدہ فرش و
پلنگوں کے نیچے یا پرانے پردوں کے پیچھے چھپے ہوئے اس غضب کا شور وغل مچاتے تھے
کہ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ آخرکار ایک مصری سپاہی کی صلاح سے میں نے
بلیوں کا ایک بڑا اور خوبصورت جوڑا پالا جس سے چند ہفتوں کے بعد اس مصیبت سے کسی قدر
نجات مل گئی۔ تم سب کو معلوم ہے کہ اس ملک کا جسکی عقل وتہذیب کی تعریف میں ہمارے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ بعد تک آباد تھا اسکے بعد تباہ ہوگیا۔ اسکے کچھ پتھر شہر قاہرہ کی تعمیر میں صرف کئے گئے
یہاں خاص دیوتا تاہ (Ptah) تھا جس کا مشہور مندر اس شہر کی عالیشان عمارت کا ایک قابل دید نمونہ تھا۔
ممفس کے کھنڈرات اہراموں کے گرد و نواح میں جو قاہرہ کے قریب واقع ہیں اور زمین میں مدفون و پوشیدہ
ہیں (ڈونلڈ مکنزی وونڈرس آف پاسٹ)

۵ دریائے نیل کا ڈلٹا سو میل سے زیادہ لمبا ہے اسپر زمانہ قدیم میں بڑے بڑے مشہور شہر آباد تھے منجملہ انکے سیئز (Sais) بھی تھا جو چھبیسویں خاندان کا دارالخلافہ تھا۔ یہاں ایک مشہور جھیل تھی جسپر آسرس دیوتا کے بعض واقعات زندگی کی نقل دکھائی جاتی تھی جو ایک بہت بڑی مذہبی رسم تھی۔ اصل جھیل کے آثار ابھی تک موجود ہیں اور سبع الحجر کے نام سے مشہور ہیں۔
(پروفیسر ولکنس)

دریائے نیل کا ڈلٹا۔ پانی سے گھرا ہوا مثلث خطہ ارض
موجودہ نہر سویز
بحر قلزم
بلوسیم
اسکندریہ
سیئز
بوسیرس
ہیلیوپولس
ممفس
دریائے نیل

ملیسی ( ) دوست اسقدر رطب اللسان ہیں۔ ایک یہ عجیب قانون ہے کہ بلیوں کو نہایت درجہ واجب التعظیم و متبرک سمجھتے ہیں۔ نیز علاوہ ان کے بعض اور خوش نصیب جانوروں[۵] کی بھی دیوتاؤں کی طرح سے آؤ بھگت کی جاتی ہے چنانچہ اگر اتفاق

۵ خیال کیا جاتا ہے کہ افریقہ والے سب سے پہلے یعنی انسانی دیوتاؤں کی پرستش سے قبل جانوروں کو پوجتے تھے (دو ہزار برس قبل مسیح) اور ابھی تک افریقہ کے بعض مقامات اور نیز ہندوستان میں بعض جانور پوجے جاتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں مصر میں یہ بات اسقدر عام تھی کہ باوجود حضرت موسیٰ کی سخت فہمائش و تنبیہہ کے بنی اسرائیل نے بھی جن پر مصریوں کی صحبت کا اثر تھا بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ پرستش حیوانات کے مختلف وجوہات بتائے جاتے ہیں۔

(۱) جانور و انسان میں تعلق حیوانی۔

(۲) انسان کا جانوروں سے فائدہ حاصل کرنا۔ مثلاً گائے۔ بھیڑ۔ کتا جو گلے کی رکھوالی کرتا ہے۔ نیولا جو مگر مچھ کے انڈے کھا جاتا ہے۔ باز۔ آبس جو بچھو سانپ و دیگر موذی کیڑوں کو کھا جاتے ہیں اور سانپ بھی جو طاعون پیدا کرنے والے چوہوں کو مار ڈالتا ہے۔

(۳) اکثر اس لئے متبرک تھے کہ وہ بعض دیوتاؤں کا نشان سمجھے جاتے تھے۔

(۴) مسئلہ آواگون پر اعتقاد جسکی رو سے انسان و دیوتا جانوروں کے قالب میں آسکتے تھے بعض کا یہ بھی خیال تھا کہ اولاً دیوتا دنیا میں مختلف جانوروں کی شکل میں آئے تھے۔ بعدہٗ جب ان کا تسلط ہو گیا اور دنیا سے جانے لگے تو انسان کو ان جانوروں کی پرستش کا حکم دیتے گئے۔

(۵) بعض وجوہات مذکورہ بالا کے علاوہ جن کے سمجھنے سے ہم قاصر ہیں بعض جانوران مثلاً آبس (ایک قسم کا پرند) باز۔ و آپس (بیل) کی پرستش تمام ملک میں عام تھی۔ بعض مقامی تھے۔ مثلاً۔ لنگور ہرموپوس میں شیر نی ڈلٹا میں بلی۔ بوبستس میں گائے ترزدنیوم۔ مینڈھا و بیل اکثر شہروں میں متوسط حصہ ڈلٹا میں سانپ بھی پوجا جاتا تھا اور عام طور پر علامت شاہی سمجھا جاتا تھا۔ علی ہذا۔ گدھ۔ گینڈا۔ گیدڑ۔ اور نیولا بھی بعض مقامات میں متبرک تھے۔ متبرک جانوروں کے لئے خاص لوگ مقرر تھے۔ وہ ایسے نشان لے کر

سے کسی سے ان کو مار ڈالا تو اسکو انسانی قاتل کی طرح بڑی سختی کیساتھ سزا دیجاتی ہے"۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ نکلتے تھے جن سے ان کا تعلق اس خاص جانور سے فوراً پہچان لیا جاتا تھا۔ انکے اخراجات کے لئے بہت سی جائدادیں وقف تھیں جن سے محافظین کی بھی روزی چلتی تھی۔ نیاز و نذر کے ذریعے بھی بکثرت روپیہ وصول ہوتا تھا مثلاً جب کوئی بچہ بیمار پڑتا تو والدین اسکی صحت کی منت مانگتے دیوتا کے مندر یا اسکے متبرک جانور کے پاس جاتے اور بچے کا آدھا یا پورا سر مونڈھ کر بالوں کو ایک ترازو میں سونے سے تولتے اور پروہت کو دیدیتے۔

مقدس جانوروں کی نگہداشت و پرورش کے لئے حد درجہ کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ انہیں نہایت آراستہ و آرام دہ مکان میں رکھا جاتا روزانہ گرم پانی سے نہلا کر انکے بدن پر خوشبوئیں لگائی جاتیں۔ ہر ایک کے لئے اسکے مطابق نہایت عمدہ غذا دی جاتی۔ باز کو مرغابی کا گوشت۔ بلی کو دودھ میں بھگوئی ہوئی روٹی یا ایک خاص قسم کی مچھلی دیجاتی۔ نیز ان کے نر کے لئے نہایت خوبصورت مادہ مہیا کی جاتی اور مرنیکے بعد انکی ممی (حنوط کردہ مردہ جسم) بنا کر بڑی دھوم دھام سے تجہیز و تکفین کی جاتی۔ لوگ اس غم میں اپنی بھویں مونڈ ڈالتے اور بڑی آہ و بکا کے ساتھ انکا ماتم کرتے۔ اگر اتفاقیہ یا سہواً کسی نے بلی یا باز کو مار ڈالا تو اسکی سزا موت تھی بلکہ اکثر تو اسکی سماعت عذر وغیرہ کی نوبت نہ آتی اور عوام الناس جمع ہو کر فوراً اسکے ٹکڑے اڑا دیتے تھے۔ اب بعض متبرک جانوروں کا فرداً فرداً ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) لنگور۔ یہ تھوتھ کی وجہ سے متبرک تھا۔

(۲) کتا۔ شاید اس وجہ سے کہ جب آسس اپنے شوہر آسرس کی لاش کو تلاش کرنے نکلی تھی تو اسنے رہنمائی کی تھی تاہم یہ بلی کے برابر متبرک نہ تھا اور نہ ہر جگہ اسکی پرستش تھی۔

(۳) بھیڑیا۔ کیونکہ آسرس نے اسی کے بھیس میں اپنی بیوی اور لڑکے کی مدد اپنے دشمن کے مقابلہ میں کی تھی۔

(۴) گیدڑ۔ یہ انوبس دیوتا کا نشان تھا۔

(۵) نیولا۔ (ہر خاص قسم کا) یہ مگرمچھ کا دشمن ہے اسکے انڈے توڑ دیتا ہے۔ سانپ و چوہے کو

یہ سنتے ہی رو ڈوفس جو ابھی تک ہنس رہی تھی یکایک کچھ چپ سی ہو گئی۔ اور اسکا چہرہ زرد پڑ گیا اور دل میں کہنے لگی کہ کہیں ان متبرک جانوروں کی تحقیر فینیس کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ مارتا ہے لیکن مرغی کے انڈے بھی کھاجاتا ہے۔ (۶) بلی۔ یہ مضر کیڑوں کو مارتی ہے اور کثیر الاولاد یا بار آوری کی خاصیت رکھتی ہے۔ غرضکہ جیسا ہم اوپر لکھ چکے یہ نہایت متبرک ہے اور جب کسی مکان میں آگ لگتی تو سب سے پہلے آدمیونکو چھوڑ کر بلیوں کو بچانے کی کوشش کیجاتی ہے۔
(۷) شیر۔ صرف ایک شہر میں اسکی پرستش تھی اور وہ قوت و طاقت کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ (۸) بیل جسپر خاص نشان نہوں مار کر کھا سکتے تھے مگر گائے بہت متبرک تھی۔ (۹) گدھ۔ نیتھ دیوی کا نشان تھا۔ (۱۰) باز۔ شمسی دیوتا یعنی را کا نشان تھا اور تمام ملک میں اسکی پرستش تھی۔ (۱۱) آبس۔ یہ موذی حشرات کو کھاجاتا ہے اور مشہور تھا کہ پروار سانپوں کو بھی مار کر بھگا دیتا ہے۔ شاید اس سے مراد ٹڈیاں ہونگی۔ یہ تھوتھ کا نشان تھا اور تمام ملک میں عزت سے دیکھا جاتا تھا۔ (۱۲) افعی (ایک قسم کا کوبرا یا ناگ)۔ یہ نیتھ کی شبیہ تھا اور بادشاہی کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ اسکی بعض باتیں دیوتاؤں کے مانند تھیں۔ یہ کبھی بوڑھا نہیں ہوتا اور اجرام فلکی کی طرح بڑی خاموشی و آسانی سے حرکت کرتا ہے اسے لوگ گھر میں پالتے۔ کھانیکے بعد شراب و شہد اسکے لئے رکھدیتے اور چٹکی بجا کر اُسے بلاتے تھے دیوتا اور بادشاہ کے تاج پر ہمیشہ اسکی شکل نظر آتی تھی۔ (۱۳) بعض مچھلیاں بھی متبرک تھیں۔ (۱۴) گبریلا۔ اسکی مادہ کا خاصہ ہے کہ گوبر میں اپنے انڈے رکھ کر اسکا ایک چکنا گولا بناتی ہے تاکہ بچوں کی غذا کے کام آئے۔ پھر اُسے زمین میں دفن کردیتی ہے مصری اُسے نر سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اسکی مادہ نہیں ہوتی بلکہ وہ خود ایک انڈا بنا کر از سر نو اس سے پیدا ہوتا ہے اور حیات جاودانی رکھتا ہے۔ انکے خپیرہ (سورج) دیوتا کی شکل گبریلے کی تھی۔ اور تاہ (خالق) دیوتا کا بھی یہی نشان تھا۔ مختلف قد و قامت کے گبریلے بنا کر تبرکاً انگوٹھی۔ اور دیگر زیورات میں لگائے جاتے تھے۔ بعض پر دعائیں کندہ کر کے ممی کے تابوت میں بھی رکھتے تھے۔ (۱۵) نباتات بعض درخت مثل تمرسک (جھاؤ) وغیرہ کے متبرک تھے کیونکہ اسرس کی لاش کا صندوق اسی لکڑی کا بنا تھا۔ علیٰ ہذا کنول بھی سورج کا نشان ہونے کیوجہ سے متبرک سمجھا جاتا تھا۔

(۱۶) علاوہ ان کے نیکی زندگی پاکی۔ قوت وغیرہ کے سینکڑوں چیزیں نشان یا علامت سمجھی جاتی تھیں۔

جلاوطنی کا باعث تو نہیں ہوئی ہے۔ وہ بخوبی جانتی تھی کہ مصریوں کے اس وہم پرستی کی بدولت کتنے لوگوں کی جانیں قربان ہو چکی ہیں۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ بادشاہ ایک یونانی کو جسنے بلی کو مار ڈالا تھا اپنی برہم رعایا کے انتقام سے نہ بچا سکا تھا۔

غرضکہ **فینس** نے اپنے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا

"دو برس ہوئے جب ہم **ممفس** (Memphis) چھوڑ کر آئے تھے تو وہاں سب طرح خیریت تھی۔ میں نے اپنی دونوں بیبیوں کو محل میں ایک مصری کی نگرانی میں چھوڑ دیا تھا۔ اور مطمئن تھا کہ وہ اپنے دشمن چوہوں سے مکان کو پاک و صاف کر رکھیں گی۔ بلکہ اس لحاظ سے میرے دل میں بھی ان کی طرف سے ایک قسم کی عقیدت و الفت پیدا ہونے لگی تھی۔

پارسال بھی ہم لوگ **سیئر** (Sais) ہی میں رہے اور **ممفس** (Memphis) نہ جا سکے کیونکہ بادشاہ عین وقت پر بیمار پڑ گیا تھا اور اب صرف چھ ہفتے ہوئے کہ اُدھر جانے کا پھر قصد ہوا اور وہاں پہنچتے ہی میں نے اپنے پرانے مکان میں پھر بود و باش اختیار کرنا چاہی اور بڑی حیرت سے چاروں طرف دیکھا۔ کسی چوہیا کی دم تک نظر نہ آئی۔ مگر کیا دیکھتا ہوں کہ اب ایک اور مصیبت کا سامنا ہے جو پہلے سے بھی کہیں زیادہ اذیت رساں ہے یعنی بلیوں کی نسل میرے دو سال کی عدم موجودگی میں پندرہ بیس گنا زیادہ ہو گئی۔ ہر طرف رنگ برنگی طرح طرح کی چھوٹی بڑی بلیاں کودتی پھاندتی نظر آتی تھیں اور رات کے وقت انکی میاؤں میاؤں۔ رونے اور لڑنے کے شور و شغب سے میری جان غضب میں آ گئی۔ سونا محال ہو گیا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: ترسل یا سرکنڈا حکومت کی علامت تھی اور تابوت اور کشتیوں پر آسرس کی ایک آنکھ بنا دیتے تھے اور اُسے پائداری حفاظت و وطن کا نشان سمجھتے تھے۔ (ماخوذ از پروفیسر ولکنسن)

جتنا انکو مار کر بھگاتا تھا اتنا ہی زیادہ اُمنڈ کر آتی تھیں۔

میں نے انہیں دور کرنے کی اب یہ تدبیر سوچی کہ ہر سال بوباسٹس[1] Bubastis کے تہوار کے زمانہ میں مصریوں کو عام اجازت ہے کہ جتنی غیر ضروری وزائد چوہے مار بلیاں ہوں انکو پشت[2] (Pasht) کے مندر میں لیجا کر چھوڑ آئیں۔ اس دیوی کا سر بلی کی طرح ہے اور اسکے مندر کے پجاری جو بڑے بدمعاش ہیں بلیوں کی خبرگیری کرتے ہیں یا انکو کہیں دے دلا دیتے ہیں مگر بدقسمتی سے یہ زمانہ اس تہوار کے منعقد ہونیکا نہ تھا اور یہ بھی ناممکن تھا کہ میں اتنے دنوں تک انتظار کرتا اور مصیبت برداشت کرتا رہوں۔ اسی اثنا میں بارہ تیرہ بچوں کا ایک اور جھول منودار ہوا۔ تب تو میرا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا۔ اور میں نے ٹھان لی کہ چاہے جو کچھ ہو مگر میں ان کو نکالے بغیر نہ ہونگا سینے لپنے ایک پرانے خادم مئس (Mau) کو جس کے نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے

---

[1] بوباسٹس یا بُبستس (کھنڈرات جو تل بست کے پاس ہیں) قدیم زمانہ کا ایک شہر ہے جو مشرقی ڈیلٹا پر واقع تھا۔ یہ بائیسویں خاندان کا دارالخلافہ تھا جہاں پشت یا پشٹ دیوی کا ایک عالیشان مندر تھا۔ ہر سال یہاں ایک بہت بڑا تہوار ہوا کرتا تھا جس میں سات لاکھ سے زیادہ لوگ جمع ہوتے تھے اور زیادہ تر اپنا وقت شراب خواری بدمستی وقربانی وغیرہ میں گذارتے تھے۔ عموماً قاعدہ تھا کہ مرد وعورت کشتیوں پر بیٹھکر گاتے بجاتے دریا کی راستے بوباسٹس جاتے تھے۔ اثنار راہ میں اگر کوئی شہر نظر آتا تو یہ اپنی کشتی کنارہ کے قریب کھڑی کر دیتے اس کا تماشہ دیکھنے شہر کے لوگ جب آتے تو یہ عجیب قاعدہ تھا کہ کشتی کی عورتیں اپنے لہنگے اٹھا اٹھا کر انہیں صلواتیں سناتیں خوب چلاتیں اور زور زور سے مجیرے بجا کر ان کے سامنے ناچتی گاتیں۔ (پروفیسر ولکنس)

[2] مختلف بت پرست قوموں خصوصاً مصریوں میں "مہاماتا" دیویوں کی پرستش عام تھی جن سے خاصہ جنس اناث یعنی کثرت تولید مقصود تھا۔ یہ دیویاں باکرہ تھیں۔ خود بخود ظہور میں آئی تھیں اور عموماً انکا ایک فرزند ہوتا تھا جو بلا باپ پیدا ہوا تھا انمیں سے بعض کو ایکدوسرے سے خلط ملط بھی کر دیا جاتا تھا۔ مثلاً ایک زمانہ میں پشت کو آئسس دیوی کا دوسرا ظہور سمجھتے تھے پشت کا سر بلی کا تھا جیسے ایک قرص واقعی کی شکل تھی۔ مصر زیریں میں اسکی پوجا عام تھی اور بلی اسی کی وجہ سے

کہ بلیوں کا دشمن ہوگا۔ حکم دیا کہ ان سب کچے بچوں کو مار مور ایک تھیلے میں بھر کر دریائے نیل میں پھینک آئے۔ یہ بظاہر سخت بیدردی معلوم ہوتی ہے مگر کوئی چارہ نہ تھا۔ کیونکہ انہیں زندہ پکڑ کر لے جاتا تو ان کی میاؤں میاؤں سے محل کے تمام خادموں کو خبر ہوجاتی غرضکہ اندھیرا ہوتے ہی میرے خادم نے سب کو پکڑ پکڑ ا انکا کام تمام کیا۔ اور ایک تھیلے میں بھر کر اور اُسے چھپا کر نخلستان ہاتھر[۵] (Hathor) سے ہوتا ہوا دریا کی طرف لیچلا۔ لیکن بدقسمتی سے میرا ایک مصری خادم بھی تھا جس کا کام جانوروں کو کھانا دینا تھا اور جو میرے بلّی کے بچوں کو خوب اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اُسے ہم پر شبہ ہوگیا اور اس واقعہ کی خبر لگ گئی۔ غرضکہ مُس ([illegible]) نہایت خبرداری احتیاط کیساتھ تھیلی کو اپنے دامن میں چھپائے ہوئے جب ابوالہول[۶] کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ متبرک سمجھی جاتی تھی۔ (ڈونلڈ مکنزی)

[۵] ہاتر "ایک دوسری" مہاماتا" دیوی تھی۔ اس کا جسم عورت کا اور سر گائے کا تھا جس کے سینگوں کے درمیان قرص شمسی نظر آتا تھا۔ اسکے متعلق مختلف عقائد تھے۔ کبھی تو یہ را دیوتا کی آنکھ بن کر اس کے دشمن انسان کو تہ تیغ کرتی تھی جس کی خوشی میں را اسے آسمان کی دیوی بنا دیتا ہے اور شراب کا صدقہ اسکے لئے مقرر کرتا ہے (چنانچہ نیل کا سیلاب جب شروع ہوتا تو مکانات وغیرہ کی تباہی اسی دیوی کا کرشمہ سمجھی جاتی تھی اور اسکے پجاری شراب چڑھاتے اور خود بھی پی کر خوب بدمست ہوتے تھے) کبھی یہ سکت دیوی مینڈک کی شکل والی (مصری سمجھتے تھے کہ مینڈک آپ ہی آپ پیدا ہوجاتے ہیں اس لیے سکت مانند حیات و پیدائش انسان سے تعلق رکھنے والی سمجھی جاتی تھی) سے مخلوط کر دی جاتی تھی اور کبھی یہ مقدس ائیسس کا مظہر سمجھی جاتی تھی۔ بعض محققین اسے مصریوں کی عشق و محبت کی دیوی کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یونانیوں کی وینس (زہرہ) دیوی اسی کی نقل تھی۔

[۶] اسفنکس یا ابوالہول ایک خیالی جانور تھا جس کی تین قسمیں تھیں۔

(۱) جسم شیر کا اور سر انسان کا (نشان دماغی و جسمانی قوت)

(۲) مینڈھے کا سر اور جسم شیر کا۔

کی گلی سے ہوتا ہوا اور ٹاہ ر[5] (ملسقاھر) کے پاس سے گذرتا ہوا جب مقدس گنج میں پہونچا تو اسکو شبہ ہوا کہ چند لوگ پیچھا کر رہے ہیں لیکن اسکی اس نے ذرا پرواہ نہ کی۔ پھر آگے بڑھا تو اسنے دیکھا کہ جو لوگ اسکا تعاقب کر رہے تھے وہ ٹاہ ر (ملسقاھر) کے مندر کے قریب پہونچکر ٹھہر گئے اور پجاریوں سے کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی اُسنے سمجھا کہ اب خیر نہیں ہے اور بڑی زور سے دریا کی طرف بھاگا۔ جہاں پہونچتے ہی اُسنے تھیلے کو پانی میں پھینک دیا۔ اور خائف اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ (۳) شیر کا جسم اور سر عقاب کا۔

یہ مندروں کے سامنے یا ان کے باہر پھاٹکوں کے ادہر اُدہر قطاروں میں نصب کئے جاتے تھے۔ ان سے شاید مذہب کا پُر از رمز و اسرار ہونا مراد ہوگا۔ یا شاید بادشاہ کے اُس صفت کا اظہار ہو جسکے رو سے وہ دیوتاؤں کا اوتار اور قادر مطلق خیال کیا جاتا تھا۔ آج کل بھی مصر میں بکثرت ابو الہول موجود ہیں لیکن سب سے بڑا اور مشہور و معروف غیزہ کے اہراموں کے قریب قاہرہ سے تھوڑی دور واقع ہے۔ یہ بہت قدیم ہے اور ابھی تک صحیح طور سے نہیں معلوم کہ اسکی بنا کس زمانہ میں ہوئی۔ بعض کا خیال ہے کہ شاہ سیفرا کے عہد میں جسنے دوسرا اہرام بنایا تھا یہ بھی تعمیر ہوا ہے۔ قدیم زمانہ میں اس تک پہونچنے کے لئے ایک پکا راستہ تھا اور پندرہ سیڑھیاں اتر کر اور پندرہ سیڑھیاں چڑھ کر اسکے سامنے والے پنجوں کے پاس پہونچتے تھے جنکے بیچ میں ایک چھوٹا سا پانچ فٹ چوڑا مندر بنا ہوا تھا۔ اس ابو الہول کا جسم شیر کا اور سر انسان کا ہے اسپر تاج شاہی رکھا ہے اور سانپوں کی شکل میں ہے۔ پیر سے لیکر سر تک (۶۶) فٹ اونچا ہے۔ چہرہ کی لمبائی ۱۳ فٹ (۸) انچہ ہے۔ ناک (۵) فٹ (۷) انچہ اور مونہہ (۷) فٹ (۷) انچہ لمبا ہے اس کا چہرہ ناک وغیرہ اب بہت کچھ ٹوٹ گئے ہیں لیکن آنکھوں سے اب بھی ایک عجیب غیر معمولی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے یعنے خاموش و چپ چاپ وہ کسی غور و خوض و دہیان میں مشغول ہے۔ یا دنیائے فانی کی بے ثباتی کو یاد دلا رہا ہے۔ (ونڈرس آف پاسٹ)

[5] ٹاہ۔ اسے غالباً وہ قوم جو تین یا چار ہزار سال قبل مسیح اپنے کوہستانی مقامات سے آکر مصر میں آباد ہوئی ساتھ

لرزاں کنارے پر کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ بلا کسی ثبوت کے میرا کوئی کیا کر سکتا ہے۔ مگر تھوڑی دیر میں مندر کے سیکڑوں خادموں نے اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور ٹاہ کا سب سے بڑا پجاری بھی جس کا نام ٹاہوٹپ ([illegible]) ہے اور جو میرا پرانا دشمن ہے وہاں آموجود ہوا۔ اور بہت سے لوگ جن میں محل کے بھی بعض دغاباز خادم تھے۔ دریا کے اندر گھس پڑے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر بدقسمتی سے انہوں نے اُس تھیلے کو مع بلیوں کے کنارے پر لیجا کر رکھدیا۔ اب مجمع بہت زیادہ بڑھ گیا ممفس ([illegible]) کے ہزاروں باشندے چاروں طرف سے آکر جمع ہو گئے۔ سب پر ایک سکوت کا عالم تھا کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ لائی۔ ممفس اسکی خاص پرستش گاہ تھا جہاں شاہ منس (پہلا خاندان) نے ایک نہایت عالیشان مندر تعمیر کرایا تھا۔ یہ سنگ تراشوں، کاریگروں اور صناعوں کا داتا تھا۔ اس کی بیوی جس کا منہ شیرنی کا تھا سخت تباہ و برباد کرنے والی تھی۔ مگر ٹاہ خالق تھا۔ بعض کا خیال تھا کہ مادہ ہیولی اسے خود بخود پیدا ہوا اور بطخ نے جب انڈا دیا تو اُس سے نکلا تھا۔ اسکی شکل بونے کی تھی۔ ہاتھ میں ہتوڑا تھا۔ سب سے پہلے اسنے اپنے اعضا بنائے۔ پھر اپنی طرح آٹھ اور بونوں کو پیدا کیا۔ ان سب نے ہتوڑوں سے پیٹ پاٹ کر آسمان و زمین و پہاڑ آراستہ کئے۔ بعدہٗ پروہتوں نے ایک دوسری قوم کی دیوتا تتن سے اسے مخلوط کر دیا۔ یہ دوسرا بہت قدآور تھا اسلئے ٹاہ اور تتن جب مل گئے تو ایک نیا دیوتا بنا جو پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہوا تھا جس کا سر آسمان تک پہونچتا تھا اور پیر زمین پر لگتے تھے۔ تند ہوائیں اسکے نتھنوں سے نکل رہی تھیں اور دریا اور سمندر اسکے منہ سے بہہ رہے تھے۔ یہ تمام عالم کا خالق مانا گیا۔ زمانہ مابعد میں ٹاہ کو دوسرے دو دیوتاؤں یعنے سکر و آسرس کے ساتھ ضم کر کے ایک کر دیا۔ اور ان تینوں کی شکل بصورت ممی بنائی جسے تمام دیوتاؤں سے افضل و برتر شمار کیا گیا۔ پانچویں خاندان کے زمانہ سے را کی پرستش ہوئی اور آئندہ امن اور آسرس کو دوبارہ عروج ہوا۔ مگر ٹاہ کی عزت میں فرق نہ آیا کیونکہ ان تینوں سے اسے منسوب کرتے گئے۔ اور ملکے نئے شریک بنائے گئے جو مصری مذہب کا ایک عجیب صلح کن طریقہ تھا۔ (ڈونلڈ مکنزی)

ممکن ہے عیسائیوں نے تثلیث کا مسئلہ اور تین کو ایک سمجھنا انہیں مصری عقائد سے لیا ہو (مترجم)

اتنے میں تھیلے کو جسے کپڑے کا کفن کہنا چاہئے کھولا گیا اور مردہ بلیوں پر سب کی نظر پڑی
پس غیظ و غضب و انتقام کے نعرے بلند ہوئے اور ایک شور آہ و بکا برپا ہوا کہ محل تک
میرے کانوں میں آواز پہونچی۔ لوگ دیوانہ وار میرے غلام پر گرے اُسے زمین پر ٹپک
دیا اور ضرور کچل کے مار ڈالتے اگر بڑا پجاری بیچ میں نہ آجاتا۔ اُسنے حکم دیا کہ غلام کو قید خانہ
میں ڈالدیا جائے۔ کیونکہ اُسے شبہ تھا کہ در حقیقت میں اس جرم کا بانی مبانی ہوں۔ اور
اسکو سب سے زیادہ میری بربادی و تباہی مد نظر تھی۔ اس واقعہ کے آدھ گھنٹہ کے بعد میں
گرفتار ہو گیا۔ جب تحقیقات شروع ہوئی تو میرے وفادار غلام نے تمام الزام اپنے سر لیا
لیکن جب زیادہ جبر و تشدد کے ساتھ اسپر مار پیٹ پڑی تو بڑے پجاری کے سامنے اسنے اقرار
کر دیا کہ جو کچھ اسنے کیا تھا وہ میرے حکم سے کیا تھا اور بحیثیت ایک تابعدار خادم ہونے کے وہ
میری عدول حکمی سے گریز نہ کر سکتا تھا۔ بعد ازاں ایک عدالت اعلیٰ جس کے فیصلہ کے خلاف
بادشاہ بھی کچھ نہیں کر سکتا منعقد ہوئی اسکے رکن ممفس (Memphis) ہیلیو
پولس (Heliopolis) اور تھیبنر[۵۱] کے پجاری تھے۔ تم خیال کر سکتے ہو کہ ان

---

[۵۱] تھیبنر (موجودہ لکسر و کرناک) یہ مصر کا ایک نہایت قدیم شہر تھا اسکی تاریخ کا صرف ۲۱۰۰ ق م (گو
اس سے بہت پہلے آباد تھا) سے پتہ لگتا ہے جب گیارہویں خاندان کے فراعنہ بڑے شان سے حکومت
کر رہے تھے اور یہ سلطنت متوسطہ کا ہکسوس کے زمانہ تک دار الخلافہ رہا۔ بعد ازاں ۱۵۵۰ تا ۹۵۰ ق م میں
پھر اسے عروج ہوا اور ۱۸ - ۱۹ خاندانوں کے مشہور فراعنہ کا پایہ تخت رہا۔ اسی زمانہ میں اخناتن نے جب
نیا مذہب ایجاد کیا تو اسے چھوڑ کر تل الامرنا بسایا۔ مگر اسکے مرنے کے بعد اس کا داماد توتنخامن نے آمن کی
پرستش دوبارہ زندہ کی تو تھیبنر واپس آیا۔ یہ شہر اس دیوتا کے لئے مخصوص تھا۔ یہاں رامسس ثانی نے
آمن را کا ایک نہایت عالیشان مندر تعمیر کرایا۔ اور اسکی در و دیوار پر اپنی فتح شام کے مرقع بنوائے
تھے۔ اس معبد کے کھنڈرات کو آجکل رامیسیم کہتے ہیں اسکی ہال میں (بڑے کمرے) ۱۳۴ ستون تھے
جن کی لمبائی ۸۰ فٹ اور قطر ۳۳ فٹ تھا۔ ۶۶۱ ق م میں اشور کے بادشاہ اشور بنی پال نے اسے تباہ کر دیا

لوگوں کے سامنے میری اور مُس (mums) کی کیا حقیقت تھی۔ انہوں نے فوراً ہم دونوں کو سزائے موت کا حکم سنا دیا۔ غلام پر دو سنگین جرم لگائے گئے۔ ایک تو یہ کہ اسنے مقدس جانوروں کو ہلاک کیا۔ اور دوسرا بارہ گنا بڑھکر یہ کہ دریا میں انکی لاشوں کو ڈال کر اُسے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اور اسکے بت لوٹ کر اپنے ملک لے گیا۔ مگر یہ شہر پھر بنا۔ اور ۵۲۵ ق م پھر کمبوجیہ (شاہ ایران) کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ غرضکہ ۵ ق م تک اسکا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ یہ دنیا کا نہایت مشہور شہر تھا۔ اس کا دور بارہ میل کا تھا۔ یونانی شاعر ہومر نے اسکے ایک سو پھاٹکوں سپاہیوں گھوڑوں اور رتھوں کی بہت تعریف کی ہے۔ یہاں بڑے بڑے عالیشان محل اور مندر تھے جن کی فرش چاندی کے اور در و دیوار بے شمار زر و جواہر سے آراستہ تھے۔ یہاں سونے چاندی۔ پتھر و عاج کے بکثرت مینار و یادگار نشان تھے۔ بکثرت عالیشان بت تھے۔ جن میں آمنحوتپ سوم اور اسکی ملکہ تیا کے بت ستر فیٹ بلند عجائبات عالم تھے کیونکہ مشہور تھا کہ بوقت صبح ان کے منہ سے ایک آواز نکلتی ہے۔ بعدہٗ ایک رومی بادشاہ نے ۱۹۳ء میں جب یہ بت شکستہ حال ہوگئے تھے تو انکی مرمت کا حکم دیا۔ مگر آواز اسکے بعد سے بند ہوگئی۔ یہ بت آجتک موجود ہیں اور کلوسی ممنن کے نام سے مشہور ہیں۔ اس شہر کے باشندوں اور امرا کے مکان ۴۔ ۵ منزلہ تھے انکی چھتیں چپٹی تھیں۔ اندر نہایت آراستہ پیراستہ اور تصاویر و نقش و نگار سے مزین خواب گاہ۔ کھانے اور ملاقات وغیرہ کے کمرے ہر موسم کے لئے موزوں تھے باہر چہار دیواری سے گھرے ہوئے خوشنما باغات تھے مگر چونکہ زیادہ تر کچی اینٹ اور استر کاری اور چونے سے کام لیا جاتا تھا اسلئے ان کے آثار کا اب پتہ نہیں۔ اس شہر میں بڑی رونق اور چہل پہل تھی اسکی عالیشان گھاٹوں پر بکثرت تجارتی جہاز اور کشتیاں نظر آتی تھیں۔ اسکی سب سے زیادہ مشہور وہ سڑک تھی جو آمنحوتپ سوم کے مندر (موجودہ معبد لکسر) سے ہوتی ہوئی شہر کے درمیان سے گذرتی تھی۔ اسکے دو رویہ ابوالہول کی قطاریں نصب تھیں۔ ہر روز اس سڑک پر ہجوم رہتا تھا اور کوئی نہ کوئی مذہبی جلوس ضرور نکلتا تھا۔ یہ شہر بہت بڑا مذہبی مرکز تھا اسی لئے مصری اسے پراسرار شہر۔ شہر اسم مخفی۔ اور شہر مالک ابدی کے ناموں سے پکارتے تھے انجیل میں اسے نو کے نام سے یاد کیا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر جب نینوا

ناپاک کیا مجھے ان دونوں کا بانی ٹھہرا کر جو بیس گنہ زیادہ قابل سزا گردانا گیا یمئس (Ismus) کو تو اسی روز قتل کر دیا گیا جسے دیکھ کر میرے آنسو نکل پڑے میں ہمیشہ اُسے اپنا محسن سمجھونگا۔ اور جب تک زندہ رہونگا دیوتاؤں سے اسکی مغفرت کی دعا مانگوں گا۔ اور کبھی اُسکے احسان کو فراموش نہ کرونگا۔ بعدازاں اُسکی لاش کے سامنے ہی مجھے بھی قتل کا حکم پڑھ کر سنایا گیا۔ اور میں صبر و شکر کے ساتھ عالم اسفل کے سفر کیلئے بالکل تیار بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں بادشاہ کا حکم پہونچا کہ میرے قتل کو کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کر دیا جائے۔ بعدہ لوگ مجھے گھسیٹ کر قید خانہ میں ڈال آئے۔ یہاں میرے محافظین میں ایک یونانی ٹیکسی آرک (Taxiarch) تھا۔ اُسنے مجھے خبر دی کہ باڈی گارڈ کے تمام یونانی افسروں اور اکثر سپاہیوں نے جن کی تعداد چار ہزار سے کم نہیں ہے یہ دھمکی دی ہے کہ اگر اُنکے سردار کو نہ چھوڑ دیا جائیگا تو سب استعفا دیدیں گے۔ رات ہوتے ہی مجھے بادشاہ کے روبرو لے گئے وہ نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آیا اور ٹیکسی آرک (Taxiarch) کے بیان کی تائید کر کے افسوس کے ساتھ کہنے لگا کہ مجھے ایسے وفادار افسر کے چھوٹنے کا سخت رنج ہے سچ پوچھو تو میرے دل میں شاہ اماسس (Amasis) کی طرف سے کسی قسم کا رنج نہیں ہے بلکہ اسکی حالت ایک لحاظ سے بہت قابل رحم ہے کیونکہ باوجود اسقدر قدرت و اقتدار کے وہ اپنی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ (دارالخلافہ سلطنت اشور) کے زوال کی پیشینگوئی کرتے ہیں تو اسطرح لکھتے ہیں ”کیا تو نو سے بھی زیادہ آباد ہے جو لب دریا واقع تھا۔ اور چاروں طرف پانی سے گھرا تھا۔ تمام حبش و مصر اسکی حمایت و حفاظت میں تھے لیکن پھر اس کا کیا حشر ہوا۔ آخر وہ برباد و تباہ ہوا۔ اسکے بچے بلندیوں سے سڑک پر پھینک کر مارے گئے۔ اسکے بڑے بڑے لوگ زنجیروں میں باندھ کر ذلیل و خوار کئے گئے (انجیل پیغمبر ناحم) اس شہر کے اب بھی بکثرت آثار لکسر کے نزدیک جو قاہرہ سے ۴۵۰ میل کے فاصلہ پر ہے موجود ہیں یہ شہر دریائے نیل کے مشرقی کنارہ پر آباد تھا اسکے مغربی ساحل پر وہ سلسلہ کوہ ہے جس میں وادی تاجداران ہے

خواہشات کو پورا کرنے سے معذور ہے۔ ملکی و مذہبی معاملات تو جدا ہیں۔ اُسکے خانگی باتوں میں بھی پجاریوں کا بہت بڑا اثر ہے اور اپنے دخل در معقولات سے ہمیشہ اُس کی جان عذاب میں رکھتے ہیں۔ اُسنے صاف طور سے مجھ سے کہا کہ اگر یہ معاملہ اُسکے اختیار میں ہوتا تو وہ بخوشی اس جرم کو معاف کر دیتا کیونکہ میں اجنبی ہونے کی وجہ سے اس ملک کے بعض قواعد سے ناواقف تھا اور اپنی غلط فہمی سے انکی اہمیت کو پورے طور سے نہ سمجھ سکتا تھا مگر پجاریوں کے خوف سے وہ بلا کوئی سزا دیئے ہوئے مجھے چھوڑ بھی نہیں سکتا اور ہلکی سی ہلکی سزا اسکے خیال میں مصر سے جلاوطنی ہے جو مجھے اب بھگتنا پڑے گی۔ بعد ازاں یہ کہہ کر اسنے اپنی تقریر ختم کی کہ

"تم کو شاید یہ نہ معلوم ہو کہ میں نے کس قدر سمجھانے بجھانے اور رضاجوئی کے بعد پروہتوں سے تمہاری رہائی کی اجازت حاصل کی ہے اور شاید یہ بھی جانتے ہو کہ ان کی عدالت اعلیٰ کے سامنے میری بھی کچھ نہیں چل سکتی۔ اس کے فیصلے میرے حکم سے بالا و برتر ہیں"

میں نے یہ سن کر فرعون کا بہت شکریہ ادا کیا اور قسم کھائی کہ اُسی دن ممفس (Memphis) کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا اور مصر سے بھی زیادہ سے زیادہ تین ہفتے کے اندر نکل جاؤں گا۔ بعد ازاں رخصت ہو کر میں باہر نکلا تو محل کے پھاٹک پر ولیعہد سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ سامیطیق (Psammetichus) میرا جانی دشمن ہے اور چند واقعات کی بنا پر جنہیں رُوڈوفس تم سمجھ گئی ہوگی اور جن کا میں علانیہ اظہار نہیں کرنا چاہتا وہ ہمیشہ میرے درپے آزار رہتا ہے۔ مجھے اُسے بھی چار و ناچار الوداع کہنا پڑا۔ لیکن اُسنے اپنی ہیٹھ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ یعنی قدیم فراعنہ مصر کی قبریں پوشیدہ ہیں۔

(ماخوذ از ونڈرس آف پاسٹ و متھ ارینڈ لیجنڈ)

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ۔ فوج کی ایک کمپنی کے افسر یا کپتان کو ٹیکسی آرک (Taxiarch) کہتے تھے۔ (دایبرا)

میری طرف موڑ کر بڑی نفرت سے کہا

"تو اب کی مرتبہ پھر سزا سے بچ گیا؟ مگر تھمنسی! یاد رکھ میرے انتقام سے تو ابھی نہیں بچا ہے۔ جہاں تو جائیگا۔ میں تجھے ڈھونڈھ نکالوں گا۔ اور ان حرکتوں کا مزا چکھاؤنگا"

مینے بھی یہ سنکر کڑک کر جواب دیا۔

"میں آپ کی دہمکیوں سے نہیں ڈرتا اور آپ سے دوبارہ پھر ملنے کی آرزو رکھتا ہوں"

بعدہ میں چلا آیا اور اپنا مال و اسباب ایک کشتی میں رکھ کر سیدھا نوکراتیس (Naucratis) پہونچا۔ جہاں حسن اتفاق سے میرے پرانے دوست ارسٹو ٹیلقس (Aristomedes) اسپارٹی مل گئے جو اب غالباً میری جگہ مقرر کئے جائیں گے۔ کیونکہ وہ پہلے قبرس (Cyprus) کی افواج کے افسر اعلیٰ رہ چکے ہیں اور بڑے کارنمایاں کر چکے ہیں۔ مجھے نہایت خوشی ہے کہ میرا جانشین ایک ایسا قابل شخص ہوگا جسکے سامنے مجھے اندیشہ ہے کہ شاید میری چند گزشتہ خدمات حقیر و ناچیز نہ معلوم ہونے لگیں۔

اس پر ارسٹومیڈس نے اتھینسی کی بات کاٹ کر یوں کہا۔

"عزیزمن۔ ان تعریفوں کو جانے دو۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم اسپارٹا والوں کی زبان ذرا کسی قدر کند ہوتی ہے اور جب کسی دوست پر وقت آپڑتا ہے تو اسکی مدد زبان سے نہیں کرتے بلکہ ہاتھ سے"

روڈوپس نے پسندیدگی کے ساتھ دونوں کی طرف مسکرا کر ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا اور یہ کہنے لگی۔

"میرے عزیز فینس! تمہارا واقعہ سننے کے بعد مجھے پورا یقین ہوگیا کہ اس ملک میں بدقسمتی سے اب تمہارا ٹھیرنا ناممکن ہے۔ میں تمہیں کچھہ ملامت نہیں کرنا چاہتی لیکن تعجب ہے کہ تم یہ نہ سمجھے کہ ایک ذراسی بات کے لئے کتنے بڑے خطرے میں اپنے کو

ڈال رہے ہو۔ ایک سچا دور اندیش و بہادر آدمی کسی کام میں ہاتھ لگانے سے پہلے یہ سوچ لیتا ہے کہ اسکا نقصان فائدہ سے زیادہ تو نہ ہوگا کیونکہ بغیر جانے بوجھے بے دھڑک اپنے کو خطرہ میں ڈالنا بڑی بیوقوفی ہے۔ بخلاف اسکے ایک بزدل نہ صرف احمق بلکہ قابل ملامت بھی ہوتا ہے۔ یہ دونوں صفات گو انسان کو نقصان پہونچاتی ہیں لیکن آخرالذکر اس کی ذلت و شرم کا بھی باعث ہوتی ہے۔ اسمرتبہ محض ایک لاپروائی کی بدولت تمھاری ہی جان پر آبنی تھی اور جان بھی کیسی جو ہم سب کو عزیز ہے اور جس کی حفاظت کرنا اسلیئے تمھارا فرض ہے کہ کسی بڑے اور مفید کام کے لیئے اسکو صرف میں لاؤ۔ نہ کہ ایک معمولی سی بات کے پیچھے اسے گنوا دو۔ خیر اب ہمکو تمھیں اپنے پاس روکنے کی کوشش نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے نہ صرف تمھیں بلکہ ہمارے لیئے بھی نقصان کا اندیشہ ہے۔ بہرحال یہ شریف اسپارٹی اب آیندہ سے تمھارے قائم مقام ہونگے اور بحیثیت یونانی سپہ سالار ہونیکے ہماری قوم کے دربار شاہی میں نیابت کرینگے۔ اور بجاریوں کے پھندے سے انھیں بچائینگے۔ اور مراحم خسروانہ کو ان کے لیئے حاصل کرنے کی کوشش کرینگے۔ ارسطومیقس میں تمھارا اس وقت تک ہرگز ہاتھ نہ چھوڑوں گی جب تک یہ وعدہ نہ کرلوگے کہ فینیس کی طرح تم بھی ہم لوگوں کی حمایت کا ذمہ لیتے ہو۔ اور ایک ذلیل سے ذلیل یونانی کی بھی مصریوں کے مقابلہ میں طرفداری کرنیکا بیڑہ اٹھاتے ہو۔ یہ سمجھ لو کہ ہم صرف چند ہزار غیر ملکی ہیں جو لاکھوں دشمنوں کے زغہ میں گھرے ہوئے ہیں، لیکن ہم لوگ باہمت ہیں اور متحد و یکدل ہوکر مضبوط رہنے کی کوشش کریں گے تو کوئی ہمارا بال تک بیکا نہیں کرسکتا آجتک مصر کے تمام یونانیوں نے ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ سلوک کیا ہے۔ ایک نے سب کے لئے اور سب نے ایک کے لیئے اپنی جان کو قربان کردیا ہے اور یہی وہ مبارک اتحاد ہے جسنے ہمیں طاقت ور بنادیا۔ اور آیندہ بھی مضبوط رکھیگا۔

اے کاش کہ ہمارے وطن اور اسکی نوآبادیوں میں بھی ایسا ہی اتحاد نظر آتا۔

اے کاش ہمارے ملک کے تمام گروہ اپنی ڈورسی[51] (Dorians) آیونی (Ionians) آیولی (Aeolians) نسلی فرقہ بندیوں کو بھول کر یکجہت اور ایک قوم ہو جائیں۔ اور ایک ہی خاندان کے بچوں یا ایک ہی گلہ کے بھیڑوں کی طرح سب مل جل کر رہنے سہنے لگیں۔ پھر تمام دنیا ان کا مقابلہ نہ کر سکے گی اور یونان سرتاج عالم بن جائیگا۔" یہ تقریر کرتے وقت روڈوفنس کی آنکھیں جوش حب الوطنی سے چمک رہی تھیں۔ اسپارٹی بھی اپنے جذبات کو نہ روک سکا۔ اور اسکا ہاتھ محبت سے دبا کر زمین پر اپنا لکڑی کا پیر زور سے مار کر کہنے لگا۔

"زیس اور تمام دیوتاؤں[52] کی قسم جب تک میں زندہ ہوں کسی کی مجال نہیں کہ کسی

---

[51] ڈورس۔ آیونیا اور آیولیا قدیم یونان میں تین صوبے تھے جنکے باشندے اُس زمانہ میں اپنے اپنے شہر کی نسلوں پر فخر کرتے اور ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ ۱۲

[52] یونانیوں کا مذہب اور انکا دیومالا سمجھنے کے لئے ہمیں پہلے یہ جاننا چاہئے کہ انکی تہذیب بھی مصریوں کی طرح اقوام مختلفہ کے اختلاط کا نتیجہ تھی یعنی گھر گھر قبیلہ قبیلہ کا ایک خاص دیوتا تھا جو اسکا آسمانی جد امجد سمجھا جاتا تھا بعدہ وہ سب آپس میں مل گئے اور ایک دیومالا بن گیا۔ اہل یونان سب سے پہلے اُس تمدن سے متاثر ہوئے جو سواحل بحر قلزم میں عصر نحاس سے چلا آتا تھا۔ یہ لوگ نیچر (فطرت) کی ایک دیوی کو پوجتے تھے جس کا مسکن پہاڑوں پر تھا اور اُس سے کمتر درجہ کا ایک دیوتا تھا جسے اسکا شوہر تصور کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں شیخ فی سرداروں کی بھی پرستش ہوتی تھی۔ ان دونوں عقائد کا انکے مذہب پر اثر ہوا لیکن سب سے پہلے ہمیں اسکا پتہ ہومر کی نظموں میں ملتا ہے کہ اسوقت بت پرستی کا پورے طور سے رواج تھا اور ایک اچھا خاصا دیومالا تیار ہو چکا تھا۔ زیس اسکا سردار تھا ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ وہ انسان و دیوتاؤں کا بزرگ باپ۔ مالک خروج بجلی گرانے والا۔ کوہ اولمپس کے تخت پر جلوہ گر ہے اور اسکے گرد مختلف دیوتا اور دیویاں بلند و دیوتا راجہ اندر کے اکھاڑے کی طرح پرا لگائے کھڑے ہیں اور احکام بجالاتے ہیں یہ تمام دیوتا غیر فانی اور ایک حد تک اپنے ان کاموں میں جو ان کے سپرد ہیں قادر ہیں مگر بعض اوقات فیٹ (قسمت کی دیویاں) کا اثر ان پر بھی رہتا ہے اور

یونانی پر ہاتھ ڈالے مگر رو ڈوفس تم کو تو ایک اسپارٹی ہونا چاہیے تھا" فینس" نہیں بلکہ ایتھنس کی "میلیسی" نہ بلکہ ایک آیونی" نقاش" نہیں بلکہ ساموسی بہادر لڑکی"

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ باہم اکثر حسد۔ عناد جھگڑا و فساد بھی ہوتا رہتا ہے جسے بسا اوقات ان کا سردار زیئس بھی طے نہیں کرسکتا۔ انسان ان دیوتاؤں کی مہربانی اور دیا۔ قربانی۔ نذر اور دعاؤں کے ذریعہ سے حاصل کرسکتا ہے۔ حیات بعد ممات کا ہومر کے مذہب میں بہت کم مذکور ہے اور بالکل موہوم و خیالی معلوم ہوتا ہے۔ یونانیوں کی کوئی مذہبی کتاب نہ تھی وہ دوسری قوموں کے دیوتاؤں کو بھی بآسانی مان لیتے تھے۔ چنانچہ بعض مصری دیوتاؤں کے دوسرے نام رکھ کر اپنی دیومالا میں ملا لیا۔ مگر بخلاف مصریوں کے وہ اپنے دیوتاؤں کی نہایت عمدہ شکلیں بناتے تھے اور حقیقت تو یہ ہے کہ فن بت تراشی میں جو کمال انہوں نے حاصل کیا وہ انہیں مذہبی عقائد کا نتیجہ تھا۔ ساتھ ہی ہمیں یہ بھی جاننا چاہئے کہ یہ عقائد ایک گونہ حب الوطنی کے بھی تابع تھے۔ چنانچہ اپنے شہر ایتھنز سے انہیں جو محبت تھی۔ اسکی بنا پر ایتھنی دیوی کی پرستش کا رواج ہوا۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ غیر ملکی عقائد کا بھی ان کے مذہب پر کس قدر اثر پڑا تھا مگر یہ غالباً زمانہ ہومر کے بعد ظہور میں آیا جسکی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً دیونیسوس شراب کا دیوتا تھریس سے آیا۔ بعدہٗ ایک فرقہ موسوم بہ اخوان آرفیوس (یہ موسیقی کا دیوتا تھا) پیدا ہوا جو انسانی روح کو غیر فانی۔ جزا و سزا و آواگون کو مانتا تھا۔ اسی طرح ایک دوسرے فرقہ کا آغاز ہوا جس کا تعلق رازہائے الیوس سے تھا یہ ایک مقدس ڈراما تھا جس میں مذہبی تاویلات کے ساتھ موسم خزاں میں نیچر کی سالانہ موت اور بہار میں اسکی از سر نو زندگی کو دکھایا جاتا تھا اس فرقہ کے پجاری روحانی زندگی اور آواگون کے قائل تھے اور اپنے رسومات یعنی رازہائے الیوسس میں صرف منتخب لوگوں کو شامل ہونے کی اجازت دیتے تھے۔ فی الجملہ مذکورہ بالا ہر دو فریق کی علیحدہ سوسائیٹیاں قائم تھیں جن کی ممبری سوشل یا پولیٹکل اغراض پر مبنی نہ تھی بلکہ مذہبی و روحانی تھی۔ ہومر کے بعد مشہور و نامور اجداد کی پرستش پھر شروع ہوگئی اور ہیرو ورشپ تمام یونانیوں میں پھیل گئی۔ یہ ہیرو بعض تو واقعی متوفہ انسان تھے۔ بعض محض خیالی و روایتی تھے۔ انکا کام صحت و تندرستی بخشنا

روڈوفس نے ان سب کو اس طرح بڑے جوش کے ساتھ جواب دیا۔

"لیکن میں ان سب سے افضل و برتر رہنا چاہتی ہوں۔ میں صرف یونانی ہوں اور اسی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتی ہوں"۔

تمام حاضرین پر ان الفاظ کا بہت بڑا اثر پڑا حتیٰ کہ شامی و یہودی سے بھی نہ رہا گیا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ یا آیندہ کے حالات بتاتا تھا۔ سائل ان کی قبر پر میتیں مان کر رات کے وقت سوتے تھے اور انقایا مشاہدہ عینی سے فیضیاب ہوتے تھے۔ آیندہ چلکر فلسفہ نے مظاہر قدرت کی حقیقت پر غور کرکے تمام دیوتاؤں کو باطل و خرافات ثابت کیا۔ مگر عوام ہمیشہ ان کے معتقد رہے حتیٰ کہ اہل روما کے زمانہ میں بھی جبکہ تہذیب و تمدن اس قدر ترقی کر گئی تھی یہ خیالات دور نہ ہوئے اور نہ صرف یونانی دیوتاؤں کے مختلف ناموں سے پرستش جاری رہی بلکہ مصریوں کے آسس و آسرس بھی (جو یونانیوں ہی کے زمانہ میں انکے دیو مالا میں شامل ہو چکے تھے) عبادت و بندگی کے لایق سمجھ لئے گئے۔ خاندان بطلیموس کے عہد حکومت میں اکثر اون اہل روما نے جو اسکندریہ وغیرہ میں بود و باش رکھتے تھے مصریوں کا قدیم مذہب اختیار کر لیا۔ آیس ئل کی پرستش فنیشن میں داخل ہو گئی اور مردوں کی ممی بنا کر دفن کرنے کا رواج عام ہو گیا اب ہم چند یونانی دیوتاؤں کے نام گنا کر مختصر طور سے انکے متعلق لکھتے ہیں:۔

زیئس (رومن کا جوپیٹر) یہ اہل یونان کا سب سے قدیم دیوتاؤں کا سردار تھا۔ یہ ایک نیزے و عقاب کے ساتھ دکھایا جاتا ہے۔

ہیرا (رومن جونو) یہ زیئس کی بیوی تھی یہ اپنے ہاتھ میں ایک کرہ۔ عصا و تاج لئے ہے۔

ہرکلیز (رومن ہرکلیز) یہ زیئس کا بیٹا اسکی دوسری بیوی الکمنی کے بطن سے تھا۔ اس کی بارہ مہمیں مشہور ہیں۔

اپالو (سورج دیوتا) اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

اتھنی (رومن نام منروا) یہ عقل و فراست۔ جنگ و جدل کی دیوی تھی اسکے سر پر خود اور ہاتھ میں نیزہ تھا اسکی پیدائش کا یہ واقعہ ہے کہ ایک دن زیئس کے سر میں بہت سخت درد تھا جسکے علاج کے لئے ایک تیر سے

اور سب کے ساتھ شامل ہو کر احسنت و آفرین کے نعرے بلند کرنے لگے۔ سی بارسی
(Telemachus) بھی جواب تک بت بنا ہوا بے حس و حرکت بیٹھا ہوا تھا۔ شراب
کا ایک قدح چڑھا کر یوں بولا۔

"نہیں نہیں تو سی بارسی کا ہونا چاہئے تھا کیونکہ جب سے میں اٹلی سے نکلا
ہوں ایسا لذیذ کھانا نہیں کھایا اور نہ ایسی عمدہ شراب پی ہے جسنے وِیسوِیس[1]
(Vesuvius) اور اوشیواس ([illegible]) کی بھی شرابوں کو مات کر دیا۔"

اسپر اور لوگ تو ہنسنے لگے مگر اسپارٹی نے ایک حقارت آمیز نگاہ سے اسکی طرف دیکھا۔ اسی
اثنا میں کھلی ہوئی کھڑکی سے کسی نے باواز بلند یہ پکار کر کہا۔

"مرحبا! میرے دوستو"

مہمانوں نے خوش آمدید کہہ کر اپنے سے مرکر دیکھنا شروع کیا کہ یہ کون اجنبی ہے جو اتنی دیر کے
بعد آیا ہے۔ انہیں زیادہ دیر تک منتظر رہنا نہ پڑا اور قبل اسکے کہ سی بارسی (Telemachus)

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اسکی کھوپڑی کے دو ٹکڑے کئے گئے تو یہ دیوی نعرۂ جنگ مارتی ہوئی مسلح اسکے اندر سے نکل پڑی ﺍﻮﺭ

ڈیانیسوس (رومن نام بیکس) یہ شراب کا دیوتا تھا۔ اسکی پوجا بڑی بدمستی و جوش و خروش کیساتھ ہوتی تھی۔

ارتمس۔ (رومن ڈائنا) یہ اپالو کی توام بہن ہے۔ یہ مرد و عورت دونوں پر موت لاتی تھی اور عفت و سیر و شکار کی
بھی دیوی تصور کی جاتی تھی۔

ڈیمیٹر (رومن سیریس) زراعت کی دیوی۔

ایراس۔ عشق و محبت کا دیوتا۔ بعض اسے افروڈیٹ کا بیٹا بھی کہتے ہیں۔

اسکلیپیس۔ یہ ایک مشہور طبیب تھا جو دیوتا بن گیا۔ اسے اپالو کا بیٹا کہتے تھے۔ مردوں تک کو زندہ کر سکتا تھا۔ اسے
زیئس نے اپنے ایک رفیق کو خوش کرنے کی غرض سے بجلی گرا کر مار ڈالا۔ (ماخوذ از پروفیسر سلیڈے)

[1] اٹلی کا ایک مشہور کوہ آتش فشاں جہاں نہایت عمدہ انگور پیدا ہوتے ہیں اور اسکی شراب آجکل بھی ایسی
ہی مشہور ہے جیسی قدیم زمانہ میں تھی۔ ۱۲

ایک دوسرا جام شراب اپنے منہ تک لیجائے ایک لانبا دبلا پتلا آدمی جس کی عمر ساٹھ برس سے کم نہ ہوگی اور جس کے بڑے سر اور اونچی پیشانی سے ذہانت اور عقل کے آثار نمایاں تھے روڈوفس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

یہ **کلیاس** (Callius) پسر **فنی پس**[۱] (Phaenippus) تھا اور اس طرح مخاطب ہو کر بولا "اگر تم لوگ میرے اس وقت اس طرح آنے سے خوش نہیں ہوگے تو میں سمجھونگا کہ تمام دنیا سے آج احسان مندی و شکر گذاری کا احساس غائب ہو گیا۔"

اس پر ایک میلیسا کے رہنے والے نے جلدی سے کہا "نہیں ہم تو تمہارے ایک عرصہ سے منتظر تھے اور اولمپیا (Olympia) کے کھیلوں کا نتیجہ معلوم کرنیکے لئے حد درجہ کے مشتاق و بیتاب تھے" **روڈوفس** "اور تم جوان کھیلوں میں پہلے ایک فاتح کا اعزاز حاصل کر چکے ہو۔ بھلا تم سے کون زیادہ موزوں قاصد ہو سکتا ہے۔"

فنیس (بے قرار ہو کر) معزز دوست۔ مرحبا۔ آؤ بیٹھو۔ اور مختصر طور سے جلد سب حالات سناؤ" **کلیاس** (Callius) نے جواب دیا "میرے ہموطن بھائیو۔ ابھی سب تم سے کہتا ہوں۔ اولمپیا (Olymia) چھوڑے ہوئے مجھے کچھ عرصہ ہوا مقام سنکریا[۲] (Cenchrea) سے میں ایک پچاس چپو ون والے سامو سی جہاز[۳] پر جو

---

[۱] ایک نامور باشندہ اتھنز جو ہماری داستان کے زمانہ میں زندہ تھا بقول ہیرڈ (قدیم مورخ) یہ فاتحین اولمپیا سے تھا اور گھوڑوں اور رتھوں کے دوڑ میں اور بازیاں جیت چکا تھا۔

[۲] قدیم یونان کے نقشہ میں خلیج سارونیکوس پر کارنتھوس کی جانب مغرب یہ ایک شہر واقع تھا۔

[۳] یونانیوں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مصریوں و فنیقوں سے جہاز رانی سیکھی۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو ہومر کے زمانہ سے پہلے اہل یونان کے پاس کشتیاں موجود تھیں اور زمانہ مابعد خصوصاً ایرانی جنگ کے دوران میں انہوں نے اس فن میں بڑا کمال حاصل کیا اور ایسے جنگی جہاز تیار کئے جن کے سامنے انکے حریف کی کچھ پیش نہ پڑی۔ بعض یونانی کشتیوں کے اگلے حصہ میں راج ہنس کی شکل بنی رہتی

بہت بڑا اور تیز رفتار تھا بیٹھ کر روانہ ہوا تھا۔ اس لئے کچھ حیرت کی بات نہیں کہ کوئی یونانی مجھ سے پہلے نوکراتیس (Naucratis) میں نہیں پہنچنے پایا ہے۔ ہم کو بڑے ہولناک طوفان راستہ میں ملے اور اگر ہمارے موٹے پیندے کی تپلی چونچ کی شکل کی ماہی نما دُم دار کشتی ایسی مضبوط نہ بنی ہوتی اور اسکے جہازراں اس قدر ہوشیار نہ ہوتے تو یقیناً کب کے تباہ و برباد ہوگئے ہوتے اور یہاں تک زندہ نہ پہنچ سکتے۔ معلوم نہیں کہ وطن کی طرف جانے والے دوسرے جہازوں پر کیا گذری۔ ہمیں تو بندرگاہ ساموس (Samos) میں پناہ گزیں ہونے کے سولہ دن کے بعد کہیں پھر روانہ ہونے کا موقعہ مل سکا۔ اور آج ہی صبح دریائے نیل میں داخل ہوئے ہیں۔ جہاں سے ایک دوسری کشتی لیکر سیدھا اس طرف چلا آیا اور ابھی تھوڑی ہی دیر گذری ہے کہ یہ محل اور اس کا خوشنما جھنڈا دکھائی دیا تھا اور اندر کمروں کی روشنی بھی باہر سے جگمگاتی ہوئی نظر آئی تھی۔ میں نے کچھ عرصہ تک تامل کیا کہ اتنی دیر ہوگئی ہے اب جاؤں کہ نہ جاؤں۔ مگر اپنے معزز میزبان کے لطف و عنایات کا جب خیال آیا تو مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور نہ اپنی خبروں کی زیادہ دیر تک ضبط رکھنے کی مجھ میں

تھی۔ اور عموماً تجارتی سفینوں پر ایک جھنڈا نصب ہوتا تھا جس پر اُس شہر کے خاص محافظ و نگہبان دیوی کی تصویر تھی کشتیوں میں مستول، بادبان، پتوار، اور لنگر وغیرہ آج کل سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے البتہ ایک بات بالکل نئی تھی یعنی چپّو سے اور خصوصاً جنگی جہازوں میں دو رویہ چپّو چلانے والے ملاحوں کی متعدد قطاریں تلے اوپر بیٹھتی تھیں۔ یہ قطاریں عموماً تین چار پانچ یا بعض اوقات تعداد میں سولہ تک ہوتیں۔ اور جہاز بھی اسی نام سے سہ طبقی۔ چہار طبقی وغیرہ کہلاتے تھے۔ اوپر والی منزل کے بیٹھنے والے ملاحوں کے چپّو بہت لمبے ہوتے تھے۔ مگر اس طریقہ کے ساتھ چلائے جاتے تھے کہ بھاری نہ معلوم ہوتے۔ ظاہر ہے کہ یہ جہاز کسی قدر تیز رفتار و سریع السیر ہوتے ہوں گے اور طوفان و دشمن وغیرہ کا کس خوبی سے مقابلہ کرتے ہونگے۔

(گول دگوز)

اب تاب رہی تھی۔ اس لئے معافی چاہتا ہوں۔ ایک لقمہ گوشت اور ایک گھونٹ شراب میرے لیے کافی ہے۔ کھانا ابھی چاؤں گا اور اپنی عجیب و غریب داستان بھی سُنانا چاہوں گا۔ یہ کہکر کلیاس (Callius) آرام سے ایک کوچ پر بیٹھ گیا۔ اور کھانے سے پہلے اُس نے ایک نہایت خوبصورت طلائی کنگن رودوقس کو پیش کیا۔ یہ کنگن نہایت قیمتی تھا اور اُسی تھیوڈورس (Theodorus) کے کارخانہ کا جو اس وقت تھا اور کچھ ساتھ بیٹھا ہوا سے بنا ہوا تھا۔

کلیاس (Callius) اپنی شاد مندمیز بان سے" یہ ناچیز تحفہ میری طرف سے قبول فرمائیے (فنیس سے مخاطب ہوکر) دوست فنیس تمہارے لئے میں اس سے بھی اچھی ایک چیز لایا ہوں۔ بتاؤ تو کادرنگا[1] (Quadriga) کی دوڑ میں کون بازی لے گیا" فنیس کے چہرہ پر ایک رنگ دوڑ گیا اور یہ کلمہ بے اختیاری کے ساتھ اُسکی زبان سے نکل گیا "کوئی اتھینیس کا سورما ہوگا" اور کیوں نہ ہو۔ اولمپیا (Olympia) کی جیت کوئی معمولی بات نہ تھی جس فاتح کی قسمت میں شاخ زیتون آئی صرف اُسی کے لئے نہیں بلکہ تمام برادری والوں اور تمام قوم کے لئے اُسے بہت بڑا باعث فخر و مایۂ ناز سمجھا جاتا تھا۔

قاصد نے خوشی کے مارے چلا کر کہا "تمہارا قیاس بالکل صحیح ہے۔ اتھنز ہی کا ایک سورما بازی جیت گیا۔ اور اس سے بھی بڑھ کر خوشی کی بات سُناؤں کہ وہ تمہارا ہی چچازاد بھائی سپسلوس (Cypselos) کا بیٹا سیمان (Ciman) ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ نو برس ہوئے یہی فتح اُس کے بھائی ملٹیاڈس (Miltiades) کے نصیب میں بھی آئی تھی اور انہیں گھوڑوں سے جن سے گزشتہ تہوار میں اُس نے انعام حاصل کیا تھا۔ اس مرتبہ بھی سب پر سبقت لے گیا۔ سچ تو یہ

[1] چوکڑیا یعنی رتھ جس میں چار گھوڑے جوتے جاتے تھے۔

ہے کہ فلیدی (Philaedae) کے کارناموں کے سامنے آل کمیونی (Alcmaeonidae) کی شہرت و عظمت اب بالکل سرد ہو گئی اور میرے دوست فنیس تم اپنے خاندان کے نام پر جتنا بھی فخر و مباہات کرو بجا ہے۔" فنیس یہ سنتے ہی مارے خوشی کے کھڑا ہو گیا جوانی کا خون اس کے رگ و ریشہ میں دوڑنے لگا۔ اور فخر و انبساط کے جذبات دل میں موجزن ہونے لگے۔ اس نے بڑے جوش کے ساتھ قاصد کا ہاتھ پکڑ کر گلے لگا لیا۔ قاصد "فنیس! اب ایک اور بات جو ہم سب اور خصوصاً تمہارے لئے مسرت خیز ہے سناتا ہوں وہ یہ کہ جب فیصلہ کرنے والوں نے ایک زبان ہو کر انعام کا مستحق سیمان (Cimon) کو گردانا تو اس نے اسی وقت اپنے نقیبوں سے یہ اعلان کرا دیا کہ چونکہ مالک ان گھوڑوں کا شاہ پی سیس ترا توس (Pisistratus) ہے اسلئے اسی کو فاتح سمجھا جائے جسے سنتے ہی خوش ہو کر آخر الذکر شاہ نے یہ حکم دیا کہ تمہارے خاندان کا قصور معاف کر دیا گیا اور وہ اتھنز واپس آسکتا ہے لہذا اب تمہیں اپنی مدت کی خواہشوں و تمناؤں کو بر لانے کا موقع مل جائیگا۔"

ان الفاظ کے سنتے ہی بہادر سردار کے چہرہ سے خوشی کا رنگ یکایک غائب ہو گیا۔ اسکی حالت بالکل متغیر ہو گئی اور غصہ بھری آواز سے اس نے جواب دیا "نادان کلیاس (Cullius) تم کہتے ہو کہ میری تمنا بر آئی اور میں خوش ہوں نہیں بلکہ میرے لئے رونے کا مقام ہے کہ اجکس[۵۲] (Ajax) کی اولاد ایسی بے عزت

---

[۵۱] یہ اتھنز کے امرا کا ایک نہایت معزز خاندان تھا جو اپنا نسب اجکس (Ajax) دیوتا سے ملاتا تھا۔ سیمان اور ملٹیاڈیس اسی گھرانے سے تھے۔ (ایڈیٹر)

[۵۲] ایک یونانی ہیرو کا نام ہے جو ٹیلوس بادشاہ لاکرس کا بیٹا تھا۔ گو یہ ایک چھوٹے قد کا آدمی تھا مگر بڑے بڑے سورماؤں کا مقابلہ کرتا تھا اور اچیلیز کے بعد سب سے زیادہ بہادر نیزہ باز اور بادپا کہا جاتا تھا اور کیسینڈرا دیبی کو زبردستی اپنی خواہشات نفسانی کے لئے کھینچکر نکال لے گیا تھا۔ اسے "اصغر" کہتے تھے۔

وبے ہمت ہوگئی کہ ایک ظالم کے قدموں پر اُس نے اپنی تمام شہرت و ناموری کو نثار کر دیا۔ میں لوٹ کر واپس جاؤں !! قسم ہے ایتھنی (Athene) زیس (Zeus) اور اپالو (Appollo) کی کہ جب تک ظالم پی سیس تراتوس (Pisistratus) میرے ملک پر حکمراں ہے۔ خواہ میں جنگلوں جنگلوں مارا مارا پھروں اور فاقے کروں مگر ہرگز اپنے وطن نہ جاؤنگا حالانکہ فرعون نے مجھے اپنی نوکری سے اب برطرف کرکے آزاد کر دیا ہے مگر سچ کہتا ہوں کہ ایک غیر ملک میں رہ کر کسان کی خدمت کروں گا اور سوکھی روٹیاں کھاؤں گا۔ لیکن پی سیس تراتوس (Pisistratus) کے دربار کی وزارت مجھے ہرگز منظور نہ ہوگی۔ اتھنز (Athens) کی حکومت کا سوائے ہم امرا کے اور کوئی دوسرا حقدار و وارث نہیں ہو سکتا۔ لیکن سیمان (Cimon) نے پی سس تراتوس (Pisistratus) کے قدموں پر اپنی فتح کا بار ڈال کر اور اُسکے عصائے شاہی کو بوسہ دیکر ہمیشہ کیلئے اپنے اوپر مہر غلامی لگا دی۔ میں سیمان (Ciman) سے بہ صاف طور پر کہدونگا کہ میری نگاہ میں ایک ظالم کی بخشش و عنایت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اور جبتک میرا ملک آزاد نہ ہو جائیگا اور اس کے شرفا و عام رعایا کو خود اپنے قوانین بنانیکا حق حاصل نہ ہو جائیگا میں وطن ہرگز واپس نہ جاؤں گا۔ خواہ تمام امرا، خواہ تمہاری برادری و قوم کے سب لوگ اور چاہے ہزاروں سیمان (Cimon) کسی جابر کے قدموں پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اسی کے نام کا ایک اور یونانی ہیرو تھا جو سائپرس (قبرص) کے بادشاہ تلامان کا بیٹا تھا اور "اکبر" کہلاتا تھا۔ ہومر نے اپنے الیڈ میں اسے بہت بھیم و شحیم اور قدآور بیان کیا ہے اور بہادری میں صرف ایکلیز کے بعد شمار کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں ایجکس اصغر و اکبر ٹرائی سیوس کے دشمن تھے۔ ایجکس اصغر کا بعد میں اتھنیس میں پوجا ہونے لگا۔ جہاں بازار میں اسکا بُت رکھا رہتا تھا۔

لہ کلیاس کے خاندان کو "رازہائے الیوسس" میں مشعل برداری کا حق حاصل تھا جو بڑے اعزاز و افتخار کا عہدہ سمجھا جاتا تھا۔

اپنا سر رکھ دوں لیکن میرا سر مگر اُس کے سامنے خم نہ ہوگا۔"
فینس (Phanes) کا بدن کانپ رہا تھا اُس کی آنکھوں سے ایسے شعلے نکل رہے تھے کہ بوڑھا کلیاس (Callias) بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اُس نے حاضرین کی طرف ایک معنی خیز وفخریہ نگاہ سے دیکھا جس کا یہ مطلب تھا کہ "دیکھو وہ ایسے ہی جلیل القدر لوگ ہیں جن پر میرے ملک کو اتنا فخر و ناز حاصل ہے" بعدہ اُس نے فینس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "میرے عزیز دوست۔ ظالم و جابر حاکم سے مجھے بھی تم سے کچھ کم نفرت نہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ جبتک وہ زندہ ہے کوئی اسکے ظلم سے ہم کو نجات نہیں دلا سکتا۔ اس کے حلیف نکسوس[1] (Naxos) اور ساموس (Samos) کے حاکم بڑے طاقتور ہیں لیکن ہماری آزادی کے لیے ان سب سے زیادہ خطرناک ہیں میں پی سس ترا توس (Pisistratus) کے خود چند صفات ذاتی کو جانتا اور سمجھتا ہوں۔ یعنی اس کا اعتدال اور غیر معمولی عقل و دانشمندی میں نے خود نہایت متحیر و خوفزدہ ہو کر اپنے زمانۂ قیام میں ہیلاس (Hellas) (یونان) میں کہا کہ لوگ اس ظالم کو اپنے باپ سے بہتر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ باوجود اپنی قوت و اقتدار کے وہ سولن (Solon) کے مرتب کردہ قوانین کی نہایت سختی کے ساتھ پیروی کرتا ہے

[1] بحیرہ ریجین میں یہ جزیرہ ہے جس کا قدیم زمانہ میں "ڈیا" نام تھا۔ ۹۰ ق م میں ایرانیوں نے اسے فتح کر لیا تھا مگر جنگ سلامیس میں یہاں کے بیڑے نے ایرانیوں سے غداری کر کے یونانیوں کا ساتھ دیا۔ یہاں کے انگور اور شراب بہت مشہور تھے اور اب بھی یہاں سے بہت انگور باہر جاتے ہیں۔ بیکس کی پرستش کا یہ مقام مرکز تھا۔ یونانی فنون کے ابتدائی زمانہ میں یہاں کے بت تراش بڑی شہرت رکھتے تھے صقلیہ میں نکسوس نام کی ایک یونانی نو آبادی بھی تھی۔
معلوم ہوتا ہے کہ اہل نکسوس نو آبادی کے پہلے بانی تھے۔ مہمات صقلیہ میں یہ لوگ یونان کی طرف رہے تھے۔ ۱۲

اس نے شہر کو نہایت خوبصورت عمارات سے آراستہ کر دیا ہے اور زیئس (Zeus) کے لئے ایک شاندار سنگ مرمر کا بنوا دیا ہے جسکے سامنے یونان کی تمام عمارتیں ہیچ نظر آنے لگیں ہیں۔ وہ فنون لطیفہ کا بہت بڑا دلدادہ ہے۔ ہر قسم کے صناع و کاریگر اس کے دربار میں موجود ہیں۔ مصنفین و شعرا کی بھی کمی نہیں۔ اس نے ہومر کی نظموں اور دیگر مشہور عالموں و فلسفیوں کی تصانیف کو باقاعدہ جمع کیا ہے وہ نئی سڑکیں بنوا رہا ہے۔ ہر روز نئے نئے تہوار اور جشن منعقد کراتا ہے اور تجارت کو خوب ترقی دے رہا ہے۔ چنانچہ باوجود اسکے کہ رعایا پر ٹیکس بھاری ہے انکی خوشحالی بجائے کم ہونیکے روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ لیکن ایسی خوشحالی سے کیا فائدہ جس نے لوگوں کو غلام بنا دیا ہے انکے دل سے آزادی کا احساس دور کر دیا ہے اور انکی حالت ان پتنگوں کی سی ہوگئی ہے جن کے پر جلتے ہیں لیکن پھر بھی شمع کے گرد گھومنے سے باز نہیں آتے۔ اگر آج کوئی پی سیس ترا توس (Peisistratus) کی شمع زندگی کو بجھا دے تو مجھے یقین ہے کہ کسی دوسری روشنی پر بھی یہ اسی طرح متوالے ہو کر گریں گے اور اپنے جلا وطن امرا کا ایسا ہی تپاک کے ساتھ استقبال کریں گے جیسا آج کل اس جابر حاکم کا کرتے ہیں ان لوگوں کی اخلاقی جرأت سلب ہوگئی ہے اور وہ سخت قابل نفرت ہیں۔ ان میں اور تم میں فی الحقیقت زمین آسمان کا فرق ہے۔ لاؤ اپنا ہاتھ پیرو دو کہ میں اسے اپنے ہونٹوں سے لگاؤں۔ تم واقعی اجکس (Ajax) کے سچے سپوت ہو۔ آسمانی دیوتا تمہاری ضرور ایک دن مدد کریں گے۔ (چند لمحہ توقف کے بعد) میں اولمپیا (Olympia) کا ذکر کر رہا تھا ابھی مجھے بہت کچھ کہنا ہے۔ ہاں تو میں یہاں تک پہنچا تھا کہ سیمان (Cimon) نے رتھوں[1] کی دوڑ جیتنے کے بعد شاخ زیتون کو

---

[1] یونان کے رتھ عموماً جنگ، دوڑ، بازی اور کبھی سیر و تفریح کے کام میں بھی لائے جاتے تھے۔ اسکے دو چھوٹے چھوٹے (۲½ فٹ قطر) پہئے ہوتے تھے جنکے درمیان ایک دُھرا ہوتا تھا اور اس پر ایک تختہ لگا ہوتا اور ایک مونڈھے نما نشست تھی جس کی پشت گھوڑوں کی طرف ہوتی تھی۔ اور کھڑے ہونیوالے سوار کے

پی سس ترا توس (Pisistratus) کے نذر کر دیا۔ یہ دوڑ عجیب و غریب تھی۔ میں نے گھوڑوں کی ایسی چوکڑی آجتک نہیں دیکھی اور انکے مقابلہ کے لئے بڑے بڑے لوگوں نے دور دور سے نہایت خوبصورت و اعلیٰ درجہ کے گھوڑے بھیجے تھے مگر فتح سیمان (Cimon) ہی کی قسمت میں لکھی تھی۔ بہرحال اس سال اور تمام کھیل بھی غیر معمولی شان و شوکت کے ساتھ ہوئے اور میلے میں بڑی رونق رہی۔ یونان کے ہر شہر و خطہ کے لوگ موجود تھے ہر قبیلے و خاندان کے سرگروہوں کا وہاں مجمع تھا۔ کہیں سی بارسی (Sybarite) نظر آتے تھے جن کا لباس ایسا بھڑکدار تھا کہ نگاہ نہ ٹھیرتی تھی۔ کہیں اسپارٹی جن کا جسم اچی لیز (Achilles) کی طرح خوبصورت

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) گھٹنوں تک اونچی تھی۔ سامنے والے ڈنڈے یا کونے پر راسیں باندھ دیتے تھے اور پیچھے کے سرے کو جو نیچا ہوتا تھا پکڑ کر سوار ہوتے تھے۔ ڈہرے کے سامنے ایک ڈنڈا لگا رہتا تھا جسکے دوسرے سرے پر ایک جوا چمڑے یا کیلوں سے مضبوط بندھا ہوتا تھا۔ اس جوئے کے اوپر نصف حلقہ نما گدی دار لکڑیاں ہوتی تھیں جنہیں گھوڑوں کی گردن پر رکھ کر تسمے سے باندھ دیتے تھے اکثر اس گاڑی کے چاروں طرف اور اوپر بھی چمڑا بندھا ہوتا تھا تاکہ حملہ کے وقت دشمن کے تیروں سے کسی قدر محفوظ رکھ سکے۔ اس کی نشست کی ایک بھدی سی شکل یہ ہے :-
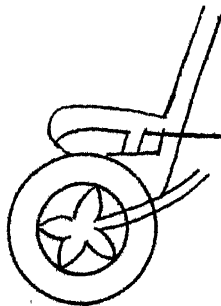
۵۱ قدیم یونانی افسانوں کا یہ ایک مشہور ہیرو ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تھسلی کے ایک صوبہ کے بادشاہ پیلیوس کا فرزند تھا اور اس کا دادا ایکس خود زیوس دیوتا (Zeus) کا بیٹا تھا اس کی ماں تھیٹس

اور قدہر اکلیسؔ (ہرقل Hercules) کی طرح اونچا۔ اپنے سادی سودی پوشاک میں دکھائی دیتے تھے۔ کہیں باشندگان ایتھنیس تھے۔ جنکے اعضا کا تناسب اور چال ڈھال کا انداز صاف انکی قومیت کا پتہ دیتا تھا۔ کہیں کروتونیا[۹] (Crotonia) کے رہنے والے نظر آتے تھے جن کا سردار میلو (Milo) اتنا طاقتور ہے کہ شاید ہی دنیا میں کوئی اس کا مقابلہ کر سکے۔ کہیں ساموس (Samos) اور ملیسیا

(بقیہ صفحہ گزشتہ) (Thetes) ایک سمندر کی پری تھی جس نے اُسے دریائے اسٹکس (Styx) میں غوطہ دیکر روئیں تن بنا دیا تھا۔ ہومر نے الیڈ میں اسے جنگ ٹرائے کا اک مشہور افسر اور سورما بیان کیا ہے۔ الیڈ میں ہے کہ حبشیوں کے بادشاہ ممنان کو قتل کرنیکے بعد یہ خود پیرس کے ایک تیر سے جس کی شست اپالو دیوتا نے اس کی ایڑی کی جانب درست کی تھی زخم کھا کر مرا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ خود اپالو نے پیرس کے بھیس میں آکر اُسے قتل کیا۔ موت کے بعد یہ بھی دیوتا ہوگیا اور لیوک۔ اسپارٹا۔ الیس اور سیگوام میں اسکی پرستش ہونے لگی۔ اس کا حسن، بہادری اور بادپائی مشہور ہے۔

۸ ہیلاس (یونان) کا مشہور قومی ہیرو تھا۔ یہ جسمانی قوت کا نمونہ کہا جاتا ہے۔ اس کا باپ خود زیوس اور اسکی ماں الکمینا تھی۔ اس کی بارہ مہمیں مشہور ہیں۔ ایک میں شیر سے لڑ رہا ہے۔ دوسرے میں ایک افعی کو مارا ہے۔ تیسرے میں ایک بارہ سنگھے کو پکڑا ہے وغیرہ۔ ہر مہم کی ایک داستان ہے کہانی میں ہے کہ اسنے اٹلی میں آکر ایک دیو کو قتل کیا تھا۔ مرنیکے بعد یہ بھی دیوتا بن گیا بعض مقام پر اسے سورج کا دیوتا بھی کہتے تھے۔

۹ ایک یونانی شہر کا نام ہے جو سلطنت برٹائی کے مشرقی ساحل پر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا نام ایک مقامی امیر کے نام پر رکھا گیا تھا جس نے ہرکولیز کی مہمانداری کی تھی۔ اور غلطی سے اسی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ۵۸۸ق م سے اولمپی کھیلوں میں کامیابیوں کی وجہ سے یہ شہر بہت مشہور ہوگیا۔ مشہور پہلوان میلو یہیں کا رہنے والا تھا۔ ۵۴۰ق م اور ۵۳۰ق م میں فیثاغورث نے یہاں آکر تین سو شاگردوں کی ایک سوسائٹی قایم کی جس میں میلو بھی شریک تھا۔ یہاں کی آب وہوا بہت مشہور تھی اور ہیروڈوٹس کے زمانہ میں یہاں ایک طبی مدرسہ بھی تھا۔

کورنتھ[1] (Corinth) کے باشندے بڑے زرق برق لباس پہنے اکڑتے ہوئے (Imalesia) و مِٹی لین[2] (Imetyline) والوں کے تجمّل و احتشام کا مقابلہ کرنے نکلے تھے۔ غرضکہ تمام ملک کے افضل ترین نوجوانوں اور سورماؤں کا اکھاڑا جما ہوا تھا اور ان میں بہت سی حسین دوشیزہ لڑکیاں بھی خاصکر اسپارٹا کی نظر آتی تھیں جو مردوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی اپنی احسنت و آفریں سے انکی ہمت افزائی کر رہی تھیں۔ دوسری طرف ایک بہت بڑا بارونق بازار لگا ہوا تھا جہاں دنیا بھر کے تاجر و سوداگر موجود تھے۔ یونانی، فینیقی و یہودی وغیرہ اپنا مال و اسباب ڈیروں کے اندر یا باہر میزوں پر لگائے ہوئے مول بھاؤ کر رہے تھے۔ تم کو تو معلوم ہی ہے۔ میرے زیادہ بیان کرنے سے کیا فائدہ کہ لوگوں کا وہاں کسقدر مجمع کثیر ہوتا ہے۔ انکے غول کے غول گاتے ہوئے نکلتے ہیں۔ ہیکا ٹومب[3]

[1] یونان کا ایک شہر تھا جو پیلوپانی سس اور وسطی یونان کے مابین واقع تھا۔ یہ قدیم شہر خلیج کارنتھ سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ یہاں کے مٹی کے برتن۔ دہات کا کام اور آرائشی دستکاریاں بہت مشہور تھیں اور کہا جاتا ہے کہ رنگ اور کھپریل استعمال کرنا یہیں کی ایجاد ہے۔ سنہ ۱۴۶ ق م میں اہل روما نے اسے برباد کر دیا اور تمام اس کی مشہور فنی اشیا برباد کر دیں۔ سنہ ۴۶ء میں جولیس سیزر نے اٹلی کے آزاد کردہ غلاموں سے اسے پھر بسایا۔ رومیوں کے زمانہ میں اس نے اور ترقی کی۔ سنہ ۱۴۵ء میں ترکوں کے قبضہ میں آیا مگر اب یونان کا ایک صوبہ ہے۔ یہاں قدیم عمارتوں کے آثار اب بھی بکثرت نظر آتے ہیں۔

[2] ایک جزیرہ کا نام جو ایشیائے کوچک میں اناطولیہ کے جانب مغرب واقع ہے۔ اس کا قدیم نام لسباس تھا جس کے حالات نوٹ میں اوپر گذر چکے ہیں۔ یہ بھی جزائر لیمناس، خیوس اور ساموس کی طرح اسی سلسلہ جزائر میں واقع ہے جو اناطولیہ سے ملے ہوئے جانب مغرب ہیں اور گزشتہ زمانہ میں یونانیوں کی نوآبادیوں میں سے تھے اور اب ترکوں کے قبضہ میں ہیں۔

[3] عبادت گاہ کا خاص حجرہ جہاں دیوتاؤں کے لئے بخورات وغیرہ جلاتے تھے۔
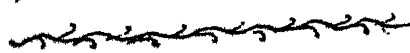
(Hecatomb) سے دھواں اٹھتا ہوا دور سے دکھائی دیتا ہے۔ خوبصورت گاڑیاں رتھیں۔ اور گھوڑے ہر طرف نظر آتے ہیں۔ مختلف زبانیں سنائی دیتی ہیں۔ لوگ چلا چلا کر اپنے اپنے دوستوں اور عزیزوں کو جن سے برسوں سے ملاقات نہیں ہوئی تھی آوازیں دے دے کر پکارتے ہیں۔ غیر ملک کے سفیروں و نمایندوں کی اپنی جدا شان ہوتی ہے اکھاڑوں میں تماشائیوں وغیرہ سے عجب ہل چل مچی رہتی ہے۔ سب گوش بآواز کھیلوں کا نتیجہ سننے کے حد درجہ مشتاق و منتظر ہوتے ہیں اور جب کوئی فتح ہوتی ہے تو طرفدار گروہ کی خوشی و مسرت ناقابل بیان نظر آتی ہے اور جب کسی کو انعام دیا جاتا ہے تو وہ سین بھی قابل دید ہوتا ہے۔ ایک نوعمر لڑکا جس کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کے والدین بقید حیات ہوں ایک طلائی چھری سے زیتون کے اس متبرک درخت کی شاخ کو جو آلٹیس[له] (Altis) میں واقع ہے اور جسے ہراکلیس (Heracles) نے صدیاں گذریں کہ خود اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا۔ کاٹ کر لاتا ہے۔ اور یہ شاخ بطور انعام فاتح کو بخشی جاتی ہے۔ اب میں لوگوں کے اسوقت کے جوش و مسرت کا کیا حال بیان کروں جب میلو (Milo) کورو ٹونیا (Corotonia) کا سورما اپنی شکل و قد و قامت کے برابر ایک پیتل کے ٹھوس بت کو اسٹیڈیم (Stadium) سے آلٹیس (Altis) تک بغیر لڑکھڑائے یا لغزش پائے لے گیا۔ تمام اسٹیڈیم (Stadium) یعنی دوڑ کا میدان تماشائیوں کے نعروں سے گونج رہا تھا کیونکہ وہ بت اتنا بھاری تھا کہ ایک قوی ہیکل دیو کی بھی کمر اس کے بوجھ سے خمیدہ ہو جاتی۔ مگر میلو (Milo) اسے اس آسانی سے لے گیا جسطرح کوئی دایہ ایک چھوٹے بچے کو گود میں اٹھا کر لیجاتی ہے۔ سیمان (Cimon) کے بعد جن لوگوں کو نہایت بیش بہا پھولوں کے تاج یا ریتھ[له] (Wreath) انعام میں دیئے

[له] دیکھو نوٹ له صفحہ ۲۱۔

[له] یونانی اپنے تہواروں و شادی وغیرہ کے موقعوں پر سروں کو پھولوں کے ہار تاج و کلغٹ وغیرہ سے

لگے۔ وہ دو بھائی تھے جن کا نام لیساندر (Lysander) اور مارو (Maro) تھا اور جو اسپارٹا کے جلاوطن و مشہور امیر ارسٹومیقس (Aristomachus) کے لڑکے تھے۔ مارو (Maro) تو دوڑ میں بازی لے گیا اور لیساندر (Lysander) نے مائلو سے مبارز طلبی کی اور اُس سے کشتی لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ لوگ اس پر بہت متعجب و خوش ہوئے کیونکہ مائلو ابھی تک کسی سے نہیں ہارا تھا اور اُس سے لڑنے کی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ وہ اسپارٹی نوجوان سے زیادہ قد آور و مضبوط تھا بلکہ اسپارٹی اس کے سامنے بالکل ایک ایسا بچہ معلوم ہوتا تھا جو ابھی مکتب کو چھوڑ کر آیا ہو مگر اس کا جسم اپالو (Apalo) کی طرح خوبصورت اور سڈول تھا۔ اور اُس میں غضب کی چستی اور پھرتی بھری تھی جب دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل آئے اور انکے خوبصورت برہنہ جسم جن پر تیل چپڑا ہوا تھا روشنی میں چمکنے لگے تو معلوم ہوتا تھا گویا شیر و چیتے کی لڑائی ہونے والی ہے۔ نوجوان لیساندر (Lysander) نے حملہ کرنے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر دیوتاؤں کے سامنے قسم کھائی اور اس طرح بآواز بلند کہا "میرے باپ کی آبرو۔ اپنی عزت اور اسپارٹا کی شہرت کے لئے" جس پر کروتن (Crotonia) والے نے مسکرا کر نوجوان کی طرف اُسی انداز سے دیکھا جس طرح کوئی اُستاد اپنے نوآموز شاگرد یا کوئی شکاری اپنے نخچیر کی طرف حقارت سے دیکھتا ہے۔ اب کشتی شروع ہوگئی۔ دونوں ایک دوسرے کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ کروٹونی پہلوان نے اپنے زبردست ہاتھوں سے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) آراستہ کرتے تھے۔ فاتحین اولمپیا کو بھی پھولوں کا تاج پہناتے تھے جو ایک باشندہ اتھنز کیلئے سب سے بڑا نشان اعزاز و بزرگی خیال کیا جاتا تھا۔ فصیح البیان مقررین جب کھڑے ہو کر تقریر کرتے تو اُنکے سروں پر بھی پھولوں کا ایک سرپیچ ہوتا تھا اور مشہور و معروف لوگوں کے مرنیکے بعد اُنہیں بھی یہی عزت بخشی جاتی یعنی تاج و ہار پہنائے جاتے تھے۔ زمانہ مابعد میں اسی قسم کے تاج سونے و چاندی کے پتّروں سے بنائے جانے لگے جن میں نہایت صناعی کے ساتھ خوشنما جواہرات جڑے ہوتے تھے۔ (گول دکوتہ)

جن کی کلائیاں شیر کی طرح مضبوط تھیں اور جنکی گرفت بلا کی تھی بہت چاہا کہ لڑکے کو پکڑ پائیں لیکن وہ بڑی چستی کے ساتھ اپنے بدن کو چرا لیجاتا تھا - اور قابو میں نہیں آتا تھا - یہ جدو جہد بڑی دیر تک قایم رہی - اور تماشائیوں کا یہ حال ہوگیا کہ چپ چاپ آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہے تھے کہ اب کیا ہونے والا ہے - ہر طرف بالکل خاموشی طاری تھی اور سوائے پہلوانوں کے دم لینے وہانپنے یا آلٹیس (Altis) کی چڑیوں کے چہچہانے کے کوئی دوسری آواز سُنائی نہیں دیتی تھی کہ اتنے میں یکایک ایک غیر معمولی پھرتی کے ساتھ اور ایسا عمدہ پیچ لگاکر جیں نے اپنے ہوش بھر میں نہ دیکھا تھا - نوجوان اسپارٹی نے اپنے حریف کو پیچھے سے پکڑ لیا - ناکلو نے اپنے کو چھڑانے کی کوشش کی مگر کچھ نہ بن پڑی - زور کرتے کرتے دونوں کے جسموں سے پسینہ اس قدر ٹپک رہا تھا کہ اسٹیڈیم (بازی گاہ Stadium) کی ریتلی مٹی بھیگ کر تر ہوگئی - اب لوگوں کا جوش اور بھی بڑھ گیا تھا مگر خاموشی پہلے سے بھی زیادہ تھی - طرفدار گروہ بھی چپ چاپ تھے اور صرف پہلوانوں کے کراہنے اور ہانپنے کی آوازیں زور زور سے کانوں میں آرہی تھیں - آخرکار اسپارٹی کی قوت میں کمی محسوس ہونے لگی - اسکی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی - جیسے دیکھتے ہی ہزاروں تماشائیوں کے مُنہ سے ولاسے اور ہمت کے نعرے بلند ہونے لگے اور اسپارٹی نے بھی جان توڑ کر زور کیا اور ایک غیر معمولی کوشش سے پھر اپنے حریف پر قابو پانا چاہا لیکن کرد تونی کو ایک لحظہ میں معلوم ہوگیا تھا کہ نوجوان کی تمام طاقت صرف ہوگئی ہے اور اب اُس میں ضعف آچلا ہے اس لئے اس کو اپنے داؤں کا موقعہ مل گیا اور جلدی سے گھوم کر اس نے اُسے دبوچ لیا - اور اس زور سے دبایا کہ تمام پسلیاں چرچرانے لگیں مُنہ سے بہت سا کالا کالا خون بھل بھلا کر نکل پڑا اور دلاور پہلوان بیجان ہوکر زمین پر گر پڑا - یہ دیکھتے ہی تماشائیوں کی ایک عجیب حالت ہوگئی -

ڈی موسیڈیس[۵۱] (Democedes) جو ہمارے زمانہ کا بہت بڑا حکیم ہے اور جسے تم نے پولی کراٹیس (Polycrates) کے دربار میں دیکھا ہوگا۔ جلدی سے دوڑ کر آیا لیکن موت کا علاج کس سے ہو سکتا ہے۔ بہادر لڑکا پہلے ہی جان بحق ہو چکا تھا۔

مائلو کو مجبوراً اپنے سرپیچ[۵۲] (Wreath) سے محروم رہنا پڑا۔ اور نوجوان اسپارٹی کی شہرت تمام یونان میں پھیل گئی۔ اس کے جنازہ کے ہمراہ بڑے بڑے نامور لوگ تھے اور اب اس کا ایک بت بنا کر آلتیس (Altis) میں گزشتہ سورماؤں اور بہادروں کی صف میں رکھا جائیگا۔ اس بازی کے بعد نقیبوں نے ججوں کے فیصلہ کا اس طرح اعلان کیا " بجائے مردہ بہادر کے اسکے وطن اسپارٹا کو فاتح کا سرپیچ (Wreath) بخشا گیا ہے۔ مائلو نے نہیں بلکہ موت نے لیسانڈر (Lysander) کو مغلوب کیا تھا۔ وہ کامل دو گھنٹے تک یونانیوں کے سب سے بڑے سورما اور سب سے بڑے زبردست شخص سے نبرد آزما ہوا۔ اور پھر بھی نہ ہارا۔ اس لئے وہی شاخ زیتون کا مستحق و سزاوار سمجھا جاتا ہے "

یہ کہہ کر کلیاس (Callius) خاموش ہوگیا۔ اپنی تقریر کے جوش میں اُسے حاضرین کا کچھ خیال نہ رہا تھا اُس کی زبان سے الفاظ نکل رہے تھے آنکھیں سامنے کی طرف ٹکٹکی باندھے تھیں اور تخیلہ کے روبرو بہادروں و جنگجوؤں کی تصویریں پھر رہی تھیں۔ اب اُس نے چاروں طرف مڑ کر دیکھا تو اُسے سخت تعجب ہوا کہ ایک

---

[۵۱] زمانہ قدیم کا ایک مشہور و معروف طبیب جو باشندہ کروٹن (جنوب اٹلی) تھا یہ پولی کراٹیس کا طبیب خاص تھا بعدہ ایرانی اسے زبردستی پکڑ کر اپنے ملک لیگئے جہاں اس نے بڑے معرکے کے علاج کئے لیکن بعدہٗ بھاگ کر اپنے وطن واپس چلا گیا۔

[۵۲] قاعدہ تھا کہ اگر حریف مارا جاتا تو فاتح اپنے انعام کا مستحق نہ سمجھا جاتا۔ (اسیر)

بوڑھا شخص جس کی ایک ٹانگ لکڑی کی ہے اور جس کی صورت سے ایک عجیب وقار و مردانگی برستی ہے اپنے چہرہ کو ہاتھوں سے چھپا کر پھوں پھوں رو رہا ہے اور روڈوفس و فنیس داھنے و بائیں کھڑے ہوئے اس بوڑھے اسپارٹی کی طرف اس نگاہ سے دیکھ رہے ہیں کہ گویا وہی اُلمپیا (Olympia) کی داستان کا ہیرو ہے۔

ایتھنسی کو فوراً محسوس ہوا کہ ہونہ ہو اس شخص کا فاتحین اُلمپیا سے کوئی تعلق ضرور ہے لیکن جب اُسے معلوم ہوا کہ یہی ارسٹومیقس ہے اور ان دونوں اسپارٹی بھائیوں کا باپ ہے جنکے حسین جسم و خوبصورت شکلیں ابھی تک اُسکی آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھیں تو اس کا دل ایک عجب اندوہ، ہمدردی و رحم سے بھر گیا اور اُسکی آنکھیں بھی آنسوؤں سے تر ہوگئیں۔ کیونکہ اس زمانہ کے لوگ جب جانتے تھے کہ رونے سے تسکین ہو جائیگی تو بیساختہ رو دیتے تھے اور اپنے جذبات کو چھپانے کے لئے بیجا شرم نہ کرتے تھے۔ چنانچہ غیظ و غضب خوشی و مسرت یا مصیبت کے وقت بڑے بڑے جوانمردوں کی یہی حالت ہوتی تھی۔ لیکن وقت پر شیروں کی طرح بہادری دکھاتے تھے۔ اور اپنے ملک کے نام و نمود کے لئے ہر طرح کی صعوبت ہائے جسمانی تکلیفیں اور مصیبتیں جھیل لیتے تھے

حاضرین نے جب بہادر اسپارٹی کو روتے دیکھا تو تھوڑی دیر ان پر سکتہ کا سا عالم رہا۔ آخرکار جلیشوا (Geshua) جو بوجہ اسرائیلی ہونیکے نہایت محتاط تھا اور یونانی طریقہ سے بچائے ہوئے طعام سے دست کش رہا تھا۔ اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں افسوس و ہمدردی جتانے کی غرض سے کہنے لگا "بہادر اسپارٹی خوب جی بھر کر رو لو۔ میرے دل سے کوئی پوچھے کہ فرزند کا داغ کیسا کچھ روح فرسا ہے۔ گیارہ برس ہوئے جب میرے ہمقوم بابل میں غلامی کی ایڑیاں رگڑ رہے تھے

میں نے بھی اپنے ایک پیارے بچے کو دیارِ غیر میں سپردِ خاک کیا تھا۔ ہائے! اگر ایک سال وہ اور زندہ رہتا تو اپنے وطن میں جاکر آبا و اجداد کی قبروں کے قریب ہی دفن ہوتا کیونکہ ایک سال بعد سیرس (Cyrus) شہنشاہ ایران نے جیہووا[1] (Jehova) اسکی اولاد کو ہمیشہ سلامت و زندہ رکھے ہمیں غلامی سے آزاد کرا دیا مگر میرے دل سے ابھی تک یہ قلق نہیں گیا کہ دشمنان بنی اسرائیل کے ملک میں میرا لختِ جگر زیرِ زمین سو رہا ہے۔ کیا اس سے بھی بڑھکر ایک باپ کے لئے کوئی مصیبت و آفت ہو سکتی ہے کہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز اپنے نورِ نظر اپنی تمام دھن و دولت سے بڑھکر چاہتے بچے کو اپنے ہی ہاتھوں سے ایک تنگ و تاریک لحد کی آغوش میں دیدے۔ اور خصوصاً وہ فرزند اگر تمہارے نامور بیٹے کی مثال ہو تب تو اسکی موت پر جتنا بھی روئیے اور رنج و غم کیجئے سب بجا ہے۔"

اسپارٹی نے جلدی سے اپنے اشک آلود چہرہ سے ہاتھ اٹھا کر مسکراتے ہوئے جواب دیا "یہودی! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں رنج و غم سے نہیں بلکہ جوشِ مسرت سے رو رہا ہوں۔ بلکہ اور بھی خوش ہوتا اگر دوسرے لڑکے کو بھی لیساندر (Lysender) کی طرح موت نصیب ہوتی۔"

اسرائیلی نے یہ سنا تو دہشت زدہ ہو کر بڑی حیرت سے بوڑھے سردار کا منہ تکنے لگا۔ اور اپنے دل میں یہ کہہ کے کہ اس شخص کے جذبات نہایت بیہودہ و خلاف فطرت ہیں۔ گردن ہلا کر چپ ہو گیا۔ یونانیوں نے اسے قابلِ رشک و حسد سمجھا۔ اور ہر طرف سے مبارکبادی کی بوچھاڑیں پڑنے لگیں۔ ارسٹو میکس (Aristomachus) کے چہرہ پر ایسی فرحت تھی کہ اپنی عمر سے کئی سال کم معلوم ہوتا تھا۔ اور مسکرا کر روڈوفس سے کہنے لگا "کرم فرما۔ تمہارا مکان میرے لئے بڑا مبارک ہے۔

---

[1] یہودی خدائے تعالیٰ کو اسی نام سے پکارتے تھے۔

جب سے میں یہاں آیا ہوں یہ دوسری خبر ہے جسے دیوتاؤں نے مجھے سنا کر شادماں کیا ہے" خاتون نے پوچھا "اور پہلی خبر کونسی تھی" اسپارٹی "ایک حسب مراد آرکل (پیشینگوئی Oracle)"

فینس "تم تیسری نعمت کو تو بھول ہی گئے یعنی دیوتاؤں کی کرپا سے آج تم روڈوفس ایسی خاتون کی ملاقات سے فیض یاب ہوئے لیکن آرکل (Oracle) کا کیا واقعہ ہے"

دلفینی "اگر تمہاری اجازت ہو تو دوستوں سے کہدوں"

ارسٹومیقش نے سر ہلا کر کہا کہ کوئی مضائقہ نہیں اور فرکس (Phryxus) ڈلفوی نے آرکل (Oracle) کے جواب کو آواز بلند سب کے سامنے پڑھکر سنایا۔

اتریں گے برف پوش پہاڑ فسے ورج پوش
اس نہر مارخم پہ جو وادی میں ہے رواں
رمنوں کی حد پہ پھر تمہیں پہنچا کے آئیگا
آئیگا اک سفینہ جو کچھ دیر سے یہاں
رمنے وہ دلکشا ہیں فضا جن کی دیکھ کر
پائیں گے راحتوں کا غریب الوطن نشاں
وہ چیز پانچ جج نہ جسے کر سکے عطا
آکر وہ درج پوش تمہیں دیں گے بے گماں

فرکس (Phryxus) کے منہ سے ابھی آخری جملہ مشکل سے ختم ہوا تھا کہ کلیاس (Callius) اتھینسی اک بڑے انداز پسندیدہ کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھکر کھڑا ہو گیا اور بآواز بلند بولا "چوتھی نعمت تو رہی جاتی ہے۔ دیوتاؤں کا چوتھا احسان بھی تم کو میرے ہی ذریعہ سے یہاں نصیب ہوگا۔ اچھا تو کان لگا کر سنو۔ ایک سب سے عجیب و غریب چیز تو میں نے بیان ہی نہیں کی تھی وہ یہ ہے کہ ایرانی مصر کی طرف آرہے ہیں" اسکے سنتے ہی سوائے سی باریسی (Sybarite) کے اور تمام حاضرین جلسہ اپنی اپنی جگہوں سے بیتابانہ کھڑے ہو گئے

اور کلیاس (Callius) پر اتنے سوالوں کی بھرمار کردی کہ وہ مشکل سے جواب دیسکا۔ اور گھبرا کر کہنے لگا "دوستو! ذرا صبر کے ساتھ کام لو اور مجھے سلسلہ وار بیان کرنے دو۔ ورنہ بات پوری کرنا مشکل ہو جائیگی۔ یہ ایرانیوں کی، جیسا فنیس تمہارا خیال ہے۔ فوج نہیں ہے بلکہ کمبوجیہ (Cambyses) ایران کے جلیل القدر شہنشاہ کی سفارت ہے جو اس طرف آرہی ہے۔ مجھے ساموس (Samos) میں خبر ملی تھی کہ وہ ملی ٹوس (Miletus) تک آگئے ہیں اس لئے اب چند ہی دنوں میں یہاں پہنچ جائینگے اور ہم کو ایک غیر معمولی شان و شوکت کے دیکھنے کا موقع حاصل ہوگا۔ ان کے ساتھ بادشاہ کے چند عزیز و اقارب اور لدیہ[1] (Lydia) کا بوڑھا بادشاہ کری سس

---

[1] جغرافیہ قدیم میں ایشیائے کوچک کے یہ ایک ضلع کا نام تھا جسکے حدود مقرر کرنا مشکل ہے اس لئے کہ مختلف زمانوں میں اس کے مختلف حدود رہے۔ تاریخ میں اس کا نام ۶۶۰ ق م سے نظر آتا ہے جبکہ اشور بانی پال بادشاہ تھا۔ پھر ہومر اس کا ذکر کرتا ہے۔ یونانی مورخوں میں سب سے پہلے ممنرموس نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ایک زمانہ میں جبکہ مرمن خاندان حکمراں تھا اسکی بحری اور بری قوت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ بہت سے یونانی شہر فتح ہو کر اس میں داخل ہو گئے تھے اور ساحل ایونیا لڈیا کی ریاست میں داخل تھا۔ الیاٹیس (Alyattes) اور کروسس (Croesus) کے زمانہ میں لڈیا کی ریاست بڑی سلطنت ہوگی اور جس قدر ایشیائے کوچک کا حصہ دریائے ہیلیس (Halys) کے مغرب کی جانب تھا سوائے لیسیا (Lycia) کے اسکے تحت میں آگیا۔ جب ایرانیوں نے اسے فتح کیا تو دریائے می اینڈر (Maender) اس کی جنوبی سرحد تھا اور جب رومیوں نے قبضہ کیا تو ایک طرف میسیا (Mysia) اور کاریا (Caria) کا درمیانی ملک اور دوسری طرف فریجیا (Phrygia) اور بحر ایجین (Aegean) کے مابین کا حصہ اس میں داخل تھا۔ خاص لڈیا بہت زرخیز مقام تھا۔ پہاڑوں میں انگور اور انجیر بہت ہوتے تھے۔ ہرمز کے زرخیز میدانوں میں غلہ اور زعفران بکثرت ہوتا تھا اور ٹمالوس کے پہاڑوں اور ریگستانوں میں سے سونا برآمد ہوتا تھا۔

(Croesus) بھی ہے کسی کو یہ نہیں معلوم کہ انکے آنے کا کیا سبب ہے۔
مگر خیال کیا جاتا ہے کہ شاید ان کا مقصد مصر کے ساتھ اتحاد قایم کرنا ہے اور یہ بھی

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ہیروڈوٹوس کہتا ہے کہ لیڈوس، میسوس اور کار، تین بھائی تھے جنہوں نے یہ ملک اور شہر آباد کئے تھے۔ یہاں جو قوم آباد تھی وہ آریہ قوم اور پہلے کی قدیم اقوام سے مل جل کر ایک نئی قوم بنگئی تھی۔ اور ایشیائے کوچک کی دوسری قوموں کا جو مذہب تھا۔ ان لوگوں کا بھی تھا۔ وہ اشیائے قدرت کی پرستش کیا کرتے تھے۔ بڑے دیوتا کا نام میڈیوس تھا اور اٹیس (Attis) سورج کا دیوتا تھا جو سائی بیبی (Cybebe) دیوتاؤں کی ماں کا بیٹا اور شوہر دونوں تھا۔ تنلوس کے فرزند بروٹیس نے اس کا بت تراش کر سپی لوس کی پہاڑیوں پر رکھا تھا۔ لڈیا کی لڑکیاں فحش کے ذریعہ سے جو ایک مذہبی فعل کہا جاتا ہے اپنی شادی بیاہ کا سامان اور جہیز کا انتظام کرتی تھیں۔

زنیتوس (Xanthus) نام ۶۴۰ ق م میں خود لڈیا میں ایک مورخ گذرا ہے وہ کہتا ہے کہ یہاں تین خاندانوں نے حکومت کی تھی۔ اول آٹیا جس کا حال صرف افسانوں اور کہانیوں میں رہ گیا ہے۔ یہ خاندان محض خیالی معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے خاندان کا حسب نسب بھی آسمانی بیان کیا جاتا ہے مگر اس کے بانی کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مشرق اقصیٰ سے آئے تھے کہا جاتا ہے کہ دوسرے خاندان کا یہ بانی ہرکولیز اور امفیل کی اولاد میں تھا۔ اور ہیروڈوس کہتا ہے کہ اسکے باپ کا نام نیموس اور دادا کا نام بکوس تھا۔ اس خاندان کو آل ہرقل کہتے ہیں۔ یہ قول کہ یہ خاندان نینوا سے آیا تھا صحیح نہیں ہے۔ اشور بانی پال سے قبل اشوریوں کو لڈیا کا نام بھی نہیں معلوم تھا اور اہل حطی (Hittite) جو تمدن بابل میں پلے ہوئے تھے ایشیائے کوچک پر حملہ کر کے مصری بادشاہ ریمیس دوم کے زمانہ کے قبل ہی بحیرہ ایجین کے سواحل پر قابض ہو گئے تھے چنانچہ انکے آثار ابتک لڈیا میں پائے جاتے ہیں جس کا دار السلطنت سارڈیس تھا جسے سیمرائی (Cimmerii) نے ۷۰۰ ق م میں پہلے پہل فتح کیا۔ اسکے بعد حطیوں (Hittite) کے صوبہ دار یہاں حاکم رہے۔ ان کے بعد آل ہرقل آئی۔ پانسو پانچ برس کے بعد اس خاندان

افواہ ہے کہ شاہ ایران کی طرف سے فرعون کی بیٹی کی نسبت کا پیام لائے ہیں "فینس نے بے اعتباری کے ساتھ شانے ہلاکر کہا "یہ خوب کہی۔ بھلا اتحاد کی ایرانیوں کو کیا ضرورت۔ وہ خود ہی آجکل آدھی دنیا سے زیادہ کے مالک ہیں اور ایشیا کے تمام تاجدار انکے سامنے اپنی گردنیں جھکاتے ہیں۔ ہاں صرف مصر اور ہمارا یونان ابھی تک انکی فتوحات سے باقی رہ گیا ہے"

کلیاس (Callias) "اور زرخیز ہندوستان جنت نشان والیشیا کی چند خانہ بدوش اقوام بھی ابھی تک انکے زیرنگین نہیں ہوئی ہیں۔ اور یہ بھی نہ بھولنا چاہئے کہ ایک ایسی سلطنت جس میں تقریباً ستر مختلف قومیں آباد ہوں جنکی مختلف زبانیں اور مختلف عادات واطوار ہوں۔ ہمیشہ اندرونی بغاوتوں سے ڈرتی رہتی ہے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) کے ہاتھ سے حکومت نکلی جس کے اخیر بادشاہ کا نام سیاتیس تھا۔ اسکے بعد ۷۰۸ ق م میں مرمنی حاکم ہوئے جنکا پہلا بادشاہ گائیجز (Gyges) تھا جس نے بحری قوت کو ترقی دی۔ بعدہ آل سیریا نے پھر انکا ملک فتح کرلیا مگر یہ سب اشور بانی پال کے باجگزار تھے۔ اسکے بعد لڈیا نے تجارت میں اتنی ترقی کی کہ یہاں کا بادشاہ اپنے زمانہ کے بادشاہوں میں سب سے زیادہ دولتمند سمجھا جاتا تھا۔ الیاطیس بادشاہ نے یہاں ۵۷ برس حکومت کی اور لڈیا کی سلطنت کی بنیاد مستحکم کی۔ اسکے بعد کروسس اپنے باپ کی جگہ تخت پر بیٹھا جسنے ۱۵ برس تنہا حکومت کی تھی کہ ۵۴۶ ق م میں ایران کے بادشاہ سائرس (Syrus) نے دریائے ہیلس (Halys) پر اسے شکست دیکر دارالسلطنت سارڈیس (Sardes) پر قبضہ کرلیا اور بادشاہ کو بھی گرفتار کرلیا اور لڈیا میں اپنا صوبہ دار مقرر کیا۔ لڈیا کی دارالسلطنت سارڈیس نے اس قدر ترقی کی کہ سلطنت ایران کا دوسرا پایہ تخت کہلایا جاتا تھا۔ اور اسی کے جلا ڈالنے کی وجہ سے ایرانیوں اور یونانیوں میں سخت جنگ ہوئی تھی جو جنگ فارس کے نام سے مشہور ہے۔ سکندر کی موت کے بعد لڈیا اسکے جنرل انٹی گانوس کے حصہ میں آیا۔ اسکے بعد اکیموس اور پھر انٹیاکوس کے پاس یکے بعد دیگرے رہا۔ حتیٰ کہ اسے رومیوں نے فتح کرکے اپنے ایشیائی صوبوں میں شامل کرلیا۔ ۱۲

اور غیر ملکی جنگ و جدال سے احتراز کرنا پسند کرتی ہے تاکہیں ایسا نہ ہو کہ میدان خالی پاکر اسی کی سرکش رعایا علم بغاوت بلند کردے۔ مثلاً اہل ملیسیا (Milesia) ہی سے پوچھ دیکھو کہ اگر انھیں یہ معلوم ہو جائے کہ ان کا ظالم فرمانروا کسی بڑی جنگ میں ہار گیا تو کیا وہ خاموش بیٹھے رہیں گے ؟"

اس پر حاضرین میں سے ملی توس (Miletus) کے ایک تاجر نے بڑے جوش کے ساتھ کہا "اگر ایرانی کسی لڑائی میں ہار جائیں تو ان پر چاروں طرف سے سیکڑوں دشمن ٹوٹ پڑیں گے۔ اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میرے ملک والے بھی اگر موقعہ ہاتھ آگیا تو ظالموں کو نکال دینے میں کسی سے پیچھے نہ رہیں گے۔"

کلیاس (Callius) "ایرانیوں کے ارادے خواہ کچھ ہی ہوں مگر میرا تو یہ قول ہے کہ تین دن کے اندر وہ یہاں آموجود ہوں گے۔"

"روڈوفس" اور ارسٹومیقس "تم خوش ہو کہ تمہارے ارکل (Oracle) کی پیشین گوئی بھی پوری ہو جائے گی کیونکہ کوہستانی سواروں سے مراد ایرانی ہی ہو سکتے ہیں اور جب وہ دریائے نیل کے کناروں پر پہنچ جائیں گے تو پانچوں افور (Ephors) ^ا

---

^ا افور قدیم ریاستہائے اسپارٹا کے سب سے اعلیٰ مجسٹریٹوں کا خطاب تھا۔ کہا جاتا ہے کہ لائیکرگوس (Lycurgus) نے اسکی بنیاد ڈالی تھی مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ ڈورس (Doris) کے قدیم انتظامات میں سے ایک یہ بھی تھا۔ پہلے ان مجسٹریٹوں کی تعداد پانچ ہوتی تھی اور ان میں جو سب سے اول ہوتا تھا اسی کے نام سے وہ سال مشہور ہوتا تھا۔ ان کا انتخاب سالانہ ہوا کرتا تھا اور کثرت رائے سے فیصلہ ہوا کرتا تھا۔ ان لوگوں سے ماہانہ حلف لیا جاتا تھا اور یہی خود ایک دوسرے سے حلف لیتے تھے۔ بادشاہ کے سامنے بیٹھنے کی صرف انہیں کو اجازت تھی اور خود بادشاہ کے مقابلہ میں سماعت مقدمہ کرنے اور اسے محبس میں بھیجنے کا اختیار رکھتے تھے۔ ان میں سے دو فوج کے ساتھ میدان میں جایا کرتے تھے۔ یہی لوگ قانون پر عمل کراتے اور نوجوانوں کو تربیت

اپنا ارادہ بدل دیں گے اور تم جو کہ اولمپیا Olympia کے ہر دو فاتحین کے باپ ہو وابس بلائے جاؤ گے (غلام کی طرف مخاطب ہو کر) ناسیس (Cnacis) جام شراب بھر دے۔ ہم کو اب یہ آخری جام نامور لیسانڈر (Lysander) کی یاد میں پینا چاہیے۔ اور بعد ازاں میں بادل ناخواستہ آپ سب کی یاددہانی کرونگی کہ رات تمام ہونے کو آئی ہے اور آپ لوگوں کے آرام کے خیال سے مجھ پر واجب ہے کہ اس عیش و طرب کی مجلس کو ایسے وقت برخاست کر دوں کہ بعد ازاں ناگوار طبع نہ ہو اور یہ امید رکھوں کہ آج کا لطف صحبت آپ کو دوبارہ پھر مجھے عزت بخشنے پر آمادہ کریگا۔"
تمام حاضرین نے روڈوفس سے اتفاق کیا اور اسکی بہت کچھ تعریف اور اپنے اظہار مسرت کے بعد رخصت ہونے کی تیاریاں کرنے لگے۔ سی باریسی (Sybarite) نے بھی اپنے آرام دہ کوچ سے اٹھنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ شراب کثرت سے پی گیا تھا۔ اور نشہ میں چور تھا اور جب غلاموں نے آکر ہاتھ پکڑ کر سہارا دینا چاہا تو ناراض ہو کر بڑبڑاتا اور میزبان کی شکایت کرتا ہوا اٹھا۔ پھر روڈوفس آگے بڑھ کر رخصت ہونے لگی تو غصہ سے اسکی طرف دیکھ کر شراب کے نشہ میں کہنے لگا۔
"ہراکلیس (Heracles) کی قسم روڈوفس تم مجھے اپنے گھر سے اس طرح نکال رہی ہو کہ گویا میں نے تمہاری کوئی گٹھری کاٹی ہے۔ یاد رکھو میں ایسی ذلت و ہتک کا عادی نہیں ہوں کہ زبردستی کسی محفل سے اٹھایا جاؤں یا کسی طفیلی و مفت خور کی طرح مجھے دروازہ کا راستہ بتایا جائے۔" روڈوفس بہت عذر و معذرت کر کے ہنسی سے کہنے لگی "یہ آپ کے اس قدر شراب پینے کا نتیجہ ہے کہ میری بات سمجھنے سے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) دیا کرتے تھے۔ یہی لوگ ٹیکس لگاتے اور مال غنیمت تقسیم کیا کرتے تھے۔ اور خارجی پالیسی میں ان کا فیصلہ سب پر بالا ہوا کرتا تھا۔ ممالک غیر کے سفراء سے یہی معاملات طے کرتے۔ فوجیں روانہ کرتے اور ہر فوجی افسروں کو ہدایات بھیجتے رہتے تھے ۱۲

معذور ہیں"

سی بارسیس کو یہ جواب ناگوار گذرا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا دروازہ کی طرف بڑھا اور قہقہہ مار کر طنز و حقارت سے بولا "میں تو بقول تمہارے شرابی ٹھیرا۔ اور تم کون ہو میں؟ تم کو میں ایک گستاخ لونڈی سمجھتا ہوں۔ اڈمن (Admon) اور زینتھس (Xanthus) کی داشتہ کنیز اور چراکسس (Charxus) کی آزاد کردہ معشوقہ جانتا ہوں۔ ڈایونی سیئس (Deonysus) کی قسم اپنی جوانی میں خوب رنگ رلیاں کھیلی ہونگی اور غضب کی حسین ہوگی۔ اچھا تو اب رخصت" یہ جملہ مشکل سے ابھی ختم ہوا ہوگا کہ اسپارٹی نے اس زور سے ایک گھونسہ رسید کیا کہ وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا اور پھر اُسے ایک بچہ کی طرح اپنی گود میں اٹھا کر باہر لے گیا اور اُس کے غلاموں کے سپرد کر دیا جو کشتی کے پاس انتظار کر رہے تھے۔

تیسرا باب

روڈوفس اور فنیس

سب مہمان رخصت ہو کر چلے گئے تھے۔ شرابی کے ہتک آمیز جملوں نے انکے دلوں کو دُکھا کر تمام لطف منغص کر دیا تھا۔ روڈوفس اب تن تنہا دعوت کے کمرہ میں کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور جسم کانپ رہا تھا۔ ناسیس (Cnasis) نے رنگین لمپوں کو بجھا دیا۔ اور صبح صادق کی دھیمی روشنی میں

ل میخواری و شراب کا دیوتا۔

بے ترتیب کرسیاں اور میز کی الٹی پلٹی چیزیں مدہم نظر آنے لگیں۔ پو پھٹ رہی تھی مصر کی صبح عام طور سے خنک ہوتی ہے نسیم سحری کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے کھلی ہوئی کھڑکیوں سے آرہے تھے۔ اس کی آنکھیں جنکے آنسو خشک ہو گئے تھے کمرہ کی ویرانی کو دیکھ رہی تھیں اور وہ اپنے دل کی حالت کو اس ویرانگی سے مشابہت دے کر سوچ رہی تھی کہ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی کہ یہاں کیسا عیش و نشاط اور چہل پہل مچی ہوئی تھی۔ وہ کیسی اس وقت خوش و خرم تھی یا اب یہ کیفیت ہے کہ اس کے دل میں ایک کانٹا سا کھٹک رہا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا جسم کا تمام خون خشک ہو کر سرد پڑ گیا ہے۔ وہ دیر تک اسی طرح کھڑی رہی اتنے میں اس کا پرانا خادم شمع لئے حاضر ہوا۔ اور خوابگاہ کی طرف لے چلا۔ یہاں پہنچکر اس نے کپڑے بدلے اور آہستہ سے اس پردہ کو اٹھایا جو ایک دوسرے کمرے کے درمیان حائل تھا۔ اس کمرہ کے وسط میں ایک خوبصورت لکڑی کا پلنگ تھا جس پر بھیڑ کے ملائم بالوں کا گدا بچھا تھا اور سفید چادروں پر ہلکے آسمانی رنگ کا پلنگ پوش نہایت خوشنما معلوم ہوتا تھا اس مسہری پر ایک حسین و جمال لڑکی سو رہی تھی۔ یہ سافو (Sappho) روڈوفس کی نواسی تھی۔ اس فتنہ خوابیدہ کا ایک ہاتھ سر کے نیچے دبا ہوا تھا جس پر ملائم سیاہی مائل بھورے بھورے بال بے ترتیبی کے ساتھ بکھرے ہوئے تھے۔ دوسرے ہاتھ میں وہ سنگ یشب کا ایک چھوٹا سا تعویذ جو گلے میں پڑا ہوا تھا پکڑے ہوئے تھی۔ اس کا جسم نہایت سڈول و نازک تھا۔ جوانی کا ابھار اور چہرہ حد درجہ کا دلکش جس پر غضب کا بھولا پن و معصومیت برس رہی تھی خصوصاً اس حالت میں کہ وہ مصروف خواب تھی۔ لبوں پر ایک عجیب دلفریب مسکراہٹ تھی۔ نرگسی آنکھیں بند تھیں مگر مژگان دراز میں ایک خفیف سی جنبش آجاتی تھی۔ گلابی رخساروں پر ایک ہلکا سا رنگ دوڑ جاتا تھا۔ نازک نازک نتھنے بھی برابر حرکت کر رہے تھے اور وہ بڑے اطمینان و چین سے ایسی بےفکری کی نیند سو رہی تھی

جو صرف عنفوانِ شباب یا بچپن ہی کے زمانہ میں کسی کو نصیب ہو سکتی ہے۔ روڈوفس بڑی خاموشی کے ساتھ دبے پاؤں قریب آئی اور ایک ناقابلِ بیان ولولہ الفت سے اپنی پیاری نواسی کا چہرہ دیکھنے لگی۔ پھر دوزانو ہو کر نیچے بیٹھ گئی۔ اور تکئے کی طرف اپنا سر اتنا جھکا دیا کہ لڑکی کا ہاتھ اُسکے بالوں کو چھونے لگا۔ پھر زار و قطار خوب دل کھول کر روئی۔ گویا اپنے دل کا تمام غبارِ غم و اندوہ و شر ساری آنسوؤں کی جھڑی سے دھو کر بہا دینا چاہتی ہے۔ کچھ دیر بعد جب کسی قدر تسکین ہوئی تو کھڑے ہو کر اُس نے نہایت آہستہ سے سونے والی کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ ہاتھ اُٹھا کر اسکے حق میں دعا مانگی اور چپ چاپ اپنی خوابگاہ کی طرف واپس چلی گئی۔ وہاں اسکی بڑھیا خادمہ منتظر تھی جیسے دیکھتے ہی کہنے لگی "ملیٹیا تو ابھی تک میرا انتظار کر رہی ہے۔ جا اب آرام کر۔ اس عمر میں اتنی دیر تک جاگتے رہنا تیرے لئے اچھا نہیں۔ نیز مجھے اب کچھ ضرورت نہیں۔ جب تک نہ بلاؤں مت آنا۔ میں بھی تھوڑا سا سو رہونگی تاکہ رات کی تکان دور ہو جائے۔" خادمہ متردد معلوم ہوئی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔

روڈوفس "تو کچھ کہنا چاہتی ہے؟" بڑھیا کو ابھی تک جھجک تھی اور مُنہ تک رہی تھی۔

روڈوفس۔ "بولتی کیوں نہیں؟ جلدی بتا کیا بات ہے۔"

خادمہ "خاتون۔ آپ کو میں نے ابھی روتے دیکھا ہے۔ کیا نصیب دشمناں کوئی صدمہ پہنچا ہے۔ یا آپ بیمار ہو گئی ہیں۔ قصور معاف جب تک اپنا حالِ دل کہہ کر آپ تشفی نہ کر دینگی یہ لونڈی ہرگز یہاں سے نہ جائے گی اور سرہانے بیٹھ کر برابر جاگتی رہے گی۔"

روڈوفس "تجھ سے کہنے کی یہ بات نہیں۔ (کچھ تامل کے بعد تلخ آمیز مسکراہٹ سے) مجھے آج اس امر کا پھر یقین ہو گیا۔ کہ کوئی کتنی ہی نیکی کرے مگر گزشتہ

گناہوں کا کفارہ بہت مشکل ہے اور کبھی نہ کبھی ایسی ذلت و خواری کا سامنا ہوتا ہے جس سے تمام اطمینان و عیش خاک میں مل جاتا ہے۔ اچھا تو رخصت۔ ملٹیا تو اب جا کر آرام کرو۔ دوسرے دن وہی کشتی جس پر اتھلنسی و اسپارٹی آئے تھے پھر روڈوفس کے باغ کے قریب آ لگی۔ اس وقت آسمان کا مطلع صاف تھا سورج بڑے آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ ہوا صاف و ہلکی ہلکی چل رہی تھی۔ بھونرے گونج رہے تھے۔ ملاحوں کے گانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سبزہ پوش کنارو پر جھنڈیاں اڑ رہی تھیں۔ اور لوگوں کے غول کے غول نظر آ رہے تھے۔ تاڑ، کھجور، کیکر اور انجیروں کے درخت پھلے پھولے میووں سے لدے ہوئے اپنی بہار دکھا رہے تھے اور تمام خطہ زمین قدرت کی غیر معمولی فیاضیوں کا نمونہ بنا ہوا ایسا سرسبز و زرخیز نظر آتا تھا کہ مسافر کے دل میں فوراً یہ خیال گذرتا کہ یہی وہ جائے عیش و طرب ہے جہاں سے کلفت و مصیبت دور ہے اور ہر طرف سودمندی و خوشحالی کا راج رچا ہوا ہے۔

مگر اکثر یہ اتفاق ہوا ہے کہ ایک اجنبی کسی خوبصورت قریہ سے گذرتا ہوا اسکے دلفریب منظر سے متاثر ہو کر تصور کرتا ہے کہ یہاں کے رہنے والے کیا ہی چین و آرام و خوشی کی زندگی بسر کرتے ہونگے لیکن جب اندر داخل ہوتا ہے تو حالت دگرگوں نظر آتی ہے۔ بجائے خوشی کے وہاں ہر گھر میں افلاس و مصیبت اور ہر دل میں رنج و محن، ندامت و افسوس، حسد و غصہ وغیرہ کی چنگاریاں سلگتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح نووارد مصر اسکی زرخیز اور ہنستی ہوئی سرزمین کو دیکھ کر اس کے آسمان پر بھی جو گرد و غبار اور ابر وغیرہ سے ایسا صاف و نکھرا رہتا ہے۔ نگاہ ڈال کر بھلا گمان کر سکتا ہے کہ اس سرزمین کے رہنے والے ایسے سنجیدہ اور متانت پسند ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی طرح روڈوفس کے خوبصورت محل و باغات کو آج کوئی

دیکھتا تو بھلا یہ کہہ سکتا کہ اس جنت نشان مکان کی رہنے والی اور اس مینو سواد مقام کی سرتاج مالکہ کا حال یہ ہے کہ اس کا دل ہزاروں افسوس و ندامت کا نشانہ بنا ہوا زندگی کا اک ماتمکدہ نظر آرہا ہے۔

رو ڈوفس کے زرد چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی روتی ہوئی اُٹھی ہے وہ فینیس کے ساتھ ایک فوارے کے نزدیک درختوں کی کنج کے نیچے بیٹھی ہے۔ فینیس اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے بڑی دلجوئی و ہمدردی سے کچھ کہہ رہا ہے وہ سر جھکائے چُپ چاپ سن رہی ہے اور آخر اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہے "میں تمہاری بہت ممنون و مرہون منت ہوں۔ کل کا رنج کبھی نہ کبھی بھول ہی جاؤنگی اور رفتہ رفتہ صبر آجائیگا مگر مجھے خیال ہے تو اس بچی کا۔ کبھی تو سوچتی ہوں کہ اس منحوس مقام سے چلی جاؤں بلکہ اس ملک ہی کو چھوڑ کر کسی دیار کا رُخ کروں جہاں تنہائی و گمنامی میں زندگی کے یہ باقیماندہ دن کاٹ دوں۔ کیونکہ میں سچ کہتی ہوں کہ میری طبیعت اب لوگوں کی صحبت سے گھبراگئی ہے اور دل میں کوئی تمنا و ہوس باقی نہیں رہی۔ صرف ایک خیال مجھے یہاں روکے ہوئے ہے وہ یہ کہ شاید یہ بدنصیب جس کے ماتھے پر گذشتہ غلامی و بدنامی کا ٹیکا لگا ہوا ہے۔ یہاں رہنے سے اپنے ہموطنوں کی کوئی ناچیز خدمت کر سکے اور انکے کام آسکے اسی لئے میرا ارادہ تھا کہ کچھ ہی ہو مگر اپنی تمام عمر اسی ملک میں کاٹ دونگی اور تمہارے چلے جانیکے بعد اپنے دوستوں کی امداد کے لئے اور بھی کوشاں و سرگرم رہونگی۔ اماسس (Amasis) بوڑھا ہو گیا ہے۔ اگر ساطیق (Psamtik) اس کے بعد بادشاہ ہوا تو ہمارے لئے اور بھی مشکلات کا سامنا پڑ جائیگا اور مجھے اپنے یونانی بھائیوں کی سلامتی اور آزادی کے لئے اور بھی جان توڑ کر لڑنا پڑیگا۔ میری تمام زندگی کا اب یہی ایک مقصد رہگیا ہے۔ خواہ بعض لوگ مجھ پر کتنا ہی نام دھریں لیکن میں باوجود عورت ذات ہونے کے اپنی ہمت کو ہاتھ سے نہ چھوڑوں گی۔ البتہ کل کی رات جو میری روتے کٹی ہے

اس نے ثابت کر دیا کہ ابھی تک بہت کچھ وہ کمزوری مجھ میں باقی ہے جو فرقہ اناث کی طبیعت کا ایک خاصہ ہے اور انکی مصیبت و خوشی دونوں کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اب اس کو دور کرنے کی کوشش کرونگی مگر یہ ناممکن ہے کہ کوئی اپنی فطرت سے لڑے اور ہمیشہ فتحیاب ہو۔ جب میرے دل کو کوئی تکلیف و درد محسوس ہوتا ہے اور مایوسی کی گھٹا اس پر چھانے لگتی ہے تو مجھے اپنے دوست **فیثاغورث**[1] کے جن سے بڑھکر

---

[1] چھٹی صدی قبل مسیح میں یونان میں ایک حکیم تھا جسے ساموس کا باشندہ کہا جاتا ہے۔ ۵۸۶ ق م اور ۵۶۹ ق م کے مابین یہ پیدا ہوا ہے۔ اسکے باپ کا نام نیسارکوس (Mnesarchus) تھا۔ اسنے پہلے فیری سائیڈیس (Pherecydes) کی شاگردی اختیار کی پھر ہرماڈوماس (Hermadomes) کی۔ اس نے سیاحت بہت کی ہے اور کہا جاتا ہے کہ دوران سیاحت میں مصریوں، فینیقیوں، کالاایوں، یہودیوں، اہل عرب، گال کے ڈروائیڈ (Druid) اور ایرانیوں کے مغوں اور ہند کے برہمنوں سے ملاقات کی ہے۔ بعض نے ان واقعات سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ بعد کے لوگوں نے اسکی تعلیم کو ان ممالک کے باشندوں کے اثر سے متاثر ظاہر کرنیکے لئے ایسا بیان کیا ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ وہ مصر اور بحر قلزم کے دیگر ساحلی ممالک پر گیا ہو۔ ایسوکریٹس (Isocrates) کا تو یہی بیان ہے۔ ہیروڈوٹس بیان کرتا ہے کہ پیروان فیثاغورث کی بہت رسوم اہل مصر کی رسموں سے ملتی ہیں اور تناسخ کا مسئلہ اس نے انہیں لوگوں سے لیا ہو۔ تقریباً ۵۲۹ ق م میں اس نے کروٹونا (Crotona) کی طرف اٹلی کے جنوب میں جہاں اہل ڈورس کی ایک نوآبادی تھی۔ ساموس سے ہجرت کرکے وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ اس ہجرت کی وجہ پالی کریٹیز (Polycretes) کے ظلم و تعدی بیان کیجاتی ہے۔ اب کروٹونا میں اس نے تعلیم دینی شروع کی اور یہ مقام جلد اسکے اثرات کا مرکز بن گیا۔ اسکے شاگردوں کی ایک برادری تھی اور انکی جمعیت ایسی ہی تھی جیسے کہ بعض مذہبی جمعیتیں یا اصلاحی انجمنیں ہوتی ہیں۔ فیثاغورث علاوہ حکیم ہونیکے اصلاح کنندہ اخلاق بھی تھا۔ اسکے شاگرد عرصہ دراز تک میگنا گریشیا (یونان اکبر) کے بڑے حصہ پر مسلط رہے۔ گو انہیں سیاسیات سے کوئی تعلق نہ تھا مگر اہل سیاست نے اپنی مصلحت کے لحاظ سے اس جمعیت کو متفرق کر دیا۔ اس تفریق و انتشار کا

اس زمانہ میں شاید ہی کوئی دوسرا صاحب کمال و دانا حکیم ہو۔ یہ الفاظ یاد آجاتے ہیں اور بہت کچھ تسلی و تشفی ہو جاتی ہے "ہر بات میں اعتدال سے کام لو۔ خوشی و راحت، مایوسی و غم دونوں حالتوں میں حد سے نہ گذر جاؤ اور بربط خوش آہنگ کے تاروں کی طرح اپنی روح کے تاروں کو بھی نہ اس قدر زیادہ کھینچو کہ ٹوٹنے کا اندیشہ ہو جائے اور نہ ڈھیلا ہی چھوڑ دو۔ ورنہ اس کے تال و سر بگڑ جائیں گے۔ اور نغمہ کی خوبیوں میں بڑا فرق آجائے گا۔"

مجھے اپنے سافو کے مزاج میں بھی یہی صلاحیت، یہی صبر، یہی اطمینان و استقلال نظر آتا ہے۔ وہ میری طرح ایسی کمزور نہیں ہے کہ قسمت کے ذرا سے ہیر پھیر میں ہمت ہار جاتی ہو۔ ذرا سی بات میں پراگندہ خاطر و پریشان ہو جاتی ہو۔ اور آئینہ دل سے غبار غم کو دور نہ کر سکتی ہو مگر شکر ہے کہ فیثاغورث کی نصیحت کو یاد کر کے میری طبیعت بھی اب سکون پر آچلی اور تم سے کچھ نہیں کہہ سکتی کہ اس جلیل القدر فلسفی کے اقوال کا مجھ پر کتنا بڑا اثر ہوا ہے۔ جب انکی صحبت اور انکی باتوں کو یاد کرتی ہوں تو ایک ناقابل بیان تسکین قلب پر طاری ہو جاتی ہے۔ تم بھی فیلنس اُن سے واقف ہو گے اور میرے بیان کی تصدیق کر سکتے ہو۔ اچھا تو اب کہو کس غرض سے آئے ہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو میں بدل و جان سُننے کے لئے تیار ہوں۔"

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) نتیجہ یہ ہوا کہ فیثاغورث کا فلسفہ دور دور پھیل گیا۔ یونان اور تھی بیز وغیرہ میں اس کا بڑا اثر تھا۔ تھی بیز کے ایک باشندے فلولوس نے پانچویں صدی ق م کے آخر میں فلسفہ و نظام فیثاغورثی پر رسالے لکھے ہیں اس فلسفہ کا اثر افلاطون کے خیالات پر بھی نظر آتا ہے لیکن چوتھی صدی قبل مسیح ہی میں حکمت فیثاغورثی یونان سے رخصت ہو گئی۔ اٹلی میں ٹارنٹوم کے ایک باشندے نے اُسے پھر ترقی دی۔ اس شخص کا نام ارکائٹاس (Archytas) فلسفہ فیثاغورث میں ہیئت اور جیامٹری بہت مشہور ہیں ۱۲

اتھینسی ہو مجھے بہت خوشی ہے کہ تمہاری طبیعت اب سنبھل گئی۔ تم کو یاد ہوگا کہ فیثا غورث اپنے آپ کو محب عقل و دانش، کہا کرتا تھا۔ اگر اسکی باتوں پر تم غور کرتیں تو تمہارا رنج و غم کبھی کا دور ہو گیا ہوتا۔ کیونکہ ہمارے مکرم و ذی شان استاد کی یہ ہدایت تھی کہ رات کے وقت انسان کو چاہیئے کہ اپنے دن بھر کے تمام واقعات خیالات و جذبات پر غور کر جائے۔ اگر تم بھی اس پر عملدرآمد کرتیں تو صاف معلوم ہو جاتا کہ تمہارے مہمانوں میں اکثر بڑے معززین و ذی وقار شخص تھے۔ انکی ستائش خلوص کے سامنے بھلا ایک شرابی و بیہودہ آدمی کی ہرزہ گوئی اور تہتک آمیز کلمات کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ تم پر یہ بھی واضح ہو جاتا کہ دیوتاؤں کی خاص طور سے تمہارے حال پر مہربانی و کرم ہے۔ کیونکہ تمہارے ہی گھر میں ایک ضعیف العمر شخص کو برسوں کی مصیبتوں کے بعد ایسی خوشی نصیب ہوئی کہ کسی دوسرے کو ملنا محال ہے اور تمہارے ایک دوست کے بجائے جو چھوٹنے والا ہے دوسرا ایسا رفیق مل گیا جو امید ہے کہ اس سے بھی زیادہ ثابت قدم و وفا کیش ثابت ہوگا۔ اس کو نہیں مانتیں۔ اچھا تو جانے دو۔ میں اب تم سے خاص طور سے ایک بات کی التجا کرنا چاہتا ہوں تمہیں یاد ہوگا کہ لوگ مجھے ہالی کرناسی[۵] (Halicarnassian) اور اتھینسی دونوں کہتے ہیں۔ کیونکہ میری ماں اول الذکر مقام کی رہنے والی تھیں اور میں وہیں پیدا ہوا تھا اور بعد ازاں اتھینس جا کر میری تربیت و تعلیم کی تکمیل ہوئی اس لئے ان دونوں مقامات کے رہنے والے مجھے اپنا ہم وطن سمجھتے ہیں اور اسی بنا پر فرعون کے یونانی فوج والے جس میں مختلف فرعون کے لوگ ہیں مجھ سے بہت خوش تھے اور کبھی حکم عدولی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ مجھے اندیشہ ہے کہ باوجود اپنی اعلیٰ قابلیتوں کے

---

[۵] ہیرڈوٹس (Herodotus) (مورخ) نے فنیس کو ہالی کرناسوس کا باشندہ بتایا ہے۔ یہ مقام بندرگاہ بدرم کے نام سے ایشیائے کوچک میں مشہور ہے۔ (ایبرا)

ارسٹو میقس کو ان لوگوں میں اب امن و امان قایم رکھنے میں بڑی دقتوں کا سامنا ہوگا۔ غرض کہ جیسا میں نے ابھی کہا ہے ایتھنز ہی میں میری پرورش ہوئی اور وہاں کے سب سے بڑے ذی اقتدار شرفا میں ہمارا شمار ہوا۔ اس عرصہ میں ایک دوسرے قبیلے کے شخص پی سیس تراتوس (Pisistratus) کو ملک گیری کی ہوس دامنگیر ہوئی۔ ہم سب نے دو مرتبہ اس کا مقابلہ کیا اور شکست دیکر بھگا دیا۔ مگر آخر کار غیروں کی مدد سے وہ اس وقت ہم پر اچانک حملہ آور ہوا جب اپنی دیوی کی پرستش میں ہم مصروف تھے اور بآسانی فتحیاب ہوگیا۔ میری ماتحتی میں نصف فوج تھی جو آخر دم تک جان توڑ کر مقابلہ کرتی رہی۔ مگر اتفاقاً ایک برچھی میرے شانہ پر ایسی کاری لگی کہ زخمی ہوکر گر پڑا۔ مجبوراً مجھے بھاگنا پڑا اور وہاں سے مع اپنے اہل و عیال کے سیدھا ہالی کرناسوس آیا۔ جہاں فرعون کی فوج میں داخل ہوکر بہت سی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ خصوصاً ارسٹو میقس کی ہمراہی میں قبرص (Cyprus) کی جنگ میں بڑا نام پیدا کیا جس سے خوش ہوکر فرعون نے مجھے تمام غیر ملکی و یونانی افواج کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ میری بیوی گزشتہ ایام سرما میں فوت ہوکر دو بچے ایک لڑکا گیارہ برس کا اور دوسری دس برس کی لڑکی چھوڑ گئی جو اپنی خالہ کے پاس ہالی کرناسوس میں رہتے سہتے تھے مگر کچھ دنوں کے بعد اس کا بھی انتقال ہوگیا تو مجھے بچوں کی فکر پڑ گئی اور انکے بلانے کے لئے ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ میں نے ایک آدمی روانہ کیا تھا۔ اب وہ جلد پہونچ جائینگے مگر ناکراتیس تین ہفتے سے پہلے نہیں پہنچ سکتے اور اگر میں رکنا بھی چاہوں تو یہ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ جب تک قاصد پہنچے گا وہ راستہ میں نہ معلوم کہاں ہونگے۔ اور مجھے چونکہ تین ہفتے کے اندر ہی مصر کو چھوڑ دینا ہے اس لئے اُن سے ملنا ناممکن معلوم ہوتا ہے اور سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ اپنے ایک معتبر غلام کو یہاں چھوڑ کر

خود چلا جاؤں تاکہ جب بچے آجائیں تو وہ انہیں اپنے ساتھ لیکر میرے پاس چلا آئے تم سے میری یہ التجا ہے کہ اگر واقعی اپنی دوستی کا حق ادا کرنا چاہتی ہو تو ان بچوں کو اپنی حفاظت میں اس وقت تک رکھو جب تک کوئی جہاز تھریس (Thrace) کی طرف جانیوالا نہ مل جائے مجھے شاہزادہ سامطیق (Psamtik) سے سخت اندیشہ ہے کیونکہ وہ میرا جانی دشمن ہے اور کہیں جاسوسوں سے اس کو خبر لگ گئی تو کیا عجب کہ باپ کے عوض بچوں کے درپئے آزار ہو جائے۔ میں تمہاری امداد و حمایت کو اس لئے اور بھی قیمتی سمجھتا ہوں کہ بموجب فرمان شاہی تمہارے مکان کی کوئی تلاشی نہیں لے سکتا اور تمہارے گھر میں میرے بچوں کے متعلق کوئی پوچھ گچھ نہیں کرسکتا کیونکہ تمہیں معلوم ہی ہے کہ اس ملک کا کیا قاعدہ ہے کہ ہر نووارد غیر ملکی مرد عورت بلکہ بچہ تک کے آنے کی خبر حاکم ضلع کو دیجاتی ہے اور وہ طرح طرح سے انہیں تنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرے دل میں اس سے زیادہ تمہاری وقعت و محبت اور کیا ہوسکتی ہے کہ اپنی سب سے زیادہ عزیز چیز کو تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اب بتاؤ کہ اس ذمہ داری کو قبول کرتی ہو کہ نہیں"۔

روڈوفس (جوش مسرت و سچے خلوص کے ساتھ) "فینیس۔ میں بخوشی قبول کرتی ہوں۔ بھلا یہ بھی کونسی بڑی بات ہے۔ تم تو الٹا مجھ پر احسان کر رہے ہو نہ کہ میں۔ تمہارے بچوں کو میں سر آنکھوں پر رکھونگی اور سافو (Sappho) بھی سنے گی تو کس قدر خوش ہوگی اس کی تنہائی میں دل بہلانے والے آجائیں گے۔ مگر فینیس میں اپنے چھوٹے مہمانوں کو پہلے جہاز پر ہرگز نہ بھیجوں گی۔ تم نے جہاں اتنا صبر کیا چھ مہینے تک انکی جدائی اور برداشت کر سکتے ہو۔ ہاں میں یہ وعدہ کرتی ہوں کہ ان کا وقت رائگاں نہ ہونے دونگی اور جب تک یہاں رہیں گے بہت اچھی تعلیم و تربیت دوں گی"۔

فینیس (مسکرا کر شکریہ کے ساتھ) "مجھے اسکا یقین۔ مگر پھر بھی انکا زیادہ

ون رہنا ٹھیک نہیں۔ اور مہربانی کرکے اُن شریروں کو پہلے ہی جہاز پر روانہ کر دیجئے گا کیونکہ سامطیق (Psamtik) کے انتقام کے خیال سے میں بہت خوفزدہ ہوں۔ تمہاری اس محبت و ہمدردی کا کہاں تک شکریہ ادا کروں۔ سافو (Sappho) کی طبیعت ضرور بہلے گی۔ اور اُسکی تنہائی کا غم غلط ہو جائیگا"

روڈوفس (آنکھیں نیچے کرکے) آپ کے اس فرمانے سے میرا غم بھی بالکل دور ہو گیا۔ کیونکہ ایک شریف آدمی کا دوسرے کی شرافت پر اعتبار و بھروسہ کرنا اس بات کے لئے کافی ہے کہ وہ ایک کمینہ کے اتہام و بیہودہ گوئی کو اپنے دل سے بھلا دے (سامنے دیکھ کر) وہ لیجئے سافو (Sappho) بھی آ پہنچی"

چوتھا باب

ایرانی سفارت

روڈوفس کی دعوت کے پانچ دن بعد سیئز (Sais) کے بندرگاہ پر ایک بہت بڑا اژدہام نظر آیا جس میں مصری مرد و زن ہر طبقہ و ہر عمر کے لوگ پرے جمائے ہوئے دریا کے کنارے کھڑے تھے کہیں تو سپاہی و تاجر تھے جن کے سفید لباسوں کے کناروں پر رنگین جھالریں لگی تھیں اور لباس کی لمبائی پہننے والے کے مرتبہ کا پتہ دیتی تھی۔ کہیں عوام یعنی ادنیٰ درجہ کے لوگ بھی جن کا جثہ نہایت قوی تھا اور بدن پر سوائے ایک لنگوٹی یا دھوتی کے اور کچھ نہ تھا۔ انہیں میں ملے جلے نظر آتے تھے کہیں ننگے و برہنہ جسم[۵۱] لڑکے دوڑتے

[۵۱] زیادہ معزز لڑکے ایک چھوٹی سی لنگوٹی باندھ لیتے۔ انکا سر بیچ سے منڈا ہوتا اور ادھر ادھر بچے ہوئے بال لٹکا کلیں

گھس پل کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مائیں چھوٹی چھوٹی چادریں پہنے[۵۱] خود دیکھنے کی کچھ پرواہ نہ کر کے اپنے خردسال بچوں کو سر پر اُٹھائے کھڑی تھیں۔ نیز بہت سے کتے اور بلیاں بھی یہاں موجود تھیں جن کو دیکھتے ہی تماشائی بہت احتیاط کے ساتھ قدم اُٹھاتے تھے تاکہ ان متبرک جانوروں کو کہیں ٹھوکر لگ کر کوئی ضرر و تکلیف نہ پہنچے۔ پولس کے سپاہی بھی جگہ جگہ استادہ تھے۔ انکے ہاتھوں میں لانبے لانبے ڈنڈے تھے جنکی پیتل کی موٹھوں پر بادشاہ کا نام کندہ تھا۔ یہ ہر طرف اہتمام و انتظام میں مصروف تھے کہ کہیں کوئی شخص کسی دوسرے کو دھکا دیکر پانی میں نہ گرا دے۔ یہ اندیشہ اس لئے زیادہ تھا کہ دریا طغیانی پر تھا۔ اور سیز (Seas) کی دیواروں تک چڑھ کر آگیا تھا۔

شاہی کشتیوں کے ٹھیرنے کیلئے ایک علیحدہ گھاٹ بنا ہوا تھا جس پر پتھروں کی کشادہ سیڑھیاں تھیں۔ انکے دو رویہ ابوالہول کے بُت قطار در قطار نصب تھے۔ اس جگہ دوسری ہی قسم کا مجمع نظر آتا تھا سنگین تپائیوں اور چبوتروں پر کاہن یا پروہت[۵۲] بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض لانبے اور سفید پیراہن پہنے ہوئے تھے بعض کے جسم پر دھوتی یا تہبند کی طرح صرف ایک لباس تھا جس پر مرصع کار و زر دوزی پٹکے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ایک فٹ لمبی شانوں پر پڑی رہتیں (ولکنس)

۵۱ عوام مرد و عورت دونوں کے جسم کا بالائی حصہ برہنہ رہتا۔ یا کبھی ایک نہایت باریک کپڑے سے ڈھانپ لیا جاتا تھا (ولکنس)

۵۲ پروہتوں کا لباس یہ تھا۔ سر پر مصنوعی بالوں کی ایک خوشنما ٹوپی جسم کا بالائی حصہ کہیں برہنہ یا نہایت باریک کپڑے سے ڈھکا ہوا کبھی تیندوے یا چیتے کی کھال اوڑھے ہوئے کمر پر ایک پٹی جو تہبند یا اسکرٹ کو باندھے ہوئے رہتے تھے۔ یہ عموماً سفید رنگ کے باریک کپڑے کا ہوتا تھا اور اس کا ایک سرا خاص انداز کے ساتھ ہاتھ پر پڑا رہتا تھا۔ پیروں میں منقش جوتیاں تھیں جنکی نوک اوپر کی طرف مڑی ہوئی ہوتی ہاتھ میں ایک مرصع عصا رہتا جسکی موٹھ پر پر لگے رہتے تھے۔ (پروفیسر ڈگل)

بندھے تھے۔ گلوں میں موٹے موٹے طوق[1] وہار تھے اور سینہ و پشت پر شیر کی کھالیں پڑی ہوئی تھیں۔ بعض کی پیشانیوں پر خوبصورت سربند جن پر پر لگے ہوئے تھے زیب دے رہے تھے اور انکے سروں پر چھوٹے بالوں کی ٹوپیاں تھیں جنکی کاکلیں گردن کے نیچے تک پہنچی تھیں۔ بعض کے سر برہنہ تھے اور انکی منڈی ہوئی[2] چکنی کھوپڑیاں چمک رہی تھیں۔ قاضی القضاۃ کی یہ علامت تھی کہ انکی ٹوپی میں شترمرغ کا ایک بڑا اور قیمتی پر لگا ہوا تھا گلے میں سونے کی زنجیر تھی جس میں نیلم کا ایک تعویذ آویزاں تھا مصری افواج کے سرداروں کے جسم پر رنگ برنگ کی زرہیں نظر آتی تھیں اور انکی پیٹیوں میں چھوٹی چھوٹی تلواریں اور کٹاریں کھنسی ہوئی تھیں۔ سیڑھیوں کے داہنی طرف باڈی گارڈ کا ایک دستہ اپنے تیر، خنجر، کمانیں اور لمبی لمبی ڈھالیں لئے ہوئے کھڑا تھا اور بائیں جا یونانی سپاہی اپنی قومی وردی پہنے ہوئے پرا جمائے تھے۔ انکا نیا سردار ارسٹومیقس مصری افسروں سے علیحدہ سامطیق[3] (Psamtik I) اول کے بتوں کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ یہ عظیم الشان بت جنکے منہ دریا کی طرف تھے۔ سیڑھیوں پر نصب تھے اور سب ہم شکل تھے۔ انکے سامنے ایک چاندی کی کرسی پر شہزادہ سامطیق (Psamtik) بصد کر و فر جلوہ افگن تھا۔ اس کے زیب بدن ایک خوبصورت رنگین و زردوزی کام کا چست کوٹ[4] تھا اور اسکے ارد گرد

---

[1] یہ طوق عموماً اس قدر بڑے اور چوڑے ہوتے تھے کہ مونڈھوں کے سرے تک پہنچتے تھے۔

[2] تمام سر مونڈا ہوتا اور اوپر سے مصنوعی بالوں کی ایک ٹوپی یا پروک استعمال کرتے (پروفیسر ولکنس)

[3] سنگین کتبات میں نام "سام تیک" (Psamtik) ہے۔ یونانی اُسے سمٹیکس یا سمیکرائس بھی کہتے تھے (پروفیسر ایبرا)

[4] یہ شاید زمانہ مابعد کا فیشن ہو چلا تھا۔ عموماً مصری بادشاہوں کی تصاویر میں انکے اوپر کے جسم کا حصہ برہنہ نظر آتا ہے یا ہلکا باریک کپڑا پڑا رہتا ہے۔

خاص خاص درباری، حاجب، مشیر و مصاحبین کھڑے ہوئے تھے
انکے ہاتھوں میں خوشنما عصا تھے جن پر شتر مرغ کے پر اور کنول کے سنہری پھول لگے
ہوئے تھے۔ عوام الناس کے مجمع میں بڑی ہل چل تھی۔ انکے چیخنے چلانے و شور و شغب
سے بےصبری کے آثار نمایاں تھے مگر اعلیٰ طبقہ کے لوگ امرا اور پروہت وغیرہ بڑے وقار و
خودنمائی کے ساتھ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے خاموش وساکت تھے۔ انکے سنجیدہ
چہروں، سخت بالوں کی ٹوپیوں، گھونگروالی مصنوعی ڈاڑھیوں کو دیکھ کر انکی شباہت بالکل
اُن بتوں کی سی معلوم ہوتی تھی جن کا ذکر اوپر آچکا ہے نیز اُسی متانت وسکونت کے ساتھ
نظریں جمائے وہ بھی دریا کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں ارغوانی و نیلگوں رنگوں کے
خوبصورت اور دھاریدار ریشمی بادبان دور سے نظر آتے ہیں اور لوگوں کے مجمع سے ایک
نعرہ خوشی کا بلند ہوتا ہے۔ "دیکھو وہ آگئے اور آرہے ہیں" کوئی کہتا ہے "دیکھنا بھائی
بلی کے بچے کو نہ کچل دینا" یا "انا۔ ذرا بچے کو اوپر اُٹھالے کہ وہ کچھ تو دیکھ سکے" یا "تسبک!
ایسے دھکے نہ دو۔ ورنہ میں دریا میں گر پڑوں گا" یا "فنیشی۔ ذرا ہوشیار ہو جا لونڈے
تیری لمبی ڈاڑھی پر گیلی مٹی کے ڈھیلے پھینک رہے ہیں" یا کوئی یہ جملہ کستا ہے "یونانی
ذرا شیخی میں آکے یہ نہ سمجھ جانا کہ تمام مصر تیری ملکیت ہے۔ اماسس (Amasis)
کی عنایت و مہربانی نہ ہوتی تو کب کے تم اس پاک زمین سے دفع ہو گئے ہوتے" یا "یہ یونانی بھی
کس قدر گستاخ و سرکش ہیں" یا کسی مندر کا ایک خادم یوں چلا کر کہتا ہے "مارو۔ ان بدمعاش
یونانیوں کو مارو" اور چاروں طرف سے لوگ اسکے ہم آواز ہو کر شور مچاتے ہیں "ہاں مارو، ان
سؤر[ا] کھانیوالوں کو، ان ہمارے دیوتاؤں کی تحقیر کرنے والوں کو، ان ناپاک اجنبیوں کو مارو"
اس پر قریب تھا کہ جنگ و جدل تک نوبت پہنچ جاتی کہ اتنے میں پولیس اپنے لمبے ڈنڈے
لئے ہوئے آپہنچتی ہے اور فوراً امن و امان قایم ہو جاتا ہے۔ اب وہ خوبصورت و رنگین بادبان

[ا] سؤر کا گوشت کھانا مصریوں کے مذہب میں نہایت سختی کے ساتھ منع تھا (پروفیسر ایبر)

جنکے چاروں طرف بہت سے نیلے اور سفید اور بھورے بادبانوں والی چھوٹی چھوٹی کشتیاں منڈلا رہی ہیں قریب آگئی ہیں اور بخوبی دکھائی دینے لگے ہیں۔ شہزادہ اور اسکے امرا اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور شاہی نفیری باز اس زور سے اپنی قرنا پھونکتا ہے کہ دور تک اسکی آواز گونجتی ہوئی پہنچتی ہے اور اتنے میں پہلی کشتی بھی کنارے کے قریب پہنچکر اب گھاٹ پر لگ جاتی ہے۔ اسے چوبیس ملاح جنکی دہوتیوں پر قیمتی پیٹیاں لگی ہوئی تھیں دو طرفہ بیٹھے ہوئے اپنے چپوؤں سے کھے رہے ہیں۔ یہ جہاز نما کشتی خوب وسیع اور لانبی ہے اور نہایت خوبصورت سنہری کام سے مزین ہے اسکی سر (چونچ!) یعنی اگلے حصہ پر ایک نقرئی عقاب لگا ہوا ہے اسکے وسط میں ایک خوشنما شامیانہ ہے جسکی چھت نیلگوں ہے اور ستونوں وغیرہ پر طلائی کام کیا ہوا ہے۔ اسکے اندر بڑی بڑی آرام دہ کرسیاں اور کوچیں سلیقہ کے ساتھ بچھی ہوئی ہیں اور ان پر چھ خوش رو آدمی اپنی زرق برق پوشاکیں پہنے لیٹے ہوئے ہیں۔

ان میں سے ایک وہ جو عمر میں سب سے چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ ابھی کشتی ٹھیری بھی نہ تھی کہ کود کر کنارہ پر پہنچ گیا۔ اسکے بال سنہرے ہیں۔ چہرہ ماہتاب کی طرح درخشاں ہے اور حسن و جمال کا یہ حال ہے کہ بہت سی نوجوان لڑکیاں تکتی کی تکتی رہ گئیں اور انکی زبان سے بےساختہ "واہ، واہ" کا نعرہ نکل گیا اور اکثر امرا و عمائدین بھی جنکے چہرے ابھی تک سنجیدہ تھے اسکو دیکھتے ہی مسکرا اٹھے اور اپنی حیرت و مسرت کا اظہار کرنے لگے۔ یہ نوجوان جسکا نام بردیہ[۱] ہے۔ متوفی شہنشاہ ایران کا بیٹا اور موجودہ فرمانروا کا بھائی ہے۔ ابھی بیس[۲] برس کا بھی نہیں ہوا ہے کہ قدرت کاملہ نے ایک غیر معمولی دلربائی و رعنائی سے آراستہ کرکے ایسا حسن خداداد بخشا ہے کہ اسے ہزاروں کے لئے قابل رشک بنادیا ہے اسکی بلند پیشانی پر ایک مشتِ بہا

---

[۱] یہ یونانی تاریخ میں سمردیس (Smerdis) کے نام سے مشہور ہے (جسکے لفظی معنی ہی زور و رکے ہیں) لیکن کوہ بیستون کے کتبہ پر اسکا نام برتیجہ، بردیہ یا برزیہ لکھا ہے۔ (پروفیسر اسپیرا)

طرہ چمک رہا ہے اور ایک سیاہ و سفید پٹی سر کے چاروں طرف بندھی ہوئی ہے جسکے نیچے سے گھنے گھونگر والے بالوں کی سنہری لٹیں گردن تک پہنچتی ہیں۔ اُسکی نیلگوں آنکھوں سے ایک عجب جوش زندگی، مسرت و رحمدلی کا اظہار ہوتا ہے۔ چہرہ سے شرافت، شجاعت و خودداری ٹپکتی ہے اور صورت ایسی دلفریب و دلکش ہے کہ بڑے سے بڑے نقاش و مصور دیکھ کر حیران و ششدر رہ جائیں۔ اُس کے لب پر ابھی مسیں بھیگ رہی ہیں۔ ایک ہلکا سا سبز خط رخساروں کے اردگرد بھی نمایاں ہے۔ بدن نہایت درجہ سڈول و کسرتی ہے جس سے قوت، چستی و پھرتی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس حُسن خوبی کو لباس[۱] کی زیبائش نے اور بھی دوبالا کر دیا ہے پیشانی پر جو طرہ یا کلغی ہے اُسکے وسط میں ایک بڑا سا تارہ جڑا ہوا ہے جس کے ہیرے اور فیروزے نہایت آب و تاب کے ساتھ درخشاں ہیں۔ کمخواب کی ایک خوبصورت قبا جس پر روپیلا و سنہرا نہایت بھاری کام ہے گھٹنوں کے نیچے تک پہنچتی ہے۔ کمر میں نیلے و سفید رنگ کا ایک پٹکہ بندھا ہوا ہے یہ رنگ خاندان شاہی کے لئے مخصوص ہے۔ اس پٹکہ سے ایک چھوٹی سی تلوار لٹک رہی ہے جس کے طلائی میان و جڑاؤ دستہ پر زمرد و پکھراج چمک رہے ہیں۔ رنگین و بیش بہا اطلس کی ایک ڈھیلی ڈھالی ازار ٹخنوں تک پہنچکر تنگ ہو گئی ہے اور پیروں میں نیلگوں چمڑے کے ہلکے ہلکے جوتے بھی نہایت خوشنما و آرام دہ معلوم ہوتے ہیں۔ اُسکے مضبوط بازوؤں اور ہاتھوں میں جو لمبی و ڈھیلی ڈھالی آستینوں کی وجہ سے برہنہ ہیں طلائی مرصع کار جوشن و کنگن نہایت زیب دے رہے ہیں۔ گردن میں ایک سونے کی زنجیر بھی پڑی ہے جو چوڑے چکلے سینہ پر بار بار اچھلتی ہے اور اپنی چمک دمک سے دیکھنے والے کی آنکھیں خیرہ کر دیتی ہے۔ غرضکہ یہ خوش وضع و خوشرو نوجوان بصد آن بان سب سے پہلے کنارہ پر اترتا ہے۔ اسکے پیچھے ایک نوعمر ایرانی ہے جو قریباً اسی کی طرح شان و شوکت کے ساتھ ملبوس ہے یہ بھی بردیہ کی طرح خاندان شاہی

[۱] ایرانی لباس کو بالتفصیل آئندہ بیان کیا جائے گا۔

سے ہے اور اس کا نام دارا پسر گستاشپ ہے۔ تیسرا ایک معمر شخص ہے اُسکے
سر کے بال بالکل سفید ہیں۔ آنکھوں سے سنجیدگی ٹپکتی ہے چہرہ پر جوانوں کی سی تروتازگی
و تبسم، آزمودہ کار سپاہیوں کا دبدبہ و رعب اور پیران جہاندیدہ کی دانائی و ہوشمندی کے
آثار نمایاں ہیں۔ اسکے زیب تن ایک لمبی ارغوانی قبا ہے اور پیروں میں لیڈیہ
(Lydia) کے بنے ہوئے زرد رنگ کے بوٹ ہیں۔ اس کا لباس اس قدر سادہ
و تکلفات سے بری ہے کہ جسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ابھی چند سال ہوئے اسی
شخص کے جاہ و جلال و دولت و ثروت کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیلا ہوا تھا بلکہ آج
تک تواریخ و سیر میں تمثیلاً پیش کیا جاتا ہے۔ وہ کریسس۔ لیڈیا (Lydia)
کا معزول بادشاہ ہے اور کمبوجیہ کے دربار میں بطور ایک مشیر خاص و رفیق و مصاحب
کے رہتا ہے اور اب نوجوان بردیہ کے ساتھ بحیثیت ایک اتالیق کے مصر آیا ہے اُسکے
بعد پرکزسفس (Prexaspes) سفیر ایران اُترا۔ بعدہ ظفریوس[۵۱] (Zopyrus)
پسر تاغ بخشا[۵۲] (Megabyzus) جو ایک ایرانی امیرزادہ ہے اور بردیہ و دارا
دونوں کا دوست ہے۔ سب سے آخر میں ایک زرد رو دبلا پتلا لڑکا اترا۔ یہ گیجیس (Gyges)
پسر کریسس ہے جو چار سال کی عمر میں گونگا ہو گیا تھا لیکن سارڈیس[۵۳] کی تسخیر کے

۵۱ یا زاپی روس۔

۵۲ میجابزوس (یونانی نام)

۵۳ سارڈیس (Sardis) قدیم سلطنت لڈیا کا دارالسلطنت تھا اور رومیوں نے اس سلطنت
کو فتح کیا تو سلطنت بائزنٹائن کے زمانہ میں ان کے صوبہ کا دارالسلطنت رہا ہے۔ قدیم سلطنت لڈیا
فنون اور صنعت و حرفت کے لئے بہت مشہور تھی اور ان سب چیزوں کا مرکز یہی دارالسلطنت تھا۔ یہاں کی
تجارت میں سب سے زیادہ بڑی اُدنی نازک کپڑوں کا بننا اور رنگنا و قالین بنانا تھا۔ یہاں کی تجارت نے
اس قدر ترقی کی تھی کہ بطور شہرت عام یہ کہا جاتا تھا کہ اس ملک کے دریا میں ریگ طلا بہا کرتی ہے۔

وقت اپنے باپ کو معرض خطرہ میں دیکھ کر خوف و دہشت کے مارے یکایک اس کی زبان کھل گئی تھی۔ ان لوگوں کو آتا دیکھ کر شاہزادہ سامطیق (Psamtik) استقبال کے لئے سیڑھیوں سے اترا۔ اسکے زرد چہرہ پر ایک قسم کا روڑھاپن اور درشتی تھی۔ مگر اس وقت وہ زبردستی مسکرا کر اپنی مصنوعی خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ اسکے جلو میں جس قدر امرا تھے وہ اپنے دونوں ہاتھ نیچے کر کے نوواردوں کے سامنے اس قدر جھک گئے کہ زمین تک اُنکے سر لگ گئے۔ جس کے جواب میں ایرانی بھی اپنے ہاتھوں کو سینہ پر باندھے ہوئے شاہزادہ کے روبرو نہایت ادب کے ساتھ سرنگون ہو گئے۔ ان تکلفات کے اختتام پر بروبیہ نے اپنے ملک کے قاعدہ کے مطابق شاہزادہ کے رخسار پر بوسہ دیا جس سے مصریوں کو حیرت ہوئی۔ کیونکہ یہ رسم انکے لئے عجیب تھی اور شہزادہ بھی ایک ملیچھ اجنبی کی ناپاک ہونٹوں کے مس ہونے سے کانپ اُٹھا۔ اور دل میں سخت متنفر ہوا۔

بعد ازاں معزز مہمانوں کو پالکیوں میں بٹھایا گیا اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ انکی سواری شاہی محل کی طرف جہاں اُنکی سکونت و قیام کے لئے خاص انتظام کیا گیا تھا روانہ ہوئی۔ عوام میں بعض لوگ سواری کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ لیکن اکثر اس امید پر کہ ابھی اور تماشے دیکھنے میں آئیں گے اپنی اپنی جگہوں پر ٹھیرے رہے۔ اتنے میں مندر کا ایک خادم اپنے قریب والے شخص سے جو سینز (Sais) کا ایک درزی تھا۔ یوں مخاطب ہوا "کیا تم بھی ان رنگیلے چھبیلے شیطان کے بچوں کے پیچھے پیچھے جانے کا قصد کر رہے ہو؟

لو بھر۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں اور بڑے پروہت نے بھی یہی کہا تھا کہ ان لوگوں کا آنا علت سے خالی نہیں ہے اور ضرور ہمارے ملک پر آفت لائیگا۔ وہ دن گئے جب کوئی اجنبی اپنی جان کو عزیز سمجھ کر اس ملک میں قدم رکھتے ہوئے ڈرتا تھا۔ اب تو یہ حال ہے کہ شہر کا کوئی گلی کوچہ دغاباز یہودں اور ان مغرور سرکش یونانیوں سے

جن پر دیوتاؤں کی مار پڑے خالی نظر نہیں آتا۔ ذرا سامنے دیکھنا اب یہ تیسری کشتی ہے جو
غیر ملکیوں سے بھری ہوئی آ رہی ہے۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ ایرانی کون ہیں؟ ہمارے
بڑے پروہت جی فرماتے تھے کہ انکی سلطنت میں جو نصف دنیا کی برابر ہے۔ دیوتاؤں کا
ایک بھی مندر نہیں۔ اور یہ بجائے اپنے مُردوں کو عزت و حرمت کے ساتھ تجہیز و تکفین
کرنیکے انکی لاشوں کو گدھوں اور کتوں کے سامنے چیرنے پھاڑنے اور کھا جانیکے لئے چھوڑ دیتے
ہیں" درزی نے یہ سُنکر اپنی حد درجہ حیرت و نفرت کا اظہار کیا اور گھاٹ کی طرف اُنگلی
سے اشارہ کر کے کہنے لگا" دیکھو یہ چھٹی کشتی بھی اُنہیں سے بھری ہوئی آ پہنچی" مندر کا
خادم" ہاں سچ تو کہتے ہو۔ یہ کہاں کی آفت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورا لشکر کا لشکر چلا آرہا
ہے۔ افسوس کہ اماسس (Amasis) اپنی حرکتوں سے اُس وقت تک
باز نہ آئیگا۔ جبتک کہ اجنبی اُس کا ملک و تاج و تخت چھین کر اور اسکی بدنصیب رعایا کو
غلام بنا کر تباہ نہ کر دیں گے۔ یہی حال پُرانے زمانہ میں بدذات ہکساس[1] (Hyksos)
اور ملعون سیاہ فام حبشیوں نے کیا تھا جنہیں ہم ابھی تک بھولے نہیں ہیں" درزی چلا کر

---

[1] ہکساس یا ہکسوس (گدائے بادشاہ) انکے متعلق ابھی تک مورخین میں اختلاف ہے۔ جوزفس (قدیم یہودی مورخ) نے انہیں قوم بنی اسرائیل سے لکھا ہے جو غلط ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ فینیقی عرب دونوں ملے ہوئے تھے اور بعض کا خیال یہ ہے جو غالباً صحیح ہے کہ یہ قوم (Hittite) حطیوں نیز دیگر اقوام کی ایک مخلوط جماعت تھی جس نے مصریوں کے چودہویں خاندان کے بعد ایک عرصہ دراز تک انکے ملک پر حکومت کی معطابیت (یہ قوم کبھی آریہ مغل وغیرہ سے مخلوط تھی۔ آرمینیا و کردستان کے باشندے اسکی موجودہ مثال ہیں) کی ایک زبردست سلطنت قدیم زمانہ میں شام و ایشیائے کوچک میں موجود تھی۔ انکا اور ہکسوس کا ایک ہی دیوتا آتش تھا جسے مصری ستیخ کہتے تھے۔ اسکی لمبی سی ڈاڑھی تھی۔ سر پر بکرے کے سینگ تھے۔ ایک ہاتھ میں ہتھوڑا اور دوسرے میں برق تھی۔ اسکی ایک بیوی داہڈکا بھی تھا۔ مصری مورخ مینتھو نے ہکسوس کی سخت مذمت کی ہے اور لکھتا ہے کہ انہوں نے مصریوں پر سخت مظالم کئے۔ انکے

"لیئو۔ ساتویں کشتی بھی آگئی"۔ مجاور "مجھ پر نیتیھ" (Nethith) دیوی کی مار۔ اگر بادشاہ کا مطلب ذرا بھی سمجھ میں آیا ہو۔ پہلے اُس نے اس سفارت کا اسباب وغیرہ لانیکے لیئے صرف تین کشتیاں نوکراتس (Naucratis) کے منحوس بندرگاہ کو روانکی تھیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) مندروں اور بتوں کو تباہ کردیا۔ لیکن غالباً اس میں بہت کچھ مبالغہ ہے حقیقت یہ ہے کہ کھسوس بڑے عادل وصلح جو فرماں روا تھے انہوں نے اپنے ماتحت رعایا کو انکے مذہبی امور میں پوری آزادی دی تھی اور علوم وفنون کی بھی اُنکے زمانہ میں کافی ترقی ہوئی تھی لیکن افسوس کہ انکے کارناموں کے تمام کتبے اور یادگاریں مصریوں نے انکے بعد چن چن کر تباہ وبرباد کردیئے۔ اور انہیں اس قدر نفرت سے یاد کرتے تھے کہ زمانہ مابعد میں ہکسوس ایک حقارت کا لفظ سمجھا گیا تھا۔ اور ہر اجنبی وقابل نفریں شخص اس نام سے پکارا جاتا تھا۔ ان گلہ بان بادشاہوں کے عہد میں سب سے بڑا واقعہ بنی اسرائیل کا مصر میں آنا تھا اور انجیل میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام پاٹی فرنامی ایک مصری النسل سردار کے جو فرعون کی فوج محافظ کا افسر اعلیٰ تھا غلام تھے۔ پھر جب انہوں نے اپنی قابلیت سے فرعون کی خوشنودی حاصل کی تو اس نے ارسنتھ دختر پاٹی فرا (معلوم نہیں یہ کوئی دوسرا شخص ہے یا انکا قدیم آقا) سے جو عبادتگاہ عون یا آدن (قدیم ہلیوپولس یا عین الشمس) کا مہاپروہت تھا۔ شادی کردی۔ بعدہٗ انہیں وزیر اعظم بناکر سلطنت کا تمام انتظام سپرد کردیا۔ جسے آپ نے اس قابلیت وتدبیر سے انجام دیا۔ جو سیاسی حیثیت سے ہمیشہ کے لئے بہت بڑی سبق آموز ثابت ہوئی۔ سات سال تک مصر میں قحط پڑا لیکن اس سے قبل حضرت یوسفؑ نے غلہ کے خزانے جمع کر لئے تھے۔ مصر بلکہ ارض کنعان کے بھی بکثرت لوگ غلہ خریدنے آئے۔ تمام ملک کی دولت خزانہ عامرہ میں آگئی۔ پھر جب روپیہ نہ رہا تو مصریوں نے اپنی زمینیں اور جاگیریں بیچنا شروع کیں۔ اس طرح تمام خودمختار جاگیردار جن سے ملک کو نقصان پہنچتا تھا غائب ہوگئے اور تمام اراضی مرکزی سلطنت کے انتظام وتحت میں آگئی۔ قحط کے بعد آپ نے کاشتکاروں وزمینداروں کو بیج تقسیم کیئے، زراعت کو ترقی دی۔ اور پیداوار پر پانچواں حصہ لگان لگایا۔ غالباً شروع زمانہ میں بنی اسرائیل کا مصر میں پوری طور سے آباد ہونے کا ارادہ نہ تھا کیونکہ حضرت یوسفؑ و یعقوبؑ کی لاشیں حنوط کرکے ارض

مگر بعدہ بجائے تین کے آٹھ بھیجیں۔ کیونکہ یہ کافر و بیدین اس ساز و سامان کے ساتھ آئے ہیں کہ اتنی بھی انکے لئے مشکل سے کافی ہوسکیں گی۔ صرف باورچی خانہ ہی کے سامان کیلئے ایک بڑا جہاز چاہئے اور علاوہ بریں صندوق، بکس، ٹوکریاں، بنڈل وغیرہ بکثرت ہیں۔ اور گھوڑے گاڑیاں رکتے اور نوکروں چاکروں کا ایک پورا قافلہ ہزاروں میل سے ساتھ آیا ہے بعض خادموں کا تو صرف یہ کام ہے کہ ہار بنایا کریں۔ یا بدن پر ملنے کے روغن وغیرہ تیار کریں میں نے سنا ہے کہ وہ اپنے پجاریوں کو بھی جنہیں ماگی[۱] (magi) کہتے ہیں ساتھ لائے ہیں بھلا پجاری کی اس جگہ کیا ضرورت جہاں مندر ہوں نہ دیوتا"

غرضکہ عوام میں اسی قسم کی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں اور نوواردوں کے عادات و اطوار پر رائے زنی کی جارہی تھی۔

ایرانی سفارت کے آتے ہی **فرعون** نے نہایت مہربانی والتفات کے ساتھ انہیں اپنے دربار میں باریابی بخشی۔ اور انکی خاطر و تواضع میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ چار دن کے بعد ولیعہد کے ہمراہ سب ایرانی **ممفس** (Memphis) کی سیر کو چلے گئے صرف **کریسس** (Croesus) رہ گیا جس کے ساتھ بادشاہ ایک روز اپنے محل کے باغات میں ٹہلتا ہوا نکلا۔ یہ باغات نہایت خوشنما و عالی شان تھے اور شہر کے شمال مغربی حصہ میں قلعہ شاہی کے نزدیک واقع تھے۔ دونوں معمر شخص ایک سایہ دار انجیر کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اس کے قریب ہی ایک سنگ سرخ کا بڑا سا حوض تھا

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) کنعان بھیجدی گئیں۔ اور اس خاندانی غار نما مقبروں میں دفن ہوئیں جسکی زمین حضرت ابراہیم نے اپنے زمانہ کے حطی (Hittite) فرمانروا سے خرید فرمائی تھی۔

(ماخوذ از متھ اینڈ لیجنڈ۔ ڈونلڈ نکنزی)

[۱] یہ ایرانیوں کے مذہبی پیشوا تھے اور عموماً میڈیا کے باشندے ہوتے تھے۔ زیادہ تفصیل کے ساتھ آیندہ ذکر کیا جائیگا ۱۲

جس میں سیاہ پتھر کے مگرمچھ اپنے مہیب جبڑے کھولے ہوئے پانی کے فوارے اڑا رہے تھے۔

لیڈیا (Lidia) کا سابق فرمانروا اگرچہ فرعون سے کئی سال عمر میں بڑا تھا مگر اُس سے کہیں زیادہ مضبوط و چست و چالاک معلوم ہوتا تھا۔ اماسس (Amasis) کے لانبے قد میں خم آگیا تھا۔ اس کا جسم بھاری تھا مگر ٹانگیں کمزور تھیں۔ ناک نقشہ اچھا تھا لیکن چہرہ پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی چمکتی ہوئی تھیں جن سے ذکاوت و دانائی نمایاں تھی۔ مگر ہونٹوں پر ہر وقت ایک عجب شرارت آمیز تمسخرانہ ادا پائی جاتی تھی۔ اس کا سر بڑا اور پیشانی بلند تھی جو ذہانت و دانائی کی دلیل تھی۔ آنکھیں گھڑی گھڑی اپنا رنگ بدلتی تھیں جس سے تلون طبع، ظرافت و حدت مزاجی کا پتہ چلتا تھا۔ اور کچھ عجب نہیں ہے کہ انہیں صفات کی بدولت یہ عجیب شخص جو ایک معمولی سپاہی کی حیثیت رکھتا تھا آخر کار فرعون کے تاج و تخت کا مالک بن بیٹھا۔ اسکی آواز کسی قدر کرخت و دلخراش تھی۔ اسکے حرکات و سکنات سے ایک قسم کی بے چینی و تلون پایا جاتا تھا اور وہ بردباری و تحمل نہ تھا جو عموماً مصری شرفا کا خاصہ ہوا کرتا ہے۔

کروسس[۱] (Croesus) کے اندازہ طریقہ سے شاہانہ پن برستا تھا۔ اسکے

۱ؔ کری سس لیڈیہ کا بادشاہ۔ مغربی مورخین کا قارون ہے اسکے پاس بیشمار دولت تھی۔ کوروش (سیروس) اعظم فرمانروائے ایران کو اسی کے زمانہ میں عروج ہوا۔ جب آخر الذکر نے میدیا کی سلطنت کو زیر و زبر کر دیا تو اُن یونانی نوآبادیوں کی طرف متوجہ ہوا جو ساحل ایشیائے کوچک پر واقع تھیں۔ انکی فتح نے کری سس کے کان کھڑے کئے۔ اس نے خوف زدہ ہو کر مصر۔ بابل و اسپارٹا سے مدد مانگی۔ ان تینوں نے وعدہ کیا لیکن کسی قدر دیر کر دی۔ اتنے میں کری سس کا ایک امیر جو یونانی فوج بھرتی کرنیکی غرض سے بھیجا گیا تھا باغی ہو کر ایران بھاگ گیا اور فارس پہنچکر اس اتحاد کا حال

اخلاق و آداب سے معلوم ہوتا تھا کہ یونان کے مشہور و معروف لوگوں کی صحبت میں بیٹھا ہے اس کا طرز گفتگو نہایت شستہ و پاکیزہ تھا اسکی آواز بھی اماسس (Amzsis) کے مقابلہ میں بڑی دلپذیر و شیریں تھی۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) افشا کر دیا۔ کوروش (سیروس) یہ سنتے ہی فوراً اپنی فوج لیکر بطریق یلغار ایک ہزار میل طے کر کے فوراً لیڈیا کے سرحد پر پہنچا اور قبل اس کے کہ حلیف باہم مل سکیں حملہ آور ہوا لیکن اس جنگ میں اُسے ہزیمت ہوئی ایک عارضی صلح ہو گئی پھر تین ماہ کے بعد ایک دوسری لڑائی ہوئی جس میں اہل لیڈیا ہار گئے اور کری سس اپنی دار الخلافت کی طرف بھاگ گیا۔ اسے امید تھی کہ بابل عقب میں ہے اس لئے کوروش (سیروس) اب آگے نہ بڑھے گا۔ لیکن بابل نے حماقت سے صلح کر لی اور چند ماہ بعد ایرانی فاتح بڑی سرعت سے سارڈیس (Sardis) کے قریب آگیا۔ اس سے کری سس کو سخت حیرت ہوئی۔ اُسے امید تھی کہ موسم سرما کی وجہ سے لڑائی ناممکن ہوگی۔ اس لئے اپنی فوج کا ایک حصہ بھی اسنے برخاست کر دیا تھا۔ اور اپنے حلیفوں کو بھی قاصد روانہ کر دیئے تھے کہ آیندہ موسم بہار میں مدد بھیجنا۔ غرضکہ میدان ہرمیز میں دونوں حریف صف آرا ہوئے۔ لیڈیا کا رسالہ تمام دنیا میں مشہور تھا۔ کوروش (سیروس) نے اسکے سامنے اپنے اونٹ کھڑے کر دیئے جنکی بو سونگھتے ہی گھوڑے بگڑ گئے اور فوج میں ابتری پھیل گئی پھر بھی اہل لیڈیا بڑی بہادری سے لڑے مگر بالآخر شکست کھا کر سارڈیس میں محصور ہوئے۔ کوروش (سیروس) کے لئے اس شہر کا فتح کرنا بہت مشکل تھا لیکن حُسن اتفاق سے ایک دن اسکے ایک سپاہی نے دیکھا کہ محصورہ فوج کا ایک جوان اپنا خود اُٹھانے چپکے سے باہر نکل کر آیا ہے۔ اسے یہ خفیہ راستہ معلوم ہو گیا اور اپنے چند ساتھیوں کو لیکر اندر داخل ہو گیا اور غافل محافظین پر قابو پا کر قلعہ کا پھاٹک کھول دیا اسطرح کوروش (سیروس) اعظم کو ۵۴۶ ق م لیڈیا پر کامل فتح حاصل ہوئی۔ کری سس کو جب ہر طرف سے نا اُمیدی ہو گئی اور غنیم کی فوج شہر میں داخل ہونے لگی تو اس نے ایک بہت بڑی چتا بنائی اور اپنی اولاد و مال و اسباب سمیت جلنے پر آمادہ ہوا اپنا وقت آخر دیکھ کر اُس نے ایک آہ سرد بھری۔ اور تین دفعہ سولن کا نام لیا اور اس کا یہ قول یاد کیا کہ "موت جب تک سامنے نہ آجائے کسی شخص کو

فرعون نے اپنے ساتھی سے یونانی زبان میں پوچھا "اب یہ بتاؤ کہ تمہیں مصر پسند آیا کہ نہیں - میرے نزدیک تمہاری رائے سب سے زیادہ قابل وقعت و قدر ہے کیونکہ اول تو تم دنیا کی تمام اقوام ممالک کو دیکھ چکے ہو - دوسرے یہ کہ تمہیں دیوتاؤں نے دولت و ثروت کی اعلیٰ منزل پر پہنچا کر پھر نیچے اتار دیا اور زمانہ کے سرد و گرم دونوں سے واقف ہو - تیسرے یہ کہ اتنی مدت سے ایک جلیل القدر شہنشاہ کے مشیر ہو جو بلا وجہ نہیں ہو سکتا - میری دلی خواہش ہے کہ یہ ملک تمہیں ایسا مرغوب خاطر ہو جائے کہ میرے بھائی بن کر اسی کو اپنا وطن اختیار کر لو - کری سس (Croesus) میں تم سے سچ کہتا ہوں اگرچہ دیوتاؤں نے اپنے کرم سے صرف کل ہی تم کو مجھ سے ملایا ہے مگر میں ایک عرصہ سے غائبانہ تمہارا مشتاق تھا اور تم کو اپنا دوست تصور کرتا تھا" کری سس (Croesus) یہی حال میرا بھی تھا - میں تمہاری ہمت پر آفریں کرتا ہوں کہ نمک خواروں کی بھلائی کا کس قدر خیال رکھتے ہو - اور انکی حمایت پر باوجود اتنی مخالفتوں کے ہمیشہ سینہ سپر ہو جاتے ہو - خصوصاً میرے دوست یونانیوں پر جو تمہاری عنایت ہے اس کا میں پورے طور سے شکریہ ادا نہیں کر سکتا - میں تم کو اپنی جاہ ثروت کا رفیق و ہمدم خیال کرتا ہوں کیونکہ تم بھی اس زندگی کے تمام عیش و عشرت کے مزے اچھی طرح چکھ چکے ہو"

اماسس (Amasis) (مسکرا کر) ہاں - مگر دونوں کے آغاز و انجام میں فرق ہے - تمہیں اقبال کے بعد ادبار نصیب ہوا - اور میرا حال اسکے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) خوش نہ کہنا چاہیے" اب اس نے آگ مشتعل کرنے کا حکم دیا کہ اتنے میں اپالو دیوتا نے پانی برسا کر چتا کو بجھا دیا - مگر حقیقت حال یہ تھی کہ خود کورش (سیروس) کو رحم آ گیا اور اس نے کری سس کی جان بخشی کر کے نہایت عزت کے ساتھ اس سے برتاؤ کیا اور بعدہ اپنے مصاحبین خاص میں داخل کر لیا - (ماخوذ از سائکس تاریخ ایران)

برعکس ہے (غور و فکر کے بعد) یعنی اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ میری موجودہ حالت باعث خوشی و خرمی ہو سکتی ہے۔"

کری سس (Croesus) "اور بشرطیکہ میں بھی یہ ماننے کے لئے تیار ہوں کہ یہ حالت جسے تم میرا ادبار کہتے ہو۔ میرے لئے رنج و مصیبت پیدا کرنے والی ہے۔"

اماسس (Amasis) "اتنی دولت و ثروت کھو دینے کے بعد بھی بھلا کوئی دوسری بات قیاس میں آسکتی ہے۔"

کری سس (Croesus) "میں اس کا قائل نہیں۔ کیا خوشی کا انحصار مال و دولت ہی پر ہے، یا خوشی کسی کی ملکیت ہے، خوشی محض ایک خیال ہے، وہ ایک جذبہ ہے، ایک نعمت ہے جو عموماً ناداروں و غریبوں کے حصہ میں زیادہ تر آتی ہے۔ بخلاف اس کے صاحب قدرت و مال و منال اپنے زر و جواہر دیکھ کر خیرہ چشم ہو جاتا ہے اور اسی کی لالچ و ہوس میں ہمیشہ طرح طرح کی ناامیدیوں کا نشانہ بنتا رہتا ہے۔ اس کی تمام عمر اسی ایک خواہش اسی ایک آرزو تمنا میں، اسی جد و جہد میں کہ اور دولت حاصل ہو گذر جاتی ہے جس سے نہ کبھی دل کو سیری ہو سکتی ہے نہ سچا چین و آرام نصیب ہوتا ہے۔"

اماسس (Amasis) {ایک آہ سرد بھر کر} "کاش کہ میں تم سے اختلاف کر سکتا مگر سچ تو یہ ہے کہ جب اپنی گزشتہ زندگی پر خیال کرتا ہوں تو مجھے بھی یہ ماننا پڑتا ہے کہ میری سب سے بڑی مصیبت کا آغاز اسی دن سے ہوا جس دن مجھے یہ خیال آیا کہ آج تمام تر اوج و کمال حاصل ہوگا۔ افسوس کہ یہ کس قدر غلط نکلا۔"

کری سس (Croesus) "اور میں تمہیں اب یقین دلاتا ہوں کہ بجائے ناراض ہونے کے میں نہایت ہی مشکور ہوں کہ جو امداد تم نے میرے آڑے وقت پر بھیجی تھی وہ بدیر پہنچی کیونکہ عین اس موقع پر جسے میں اپنی حد درجہ کی بدنصیبی سمجھ رہا تھا۔ میری ایک ایسی دلی تمنا و خوشی بر آئی جس کا میں ایک عرصہ سے آرزو مند تھا۔ یعنی جب ایرانی

سپاہی سارڈیس (Sardes) کی دیواروں پر چڑھ گئے تو میں نے اپنے کو بہت لعنت
ملامت کی۔ اپنے دیوتاؤں کو برا بھلا کہا۔ اور زندگی سے بیزار ہو کر اپنے چند بہادروں کے
ساتھ مایوسانہ لڑتا بھڑتا پیچھے ہٹا۔ اتنے میں ایک ایرانی سپاہی ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے
قریب تھا کہ میرے سر پر وار کرے کہ میرے گونگے لڑکے گیجیس نے (Gyges) اس کا ہاتھ
پکڑ لیا۔ اور خوف و دہشت کے مارے اسکی زبان کھل گئی اور برسوں کے بعد میرے کانوں
میں اس کی شیریں آواز پھر سنائی دی۔ یہ ایک ایسا ماجرہ تھا جسے دیکھتے ہی دیوتاؤں کے
سامنے میں نے عجز و نیاز سے اپنی گردن جھکا دی اور اس نوکر سے جسے قید ہونیکی حالت
میں اپنے قتل کر دینے کا حکم دیا تھا شمشیر چھین کر پھینک دی اور میرے خیالات میں
یکایک اس قدر تبدیلی ہو گئی کہ میں بالکل ہی ایک دوسرا شخص ہو گیا۔ بجائے اپنی بدنصیبی
پر رونے دھونے اور دشمن پر غصہ و پیچ و تاب کرنیکے میرا دل خصومت و عناد کے غبار
سے بالکل پاک ہو کر صبر و شکر سے لبریز ہو گیا۔ اسکے بعد تمہیں معلوم ہی ہے کہ
کوروش (Cyrus) نے مجھے اپنا مصاحب و مشیر خاص بنا کر کس قدر عزت و
افتخار کے ساتھ رکھا اور میرے لڑکے کو بھی آزادانہ زندگی بسر کرنیکی اجازت دی۔ اور یہی
وہ پیارا بچہ ہے جسے میں اب اپنی دھن دولت تاج و تخت سب سے بڑھ کر سمجھتا ہوں
بعد ازاں میں نے کوروش (Cyrus) کے فکر و مصیبت کے دن بھی دیکھے جب راتوں
کو اسے نیند نہیں آتی تھی تو مجھے اپنا پرانہ زمانہ یاد آگیا اور سجدہ شکر ادا کیا کہ اس سے نجات
ملی۔ کیونکہ جس کا نام سچی خوشی ہے وہ کوئی دوسری ہی شئے ہے۔ اس کا تخم ہر شخص کے
دل میں موجود ہے لیکن اسکے شاداب و برآور ہونے کی ضرورت ہے یعنی قناعت و صبر
کی امداد لازم ہے جسکے یہ معنی ہیں کہ انسان اپنی زندگی کی بڑی بڑی کامیابیوں پر
خوشی کا دار و مدار نہ رکھے بلکہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی مسرت و حظ حاصل کر سکے۔
اور عارضی تکالیف و رنج و غم سے آزردہ خاطر نہ ہو۔ بلکہ انہیں استقلال و ہمت کے ساتھ

جھیل جائے اور کوئی ایسی خطا و گناہ نہ کرے جسکی یاد سوہانِ روح یا نفس کے لئے تازیانۂ عذاب ہو۔ نیز ہر کام و ہر بات میں اعتدال سے کام لے اور دیوتاؤں کے کرم و رحم پر پورا بھروسہ رکھکے یہ اچھی طرح سمجھ لے کہ بُرے سے بُرا وقت بھی کٹ جائیگا۔ کیونکہ زمانہ یکساں نہیں رہتا۔ اس طرح جب انسان کی طبیعت میں یہ رضا جوئی، قناعت و صبر آجاتا ہے تو کوئی مصیبت نہیں رہتی۔ کوئی درد دُکھ یا آفت دل کو پریشان و پراگندہ نہیں کر سکتی۔ بخلاف اُسکے وہ شخص جسے تقدیر پر بھروسہ نہیں ہے ذراسی بات سے شک و شبہ میں پڑکر حسرت و مایوسی و رنج و غم کے گرداب میں مبتلا ہو جاتا ہے"

اماسس (Amasis) کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس کے سرے پر کتے کا طلائی سر بنا ہوا تھا وہ اس سے ریتلی زمین پر لکیریں کھینچ رہا تھا اور بغور اپنے دوست کی گفتگو سُن رہا تھا جسکے اختتام پر یوں گویا ہوا۔

کروسس تم سچ کہتے ہو۔ مجھے تمام مصری انصاف و عدل کا بڑا دیوتا نیتھ[۱] (Neith) کا بیٹا اور مالک الملک و صاحب جبروت و جاہ و جلال کے گوناگوں لقبوں سے یاد کرتے ہیں لیکن میں تم پر رشک کرتا ہوں حالانکہ تم سے بادشاہت چھن گئی ہے اور اب ایک معمولی درباری کی حیثیت رکھتے ہو۔ مجھے اپنا گذشتہ زمانہ یاد آتا ہے جب میں بھی تمہاری ہی طرح آزاد و خوش و خرم تھا۔ سب کو معلوم ہے کہ میری اصلیت کیا ہے۔ میں ایک غریب فوجی افسر کا لڑکا تھا۔ خوش مزاجی، زندہ دلی بیباکی میری طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ میرے حکم پر ہر سپاہی جان دیتا تھا اور میرے قصوروں سے افسر بالا بھی اغماض کر جاتے تھے۔ میرے ساتھی و یار غار دوسرے افسر کبھی بلا میرے کسی دعوت یا کھیل تماشہ میں شامل نہ ہوتے تھے۔ غرضکہ میری ہر دلعزیزی عام

---

[۱] نہ صرف اماسس بلکہ تمام فراعنہ انہیں القابوں سے یاد کئے جاتے تھے اور عام دیوتا کی طرح انکی پرستش کرتے تھے اور انکا اوتار انہیں سمجھتے تھے۔ (دلکنس)

تھی اور میری زندگی بڑی راحت سے کٹتی تھی کہ اسی زمانہ میں یہ اتفاق ہوا کہ بادشاہ ہوفرا
(Hophra) نے ہم کو سائرین[1] (Cyrene) کے مقابلہ میں جنگ کے لئے

[1] سائرین (Cyrene) یونانیوں کی سب سے بڑی نو آبادیوں میں ایک بستی سائری نیشیا تھی
اس کا پایہ تخت سائرین تھا۔ اس کی تعمیر کے متعلق یہ کہانی ہیروڈوٹس نے لکھی ہے کہ باتوس
ارسطاطلیس) باشندہ تھیرا (سینٹورین) کو ڈلفی کی آواز غیب نے ہدایت کی کہ "ایک پانی کے بیچ" میں
شہر بناؤ۔ چنانچہ بہت کچھ بھٹک بھٹکا کر یہ مقام اُس نے بنایا جسکی بنیاد ساتویں صدی قبل مسیح میں پڑی
اور ایک مقامی پری سائیرن کے نام پر نام رکھا گیا۔ اور لیبیا کے لوگوں کو یہاں لاکر بسایا گیا۔ اہل لیبیا
نے یونانیوں سے شادی بیاہ کیا جن سے ایک مخلوط نسل پیدا ہوئی۔ باتوس نے یہاں ۶۲۰ ق م
تک حکومت کی۔ پھر اسکے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا جس کا نام ارسیسیلاس تھا۔ یہاں کے
بادشاہوں میں بھی دو نام یکے بعد دیگرے ہوتے رہے ہیں۔ باتوس دوم نے ۵۷۰ ق م میں یونان
کے نئے لوگوں کو لاکر بسایا جن سے یہاں کے باشندوں سے جلد جھگڑا ہو گیا اور آخر الذکر نے مصر سے
مدد طلب کی لیکن مصری مدد..... کچھ کامیاب نہ ہوئی۔ اور مصر کے بادشاہ اماسیس نے باتوس خاندان
کی ایک لڑکی سے شادی کرکے صلح کر لی۔ باتوس سوم کے زمانہ میں ڈلفی کے آواز غیب کے اشارہ سے
یہاں کچھ اصلاحات ہوئیں۔ بادشاہ کے حقوق محدود کئے گئے۔ اور باشندوں کے مراتب قرار دیکر تمدنی
تقسیم عمل میں آئی۔ اس بادشاہ کی بیوی اور لڑکے نے ان انتظامات کی مخالفت کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ
خاندان میں سخت پھوٹ پھیل گئی۔ بعدہ ایران کا حملہ ہوا اور یہ خاندان تقریباً ۴۵۰ ق م میں نیست و نابود ہو گیا
اور ایک جمہوری سلطنت قایم ہوئی۔ اس شہر نے ۳۳۱ ق م میں اسکندر اعظم کی اطاعت قبول کی پھر اسی سال
سائرین پر بطلیموسیوں کا قبضہ ہو گیا اور اس شہر کی بربادی کچھ ان نئے حاکموں کی وجہ سے اور کچھ گھر کی
اپنی لڑائیوں کی وجہ سے شروع ہوئی۔ باوجود اسکے سنہ ۹۶ء تک جو رومیوں کا زمانہ تھا اس شہر کی
پھر بھی خاصی شان و شوکت رہی۔ عربوں نے اسے سنہ ۶۴۱ء میں فتح کیا۔ اب یہ شہر بالکل ویران ہے
اور آثار قدیمہ بکثرت نظر آتے رہتے ہیں۔ اور اس مقام کو "عین شہت حرنیہ" کہتے ہیں ۱۲

بھیجا۔ وہاں اثنائے راہ میں ہم لوگ ایک بیابان و ریگستان میں پہنچکر سخت تکالیف میں مبتلا ہوگئے اور جب کوئی چارہ نہ دیکھا تو سب نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا کیونکہ ہمیں شبہ ہوا کہ شاید بادشاہ نے اپنی یونانی فوج کی خاطر ہم کو عمداً موت کے منہ میں بھیجا ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ تمام فوج کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ ہوگئی اور میں نے مذاقاً جیسی میری عادت تھی دوستوں سے چلاکر کہا "سمجھا یہ بغیر کسی بادشاہ کے تمہارا کام نہ چلیگا۔ اگر کہو تو میں حاضر ہوں ایسا زندہ دل بادشاہ کہیں نہ ملیگا" سپاہیوں کو میری یہ بات بھاگئی پھر کیا تھا چند ہی گھنٹے میں فوج کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک یہی ندا ہر فرد بشر کی زبان پر تھی "اچھا تو زندہ دل اماسس (Amasis) ہی اب ہمارا بادشاہ ہوگا" اتنے میں میرے ایک ساتھی نے سپہ سالار کا خود چھین کر میرے سر پر رکھ دیا۔ اور میں ہنسی ہی ہنسی میں تمام فوج کا درحقیقت سردار بن گیا۔ بعد ازاں ہوفرا (Hophra) سے ایک جنگ ہوئی جس میں اس نے شکست کھائی اور تمام رعایا نے میرا ساتھ دیکر مجھے تخت پر بیٹھا دیا۔ پروہتوں نے بھی میری اطاعت قبول کرلی بلکہ اپنی ذات پات میں داخل کرلیا جس سے انکا صرف یہ مقصد تھا کہ مجھے اپنے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح نچاتے رہیں۔ میرے پرانے افسر اعلیٰ مجھ سے جلنے لگے بعض اگلے زمانہ کی طرح بے تکلفانہ ملنے جلنے و خلا ملا رکھنے کے خواہشمند ہوئے۔ تم خیال کر سکتے ہو کہ میرے مرتبے و وقار کے یہ امر کس قدر خلاف ہوتا اور میری عزت لوگوں کی نظروں سے گر جاتی۔ چنانچہ ایک دن جب بہت سے فوجی افسر میرے ساتھ دعوت میں شریک تھے۔ اور حسب معمول ہنسی مذاق کرنا چاہتے تھے تو جب میرے حکم کے طعام شروع کرنے سے پہلے ایک سونے کے طشت میں انکے پیر دھلائے گئے۔ پانچ دن کے بعد میں نے پھر انہیں مدعو کیا اور میز پر انکے سامنے بڑے دیوتا را (Ra)[1] کا

---

[1] اقوام ماضیہ کے مذاہب کا مطالعہ نہ صرف دلچسپ بلکہ سبق آموز ہے اور یہ بتہ دیتا ہے کہ بعض موجودہ مذاہب پر انکے پرانے عقاید کا کس قدر اثر باقی ہے۔ آفتاب پرستی بڑے قدیم زمانہ سے دنیا میں شروع ہوئی۔ ایشیا کا بعل (جس سے شہر بعلبک کا نام پڑا) اور مصر کا را صدیوں تک بنی نوع انسان کے معبود بنے رہے

ایک طلائی بت رکھوا دیا۔ جسے دیکھتے ہی سب پرستش کے لئے سربسجود ہو گئے اور

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) سب سے پہلے حکمرانوں امرائے سلطنت و ایشیائی نسل کے لوگوں میں اسکی پرستش بہت مقبول ہوئی۔ فراعنہ اپنے کو فرزند را کے لقب سے یاد کرنے لگے (راجپوت سورج بنسیونکا بھی شاید یہی خیال تھا) خصوصاً آغاز خاندان پنجم سے ان عقاید کو زیادہ ترقی ہوئی اور ہیلیوپولس یا عین الشمس میں را کا عظیم الشان مندر مرجع خاص و عام ہو گیا اور اسکے پروہتوں کا اثر و اقتدار روز افزوں ترقی کرنے لگا۔ بعدہ جیسا مصری مذہب کا قاعدہ تھا کہ جب کبھی پولٹیکل یا شخصی اغراض کی بنا پر کسی خاص دیوتا کو عروج ہوتا تو دوسروں کو بھی فراموش نہ کیا جاتا اور انکے پیروں کی دل آزاری نکیجاتی اس لئے آئرس، ہورس اور تھیبز کا مشہور امن بھی بعد ازاں را کے ساتھ شامل کر دیئے گئے اور اس طرح تھیبز و ہیلیوپولس کے دو مذہبی جماعتوں میں صلح ہو گئی چنانچہ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰ خاندانوں کے زمانہ میں امن را مصریوں کا سب سے بڑا دیوتا تھا۔ اسکی شکل ایک بارعب و شاندار آدمی کی طرح تھی جسکی لمبی سی ڈاڑھی تھی گلے میں ایک طوق زر پڑا رہتا۔ ہاتھوں میں خوشنما کڑے تھے اور سر پر ایک اونچا سا تاج تھا جس میں دو پر اور چاند سورج کے نشان لگے ہوئے تھے اور کبھی مینڈھے کے دو سینگ بھی نظر آتے تھے۔ رامسس ثانی نے تھیبز (Thebes) میں اس دیوتا کے لئے ایک بڑا عالی شان مندر رامیسرم بنایا تھا جو عجائبات عالم میں شمار کیا جاتا تھا۔ آخر اسکے زوال کا بھی زمانہ آیا۔ اشور کی فتوحات مصر کے بعد سے یہ محض ایک مقامی دیوتا رہ گیا اور آسرس و آئیسس جو مصریوں کے قدیم معبود تھے۔ پھر تمام دیوتاؤں کے سردار بن گئے۔ ان انقلابات کے بہت پہلے یعنی چودھویں صدی قبل مسیح میں اٹھارہویں خاندان میں ایک عجب صوفی مزاج و موحد بادشاہ پیدا ہوا جس نے چاہا کہ را کے پردہ میں لوگوں کو معبود حقیقی کی طرف متوجہ کرے۔ اس کا نام اخناتن تھا۔ مشہور ہے کہ اسکی ماں نے اسے یہ مذہب سکھایا تھا۔ یہ سترہ برس کی عمر میں جب اسکی دو لڑکیاں بھی تھیں تخت پر بیٹھا اور اس نے تمام بتوں کی پرستش موقوف کر دی۔ سورج کو مظہر انوار تجلیات الٰہی سمجھا اور اپنے اس معبود کا نام اتن رکھا۔ یہ بادشاہ نوجوان مرا۔ اور مصری جو اسے کافر کہتے تھے بہت جلد اپنے پرانے اعتقادات پر واپس آ گئے۔ را کے

جب فارغ ہو چکے تو میں نے عصائے شاہی کو اوپر اٹھا کر نہایت سنجیدگی کے ساتھ

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) متعلق بعض عجیب روایات مشہور تھیں۔ تخلیق عالم کو اسی سے منسوب کرتے تھے یعنی
سب سے پہلے یہ دنیا ایک بحر عمیق و ذخار تھی۔ جہاں را کا باپ نُور رہتا تھا اس نے را کو پیدا کیا لیکن بعدہ را اپنے
باپ سے بڑھ گیا اور تمام موجودات عالم۔ انسان اور حیوانات کا بانی ہوا۔ پھر قالب انسانی میں دنیا میں آیا اور
صدیوں تک اسنے حکومت کی مگر جب بوڑھا ہوگیا تو لوگ اس سے بیزار ہو کر برا بھلا کہنے لگے اس پر اسے سخت
غصہ آیا اور اسکی ایک آنکھ ہاتھر دیوی بن کر دشمنوں سے انتقام کو نکلی اور انسان کے خون سے ندیاں بہہ گئیں
پھر را نے رحم کھا کر انہیں معاف کر دیا۔ اس زمانہ میں تمام دیوتا انسانوں کی طرح دنیا میں رہتے سہتے تھے
ان میں ایک آئسس دیوی بھی تھی جو بڑی جادوگرنی تھی۔ اسے خیال ہوا کہ کسی طرح را کا خفیہ نام دریافت
کرے اور اسکی مدد سے دنیا چھوڑ کر آسمان پر چلی جائے اس لئے اس نے جادو کے زور سے ایک سانپ
بنایا جس سے را کو کٹوا دیا۔ را کو جب سخت تکلیف و بے چینی ہوئی تو آئسس نے کہا "بزرگ و پیارے
باپ! اپنا خفیہ نام بتا دو تو یہ زہر اتار دونگی"۔ را نے مجبوراً بتا دیا اور آئسس اپنی مراد کو پہنچی، پھر را
بھی دنیا سے بیزار ہو کر آسمان پر چلا گیا۔ را پرستوں کا عقیدہ تھا کہ نجات ابدی چند منتروں کے جاننے سے
حاصل ہوتی ہے۔ (انہیں ایک کتاب کی صورت میں لکھ کر مردہ کے پاس تابوت کے اندر رکھ دیتے تھے) انکا
عقیدہ تھا کہ مرنیکے بعد ارواح سمت مغرب جاتی ہیں۔ اور عالم تحت الثریٰ یعنی دوئت کی پہلی منزل میں
داخل ہوتی ہیں (رات کے بارہ گھنٹوں کے حساب سے اس عالم کی بھی بارہ ۱۲ منزلیں ہیں) یہاں پہنچکر
وہ را کی "کروروں برس والی" کشتی کا انتظار کرتی ہیں۔ یہ کشتی دن کے وقت آسمانی نیل اور بوقت شب
تحت الثریٰ دریائے نیل پر چلتی ہے (موسمی لحاظ سے جب سورج کی روشنی بدلتی ہے تو خیال کرتے تھے
کہ اس دریا میں سیلاب آگیا ہے) غرضکہ جس روح کو خاص منتر معلوم ہے (جس کا علم صرف پروہتوں کو
ہی ہوسکتا تھا) وہ بآسانی کشتی میں سوار ہو جاتی ہے اور را کے ساتھ روشنی میں سفر کرتی ہے حتی کہ
وہ مشرق تک پہنچ جاتا ہے تب یہ روح نکل کر دن بھر آسمانی بہشت کی سیر کرتی ہے اور دنیا میں آکر
اپنے عزیزوں و دوستوں سے بھی ملنے بآسانی آسکتی ہے۔ مگر شام ہوتے ہی اسے پھر را کی کشتی میں واپس پہنچنا

باآوازِ بلند کہا۔ "آگاہ ہو کہ اس متبرک مورت کو ایک کاریگر نے اُسی سونے کے تشت سے بنایا ہے جس میں پانچ دن ہوئے تم تھوکتے تھے اور اپنے پیر دھوتے تھے۔ یہ بھی کسی زمانہ میں اس برتن کی طرح تھا لیکن ایک آسمانی قوت نے جو ایک معمولی زرگر سے زیادہ صناع و دانشمند ہے مجھے تمہارا بادشاہ بنا دیا۔ اس لئے میرے سامنے بھی اسی طرح جبہ سائی کر کے اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا ثبوت دو۔ اگر کسی نے اس حکم سے سرتابی کی اور بادشاہ کی جو اس دنیا میں را (Ra) کا فرزند قائم مقام ہے پوری عزت و حرمت نہ کی تو سزا اسے موت کا مستوجب گردانا جائیگا۔" یہ سُنتے ہی سب میرے قدموں پر گر پڑے اور اس طرح میرا اقتدار و رعب

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) پڑتا ہے ورنہ تاریکی کے دیو اسے نہ چھوڑیں گے اور فوراً پکڑ کر کھا جائیں گے۔ بعض روحیں ایسی ہیں جنہیں پورا منتر نہیں معلوم ہے اس لئے صرف ایک ہی منزل کے بعد اُتار دیئے جاتے ہیں اور باقی ماندہ وقت تاریکی و ظلمت میں گذارتی ہے اور سیکڑوں قسم کے عذابوں میں مبتلا ہوتی ہیں جب را کی کشتی انکے سامنے سے گذرنے لگتی ہے تو وہ ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر روتی چلاتی رہتی ہیں۔ انکے پیچھے خبیث دیو و مہیب اژدہے اور جانور دانت نکالے کھڑے ہیں اور مقدس کشتی کے غائب ہوتے ہی فوراً انکو کاٹنے و نوچنے لگتے ہیں۔ را کے انسانی دشمن کا بھی یہی حال ہوتا ہے انہیں اسکی جھلک تک نظر نہیں آتی اور وہ ہمیشہ کے لئے اُبلتی ہوئی آتشیں جھیلوں میں پھینک دیئے جاتے ہیں۔

را کا سب سے بڑا دشمن تاریکی و ظلمت کا دیو اپیپ نامی اژدہا ہے۔ یہ ہر رات دیوتا پر حملہ کرنے نکلتا ہے اور بعض اوقات دن کے وقت بھی نمودار ہو کر بشکل ابرِ سیاہ یا گرہن را پر عارضی فتح حاصل کرتا ہے۔ اسے مارنے کے لئے را کی کرنیں بھالے بن کر گرتی ہیں۔ یا دوسرے دیوتا بجلی بن کر مدد کو آتے ہیں۔ مگر انسان کو بھی لازم ہے کہ خاص منتروں کا وِرد رکھے تاکہ را کو اس دشمن ازلی سے نجات حاصل ہو۔ پروہت بھی اسی لئے بوقت شب اپیپ کی مومی مورتیں بنا کر انہیں چھریاں بھونکتے ہیں۔ یا ان پر پھونک کر آگ میں جھونک دیتے ہیں۔

(متھ اینڈ لیجنڈ۔ ڈونلڈ مکنزی)

تو قائم رہا۔ مگر سچے جانثار و بہی خواہ دوست مفقود ہو گئے۔ چنانچہ مجھے اپنے قیام حکومت کے لئے دوسری طرف جھکنا پڑا۔ اور یونانیوں پر جنکی شجاعت و بہادری مشہور ہے زیادہ بھروسہ کرنے لگا۔ انکی فوج بنا کر برابر اپنے ساتھ رکھی۔ انکی زبان سیکھ لی۔ اور انکے بڑے بڑے عالموں و حکیموں مثلاً فیثا غورث وغیرہ سے ملاقات کی اور یونانیوں کی صنعت و حرفت تمدن کو اپنے ملک میں رواج دینے کی کوشش کی۔ علاوہ بریں میں نے اپنے ملک کو بطریق احسن مختلف حصوں میں تقسیم کیا اور تمام دنیا سے افضل و بہتر پولیس کا انتظام قایم کیا۔ اور تھوڑے عرصہ میں بہت کچھ اصلاحات انجام دیں۔ مگر میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ اپنے ملک میں یونانی تہذیب، طرز معاشرت، صنائع و بدائع اور اُسکے فلسفہ وغیرہ کو لا کر لوگوں کا مذاق سدھاروں۔ اور انکے دلوں سے قدامت پرستی اور تنگ خیالی دور کردوں۔ مگر افسوس کہ اس میں مجھے ابتک سخت ناکامی ہوئی۔ اور کچھ عجب نہیں کہ یہی میری بربادی کا باعث ہو۔ پروہت پجاری میری کچھ چلنے نہیں دیتے اور ہر بات میں رخنہ اندازی کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ پرانی لکیر کے فقیر ہیں۔ غیر ملک کی اچھی باتوں کو بھی نفرت سے دیکھتے ہیں اور ہر اجنبی کو اس لئے کہ کہیں انکی تعلیم و تلقین و قوت اقتدار میں رخنہ انداز ہو اپنا جانی دشمن سمجھتے ہیں۔ اُن پروہتوں کا عوام پر اتنا بڑا اثر ہے کہ میری کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اور مجبوراً مجھے انکے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر کے تمام منصوبوں کو خیرباد کہنا پڑتا ہے۔ اور مایوسی و غم دل پر چھا جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بہت سی حسرتیں مرتے دم تک میرے دل کی دل ہی.... میں رہجائیں گی۔ اور بعدہ شاید میری قبر میں بھی یہ لوگ چین سے نہ سونے دیں گے۔

کریسس (Croesus) [ہمدردی کے ساتھ] زئیس (Zeus) کی قسم۔ تمھاری حالت بڑی قابل افسوس ہے میں بخوبی تمھاری دقتوں کو محسوس

کرسکتا ہوں۔ تمہارے اور تمہاری رعایا کے مذاق وطبائع میں زمین آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگرچہ مجھے بھی بعض ایسے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے جو نہایت روکھے پھیکے تھے اور جن کی تمام عمر افسردگی وپژمردگی میں کٹی تھی لیکن یہ مجھے کبھی وہم و گمان بھی نہ تھا کہ پوری قوم کی قوم ایسی مردہ دل ہوگی کہ جیسے اس ملک کے لوگ ہیں۔ یہاں جس کسی کا چہرہ دیکھو خواہ وہ پروہت ہو یا درباری، سنجیدہ واداس نظر آتا ہے حتیٰ کہ اُن نوعمر لڑکوں تک کے مُنہ پر کبھی ہنسی نہیں آتی جنہیں میں نے تمہاری خدمت کرتے دیکھا ہے۔ حالانکہ خوش دلی ومسرت انکی عمر کا ایسا ہی خاصہ ہے جیسا کہ پھولوں کا کھلنا موسم بہار کے لئے لازم وضروری سمجھا جاتا ہے۔"

اماسس (Amasis) "تمہارا یہ خیال کہ سب مصری[۱] مردہ دل ہوتے ہیں کسی قدر مبالغہ آمیز و دور از راستی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہمارے مذہب کا حکم ہے کہ ہمیشہ موت کے خیال کو دلنشین رکھا کریں تاہم یقین جانو کہ ہماری طرح کوئی دوسری قوم نہ ہوگی جو ایسی زندہ منش ہو اور دل لگی وہنسی و مذاق کی اس قدر شائق ہو۔ سیر وتماشہ کی اس قدر دلدادہ ہو اور جشن یا تہوار کے موقعوں پر ایسی خود فراموشی کے ساتھ عیش وعشرت میں مصروف ہو جاتی ہو جو بعض اوقات حد اعتدال سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جن پروہتوں کو تم نے مُنہ پھلائے دیکھا تھا۔ وہ تمہاری صورتوں سے نفرت کرتی ہیں

[۱] اماسس کا قول بالکل صحیح ہے۔ مصریوں سے بڑھ کر شاید ہی کوئی دوسری قوم اس قدر خوش مزاج وعیش وعشرت کی دلدادہ ہوگی۔ اُنکے مذہب میں بخلاف ہنود جسمانی صعوبتیں و تکالیف بالکل منع تھیں۔ پروہت کئی کئی شادیاں کرسکتے تھے اور دعوت وجشن وغیرہ میں خوب حصہ لیتے تھے۔ ملک میں ہر روز نت نئے تہوار و میلے ہوا کرتے تھے۔ جن میں ادنے واعلےٰ مرد وعورت غرض کہ ہر طبقے کے لوگ خوشیاں مناتے ناچتے گاتے اور دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ (پروفیسر ونگل)

جن لڑکوں کا تم ذکر کرتے ہو وہ انہیں پوجاریوں کے نونہال ہیں۔ وہ بظاہر تو میرے ادنے اشارے پر غلاموں کی طرح خدمت کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں انکا کام مجھ پر جاسوسی کرنا ہے جس سے میری جان غضب میں آگئی ہے۔ کیا مجال کہ میری کوئی انگلی ہل جائے اور اُن کو نہ معلوم ہو اور فوراً اسکی خبر پروہتوں تک نہ پہنچ جائے۔"

کری سس (Croesus) "مجھے حیرت ہے کہ تم سے ایسی زندگی کیونکر بسر ہوتی ہے ان جاسوسوں کو کیوں نہیں نکال دیتے اور انکی جگہ اپنے بھروسے کے غلاموں کو کیوں نہیں رکھ لیتے۔

اماسس (Amasis) "کاش کہ ایسا ہو سکتا۔ {خوفزدہ ہو کر دبی زبان سے} ڈر ہے کہ اس وقت بھی ہماری گفتگو کوئی سُن رہا ہوگا۔ کل میں اُس سامنے والے انجیر کے درخت کو کٹوا دونگا۔ اُس نوجوان پجاری کو دیکھتے ہو جو بظاہر سیر باغ کا بہت شائق معلوم ہوتا ہے اور کچی کچی انجیریں توڑ کر اپنی چھوٹی سی ٹوکری میں جمع کر رہا ہے۔ حقیقت میں وہ ایک دوسرے ہی پھل کی تلاش میں ہے اور کان لگائے بڑے غور سے ہماری باتوں کو سُن رہا ہے۔"

کری سس (Croesus) "مگر زیس (Zeus) اور اپالو (Apollo) کی قسم ...."

اماسس (Amasis) "تمہاری حیرت و استعجاب بجا ہے مگر ہر بڑے مرتبہ کے ساتھ چند فرائض و قیود بھی وابستہ ہوتے ہیں اور بحیثیت اس ملک کے بادشاہ ہونیکے جسکا فرض ہے کہ قدیم مذہب[۵] پرانے دستوروں اور قاعدوں کی عزت و حرمت کرے۔ مجھے بھی

---

[۵] قدیم مصریوں کا مذہب حد درجہ پیچیدہ و کنایات و تاویلات سے بھرا ہوا تھا۔ اسکے سمجھنے کیلئے ہمیں سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ یہ مذہب جس میں سیکڑوں دیوتا و دیویاں ہیں ان مختلف اقوام کے اختلاط کی وجہ سے پیدا ہوا جو وقتاً فوقتاً سرزمین مصر میں آکر وہاں آباد ہوتی گئیں۔ پہلے ہر قبیلے و ہر شہر کا ایک

ایسی رسومات کی پابندی کرنا پڑتی ہے جو ہزاروں برس سے بلا کسی تغیر و تبدل کے رائج ہیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) علیحدہ دیوتا تھا جب وہ آپس میں ملے تو ایک دوسرے کے دیوتا کو مان کر اپنی پرستش میں داخل کرتے گئے۔ مثلاً خاص انسانی دیوتا میں گروہ آسرس تھا جو آٹھ ہزار برس قبل مسیح شروع زمانہ تمدن میں مغرب سے آیا۔ آیرس، آسس، ہورس مختلف قبیلوں کے دیوتا تھے۔ جب یہ آپس میں مل جل گئے تو آسرس خاوند۔ اور آسس بیوی۔ اور ہورس انکا فرزند ہوگیا۔ ان میں سے ہر ایک کی مختلف صفات و پہلو قایم کئے گئے۔ آسرس نہ صرف زراعت و روئیدگی کا نگہبان تھا بلکہ دوسری دنیا میں حساب و کتاب و جنت کا انتظام بھی اسی کے سپرد تھا۔ آسس کے بھی بکثرت پہلو تھے۔ زمانہ مابعد میں رومن اسے ملاحوں کا نگہبان سمجھتے تھے۔ ہورس پہلے تہنا تھا پھر قبیلہ آسس سے ضم ہو کر آسس کا فرزند کہلایا باز دیوتا سے مل کر اسکا سر بھی باز یا شاہین کی طرح ہوگیا۔ اور چونکہ یہ پرند علامت سلطنت ہے اس لئے ہورس بادشاہوں کا محافظ بن گیا رست سے اس نے آسرس کا بدلہ لیا تھا اسلئے انتقام کا دیوتا مانا گیا۔ نیز آسمان کا دیوتا بھی اسے کہتے تھے اور چاند سورج اسکی دو آنکھیں تھیں۔ شروع عیسائیت کے زمانہ میں بوجہ فرزند ہونیکے اسے عیسیٰ سے تشبیہ دی گئی۔ (کچھ عجب نہیں کہ تثلیث کا مسئلہ اس مصری اثر کا نتیجہ ہو۔ مترجم) موذی جانوروں کا قاتل ہونے سے اسے سینٹ جارج سمجھنے لگے۔ بعد ازاں ایک کنول کے پھول کی طرح ... نظر آیا۔ جو غالباً بدھ مذہب کا اثر تھا۔ دوسرا گروہ ست و نبھت کا تھا جو بحر احمر کی طرف سے آئے رست یا ٹائفون آسرس کا دشمن تھا مگر اسکی بھی ایک زمانہ تک پرستش ہوئی بعدہٗ شیطان مانا گیا۔ نبھت جو اسکی بیوی تھی آسس کی بہن قرار دیگئی تیسرا گروہ امن، متت و خنسو کا تھا۔ امن مغربی ممالک سے آیا نتیجہ بھی لیبیا سے آئی۔

دوسری قسم ان دیوتاؤں کی ہے جو مظاہر قدرت ہیں اور غالباً مشرق سے ستشہ ق م آئے تھے انمیں تین سورج دیوتا تھے۔ خپرہ صبح کا طالع سورج، اتمن ڈوبنے والا سورج اور را سب سے بڑا عظیم الشان شمس دیوتا۔ یہ غالباً ملک شام سے آیا تھا۔ اسکی شکل کبھی پردار بنائی جاتی تھی اور مصریوں کے مکان کے دروازوں پر نظر آتی تھی۔ کبھی اسکے دو سانپ یا مینڈھے کے سینگ لگا دیئے جاتے تھے اور اس طرح اسے محافظ (پر) خالق (مینڈھا) اور غارتگر (سانپ) سمجھتے تھے۔

اگر میں ان زنجیروں کے توڑنے کا ارادہ کروں تو مرنے کے بعد میری لاش کو بلا دفن کیے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) تھیبنیز میں پہلے سے ایک مقامی دیوتا آمن تھا جب را آیا تو یہ دونوں ملکر آمن را ہو گئے جو انیسویں صدی ق م اور مابعد کا سب سے بڑا دیوتا تھا۔ اخناتون جو اٹھارہویں خاندان کا ایک مشہور بادشاہ تھا اسنے مذہبی اصلاح کی کوشش کی اور ایک قسم کی توحید قایم کرنا چاہی۔ اس کا خیال تھا کہ تمام زندگی شعاع شمسی کی قوت یا اس مخفی طاقت کا جو سورج کی روشنی پیدا کرتی ہے۔ نتیجہ ہے اس کا نام اس نے اتن رکھا اور تمام دیوتاؤں کی پرستش موقوف کر کے اسی کو مظہر صداقت اور خالق اکبر سمجھنے لگا۔ یہ بادشاہ نوجوان مرا۔ اسکے بعد پرانے دیوتا پھر عود کر آئے۔ مظاہر قدرت میں چاند بھی کئی طریقوں سے پوجا جاتا تھا۔ کبھی اسے تھوتھ کبھی خنو کبھی ہاتھر کہتے تھے۔ تیسری قسم اُن دیوتاؤں کی تھی جو مختلف صفات کے مظاہر تھے۔ مثلاً تخلیق و پیدائش کا بڑا دیوتا پتاہ تھا۔ وہ بانی و صناع تھے۔ اسکے مہا پروہت کو امیر دستکاران یا مزدوران کہتے تھے۔ اسکی پرستش خاصکر ممفس میں ہوتی تھی۔ وہاں کے دو اور دیوتا اسکے ساتھ شامل کر دیئے گئے۔ یعنی نفرتم (نباتات و روئیدگی) اور امہوتپ (جو ایک حکیم تھا اور دیوتاؤں کے مرتبہ پر پہنچا دیا گیا تھا) سخمت (شیرنی کا سر) شاہ کی بیوی تھی۔ ٹاہ کو اسیرس سے ملا دیا گیا تھا جو تھی قسم مختلف کیفیات کو ظاہر کرتی تھی۔ مثلاً رمن ابوت کا دیوتا اور ہاتھر اموت کی دیوی تھی۔ رمن۔ آمن را سے ملا دیا گیا اور ہاتھر مختلف مقامی دیویوں مثلاً آسس وغیرہ میں ضم کر لئے گئے۔ مات سچائی اور سفخ یا شست تحریر کے دیویاں تھیں۔ ان سب کے علاوہ اور بہت سے غیر ملکی دیوتا بھی جو کسی قبیلہ کے ساتھ نہیں آئے تھے اعتقاد تھا۔ مثلاً شام کا بعل اور آریوں کا مشہور دیوتا اور انتہ بھی مصر میں عزت سے دیکھے جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہر صدی میں مغرب و مشرق شمال و جنوب سے جو قومیں آئیں اور اپنے جو دیوتا لائیں وہ سب ایک عرصہ کے بعد باہم ضم ہو گئے۔ اب رہا یہ سوال کہ انکی شکل مختلف جانوروں کی طرح کیوں بنائی گئی۔ اسکی غالباً یہ وجہ ہو کہ پہلے جانوروں کی پرستش ہوتی تھی بعدہ جب انسانی دیوتاؤں کا ظہور ہوا تو جن مختلف مقامات پر قبائل جا کر آباد ہوئے۔ وہاں کے جانور دیوتا سے انہوں نے اپنے انسانی دیوتا کو ملا دیا۔ چنانچہ آمن کا سر مینڈھے کا ہے۔ ہاتھر و آسس کا سر گائے کا بسبب

چھوڑ دیا جائیگا۔ آپ تو شاید جانتے ہونگے کہ ہمارے یہاں ہر مردہ پر پروہتوں کی ایک عدالت بیٹھکر فیصلہ کرتی ہے اور جسے بہت گنہگار خیال کرتی ہے اُسے حق تجہیز و تدفین سے محروم کر دیتی ہے۔ میرے لڑکے کے ڈر سے شاید مجھے دفن کرنے پر راضی ہو جائیں لیکن جن پروہتوں کا کام نیاز و نذر چڑھانا ہے وہ ہرگز نہ مانیں گے اور ایسا بُرا برتاؤ میری لاش کے ساتھ کریں گے جس کا خیال کرتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

کری سس (Croesus) بھلا اپنی تجہیز و تکفین کی فکر کرنے سے کیا فائدہ؟ انسان کو اپنے جیتے جی کی پرواہ کرنا چاہیے نہ کہ مرنے کے بعد کا غم۔"

اماسس (Amasus) اپنی جگہ سے اُٹھ کر "یونانیوں کا بھی خیال ہے۔ وہ مادی زندگی کو سب پر افضل و برتر سمجھتے ہیں۔ مگر **کری سس** (Croesus) تم یہ بھولتے ہو کہ میرے ماں باپ مصری، میری تربیت و تعلیم نشو و نما وغیرہ سب مصریوں کے ساتھ ہوئی ہے اور اگرچہ یہ صحیح ہے کہ میں نے یونانیوں کی بہت سی باتیں اختیار کر لی ہیں تاہم میری فطرت و اصلیت کہاں جا سکتی ہے۔ جن باتوں کو لڑکپن سے سنتا آیا ہوں اور جو عقاید کہ چھوٹی عمر سے دل میں بیٹھ گئے ہیں وہ بھلا کیونکر محو ہو سکتے ہیں؟ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں اور چند ہی روز بعد اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر سفر آخرت پیش آنے والا ہے پھر کیا فائدہ کہ اس قلیل عرصہ کے لئے ایک دوامی زندگی جو ابد تک قایم رہنے والی ہے اس کی امید کو چھوڑ بیٹھوں۔ نہیں عزیز من۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ میرا بھی اپنے ہم مذہبوں کی طرح یہ پکا عقیدہ ہے کہ عاقبت کی بہبودی و بہتری اسی پر منحصر ہے کہ وہ جسم جو حامل روح ہے بعد مرون بھی نہایت احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھا جائے تاکہ روح انسانی روح الارواح یعنی **آسیرس** (Osiris) سے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) کا بلی۔ انوبس کا گیدڑ کا۔ سبک کا مگرمچھ کا۔ ہورس کا باز کا۔ ستوتھ کا ابکس کا۔ اور نبہت کا افعی کا سر ہے ۱۲ (ماخوذ از پروفیسر فلانڈرپٹری)

متوصل ہوکر کائنات پر حکومت وانتظام کرنے میں مدد دے سکے۔ یہ مسئلہ[1] اس درجہ اہم اور پُر از راز ہے کہ مجھے قسم دی گئی ہے کہ کسی اجنبی کے سامنے بیان نہ کروں۔ اس لئے زیادہ بحث فضول ہے اور اب کوئی دوسرا ہی ذکر چھیڑنا چاہئے۔ اچھا یہ تو فرمائیے کہ آپ کو ہمارے مندر اور اہرام بھی پسند آئے۔

کریسس (Croesus) نے سوچکر جواب دیا "اس میں شک نہیں کہ وہ بلند و سنگین انبار جنہیں آپ اہرام[2] کہتے ہیں اور جو ریگستان میں پہاڑیوں کیطرح

---

[1] بعض کتب میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے مصریوں کو حام (پسر نوحؑ) نے خدائے واحد کی پرستش سکھائی اور کفر و الحاد بعد میں پیدا ہوا۔ اور صفات باری تعالیٰ سے مختلف بتوں کو منسوب کرکے انہیں پوجنے لگے۔ پروفیسر بج و ولکنس کا بھی خیال ہے کہ آغاز زمانہ میں مصریوں کا مذہب نہایت سادہ تھا مگر پجاریوں نے اپنے اغراض کی وجہ سے اُسے بہت پیچیدہ بنا دیا۔ خدائے واحد کی ہر صفت اور اُسکی قدرت کے مختلف مظاہر، دیوتا بن گئے۔ اور چونکہ آخر الذکر کی بھی دو صورتیں ممکن ہیں مثلاً تیز و ہلکی روشنی وغیرہ۔ اس لئے انہیں نر و مادہ سے تشبیہ دیگئی۔ پروہت انہیں باتوں کو رازہائے سربستہ کہتے تھے۔ عوام الناس کو اُن سے بے خبر رکھتے ہیں۔ اور صرف خاص موقعوں پر جنکا تعلق "رسومات مخفی" سے تھا۔ چند منتخب لوگوں پر آشکارا کرتے تھے۔ یہ لوگ موجودہ فری میسنوں کی طرح ہمیشہ اپنی زبان بند رکھتے تھے اور کبھی کسی کے سامنے ظاہر نہ کرتے۔ (ولکنس و ڈونلڈ مکنزی)

[2] اہرام مصری آج کل بھی دنیا کے عجائبات سے سمجھے جاتے ہیں کیونکہ انسانی ہاتھوں نے کبھی اور کسی زمانہ و عہد میں اس قدر عظیم الشان عمارات نہیں بنائیں۔ یہ فراعنہ مصر کے مقبرے ہیں۔ انکا موجد ایک بہت بڑا حکیم و فلسفی تھا جسے زمانہ مابعد میں مصریوں نے دیوتاؤں کے زمرہ میں شامل کرکے پوجنا شروع کر دیا۔ اس کا نام امہوتپ تھا اور اُسی نے فراعنہ کے خاندان سوم کے شاہ زسر یا زوسر کے لئے وہ سیڑھیوں والا اہرام تعمیر کیا جو آجتک سکرا میں موجود ہے۔ بعد ازاں خاندان چہارم کے بادشاہ تخت پر بیٹھے جنہوں نے بڑے بڑے اہرام بنائے۔ لیکن معلوم نہیں کہ پروہت ان سے کیوں ناراض ہو گئے۔ اور بغاوت کرکے انکی سلطنت

کھڑے ہیں۔ ایسے عظیم الشان ہیں کہ دل پر ایک ہیبت طاری ہوتی ہے اور انسان

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) اُلٹ دی۔ انہیں ظالم وجابر کہا گیا اور انکی لاشیں یا ممیاں اہراموں میں سے نکال کر برباد
کر دی گئیں۔ آخر الذکر خاندان کے تین سب سے زیادہ مشہور اہرام بمقام ۶۰ اقاہرہ کے قریب موجود ہیں ان میں
پہلا یعنی سب سے بڑا شاہ خوفو یا چیوپس (یونانی نام) کا اہرام ہے۔ دوسرا جو اس سے ۳۰ فٹ چھوٹا ہے شاہ خفرا کا
تیسرا جو صرف ۲۱۰ فٹ اونچا ہے شاہ منخرا کا ہے۔ ہم یہاں صرف پہلے۔ یعنی بڑے اہرام کے حالات پر
اکتفا کرتے ہیں۔ یہ جس زمین پر استادہ ہے اس کا رقبہ (۱۳) ایکڑ سے کم نہیں۔ سطح زمین سے اسکی نوکدار چوٹی چار
سو اکاسی (۴۸۱) فیٹ بلند ہے۔ حصہ زیریں جو چوکور (مربع) ہے اس کی ہر سمت سات سَو اڑسٹھ (۷۶۸) فیٹ ہے۔
پتھروں کی کل تعداد کا اندازہ دو لاکھ تین سَو (۲۰۰۳۰۰) لگایا گیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک چٹان وزن میں ڈھائی ٹن ہے
اور اس خوبی سے ایک دوسرے کے ساتھ وصل کی گئی ہے کہ جوڑ کا نشان تک نظر نہیں آتا۔ ان پتھروں کو
لکڑی کی کلوں سے اُٹھا کر اوپر لیجاتے تھے جن کا عمل معمولی جرثقیل کے اصولوں پر مبنی تھا۔ ہیرڈوٹس لکھتا
ہے کہ اس اہرام کی تعمیر میں ایک لاکھ مزدور روزانہ کام کرتے تھے۔ دس برس میں صرف وہ راستہ بنا جس سے
دریا کی طرف سے پتھروں کو کھینچکر اوپر لیجاتے تھے اور بیس سال میں کل اہرام کی تعمیر ختم ہوئی۔ خوفو کو ظلم وتشدد
الزام دیا جاتا ہے کہ اس نے جبریہ اپنی رعایا سے کام لیا مگر بعض کا خیال ہے کہ اسکے برعکس یہ بادشاہ بہت
رحم دل و رعایا پرور تھا اور صرف سیلاب کے اُن تین مہینوں میں جب کسان بیکار رہتے تھے ان سے اپنا
کام لیتا تھا اور پورے طور سے انکی نگہبانی وخبرگیری رکھتا تھا۔

اہرام کا اصلی دروازہ سطح زمین سے اونچا اسکے شمالی رخ پر واقع ہے (مامون رشید کو اسکی خبر نہ تھی
اس نے اس کے نیچے سے ایک سرنگ کھودی اور اندر گیا مگر کچھ ہاتھ نہ آیا) دروازہ میں داخل ہوتے ہی
ایک ڈھالدار راستہ شروع ہوتا ہے جو ایک ناتمام زمین دوز حجرہ کی طرف جاتا ہے۔ اسی راستہ پر اوپر دروازہ
سے ۶۳ فٹ کے فاصلہ پر ایک دوسرا راستہ نظر آتا ہے جو جوف اہرام میں اوپر کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ کچھ
دور چل کر یہ ایک کشادہ گیلری بن جاتا ہے جسکے سرے پر ایک چھوٹے کمرے سے گذر کر ایک بڑے حجرہ کا
دروازہ نظر آتا ہے۔ جسے حجرہ شاہی کہتے ہیں۔ یہ اہرام کے مرکز میں واقع نہیں ہے۔ بلکہ ایک سمت کی

کے بنائے ہوئے نہیں معلوم ہوتے۔ اور آپ کی عبادتگاہوں کے رنگین ستون اور خوبصورت در و دیوار بھی صناعی کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ **ابوالہول** (Sphinx) کی دورویہ قطاریں جو اُنکے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) طرف زیادہ ہٹا ہوا ہے جس کا سبب نامعلوم ہے۔ شاہی حجرہ کے اوپر پانچ اور چھوٹے چھوٹے حجرے ہیں جن پر کچھ کتبات کندہ ہیں۔

اوپر جانیوالے راستہ کے اُس مقام سے جہاں وہ گیلری بن جاتا ہے ایک تیسرا راستہ بھی نیچے یعنی جنوبی سمت کو جاتا ہے اور اسکے سرے پر ملکہ کا حجرہ ہے جو بالکل خالی ہے۔ ابھی تک یہ پتہ نہیں چلا کہ فرعون کی لاش کس حجرہ میں تھی اور نہ وہ پتھر نظر آتا ہے جسے حرکت دینے سے راستے بند ہو جاتے تھے۔

(ماخوذ از ونڈرس آف دی پاسٹ)

ڈونلڈ مکنزی
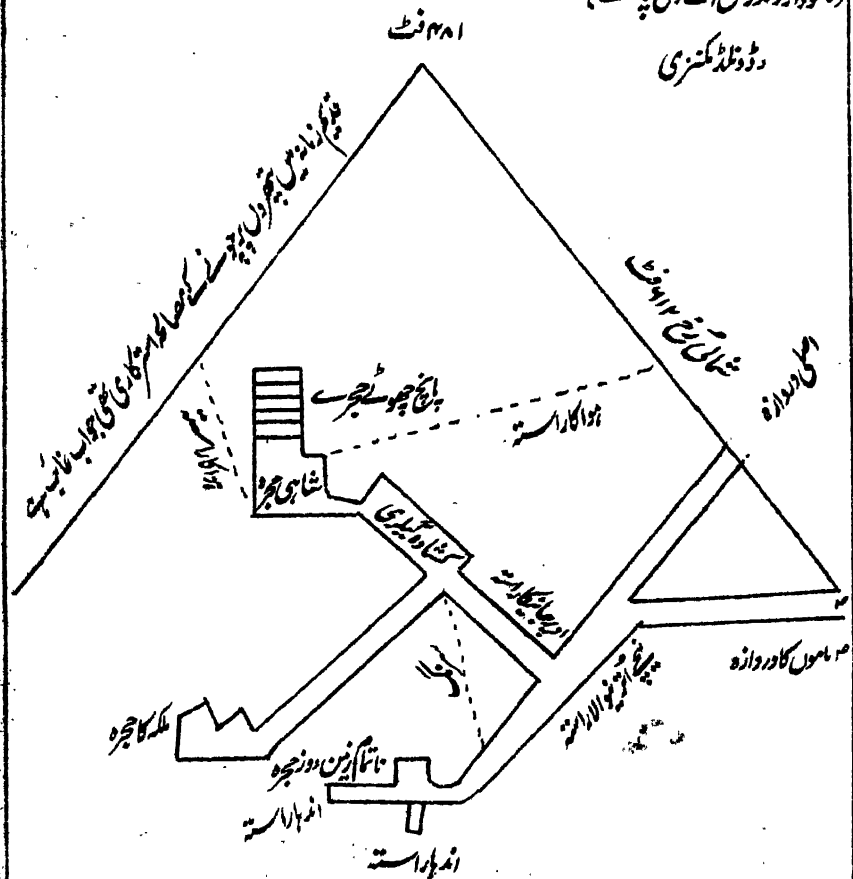
دروازوں کے باہر نصب ہیں عجیب وغریب معلوم ہوتے ہیں۔ انکی پیلان[۵۱] .... کی قلعہ نما ڈیالو فصیلیں عجیب شاندار ہیں۔ آپ کی رنگ برنگی تحریر مصوری یا ہیکالی حروف (Hieroglyphics) بھی نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں مگر ان کا مطلب سمجھ میں نہ آنے سے طبیعت اُلجھنے لگتی ہے آپکے بیشمار دیوتاؤں کی تصویریں ہر جگہ نظر آتی ہیں۔ جنکی صورتیں انکے معنی سے شاید مختلف ہیں اور بغور خیال کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ اُن عمیق فلسفانہ خیالات کی جن کو بہت کم لوگ سمجھ سکتے ہیں ظاہری علامات، اشکال یا نشانیاں ہیں غرضکہ جو جو چیزیں میں نے یہاں دیکھیں وہ نہایت عجیب وغریب اور دلچسپ ہیں۔ مگر نقاشی ومصوری میں یونان کی سی خوبصورتی۔ لطافت ونزاکت نہ پائی۔ ایک طرف تو آپ کے ہنرمند عقلا وحکمار کے طلسمی راز عجیب کشش کے ساتھ اپنے عقدہ کشائی کے لئے طبیعت کو متوجہ کرتے ہیں۔ دوسری طرف میرا دل ودماغ اُن عقاید اور اصولوں کے سمجھنے سے قاصر رہ جاتا ہے جن پر آپ کے خیالات، اعمال و طرز معاشرت کا انحصار ہے اور دنیا کو ایک سرائے چندروزہ سمجھ کر موت کے بعد اصلی زندگی کا آغاز سمجھتے ہیں۔"

اماسس (Amasis) "افسوس ہے کہ آپ نے ہماری صنعت وحرفت وعمارات کو محض ایک سرسری نگاہ سے دیکھا۔ اگر اہرام پر غور کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ ان میں کیا کیا راز مضمر ہیں اور نجوم ہندسہ اور ریاضی کی مدد سے کس حکمت وصنعت کے ساتھ کام لیا گیا ہے۔ اب رہ گئے دیگر فنون لطیفہ۔ انکے متعلق میں کہہ سکتا ہوں کہ سیکڑوں برس گذرے جب یونان وحشی وجاہل تھا تب بھی ہمارے یہاں وہ اپنے درجہ کمال[۵۲] پر پہنچ گئے تھے بلکہ

---

[۵۱] مندروں کے پھاٹک۔

[۵۲] مصر میں نہایت قدیم زمانہ میں تہذیب وتمدن اپنے عروج پر پہنچگیا تھا۔ فراعنہ کے اٹھارہویں اور انیسویں خاندان کی جو یادگاریں حال ہی میں دریافت ہوئی ہیں انہیں دیکھ کر عقل دنگ ہوتی ہے بعض تو اپنی صناعی

تمام دنیا ہماری ہی خوشہ چین ہے۔ ہمیں سے انہوں نے سیکھا ہے جنکے اعلیٰ درجہ کے نمونے اگر آپ دیکھیں تو عقل دنگ رہجائے گی اور ماننا پڑے گا کہ نزاکت اور خوبی کے لحاظ سے وہ اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ ہمارے مسائل و عقائد بڑے پر اسرار و معانی ہیں جن کو شاید آپ نہ سمجھ سکیں گے مگر یہ یاد رہے کہ دنیاوی زندگی کی قدر ہمارے دلوں سے بھی مفقود نہیں ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ خوبی میں موجودہ زمانے سے بھی سبقت لے گئی ہیں۔ قسم قسم کے مدور، چوکور اور بیضوی میزیں جنپر خوشنما نقش و نگار بنے ہوئے۔ جنکے پائے ہاتھی دانت و آبنوس کے مختلف جانوروں کی شکلوں کے نیز صندوقوں و بکسوں پر پچکاری کا کام۔ خوبصورت کرسیاں جنکا رواج خاندان اول سے بھی پہلے تھا۔ پلنگ کوچیں، تپائیاں بلکہ بچوں کے حرکت کرنے والے کھلونے اور گڑیاں تک انکی قبروں سے برآمد ہوئی ہیں۔ اسی طرح نہایت خوشنما قالین۔ پردے اور سوت و کتاں کے کپڑے جو ریشم سے بھی زیادہ ملائم ہیں مستعمل تھے دباغی و چمڑے کے کام میں بھی اُستاد تھے۔ مٹی اور چینی کے برتن وغیرہ بھی بنانا خوب جانتے تھے۔ زرگری یعنی زیورات پر جڑاو کام بھی اعلیٰ قسم کا ہوتا تھا۔ چمڑے اور کپڑوں کا رنگنا بھی جانتے تھے۔ اور فن مصوری میں بھی ید طولی رکھتے تھے۔ انکے مکانات و مندر رنگین تصاویر سے مزین تھے۔ جن میں بعض مذاقیہ و ہجو آمیز مرقعے بھی نظر آتے ہیں مثلاً چوہوں و بلیوں کی لڑائی۔ کوا اسٹیرہی لگا کر چھت پر چڑھ رہا ہے یا ایک گینڈا اور ہرن ایک میز بچھا کے کھانا کھا رہا ہے۔ علیٰ ہذا بت تراشی اور نقاشی کے فنوں کو بھی انہوں نے کمال پر پہنچا دیا تھا۔

اس غیر معمولی صنعت و حرفت کی ترقی کا بڑا باعث مصریوں کا وہ عقیدہ تھا کہ آیندہ زندگی بھی دنیا کی طرح بہشت میں بسر ہوگی اور چونکہ ہر شے کا ایک ہمزاد موجود ہے اس لئے جو چیز انکی قبر میں رکھی جائیگی وہ انہیں دوسرے عالم میں ملجائے گی۔ اسی لئے ہر قسم کی ضروریات، لوازمات اور سامان آرائش و آسائش وغیرہ مقبروں کے خاص حجروں میں نہایت حفاظت کے ساتھ بند کر دیئے جاتے اور چونکہ پروہت ان سب چیزوں کو مہیا کرتے اس لئے مندروں کے ساتھ بڑے بڑے کارخانے ملحق تھے جہاں ہزاروں کاریگر روزانہ کام کیا کرتے تھے۔

(ولکنسن۔ ویگل۔ ونڈرس آف پاسٹ)

موت کی تکالیف سے ہم بھی ڈرتے اور انکو دور کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا اور قیام حیات کی خواہش نہ ہوتی تو ہمارے حکما و اطبا ایسے مشہور و معروف نہ ہوتے کہ آج چار دانگ عالم میں انکے علم و ہنر کی شہرت پھیلی ہوئی ہے۔ اس پر مجھے یہ یاد آیا کہ کچھ عرصہ ہوا کہ میں نے اپنے دربار کے مشہور طبیب و کحّال نبتجاری کو شاہ ایران کی خدمت میں سوسا[۱] (Susa) روانہ کیا تھا۔ اس کا کیا حال ہے۔ اُسکے علاج سے کچھ فائدہ ہوا کہ نہیں؟

کری سس (Croesus) "نبتجاری واقعی اپنے فن کا اُستاد ہے۔ اس کا شمار ان لوگوں میں ہے جو آپ کے ملک کے لئے باعث فخر ہیں۔ اسی نے کمبوجیہ (Cambyses) سے آپ کی لڑکی کے حسن کی تعریف کی تھی۔ اُس کے ہاتھ سے بہت سے نابینا اچھے ہوگئے مگر بدقسمتی سے والدہ شاہ کو ابھی تک زیادہ فائدہ نہیں ہوا۔ ہمیں افسوس ہے کہ ایسا باہنر شخص صرف آنکھوں ہی کا علاج جانتا ہے کیونکہ شاہزادی اتوسا (Atossa) جب بخار میں مبتلا تھیں تو ہم لوگوں نے بہت اصرار کیا مگر وہ کسی طرح نبض دیکھنے و نسخہ لکھنے پر راضی نہ ہوا"

اماسس (Amasis) "ہمارے ملک کا یہی قاعدہ ہے کہ طبیب[۲] کو جسم کے ایک ہی عضو کے علاج کی اجازت دی جاتی ہے۔ چنانچہ کان، آنکھ، دانت، قلب، پھیپھڑے و عمل جراحی وغیرہ کے لئے جداگانہ طبیب مقرر ہیں۔ برہمنوں کے قاعدہ قدیم کے مطابق کسی دندان ساز کو کانوں کی بیماری یا کسی ہڈی جوڑنے والے کو اندرونی اعضا کے علاج کی خواہ وہ اُس سے واقف ہی کیوں نہ ہو بالکل اجازت نہیں ہے۔ اس کا خاص مقصد و منشا یہ ہے کہ ایک ہی بیماری میں مہارت تامہ حاصل ہو کر درجہ کمال تک پہنچ جائیں۔ ہمارے طبیب بھی حقیقت میں پجاریوں ہی کے طبقہ یا ذات سے ہوتے ہیں اور اپنے خاص علم و فن کو نہایت کاوش و دلسوزی کے ساتھ حاصل کرتے ہیں۔ آپ کے سامنے بڑے پروہت نیتھوتپ (Neithotep) کا مکان

---

[۱] اسکا بیان آیندہ کیا جائیگا۔ [۲] جرمنی و آسٹریا میں خاصکر اور یورپ کے دیگر ممالک میں بھی اسپیشلسٹ (یک فنی) ہوا کرتے ہیں اور تمام متمدن ممالک کا میلان اسی طرف ہے کہ ایک آدمی کو یک فنی ہونا چاہیئے۔

نظر آرہا ہے اُس کو علوم نجوم و ریاضی و جبر و مقابلہ پر اتنا بڑا عبور ہے کہ **فیثا غورث** تک اس کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ اس مکان کے قریب ہی وہ ہال ہے جس سے دیوی **نیتھ** (Neith سیتھ) کے مندر کو جو **سیئز** (Sais مندر) کی محافظہ و نگراں دیوی ہے راستہ جاتا ہے میری دلی خواہش تھی کہ آپ کو اُس کے مقدس باغات و خوشنما عمارات کی سیر کراتا جن کے عالی شان ستونوں کی چوٹیاں کنول کے پھولوں کی طرح منقش و مزین ہیں اور خاص مندر نہایت عجیب و غریب ہے کیونکہ پتھر کی ایک ڈال سے بنایا گیا ہے لیکن پروہتوں نے مجھے منع کر دیا ہے اس لئے احاطہ کے بیرونی دیواروں اور پیلان[1] (Pylon) سے آگے آپ کو نہیں لیجا سکتا۔ اچھا تو چلئے اب ذرا دیکھیں میری بیوی اور لڑکیاں کہاں ہیں؟ وہ آپ سے بہت مانوس معلوم ہوتی ہیں اور میری تمنا ہے کہ آپ بھی میری غریب بیٹی کو جو دیارِ غیر کی ملکہ بن کر ایک دور دراز ملک کو جانے والی ہے اپنے سایہ عاطفت میں لے لیں۔ مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے اور امید رکھتا ہوں کہ اپنی ہی بیٹی سمجھکر اسکی حمایت و خبر گیری میں دریغ نہ فرمائیں گے اور اُس پر کسی قسم کی آنچ نہ آنے دیں گے"۔

کریسس (Croesus مندر) [اماسس کا ہاتھ پکڑ کر] "آپ اطمینان رکھیں۔ میں اپنی لڑکی سے بڑھکر اس کا خیال رکھونگا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ایرانی محلات و محلسرا کی زمین ایسی مخدوش ہے کہ لوگ قدم پھسلتے ہی مُنہ کے بل گرتے ہیں مگر مجھے یقین ہے کہ آپکی بیٹی کے ساتھ بہت عمدہ سلوک ہوگا اور کمبوجیہ (Cambyses مندر) اس کو نہایت عزت و وقار و الفت کے ساتھ رکھے گا۔ شاہزادی **تاشو** (Tachot مندر) بھی کچھ حسن میں کم نہیں مگر **نیتیتس** (Nitetis مندر) کی طرح اس میں وہ شاہانہ انداز نہیں جو ملکہ ایران کا خاصہ ہونا چاہیئے۔ تعجب ہے کہ نبچاری نے صرف آپ کی لڑکی **تاشو** (Tachot مندر) ہی کا ذکر کیا تھا"۔

---

[1] مندروں کے پھاٹک۔

اماسس (Amasis) معلوم نہیں شاید بھول گیا ہوگا۔ بہرحال میں نے تو **نیتیتس** (Nitetis) ہی کو بھیجنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ کیونکہ **تاشو** (Tachot) اس قدر نازک دکمزور ہے کہ سفر کی تکالیف اور اپنے والدین کی جدائی کا غم اُس سے برداشت نہ ہوسکے گا۔ اگر آپ میرے دل سے پوچھیں تو میں دونوں میں سے ایک کی بھی مفارقت کا روادار نہیں۔ اور ہرگز ایران نہ بھیجتا مگر مجبوری ہے۔ آجکل مصر کو صلح اور امن و امان کی سخت ضرورت ہے اور اُس کی بھلائی کا خیال الفت پدری پر غالب آتا ہے۔

پانچواں باب

دعوت شاہی

ایرانی امرا دریائے نیل پر اہرام تک سیر وسفر کرنے کے بعد سئیز (Sais) واپس آگئے مگر پریکز سفس (Prexaspes) کمبوجیہ کا سفیر سیدھا اپنے ملک کو روانہ ہوگیا تاکہ جلد سے جلد اپنی کارگزاری وکامیابی کی خوشخبری بادشاہ کے کانوں تک پہنچادے۔ ایرانی مہمان معہ اپنے خدم وحشم کے جنکی تعداد تین سو سے کم نہ ہوگی محل شاہی کے ایک خاص حصہ میں مقیم تھے جہاں انکی آسائش اور آرام کا انتظام بطریق احسن کیا گیا تھا۔ یہاں آج عجیب رونق نظر آتی تھی اور محل کے عالی شان و وسیع صحن میں بھی بڑی دھوم دھام و چہل پہل مچی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے عمائدین سلطنت افسران فوج، باڈی گارڈ، پجاری وغلام وغیرہ اپنے اپنے زرق برق لباسوں میں ہر طرف مشغول ومصروف اِدہر اُدہر پھر رہے تھے۔ وجہ یہ کہ دختر فرعون کی نسبت کی خوشی میں ایک بہت بڑا جشن و دعوت منعقد ہونے والی تھی اور

فرعون کی خواہش تھی کہ اس موقع پر اُسکے دربار کی شان وشوکت وکروفر کے اظہار میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے۔

دربار کا وہ عالی شان کمرہ جس کا رُخ باغ کی طرف تھا نہایت خوبی کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ اُسکی نیلگوں چھت ورنگین ستون مختلف تصاویر سے مزین تھے اور اُسکے در و دیوار بھی حروف پیکانی یا خطوط نگارین سے آراستہ پیراستہ بڑے خوشنما معلوم ہوتے تھے۔ اُن پر پیپرس (Papyrus) کے رنگ برنگ فانوس جگہ جگہ لٹکے ہوئے عجب بہار دے رہے تھے انکی روشنی ایسی صاف وشفاف تھی کہ گویا دن نکلا ہوا ہے۔ اور سورج کی شعاعیں رنگین شیشوں سے چھن چھن کر آرہی ہیں۔

دیواروں اور ستونوں کے درمیان مختلف قسم کے پودے مثلاً گلاب، انار، نارنج و تاڑ وغیرہ بڑے سلیقے کے ساتھ گملوں میں لگا کر رکھے تھے جن کی آڑ میں نظروں سے پوشیدہ مشہور و معروف مغنیوں کے طائفے تھے جو اپنے بربط و چنگ کی سریلی آوازوں سے مہمانوں کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ کمرے کے وسط میں شطرنجی فرش پر خوبصورت میزیں بچھی ہوئی تھیں جن پر انواع واقسام کی اشیائے اکل[۱] و شرب چنی ہوئی تھیں۔ کسی پر گوشت تھا کسی پر فواکہات و کیک وغیرہ تھے۔ کسی پر بلورین یا طلائی جام شراب تھے یا شیشے کے گلدانوں میں خوشنما پھول و گلدستے سجے ہوئے تھے۔

[۱] کھانے کے وقت میز و کرسی کا استعمال عام تھا۔ ہاتھ سے کھاتے تھے مگر چھری و چمچہ سے بوقت ضرورت کام لیتے تھے۔ انگلیاں دھونے کے پیالے جیسے کہ آج کل انگریزی دعوتوں میں نظر آتے ہیں اس زمانہ میں بھی رائج تھے اور گلدانوں اور پھولوں سے میزوں کو خوب سجایا جاتا تھا۔ کھانے انواع و اقسام کے ہوتے تھے۔ ایک قدیم کتبہ میں دس قسم کے گوشت، پانچ قسم کے مرغ، سولہ قسم کی روٹیاں۔ دس قسم کی شراب اور گیارہ قسم کے پھل مذکور ہیں۔ مصری امرا، اجنبیوں، غیر مذہب والوں اور اپنے سے کمتر لوگوں کے ساتھ کھانے سے پرہیز کرتے تھے۔ (پروفیسر ولکنس)

ان میزوں کے ارد گرد بہت سے غلام اپنی بھڑکیلی پوشاکیں پہنے ہوئے پھر رہے تھے جن کا کام تھا کہ میر بکاول کا اشارہ پاتے ہی مہمانوں کے سامنے کھانے پینے کی چیزیں پیش کریں۔

اس محفل میں ہر عمر کے مرد و زن نظر آتے ہیں اور ہر دو جنس کے لوگ آزادانہ طور سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے و بات چیت کرتے ہیں۔ عورتوں کے داخل ہوتے ہی نوعمر بچاری و مصاحبان شاہی آگے بڑھ کر خوشنما گلدستے نذر کرتے ہیں یا کوئی نوجوان امیر پھولوں[۱] کو ہاتھ میں لئے اپنی منظور نظر کے سامنے جاتا ہے اور ناک کے قریب لاکر کچھ دیر تک اس کو سنگھا کر پھر پیش کرتا ہے۔ مصریوں کا لباس[۲] وہی تھا جیسا کہ

[۱] اہل مصر پھولوں کے حد درجہ شائق تھے۔ تہوار و جشن وغیرہ میں ہر شخص ہار پھول پہنتا تھا۔ محفل کے کمرے بھی پھولوں سے سجائے جاتے تھے۔ انکے ستونوں کو بھی پھولوں سے آراستہ کرتے۔ مہمانوں کو کنول کے ہار و گجرے دیئے جاتے اور خوشنما گلدستے بھی انہیں پیش کئے جاتے۔ عورتوں کے بالوں میں ایک پھول کھسا رہتا جو پیشانی پر ایک خاص ادا کے ساتھ پڑا رہتا اور سر پر خوشبو دار روغن کی ایک ٹکیا اس طرح لگی رہتی کہ جب وہ پگھلتی تو پھولوں کی خوشبو کو تازہ کرتی رہتی تھی۔

(پروفیسر ونگل)

[۲] مختلف زمانے میں مختلف فیشن تھے۔ عموماً مرد سر مونڈواتے یا بہت چھوٹے بال رکھ کر مصنوعی بالوں کی ٹوپی پہن لیتے۔ عورتیں لمبے بال رکھتیں یا انہیں کترواکر جیسا آتنخامن کے عہد میں فیشن تھا وہ بھی ایک مصنوعی بال (وگ Whig) لگا لیتیں۔ اس زمانہ میں مرد و عورت دونوں سونے کی بھاری بھاری بالیاں بھی اپنے کانوں میں پہنتے تھے۔ معززین (مرد) کا عام لباس ایک خوشنما و نفیس کپڑے کی تہبند یا گھنگریا تھی جو گھٹنوں تک رہتی تھی۔ جسم کے اوپر کا حصہ برہنا یا باریک کپڑے سے ڈھکا رہتا۔ سر پر "وگ" (مصنوعی بال) ہوتے جو شانوں پر پڑی رہتی تھی۔ پیچھے پیچھے ایک خادم ہوتا جو جوتے اور پانی کی بوتل ہاتھوں میں لئے رہتا تھا۔ معزز عورتوں کی پوشاک بھی بڑی

ایرانی سفارت کی آمد کے وقت مذکور ہوا ہے۔ وہ اپنی عورتوں سے بڑی عزت و تپاک سے ملتے تھے۔ یہ عورتیں بڑی حسین و جمیل تھیں۔ آنکی آہو چشم، بادامی آنکھیں جنکی پلکوں پر ایک خاص قسم کا کاجل جسے مستیم (mestem) کہتے تھے لگا تھا۔ بڑی رسیلی و دلکش تھیں۔ انکے سر کے بال ایک خاص انداز و طرز کے ساتھ سنوارے گئے تھے یعنی زیادہ تر حصہ گھونگروالا تھا اور چھلے بنے ہوئے پس پشت پڑا ہوا تھا۔ اور سامنے دو دو یہ کا کلیں کنپٹی و رخساروں سے ہوتی ہوئی شفاف نیم برہنہ سینوں پر ناگنوں کی طرح لوٹ رہی تھیں۔ سر کے چاروں طرف ایک چوڑا کارچوبی فیتہ بالوں کو باندھے تھا۔ اور مانگ پر ایک کنول کا پھول جسکی ڈنڈی گردن کے پیچھے لٹک رہی تھی گھسا ہوا تھا۔ ان خواتین کے ہاتھوں میں رنگ برنگ پردوں کی پنکھیاں تھیں۔ انکے ناخنوں میں مہندی لگی ہوئی تھی۔ انگلیوں میں چھلے اور انگوٹھیاں تھیں۔ نازک نازک کلائیوں، بازؤں اور پیروں میں سونے کے زیورات، چوڑیاں، بازوبند، کڑے و چھڑے پہنے تھیں۔ ان کا لباس بھی نہایت بیش بہا و خوشنما تھا۔ اور اس قدر باریک و شفاف تھا کہ بدن کی جھلک صاف نظر آتی تھی اور بالائی حصہ خصوصاً داہنی چھاتی بالکل برہنہ تھی۔

مردوں میں ایرانی شاہزادہ یزدبہ سب سے زیادہ وجیہ و ممتاز تھا اور عورتوں میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دلکش اور سحر کیبلی تھی وہ بھی کبھی گھنگریالا اور نقش و نگار سے آراستہ ایک "گون" زیب تن کرتی تھیں۔ سر پر ایک "وگ" (مصنوعی بال) لگاتیں جو پیشانی پر نقرئی و طلائی فیتوں سے بندھی رہتی تھی۔ پیروں میں خوشنما جوتیاں، کانوں میں بالیاں، پیروں میں کڑے، ہاتھوں میں چوڑیاں، گلے میں مرصع طوق اور ہار پہنے جاتے تھے۔ بعض اوقات ایک نہایت چست "اسکرٹ" یا "سایہ" زیب تن ہوتا جو مونڈھوں سے لیکر اتنا نیچا ہوتا تھا کہ پیروں کا ایک چوتھائی حصہ کھلا رہتا۔ یہ گون نیچے بہت تنگ ہونے کی وجہ سے تیز چلنے میں حارج ہوتے۔ دونوں ہاتھ باہنیں اور سینہ کا درمیانی حصہ یا پورا سینہ بالکل کھلا ہوا رہتا تھا۔ (وگل)

فرعون کی بڑی چہرہ لڑکی نیتیتس[۱] (Nitetis) کے سوائے اور کسی پر نظر نہ پڑتی تھی شہزادی
ایک بہت باریک گلابی رنگ کا لباس پہنے تھی اُسکے سیاہ بالوں میں گلاب کے پھول گُھنسے
تھے اور اُس کا خوبصورت چہرہ بھی جس کا رنگ بہت کھلتا ہوا گندمی تھا ایک گلاب کی
پنکھڑی کی طرح تر و تازہ و دلکش نظر آتا تھا۔ اُسکے بازو میں اُس کی بہن کھڑی تھی جو اُسی کی طرح
ایک خوشنما لباس زیب تن کئے تھی اور اپنے حسن دلربائی میں کچھ کم نہ تھی۔ ان دونوں
شہزادیوں کی ماں یعنی ملکہ لیڈیس (Ladice) ایک یونانی النسل خاتون ہے۔
اسوقت وہ اپنے شوہر کے ہمراہ مہمانوں کی خاطر تواضع میں نہایت سرگرم نظر آتی ہے اُسکا
لباس ارغوانی ہے جو نہایت قیمتی زردوزی کام سے بسا ہوا ہے اور اوپر سے ایک ہلکی ہی
باریک جالی کی ردا پڑی ہے۔ اس کے سر پر مصری رانیوں کا ایک شاندار تاج ہے جسکی
خاص نشانی یہ ہے کہ سامنے سانپ کا ایک طلائی پھن اُٹھا ہوا نظر آتا ہے۔ ملکہ کے چہرے
سے نہایت شرافت و فیاضی ٹپکتی ہے اور اُس کے حرکات و سکنات میں وہ انداز و شان
ہے جو صرف یونانی طبقہ اعلیٰ کی تربیت یافتہ خواتین میں پائی جاتی ہے۔ اماسس
(Amasis) نے اپنی مصری بیوی کے مرنیکے بعد جو شاہزادہ ساماطیق
(Psamtik) کی ماں تھی۔ باوجود پروہتوں کی حد درجہ مخالفت کے اُس سے
شادی کرلی تھی اور اپنی یونانی رجحان طبع کے سامنے اُنکے تعصبات کی کچھ پرواہ نہ کی تھی۔
ملکہ کے قریب ہی دونوں لڑکیاں تاشو (Tachot) نیتیس (Nitetis)
کھڑی تھیں۔ لوگ انکو توام بہنیں کہتے تھے مگر دونوں کی شکلوں کو جو ایک دوسرے
اس قدر مختلف تھیں۔ دیکھنے کے بعد اس کا مشکل سے یقین ہوسکتا تھا۔ تاشو نازک
اندام و پستہ قد تھی۔ اس کا رنگ سُرخ و سفید تھا اور آنکھیں نیلگوں تھیں مگر نیتیتس بالابلند

[۱] مصری عورتوں کے نام بھی عجیب پیارے ہوتے تھے۔ مثلاً "محبت کی آنکھیں" "نسیم بارد" "سونیکی طرح چمکیلی" "لاجورد" "دلپسند" "محبوبہ دلنواز" (دیگل)

تھی اسکا جسم گداز تھا اُسکی آنکھیں دنبال سیاہ تھے اُس کی ہر انداز و ادا سے شاہانہ
وقار و خودداری ٹپکتی تھی۔
ملکہ (تیتس) کے رخساروں کا بوسہ لیکر "پیاری بیٹی! تیرا چہرہ کیوں اسقدر کملایا ہوا و زرد ہو؟
تو تو بڑی خوش قسمت و بھاگوان ہے۔ اپنا دل شاد رکھ اور آیندہ زندگی کے خیال سے ملول و افسردہ
خاطر نہ ہو۔ چل! میں تجھے تیری عالی شان منگیتر کے معزز بھائی سے ملاؤں" لڑکی نے
اپنی سیاہ و لانبی لانبی پلکیں اٹھا کر نوجوان بروبیہ کی طرف بڑے غور سے دیکھا اور جب
شہزادہ نے نہایت ادب کے ساتھ جھک کر اُسکے دامن کو بوسہ دیا تو اسکی آنکھیں نیچی ہو گئیں
اور شرم و حجاب کی سرخی رخساروں پر دوڑ گئی۔ بروبیہ "میری محترم ملکہ! میری عزیز بہن! میں
آپ کے خیالات کا اچھی طرح اندازہ کرسکتا ہوں کہ اپنے وطن، اپنے والدین اور عزیز
واقارب کی جدائی کا آپ کو ضرور صدمہ ہے مگر عنقریب وہ مسرت و خوشی سے بدل جائیگا
کیونکہ میرے برادر مکرم۔ آپ کے منگیتر شجاعان عالم و شاہان دہر کے سرتاج ہیں اور
ہماری والدہ محترمہ ملکہ کسندانہ (Cassandana) بھی تمام تر مجسم نیکی۔ خوش اخلاقی
و خوشخوئی کا مجموعہ ہیں اور مہر تاباں کے زندگی بخش شعاعوں کی طرح اُنکا احسان و کرم
بھی ایسا عام ہے کہ لوگ ہر طرف بہرہ ور و مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ (تاشو سے مخاطب
ہو کر) میں آپ سے بھی بہت معافی کا خواستگار ہوں اس لئے کہ آپ کو اپنی عزیز بہن
سے چھڑانے آیا ہوں یا اگر آپ کو نرگس سے تشبیہ دوں تو گویا گلاب کو نرگس سے جدا
کرنے کی جرات کر رہا ہوں" یہ کہہ کر نوجوان بروبیہ نے آنکھوں میں آنکھیں ملا کر ایک
لحظہ کے لئے تاشو کی طرف اس طرح سے دیکھا کہ وہ کسی قدر سٹپٹا سی گئی اور شکر گذاری
کی ادا سے اپنا سر جھکا کر ہاتھ سینہ پر رکھ لیا اور کچھ دیر باتیں کر کے خاموش ہو گئی۔ اتنے
میں اماسس بروبیہ کا بازو پکڑ کر محفل رقص و سرود کی طرف لے لیا گیا۔ مگر تاشو
بڑی دیر تک ٹکٹکی باندھے اُسی کی طرف دیکھتی رہی۔ اب مہمانوں کے سامنے خوشنما و

پری جمال ناچنے گانے والیاں پر اجائے ناچ و رنگ کیلئے حاضر ہوتی ہیں انکا جسم اوپر سے

سلے اہل مصر بڑے رند مزاج تھے اور رقص و سرود کے بے انتہا شایق تھے۔ موسیقی کی تعلیم نہ صرف پیشہ ور بلکہ شرفا بھی باضابطہ طریقہ سے حاصل کرتے تھے۔ کوئی ایسا تہوار یا مذہبی، قومی و پرائیویٹ محفل نہ تھی جس میں ستار، بانسری، بربط و چنگ وغیرہ موجود نہ ہوں۔ شریف عورتوں کے لئے بھی اپنے گھروں میں خاص خاص دوستوں کے سامنے ناچنا، گانا، یا ستار بجانا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا خصوصاً مذہبی تہواروں میں مرد و عورت دونوں آواز ملا کر گاتے تھے اور بعض دیوتاؤں یا دیویوں کی پرستش کے وقت بھی ناچ ہوتا تھا۔ مثلاً ہاتھر و بست دیویاں انمیں اول الذکر عیش و طرب حسن و عشق کی دیوی تھی۔ اور آخر الذکر کے متعلق ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ اسکی سالانہ تہوار میں کس قدر بدمستی، شراب نوشی و ناچ و رنگ ہوتا تھا۔ سڑکوں پر جب فوجی سپاہی مارچ کرتے تھے تو ترم ڈھول بجاتے ہوئے نکلتے تھے۔ اور برات وغیرہ کے موقعوں پر بھی ہمیشہ جلوس کے آگے آگے ایک بینڈ ہوتا تھا معمولی دعوتوں میں بھی ناچ گانے کا انتظام تھا اور بڑی محفلوں میں اس سے زیادہ تفریح و دل بہلانے کے سامان مہیا کئے جاتے تھے۔ کہیں مغنیوں کا ایک طائفہ آلات موسیقی لئے نہایت عمدہ سروں میں بجا رہا ہے۔ کہیں چنگ و رباب کے چوٹ پر باہم آواز ملا کر کوئی غزل گائی جا رہی ہے۔ کہیں عورتیں (پیشہ ور) نے و ستار بجا رہی ہیں۔ کہیں مرد باجے بجاتے ہیں اور عورتیں تالیاں بجا کر گا رہی ہیں۔ شراب کے دور چل رہے ہیں۔ ناچ شروع ہوتا ہے جس میں بعض اوقات معزز مہمان بھی شامل ہو جاتے ہیں مگر عموماً یہ صرف تماشہ دیکھتے ہیں۔ اور ناچنے والیاں جو پیشہ ور ہوتی ہیں عموماً برہنہ سامنے آتی ہیں یا ایک نہایت باریک کپڑا جس سے جسم بخوبی نظر آتا ہے سامنے ڈال لیتی ہیں۔ انکے ہاتھوں میں دف چنگ وغیرہ ہیں جنہیں بجا کر یہ ناچتی ہیں۔ کبھی اس رقص سے کسی خاص سین یا جذبہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً ایک تصویر میں دو رقاصہ جھکی ہوئی نظر آتی ہیں۔ تیسری اُنکے پیچھے کھڑی ہے گویا تند و تیز ہوا نے کسی درخت کی نازک شاخوں کو جھکا دیا ہے جنہیں ایک چٹان ٹوٹنے سے بچا رہی ہے۔ بعض اوقات ناچنے والیاں ایک دوسرے کو پکڑ کر زور سے گھومتی ہیں اور قلابازی کھاتی ہوئی زمین پر گر پڑتی ہیں۔ پھر طرح طرح کے کرتب دکھاتی ہیں۔

بالکل برہنہ ہے اور زیر کمر باریک کپڑے کی ایک قسم کی پشواز یا گھنگر یا صرف گھٹنوں تک کی ہے۔
ان میں سے بعض چنگ رباب و دف بجا رہی ہیں اور باقی ماندہ اسی کے تال و سر پر ناچتی ہیں
اور عجب انداز کے ساتھ اپنے ہاتھ پیر و کمر کو جنبش دیکر مٹکتی و تھرکتی ہیں جس سے اُنکے جسم کی
خوبی و اعضا کی پھرتی پوری طور سے نمایاں اور بڑی دلپذیر و دلکش معلوم ہوتی ہے۔ اسکے بعد
خوش گلو مغنیوں کی باری آئی اور انہوں نے بھی اپنے کمال دکھا کر حاضرین کو بہت خوش کیا۔
بعدہ درباری بھانڈوں نے لوگوں پر طرح طرح کی پھبتیاں کسنا شروع کیں اور ہر طرف سے
قہقہوں و چہچہوں کی آوازیں آنے لگیں۔

اب رات زیادہ ہو گئی تھی اور درباری جو شراب کے نشہ[۱] میں مخمور اپنی طبیعتوں پر بیقابو
ہو چلے تھے۔ یکے بعد دیگرے رخصت ہونے لگے اور خواتین بھی اپنے اپنے مقاموں سے
اٹھ کر غلاموں کے جلو میں جنکے ہاتھوں میں شمعیں تھیں۔ باہر نکلیں اور رنگ برنگی خوشنما
پالکیوں یا تامجاموں میں بیٹھکر گھر کو روانہ ہوئیں۔ اب صرف بعض اعلیٰ افسران فوج، ایرانی
نمایندے چند عمائدین یا بادشاہ کے مقرب خاص باقی رہ گئے جنہیں میر ساماں ایک
نہایت عالی شان و آراستہ کمرے میں لے جاتا ہے۔ یہاں یونانی فیشن کی ایک میز پر
انواع و اقسام کے طعام چنے ہوئے ہیں اور ایک بڑا بھاری جام شراب رکھا ہے جس میں
متعدد شرابیں مخلوط کرکے پی جاتی ہیں۔ اماسس میز کے سرے پر ایک اونچی سی آرام
کرسی پر بیٹھا ہے۔ اُس کی داہنی طرف **کریسس** اور بائیں جانب پرویہ ہے علاوہ
بریں اور بھی معززین موجود ہیں جن میں **ارسطو میقس** سے ہم پہلے ہی سے واقف ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ٹانگیں اوپر کرکے بلا ہاتھ ٹیکے سر کے بل کھڑی ہو جاتی ہیں جسے حاضرین بہت
پسند کرتے ہیں۔ اور ہنسی و قہقہہ کی آوازیں کمرے میں گونجنے لگتی ہیں۔ (پروفیسر وگل)

[۱] شراب خواری میں مصری سب پر سبقت لیگئے تھے۔ عورت مرد دونوں اسکے عادی تھے اور اکثر
بیہوشی کی حالت میں محفل سے اٹھا کر انہیں گھر لیجاتے تھے۔ (وگل)

اور تھیوڈورس و ابی کوس رفیقان پولیکارٹس سے بھی روڈوفس کے یہاں مل چکے ہیں۔

اماسس جو ابھی کچھ عرصہ نہیں گذرا کہ **کری سس** سے ایسی سنجیدہ گفتگو میں مشغول تھا اب بالکل ہی بدل گیا اور ہر ایک سے اس طرح ہنسی مذاق اور بے تکلفانہ گفتگو کر رہا ہے کہ گویا اپنا مرتبہ و وقار سب بھول گیا ہے اور جوانی کی زندہ دلی پھر عود کر آئی ہے۔ ہر شخص پر طرح طرح کے جملے کستا ہے۔ انہیں تنگ کرتا چڑاتا اور پھبتیاں کستا ہے جس پر چاروں طرف سے زور زور سے قہقہے اُڑ رہے ہیں۔ جام پر جام خالی ہو رہے ہیں اور لطف وانبساط اپنی حد کو پہنچ گیا ہے کہ یکا یک **میر سامان** سامنے آکر ایک چھوٹی سی طلائی **ممی**[۱] حاضرین کو دکھاتا ہے اور بآواز بلند کہتا ہے "کھاؤ، پیو اور خوب عیش کرو۔ مگر ایک نہ ایک دن اسی طرح ہو جاؤ گے۔" اس پر بربیہ نے کسی قدر مکدر ہو کر فرعون سے پوچھا :۔

"کیا آپ کے یہاں یہی قاعدہ ہے کہ خوشی کے وقت موت کو یاد دلایا جائے۔ یا آپ کے میر ساماں کو اس وقت یہی ایک بھدا مذاق سوجھا؟"

اماسس۔ نہیں یہ مذاق نہیں بلکہ ہمارے ملک کی ایک خاص رسم ہے کہ ایسے موقعوں پر **ممی** (نعش حنوط شدہ) کی شکل پیش کی جاتی ہے تاکہ بدمستوں کا جوش وخروش اور افزوں ہو۔ اور وہ یہ دیکھ کر کہ موت سر پر کھڑی ہے۔ خوب جی بھر کے مزے اُڑالیں۔ (مسکرا کر) تمہارا کیا! تم ایک طرحدار گبرو جوان ہو۔ ابھی بہت لطف وعیش اُٹھاؤ گے۔ مگر ہم بوڑھوں سے پوچھو۔ کیوں نا! **کری سس**؟ ہمارے تمہارے دن اب قریب آگئے لبِ گور ہیں۔ ایک ایک لمحہ غنیمت ہے۔ جہاں تک ہوسکے رہی سہی زندگی کے مزے کیوں ہاتھ سے جانے دیں۔ (آبدار سے) ہاں ساقی! ذرا جام اچھی طرح بھر دے۔ خبردار

---

[۱] اسکندریہ کے یونانی باشندوں نے بھی اسی کی تقلید کی بلکہ اس پر اضافہ کیا یعنی موت کی اُنکی مجالس میں ایک پر دار شکل بنا کر مہمانوں کے سامنے پیش کی جاتی تھی۔ (ایبر)

خالی نہ ہونے پائیں۔ وقت بیکار نہ جائے اور یہ لطف و سرور دنیا و مافیہا سے بیخبر کردے۔
(بروبیہ سے) سنہرے بالوں والے ایرانی! میں سچ کہتا ہوں کہ بادہ نوشی میں تو تونے ہم سب کو مات کردیا۔ دیوتاؤں نے جیسی دلکش تیری آنکھیں بنائی ہیں اُس سے بھی عجیب تجھے ایک گلوئے مئے آشام بخشا ہے۔ لا میں اُس کا ایک بوسہ تو لیلوں۔
(کریسس سے ہنس کر) بھائی کریسس! کہو تمہارا خیال ہے۔ یہ اسی لڑکے کی شرارت ہے نا! کہ جب سے میری بیٹی تاشو نے اسے دیکھا ہے رات دن اسی کا ذکر کرتی اور دم بھرتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی دیدہ بازی! اور شوخ و بیباک باتوں سے اُس غریب کے دل کو مفتوں کرکے اپنا والہ و شیدا بنالیا ہے۔ ہاہاہا! اس میں شرمانے و جھینپنے کی کیا بات تم جیسا خوش رو و شریف نوجوان اگر میری لڑکی سے ہنسی مذاق کرے تو کیا مضائقہ ہے مگر یاد رکھو کہ اگر تمہارے والد کوردش ([illegible]) ابھی یہاں موجود ہوتے اور بضد اصرار کرتے تو بھی میں اپنی پیاری تاشو کو ایران ہرگز نہ جانے دیتا۔"
بادشاہ ابھی یہ بات پوری نہ کرنے پایا تھا کہ شہزادہ سامطیق نے اُسکے کان میں کہا "قبلہ و کعبہ! ذرا اپنی زبان کا خیال رکھیے۔ شاید آپ فینس کو بھول گئے۔"
یہ سُننا تھا کہ فرعون کا رنگ فوراً متغیر ہوگیا۔ مسرت و خوشی غائب ہوگئی اور بڑے غصہ سے اپنے لڑکے کی طرف گھورکر خاموش ہوگیا اور بعدہٗ اُس گفتگو میں جو عام ہوچلی تھی بہت کم حصہ لیا۔ ارسٹومیقس جو کریسس کے سامنے بیٹھا تھا ایرانیوں کو چپ چاپ بغور دیکھ رہا تھا۔ نہ اُسکی زبان سے ابھی تک کوئی لفظ نکلا تھا نہ اس کی ہنسی مذاق سے اُسکے چہرہ پر ذرا بھی مسکراہٹ آئی تھی۔ جب فرعون خاموش ہوگیا تو اُس نے کروسس کی طرف یکایک مخاطب ہوکر یہ سوال کیا۔
"لیدیہ ([illegible]) کے باشندے! مہربانی کرکے آپ یہ بتاسکتے ہیں کہ جب ایران سے آپ لوگ چلے تھے تو پہاڑیوں پر برف تھا کہ نہیں؟"

کروسس کو اس عجیب سوال سے نہایت تعجب ہوا۔ اُس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"چار مہینے ہوئے جب ہم اپنے ملک سے روانہ ہوئے تھے اُس وقت ایرانی پہاڑیاں سبزہ سے لدی ہوئی تھیں۔ مگر کمبوجیہ کی مملکت میں ایسے بہت سے پہاڑ ہیں جن کی چوٹیاں گرم سے گرم موسم میں بھی برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ ہمیں اپنے اثنائے سفر میں وہ دور سے چمکتی نظر آتی تھیں۔"

یہ سُنتے ہی اسپارٹی کا چہرہ بحال و بشاش ہو گیا۔ کریسس کو اُسکی سنجیدہ صورت پسند آگئی تھی۔ اسلئے اُس نے سلسلہ گفتگو جاری رکھنے کے لئے پہلے اس کا نام پوچھا۔

ارسٹومیقس۔ "میرا نام ارسٹومیقس ہے۔"

کریسس۔ "میں اس نام سے کسی قدر آشنا معلوم ہوتا ہوں۔"

ارسٹومیقس۔ "اکثر یونانیوں کا یہ نام ہوا کرتا ہے۔ ممکن ہے آپ کی واقفیت کسی دوسرے شخص سے ہو۔"

کریسس۔ "آپ کے لب و لہجہ کو سُنکر مجھے گمان ہوتا ہے۔ کیا آپ اسپارٹا کے باشندے ہیں؟"

ارسٹومیقس۔ "ہاں کسی زمانہ میں تھا۔"

کریسس۔ "اور اب کیا نہیں ہیں؟"

ارسٹومیقس۔ "جو شخص اپنے ملک کو بلا اجازت چھوڑ دیتا ہے وہ خارج از قوم و واجب القتل سمجھا جاتا ہے۔"

کریسس۔ "تو کیا آپ نے اپنی خوشی سے وطن چھوڑا تھا؟"

ارسٹومیقس۔ "جی ہاں۔"

کریسس۔ "کیوں۔"

ارسٹومیقس۔ "ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے۔"

کری سس "کیا کوئی ایسا فعل آپ سے سرزد ہوا تھا"

ارسٹومیقس۔ "کوئی بھی نہیں"

کری سس "تو آپ پر کیا بیگناہ الزام لگایا گیا؟"

ارسٹومیقس۔ "جی ہاں"

کری سس "اور وہ کون شخص تھا جو آپکی بدنصیبی و بدبختی کا باعث ہوا ہے؟"

ارسٹومیقس "آپ"

یہ سُنتے ہی **کری سس** اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ اُس نے اسپارٹی کو متین و سنجیدہ پاکر تمسخر و مذاق کا خیال اپنے دل سے دور کر دیا اور تیوری چڑھا کر غصہ سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ جس سے دوسرے لوگ جوان دونوں کے قریب بیٹھے یہ گفتگو سُن رہے تھے کسی قدر خائف ہوئے اور ارسٹومیقس سے ملتجی ہوئے کہ اپنے اس عجیب الزام کو ذرا صراحت کے ساتھ بیان کرے۔ مگر ارسپارٹی پس وپیش کر رہا تھا اور اُسکے انداز سے ظاہر تھا کہ اب کچھ زیادہ کہنا نہیں چاہتا لیکن جب بادشاہ نے مصر ہو کر پوچھا تو مجبوراً اس نے اس طرح واقعہ بیان کیا:۔

کری سس! آپ کو یاد ہوگا کہ جب ایرانیوں نے آپ کے ملک پر چڑھائی کی تھی تو آریکل (Oracle) کی ہدایت پر عمل کرکے آپ میرے وطن والوں سے امداد کے طالب ہوئے تھے اور اس لئے آپ نے ہمیں اپالو (Apollo) کے مندر کیلئے بہت کچھ زر و جواہر بھی نذر کیا تھا جس کے عوض میں افور (Ephors) نے آپکی خدمت میں پیتل کا ایک نہایت خوبصورت پیالہ تحفتہً بھیجنا چاہا اور اُسے لیجانے کی خدمت میرے سپرد کی۔ مگر سار دیس (Sardis) پہنچنے سے پہلے ایسا سخت طوفان آیا کہ جس جہاز پر ہم سفر کر رہے تھے تباہ ہوگیا اور ساتھ ہی وہ پیالہ بھی ڈوب گیا۔ ہم لوگ بمشکل اپنی جان بچا کر ساموس (Samos) پہنچ سکے اور آخرکار جب اپنے وطن واپس آئے تو میرے

دشمنوں نے یہ الزام لگایا کہ بیاسے اور جہاز دونوں کو میں نے اپنی ذاتی منفعت کے لئے تاجروں کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے۔ مگر اس کا ثبوت انکے پاس کچھ نہ تھا۔ تاہم مجھے ذلیل کرنا منظور تھا اسلئے حکم دیا کہ دو دن دو رات مجھے (Pillory) پلوری[1] میں جکڑ رکھا جائے۔ رات ہوتے ہی ان کمبختوں نے میرے پیر اس سے جکڑ دیئے۔ میں دل ہی دل میں پیچ وتاب کھا کر شرم و خجالت کے مارے رات بھر نہ سو سکا۔ صبح ہوتے ہی میرا بھائی آیا اور چپکے سے ایک تلوار دے گیا تاکہ اس سے اپنے تئیں ہلاک کر کے اس ذلت سے نجات حاصل کروں لیکن چونکہ مجھے دشمنوں سے بدلہ لینا مقصود تھا اس لئے خودکشی سے باز رہا اور تلوار سے اپنے بندھے ہوئے پیر کو کاٹ کر رہائی پائی اور درختوں میں چھپ گیا اور جنگل میں رہنے لگا۔ بھائی خفیہ طور سے کھانا پانی لا دیتا تھا۔ دو ماہ بعد جب میں اچھا ہوگیا تو ایک لکڑی کا پیر لگا کر چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا اور ابھی اپنے دشمنوں کی فکر میں تھا کہ شکر ہے خود (Apollo) اپالو نے میری طرف سے بدلہ لے لیا اور وہ سب کے سب کسی وبا میں مبتلا ہو کر مر گئے۔ بعد ازاں میں نے ارادہ کیا کہ آپ کے پاس جا کر ایرانیوں سے لڑوں۔ مگر جب آپ کے ملک پہنچا تو معلوم ہوا کہ آپ کی حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا اور کوروش (Cyrus) یعنی اس خوبصورت لڑکے کے باپ نے چند ہی ہفتوں میں (Lydia) لیڈیہ کی طاقتور سلطنت کو تہ وبالا کر کے اسکے دولتمند بادشاہ کو گداگر بنا دیا تھا۔"

یہ واقعہ سنکر تمام لوگ بوڑھے اسپارٹی کی ہمت مردانہ پر عش عش کرنے لگے۔ کریس نے بڑے جوش کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا اور نوجوان بروبیہ کی زبان سے بھی یہ کلمہ آفریں نکلا "شاباش! بہادر اسپارٹی! میری دلی آرزو ہے کہ تمہیں اپنے (Susa) سوسا لے چلوں اور اپنے دوستوں سے ملاؤں کہ ایسا جری اور اپنی عزت وحرمت کا دھنی کوئی اور بھی انکی نظر سے گذرا ہے؟"

[1] یہ مجرموں کو سزا دینے کیلئے لکڑی کی ایک کل تھی جس میں انکے ہاتھ پیر جکڑ دیئے جاتے تھے۔

ارسٹومیقس (مُسکراکر) شاہزادے! یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ اسپارٹا کا بچہ بچہ میری ہی طرح عمل کرتا۔ ہمارے ملک میں دلیری و شجاعت ایک معمولی سی بات ہے۔ البتہ پیٹھ دکھانے اور بزدل بننے کے لئے بڑی ہمت و جرأت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس پر **دارا** جو شاہ ایران کا بھائی تھا بروبیہ سے مسکراکر یوں مخاطب ہوا "کیوں بروبیہ اگر تمہارے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا تو کیا کرتے؟" بروبیہ خاموش ہو گیا مگر اُسکے چہرہ سے صاف ظاہر تھا کہ وہ بھی موت کو ذلت پر ترجیح دیتا۔

پھر دارا نے دوسرے ایرانی سے یہی سوال کیا اور "(Zopyrus) **ظفریوس** تم کیا کرتے؟"

ظفریوس "میں۔ آپ کی محبت میں اگر حکم ہوتا تو اپنے جسم کا ایک ایک عضو کاٹکر نثار کرتا"

سامطیق۔ ان نوجوان بہادروں کی گفتگو خاموشی سے سُن رہا تھا مگر اس کے ہونٹوں پر ایک طنز آمیز مسکراہٹ تھی اتنے میں (Ibycus) **ابی کوس** نے اس (Circle) **آرکل** کا واقعہ بیان کیا جس نے پیشین گوئی کی تھی کہ جب لوگ ریفیلے پہاڑوں کے ملک سے آئیں گے تو **ارسٹومیقس** کے وطن کی واپسی کا زمانہ قریب آجائیگا۔ اسی ضمن میں اس نے **روڈوفس** کی محفل کا ذکر کیا۔ اس نام کے سُنتے ہی **سامطیق** کی بیچینی اور بھی بڑھ گئی۔

کریسس نے بھی (Aesop) **ایساپ** سے اس مشہور خاتون کا ذکر سُنا تھا اور اُسکی ملاقات کا آرزومند تھا۔ جب مہمان رخصت ہو گئے تو اُس نے اور شاعر نقاش اور اسپارٹی نے باہم ارادہ کرلیا کہ اگلے دن ضرور روڈوفس کے یہاں چلکر اُس کی صحبت کا لطف اُٹھائیں گے۔

※

باپ اور لڑکا

دعوت کے بعد اماسس (Amasis) کو مشکل سے تین گھنٹے اپنے آرام کیلئے مل سکے۔ مرغ سحری کے بانگ دیتے ہی نوعمر شہزادوں نے اسے میٹھی نیند سے جگا دیا۔ اور حمام وغیرہ سے فراغت حاصل کراکے لباس شاہانہ سے آراستہ کیا اور بعدہٗ پرستش گاہ کی طرف جو صحن محل میں واقع تھی لے گئے۔ یہاں اس نے عامہ خلائق کے سامنے بھینٹ و نذر چڑھائی۔ اور بڑے پروہتوں نے زور زور سے اپنے بھجن گاکر اسکی ثنا و صفت بیان کی۔ اور ہر قسم کی خطا و معصیت سے اسے معصوم گردانا۔ کیونکہ اگر ناوانستگی سے وہ کبھی مرتکب بھی ہوا ہے تو اس کا تمام گناہ وزیروں اور مشیروں کے سر پڑیگا۔ بعدہٗ انہوں نے اسے راہ نیک پر چلنے کی ہدایت کی۔ اور اپنی مذہبی کتابوں سے پرانے لوگوں کے کارنامے اور نصائح پڑھکر سنائے۔ پھر اس کو اس کمرے میں لے گئے جہاں کاتب و وزیر جمع تھے جنہوں نے معاملات سلطنت اسکے سامنے پیش کرنے شروع کئے۔ اور تمام ممالک محروسہ کے خطوط و اخبارات سنانے لگے۔ **اماسس** ان رسومات و تکلفات کا عادی ہوگیا تھا اور انکی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کرتا تھا۔ مگر فارغ ہوتے ہی جو جی چاہتا کرتا اور عمداً عیش و عشرت میں اپنا وقت گذار دیتا۔ اس لئے پروہت کبھی کبھی اسکو ملامت کرتے کہ یہ طرز زندگی مناسب حال و شایان شان نہیں جس پر ایک دن جھلاکر اپنی کمان ہاتھ میں لیکر اس نے بڑے پروہت سے یہ کہا تھا "میری اس کمان کو دیکھتے ہو۔ اگر اسے ہر وقت جھکا رکھوگے تو کمزور پڑ جائے گی۔ بہتر یہ کہ نصف دن آرام لینے دو اور

ڈھیلا چھوڑ دو۔ ورنہ تانت کے برابر کھنچے رہنے سے اس کا اصلی زور باقی نہ رہے گا اور جلد بیکار ہو جائے گی۔"

اماسس (Amasis) کے سامنے ایک حاکم ضلع[1] کا معروضہ پیش تھا کہ سیلاب کی وجہ سے بہت سے پشتے و بند[2] ٹوٹ گئے ہیں اور انکی تعمیر کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ وہ اس درخواست کو منظور کر کے اپنے فرمان پر دستخط کر ہی چکا تھا کہ ایک خادم نے حاضر ہو کر دست بستہ عرض کیا کہ "شاہزادہ سامطیق (Psamtik) باہر کھڑے باریابی کے منتظر ہیں۔ اسوقت بادشاہ اپنے ملک کی خوشحالی و سرسبزی کا حال سنکر ہنس ہنس کے سب سے باتیں کر رہا تھا اور خادم کی مداخلت سے بھی ناخوش نہ ہوا تھا۔ مگر جیوں ہی شہزادہ کا نام سنا فوراً بدل گیا۔ اُسکے چہرہ پر فکر و تردد کے آثار پیدا ہو گئے اور دیر تک خاموش رہنے کے بعد درباریوں کو رخصت کر کے خادم سے مخاطب ہوا۔ "شہزادہ سے کہدے کہ اُسے آنے کی اجازت ہے۔"

سامطیق (Psamtik) جس کے چہرے پر حسب معمول درشتی و زردی تھی آستانہ پر پہنچکر بہت جھک کر آداب بجا لایا۔ بادشاہ نے نگاہ اٹھا کر صرف ایک اشارہ سے جواب دیا اور چیں بجبیں ہو کر تیزی سے پوچھا۔

بادشاہ۔ "کہو تمہارا کیا کام ہے؟ میں اس وقت بہت عدیم الفرصت ہوں۔"

شاہزادہ۔ (جسکے ہونٹ کانپ رہے تھے) "اپنے لڑکے کے لئے بھی فرصت نہیں ہے

---

[1] مصری زبان میں صوبہ کو نوم کہتے تھے اور اُنکے حاکموں یا صوبہ داروں کا نام نومارچ تھا۔ ان کا بڑا کام زراعت کی نگرانی تھا۔ اراضی کی تقسیم اور لگان کی تحصیل وصول بھی یہی کرتے تھے۔ نہروں اور بندوں وغیرہ کا انتظام بھی انہیں کے سپرد تھا۔ (ایبر)

[2] فراعنہ مصر اپنے ملک کی آب رسانی کا جس پر اسکی خوشحالی کا تمام تر دارومدار تھا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور نہروں پشتوں اور بندوں وغیرہ کی مرمت میں نہایت سرگرمی سے کام لیتے تھے (ایبر)

کتنی بار میں اس ملاقات کے لئے عاجزی کر چکا ہوں۔ شکر ہے کہ آج آپ نے منظور کر کے مجھے بہت سرفراز فرمایا"

بادشاہ۔ "میں کوئی شکوہ و شکایات نہیں سننا چاہتا۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے آنیکا کیا مقصد ہے۔ تم شاید یہ چاہتے ہو کہ **نتیتیس** (Nitetis) کے متعلق مجھ سے مزید حالات دریافت کرو؟"

شاہزادہ "نہیں مجھے اپنا خیال نہیں بلکہ میں آپ کو یہ آگاہ کرنے آیا ہوں کہ ایک دوسرا شخص جو اس راز سے واقف ہے ابھی تک زندہ ہے"

بادشاہ۔ **فینیس** (Phanes) ؟"

شاہزادہ۔ "ہاں، سوائے اُسکے اور کون ہو سکتا ہے؟ وہ اپنے ملک سے جلاوطن ہے اور اب مصر سے بھی نکال دیا گیا ہے اور چند دنوں میں **نوکراتیس** (Naucratis) سے روانہ ہو جائیگا۔ اس لئے کیا عجب کہ ایران کا رُخ کرے اور وہاں پہنچکر ہمارا راز افشا کردے"

بادشاہ۔ "نہیں۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ میری شفقت اور احسانات کو اتنی جلدی بھول جائے"

شاہزادہ "شاید آپ کا خیال ہے کہ ہر شخص میں شکر گذاری کا مادہ موجود ہے"

بادشاہ "نہیں لیکن مجھے اپنی رائے پر پورا بھروسہ ہے۔ لوگوں کے پہچاننے میں آج تک میں نے کبھی غلطی نہیں کی۔ مجھے یقین ہے کہ **فینیس** ہرگز دغا نہ دیگا۔ میں تم سے مکرر نہایت زور کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ میرا سچا دوست و بہی خواہ ہے"

شاہزادہ۔ "آپ کا شاید ہو۔ مگر میرا تو جانی دشمن ہے"

بادشاہ۔ "تو تم بھی اُس سے ہوشیار رہو۔ مجھے فی نفسہ اس سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں"

شاہزادہ۔ "آپ کو نہ ہوگا۔ مگر ہمارے ملک کے لئے بڑا خطرہ ہے۔ ابا جان! آپ کو میری ذات سے خواہ نفرت ہو مگر پھر بھی بہ حیثیت ولیعہد ہونیکے میرا بھی کچھ حق ہے۔

دیوتا ہمیشہ آپ کو صحیح وسلامت رکھے۔ اگر آپ کی آنکھ بند ہوتے ہی میرے ہی سر تمام ذمہ داریاں پڑ جائیں گی۔ اگر آئیندہ مجھ پر کوئی آفت آئی تو نہ صرف ہمارے خاندان بلکہ تمام مصر کی بربادی کا باعث ہوگی۔" (اماسس کو فکرمند دیکھ کر) "آپ اگر غور فرمائیں گے تو ضرور میری رائے سے اتفاق کریں گے فینیس کو ہمارا سب حال معلوم ہے اگر وہ اس وقت ہاتھ سے نکل کر دشمنوں سے جا ملا تو غضب ہو جائیگا۔ اسکے سینہ میں ایک ایسا راز مخفی ہے جس کے ظاہر ہوتے ہی ہمارا بڑے سے بڑا دوست بھی جانی دشمن ہو جائیگا۔"

بادشاہ "تم غلطی پر ہو میں نے مانا کہ نیتیس (Nitetis) میری لڑکی نہیں۔ مگر اس کا باپ کوئی معمولی شخص نہ تھا وہ بھی اس ملک کا ایک زمانہ میں حکمراں تھا۔ علاوہ بریں مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے شوہر کا دل بہت جلد قابو میں کرے گی۔"

شاہزادہ۔ مجھے حیرت ہے آپ ایسا فرماتے ہیں۔ وہ آئیندہ ایک آسمانی دیوی ہی کیوں ثابت ہو تاہم میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس راز کے افشا ہوتے ہی کمبوجیہ کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہے گی۔ آپ کو معلوم ہے کہ ایرانیوں کی نگاہ میں دروغ گوئی سے بڑھکر کوئی گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ اور دہوکہ بازی دفریب وہی کو وہ اپنی حد درجہ کی توہین سمجھتے ہیں۔ نیز ہمارے خاندان کے لیے بھی کتنی بڑی ذلت وشرم کی بات ہے کہ اس قسم کا الزام لگایا جائے۔ اور شوہر پر قابو پانے کو جو آپ فرماتے ہیں تو شاید ایرانی محلسرا کا حال آپ کو معلوم نہیں کہ وہاں سینکڑوں حسین وچالاک عورتیں ہر وقت بادشاہ کو اپنے دام میں لانے کی فکر میں لگی رہتی ہیں۔ بھلا ایک ناسمجھ اور ناتجربہ کار لڑکی انکے مقابلہ میں کیا کر سکتی ہے۔"

اماسس۔ (طنز آمیز درشتی سے) سچ ہے کہ جوش نفرت وانتقام سے بھی بڑھکر لسانی وفصاحت بیانی کو اُبھارنے والا کوئی دوسرا جذبہ نہیں ہو سکتا۔ نادان لڑکے۔ تو بھی مجھے بیوقوف سمجھا ہے کہ اتنی بڑی بات پہلے سے بلا کچھ سوچے سمجھے کر بیٹھونگا فینیس کو اصلیت کی کیا خبر۔ اُسے صرف شبہ ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس کا جو جی چاہے آج ایرانیوں سے کہدے۔

صرف مجھے یا الیٹ لیس کو بحیثیت والدین ہونے کے پورا علم ہو سکتا ہے کہ نتیتس ہماری دختر ہے یا نہیں۔ ہم دونوں اُسے اپنی ہی لڑکی کہتے ہیں۔ پھر بھلا کس کی مجال ہے کہ انکار کرے؟ علاوہ بریں فینیس (Phenes) اگر ہماری ملکی کمزوریوں کو سوائے ایرانیوں کے کسی دوسرے دشمن سے کہہ بھی دے تو مجھے مطلق پرواہ نہیں اور نہ میں ان سے ڈرتا ہوں اور اب تم بھی کان کھول کر سن لو کہ اگر مجھے ایسے شخص کے خلاف بھڑکانا چاہتے ہو جس کا میں بہت ممنون احسان ہوں۔ اور جس نے دس برس تک نہایت وفاداری کے ساتھ بلا ایک دن بھی ناراض کئے میری خدمت کی ہے تو بجائے اس کو کوئی ضرر پہنچانے کی میں اس کی حمایت پر آمادہ ہونگا کیونکہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تمہاری خواہش انتقام ایک اور ہی ناپاک خیال پر مبنی ہے۔"

شاہزادہ۔ "میرا اور ناپاک خیال؟"

بادشاہ۔ "ہاں مجھے سب حال معلوم ہے۔ تم اس غریب یونانی کے اس لئے پیچھے پڑے ہو کہ رودوپس کی نواسی کے حسن پر فریفتہ ہو کر اسے بھگا لیجانا چاہتے تھے مگر اس نے تمہاری دال نہ گلنے دی۔ اور سپہ سالاری کے آرزومند تھے مگر تم کو نالائق دیکھ کر میں نے اسے اس عہدے پر مامور کر دیا۔ سچ بات سن کر تمہارے چہرے کا رنگ کیسا فق ہونے لگا۔ ہیں فینیس کا واقعی بہت ممنون ہوں کہ تمہارے ان تمام ہتھکنڈوں کی مجھے پہلے ہی سے خبر کر دی۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم میری طرف سے اپنے دل میں عناد و کینہ رکھتے ہو۔ اسی لئے میں نے غیر ملکیوں پر بھروسہ کرنا شروع کیا ہے اور ان کو اپنا سچا رفیق و بہی خواہ سمجھتا ہوں۔"

شاہزادہ۔ "وائے پدر بزرگوار! ہزار افسوس کہ آپ کی زبان سے اجنبیوں کی شان میں ایسے الفاظ نکلتے ہیں۔ آپ نے شاید ہمارے ملک[۱] کی پرانی عظمت و شان کو دل سے

[۱] مصر کی قدامت و عظمت و شان تاریخ عالم میں لاثانی ہے۔ وہاں تمدن اس زمانہ میں شروع ہوا جب تمام

بھلا دیا۔ مجھے چاہے کتنا ہی بُرا بھلا کہہ لیجئے کچھ ہرج نہیں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ دوسری قومیں وحشیانہ زندگی بسر کر رہی تھیں۔ سامطیق چونکہ اپنے آبا و اجداد کا زمانہ یاد دلا رہا ہے اسلئے ضروری ہے کہ مصر کی قدیم تاریخ پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے اور اُسکے مختلف خاندانوں کو سرسری طور سے بیان کیا جائے۔ اول یہ بتا دینا ضروری ہے کہ آخری خاندان سے لیکر اٹھارہویں خاندان تک زمانہ حکومت کے حساب میں ایک ہی دو سال کی شاید غلطی ہوگی مگر اس کے پہلے کے سن صرف اندازاً بیان کئے جا سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مصری تاجداروں کے متعدد نام ہوا کرتے تھے۔ ایک اصلی ہوتا تھا باقی لقب ہوتے تھے۔ شروع کے خاندان کے صرف لقب معلوم ہو سکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ چند خاندانوں کے ناموں اور تقدم و تاخر میں بھی بعض مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مذکورہ ذیل ترتیب میں مصری مورخ مینتھو (تیسری صدی ق م) کی تقلید کی گئی ہے۔ پروفیسر پیٹری اسے معتبر سمجھتے ہیں مگر پروفیسر بریسٹڈ اسکے خلاف ہیں۔ بہرحال سنہ ۱۵۸۰ ق م اور اُسکے مابعد کے واقعات میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

بادشاہان مصر قبل آغاز خانوادہ۔ ان کا حال بہت کم معلوم ہے۔ اس زمانہ میں شمال و جنوب مصر میں دو مختلف سلطنتیں تھیں جن کے صرف ۲۶، ۲۷ تاجداروں کے نام دریافت ہو سکے ہیں۔

(از ۴۴۰۰ ق م تا ۳۲۰۰ ق م)

(۱) **پہلا خاندان**۔ یہ جنوبی لوگ تھے جنہوں نے شمالیوں کو فتح کرکے مصر کو متحد کر لیا اور بجائے تھنس کے ممفس دارالخلافہ ہوا۔ انکے نام یہ ہیں:۔

اِپ۔ ترمینس۔ خنت۔ زا۔ سمتی۔ مربیہ۔ سمرخت۔ کا۔

(۲) **دوسرا خاندان**۔ (۳۲۰۰ تا ۲۹۸۰ ق م) یہ جنوبی خاندان تھا۔

نام = ہوتیپسخموئی۔ رنب۔ ننتر۔ رینات۔ پرینبن۔ سنید۔ نفرکر۔ نفرکسوکر۔ ہزیفنر۔

(۳) **تیسرا خاندان**۔ (۲۹۸۰ تا ۲۹۰۰ ق م) یہ بھی جنوب کے نئے فاتح تھے۔

نام = خسیخموئی۔ زسر۔ سنخت۔ زسرتت۔ سزس۔ نفرکا۔ سنفرو۔

(۴) **چوتھا خاندان**۔ یہ بانی اہرام تھے۔ انکے زمانہ میں قدیم سلطنت کا جاہ و جلال و صنعت و حرفت

مجھ سے محبت نہیں رہی۔ مگر یہ نہ کہیے کہ بلا غیر ملکیوں کے ہمارے ملک کو عروج ہی نہیں ہو سکتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اوج کمال پر پہنچ گیا۔ انکے نام یہ ہیں:۔

شرو ۔۔۔ ۲۹۰۰ تا ۲۸۹۰ ق م + خوفو یا چیوپس ۲۸۹۸ تا ۲۸۷۵ ق م + رزدف ۲۸۷۵ تا ۲۸۶۷ ق م
خضرا ۲۸۶۷ تا ۲۸۱۱ ق م + منخرا ۲۸۱۱ تا ۲۷۸۸ ق م + شپسیوکف ۲۷۸۸ تا ۲۷۵۵ ق م + تھمفتس ۲۷۵۵ تا ۲۷۵۰ ق م۔

(۵) پانچواں خاندان۔ یہ شمالی تاجدار تھے۔ راکی پرستش انہیں کے زمانہ سے ہوئی۔ اور زوال سلطنت بھی بتدریج شروع ہوا۔

اُسرکف ۲۷۵۰ تا ۲۷۴۳ ق م + سہورا ۲۷۴۳ تا ۲۷۳۱ ق م + نفریرک را ۲۷۳۱ تا ۲۷۳۰ ق م
شپسسک را ۲۷۳۰ تا ۲۷۲۳ ق م + خنفررا ۲۷۲۳ تا ۲۷۲۲ ق م + اسرن را ۲۷۲۲ تا ۲۶۹۱ ق م
منکاہرو ۲۶۹۱ تا ۲۶۸۳ ق م + وورک را ۲۶۸۳ تا ۲۶۵۵ ق م + انس ۲۶۵۵ تا ۲۶۲۵ ق م۔

(۶) چھٹا خاندان ۔ پپی ثانی کا طویل و با امن عہد خاص واقعہ ہے۔ مرکزی حکومت کی طاقت گر تی گئی۔

تتی ۲۶۲۵ تا ؟ ق م + اسرکارا ؟ تا ۲۵۹۵ ق م + پپی اول ۲۵۹۵ تا ۲۵۷۴ ق م + مرن را اول ۲۵۷۴ تا ۲۵۷۰ ق م + پپی ثانی ۲۵۷۰ تا ۲۴۷۶ ق م + مرن را ثانی ۲۴۷۶ تا ۲۴۷۵ ق م +
نترک را ۲۴۷۵ تا ؟ ق م + منک را ؟ تا ۲۴۶۳ ق م۔

(۷) ساتواں، آٹھواں، نواں و دسواں خاندان = ۲۴۶۳ تا ۲۱۶۰ ق م + بدامنی و طوائف الملوکی کا پہلا دور شروع ہوا۔ تمام ملک چھوٹے حصوں میں منقسم ہو گیا۔ قدیم سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ ان میں ہو خاندان سے سلطنت متوسط شروع ہوتی ہے جس کا دارالخلافہ تھیبز تھا۔

(۸) گیارہواں خاندان۔ اس خاندان کے تیسرے بادشاہ نے تمام مصر فتح کر کے پھر اتحاد حکومت قایم کر دیا۔

نام = انتف اول ۲۱۶۰ تا ؟ ق م + انتف ثانی ؟ + منتوہوتپ اول ؟ + منتوہوتپ ثانی ؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۲۰۰۸ ق م + منتوہوتپ سوم ۲۰۷۸ تا ۲۰۳۰ ق م + منتوہوتپ چہارم ۲۰۳۰ تا ۲۰۰۰ ق م۔

(۹) **بارہواں خاندان**:- اس زمانہ میں اکثر ولیعہد بھی انتظام سلطنت میں بادشاہ کا شریک حال ہوجاتا تھا۔

امنمہت اول ۲۰۰۰ تا ۱۹۷۰ ق م + سنوسرت اول ۱۹۷۰ تا ۱۹۳۵ ق م + امنمہت ثانی ۱۹۳۵ تا ۱۹۰۳ ق م + سنوسرت ثانی ۱۹۰۳ تا ۱۸۸۷ ق م + سنوسرت سوم ۱۸۸۷ تا ۱۸۴۹ ق م + امنمہت سوم ۱۸۴۹ تا ۱۸۰۱ ق م + امنمہت چہارم ۱۸۰۱ تا ۱۷۹۲ ق م + سبکنفیرورا (ملکہ) ۱۷۹۲ تا ۱۷۸۸ ق م۔

(۱۰) **تیرہواں، چودہواں، پندرہواں، سولہواں، سترہواں خاندان** ۱۷۸۸ تا ۱۵۸۰ ق م

دوسرا دور طوائف الملوکی و بدامنی کا شروع ہوا۔ تھیبز کی سلطنت میں زوال آگیا۔ ہکسوس کے (۱۵ و ۱۶) دو خاندانوں نے تمام مصر پر حکومت کی۔ انہوں نے ممفس دارالخلافہ بنایا۔ یہ غیر ملکی تاجدار "راعی" (گڈریے) بادشاہوں کے نام سے مشہور ہیں۔ انہیں کے زمانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام مصر تشریف لائے۔ بالآخر انکی طاقت کو بھی زوال ہوا۔ اور تھیبز کے ایک شہزادہ نے انہیں شکست دیکر سلطنت جدید کی بنیاد ڈالی۔

(۱۱) **اٹھارہواں خاندان**۔ تھیبز مرکز حکومت تھا۔ مصری قوت کمال پر پہنچ چکی تھی۔ امن کی پرستش عام ہوگئی۔ شروع زمانہ کے حالات کسی قدر مفقود ہیں۔ لیکن اس قدر معلوم ہے کہ تھوتھمس اول کو اسکے لڑکے یعنی تھوتھمس سوم نے تخت سے اتار دیا تھا۔ پھر اسے بھی تھوتھمس ثانی نے شکست دیکر برطرف کردیا مگر اسکی حکومت بہت کم رہی اور اول الذکر (تھوتھمس سوم) نے پھر تخت نشین ہوکر ایک عرصہ تک بادشاہت کی۔ یہ اپنی ملکہ ہتشپست کے بہت زیادہ زیر اثر تھا۔

نام = آہمس (اماسس) ۱۵۸۰ تا ۱۵۵۷ ق م + امنوتپ اول ۱۵۵۷ تا ۱۵۴۱ ق م + تھوتھمس اول ۱۵۴۱ تا ۱۵۰۱ ق م + تھوتھمس سوم ۱۵۰۱ تا ۱۴۹۶ ق م + تھوتھمس دوم ۱۴۹۶ تا ۱۴۹۳ ق م + ہتشپست (ملکہ) ۱۴۹۳ تا ۱۴۸۳ ق م + تھوتھمس سوم ۱۴۸۳ تا ۱۴۴۷ ق م + امنوتپ دوم ۱۴۴۷ تا ۱۴۲۰ ق م + تھوتھمس چہارم ۱۴۲۰ تا ۱۴۱۱ ق م + امنوتپ دوم ۱۴۱۱ تا ۱۳۷۵ ق م + اخناتن یا امنوتپ سوم ۱۳۷۵ تا ۱۳۵۸ ق م + سمنخکرہ (۱۳۵۸) ق م + تتنخامن ۱۳۵۸ تا ۱۳۵۳ ق م + اسے ۱۳۵۳ تا ۱۳۵۰ ق م۔

جب کہ اجنبیوں کے ملک میں رہنے کی ممانعت تھی۔ اور جبکہ ہم بغیر کسی کی مدد کے اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۱۲) انیسواں خاندان :- اخناتن کی انقلاب انگیز مذہبی اصلاح نے ملک کو درہم برہم کر دیا تھا۔ اس کا اثر عارضی تھا اور بہت جلد زائل ہو گیا۔ اب ایک دوسرا خاندان تخت نشین ہوا جس نے مصر کی پرانی عظمت کو پھر جگا دیا۔ اسی زمانہ میں حضرت موسیٰؑ کا ظہور ہوا۔ اور غالباً مرنپتہ (منفتاح) وہ فرعون تھا جس نے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا اور بحر احمر میں غرقاب ہوا۔ بعض مورخین تھوتمس اول کے عہد سے اس واقعہ کو منسوب کرتے ہیں اور دوسرے فرعون کا نام لیتے ہیں۔

نام :- ہورمحب ۱۳۵۰ تا ۱۳۱۵ ق م + رامسس اول ۱۳۱۵ تا ۱۳۱۴ ق م + ستی اول ۱۳۱۴ تا ۱۲۹۲ ق م رامسس ثانی ۱۲۹۲ تا ۱۲۲۵ ق م + مرنپتہ (منفتاح) ۱۲۲۵ تا ۱۲۱۵ ق م + امنمسس ۱۲۱۵ + سپتہ ۱۲۱۵ تا ۱۲۰۹ ق م + ستی ثانی ۱۲۰۹ تا ۱۲۰۵ ق م۔

(۱۳) بیسواں خاندان :- طوائف الملوکی کا پھر زمانہ شروع ہوا۔ ارسو ایک شامی تاجدار نے کچھ عرصہ تک حکومت کی بعدہٗ ستنخت نے جو رامسس دوم کے خاندان سے تھا اسے نکال کر پھر سلطنت قائم کی۔ نام :- ستنخت ۱۲۰۰ تا ۱۱۹۸ ق م + رامسس سوم ۱۱۹۸ تا ۱۱۶۷ ق م + دیگر نو فراعنہ جن کے نام رامسس تھے ۱۱۶۷ تا ۱۰۹۰ ق م۔

(۱۴) اکیسواں خاندان ۱۰۹۰ تا ۹۴۵ ق م۔ انیسویں خاندان کے آخری بادشاہ محض نام کے تھے درحقیقت حکومت آمن کے پروہتوں کے ہاتھ میں تھی چنانچہ رامسس دوازدہم کی وفات کے بعد ہرہر پروہت اعظم نے سلطنت چھین کر "پروہت بادشاہوں" کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی اثنا میں تینس (ڈیلٹا کا مشہور شہر) کا ایک شہزادہ خود مختار ہو گیا اور ایک زمانہ میں اسکی اولاد کچھ عرصہ کے لئے تمام ملک پر حاوی ہو گئی۔ غرضکہ ہر طرف بدامنی تھی اور مصر کی خوشحالی و طاقت بہت کچھ گھٹ گئی تھی۔

(۱۵) بائیسواں خاندان :- پرانے دور کا خاتمہ ہو گیا۔ ایک نیا خاندان حکمراں ہوا جس کا بانی باشندہ لیبیا کا ایک فوجی افسر تھا۔ بوبستس دارالخلافہ ہوا۔ مصر نے پھر متحد ہو کر ترقی کے زینہ پر قدم رکھا۔

نام :- ششنک اول ۹۴۵ تا ۹۲۴ ق م + اسرکن اول ۹۲۴ تا ۸۹۵ ق م + تکلتھ اول ۸۹۵

ہی بہتر حکمرانی کرتے تھے۔ اور اپنے آباؤ اجداد اور دیوتاؤں کے قوانین کو عزت و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تا ۷۰۴ ق م + اسرکن دوم ۷۰۴ تا ۸۵۳ ق م + ششنک دوم ۸۵۳ ق م + تکلتھ دوم ۸۵۳ تا ۸۳۴ ق م + ششنک سوم ۸۳۴ تا ۷۸۴ ق م + پیمے ۷۸۴ تا ۷۸۲ ق م + ششنک چہارم ۷۸۲ تا ۷۴۵ ق م۔

(۱۶) تیئیسواں خاندان:۔ آخری شاہان لیبیا صرف تھیبز کے حاکم رہ گئے۔ ایک نیا خاندان شروع ہوا۔ لیکن طوائف الملوکی کا بازار گرم تھا۔ ہر شہر خود مختار تھا۔

نام = تپ بست ۷۴۵ تا ۷۲۱ ق م + اسرکن سوم ۷۲۱ ق م + تکلتھ سوم ۷۱۸۔

اسرکن سوم کے زمانہ میں سیئز کے ایک شہزادہ کو عروج ہوا۔ یہ دیکھ کر نیوبیا کے بادشاہ پینخی نے حملہ کیا اور تقریباً تمام مصر کو تاخت و تاراج کر کے پھر اپنے ملک واپس چلا گیا۔

(۱۷) چوبیسواں خاندان ۷۱۸ تا ۷۱۲ ق م۔

پینخی کی واپسی کے بعد حاکم سیئز کے لڑکے بکورس نے حکومت کی۔ اس نے قدیم فنون پھر زندہ کئے مگر ملکی طاقت کو عروج نہ ہوا۔

(۱۸) پچیسواں خاندان۔ شبک پسر پینخی نے مصر کو دوبارہ فتح کر کے خاندان اتھوپیا (حبش) کی بنیاد ڈالی۔ نام = شبک ۷۱۲ تا ۷۰۰ ق م + شبتک ۷۰۰ تا ۶۸۸ ق م + تھرکا ۶۸۸ تا ۶۶۳ ق م۔

(۱۹) چھبیسواں خاندان:۔ تھرکا کے زمانہ میں اسرحدن۔ واشور بنی پال شاہان اشور نے مصر پر حملہ کیا۔ تھرکا شکست کھا کر اپنے ملک نیوبیا چلا گیا بعدہ چند بغاوتوں کے بعد اشور بنی پال نے سمتیکس کو سیئز کے تخت پر بٹھایا اور اسے خود مختار بنا کر واپس چلا گیا۔ اس خاندان کے زمانہ میں صنعت وحرفت کو بڑی ترقی ہوئی۔ اور مصری شان وعظمت کا ستارہ آخری بار پھر چمک اٹھا۔

نام = سمتیکس اول ۶۶۳ تا ۶۰۹ ق م + نکو ۶۰۹ تا ۵۹۳ ق م + سمتیکس دوم ۵۹۳ تا ۵۸۸ ق م + ہوپھر (ہوفرا یا اپریس) ۵۸۸ تا ۵۶۹ ق م + آہمس[۱] (اماسس) ۵۶۹ تا ۵۲۵ ق م + سمتیکس سوم (سامطیق) ۵۲۵ ق م

[۱] اس ناول میں اسی بادشاہ اور اس کے جانشین کے زمانہ کا تمدن دکھایا گیا ہے ۱۲

حرمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہی زمانہ تھا جبکہ رامسسؔ[۱] (Ramasis)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)۔ (۲۰) ستائیسواں خاندان یا دور ۵۲۵ تا ۴۲۰ ق م۔

کمبوجیہ نے مصر فتح کرکے ایرانی حکومت کا سلسلہ جمادیا جسکے بادشاہوں نے مصری قدیم خطابات اختیار کرکے حکومت کی۔

(۲۱) اٹھائیسواں، اُنتیس، تیس اور اکتیس واں خاندان ۴۰۴ تا ۳۳۲ ق م۔

مختلف شاہزادگان مصر نے وقتاً فوقتاً عارضی خودمختاری حاصل کرکے حکومت کی تیسویں خاندان میں نکتینبو دوم مصر کا آخری تاجدار تھا۔ ایرانیوں نے اسے شکست دیکر بالآخر ۳۴۰ق م مصر پر پورا قبضہ حاصل کرلیا۔

(۲۲) ٹالیمیز (خاندان بطلیموس) ۳۳۲ تا ۳۰ ق م۔

سکندر اعظم نے ۳۳۲ ق م۔ دارائے سوم کو شکست دیکر ایران پر قبضہ کرلیا اسکے جانشینوں میں خاندان بطلیموس نے قریباً تین سو برس تک مصر پر حکومت کی۔ ان کا دارالخلافہ اسکندریہ تھا اور اسی خاندان میں مشہور ملکہ کلیوپیٹرا تھی جس نے ۵۱ ق م تا ۳۰ ق م حکومت کی۔ بالآخر ۳۰ ق م میں قیصر روم نے اس کا ملک چھین کر روما کا اُسے ایک صوبہ بنادیا۔

(ماخوذ از ونڈرس آف دی پاسٹ)

[۱] رامسس دوم۔ جس کے خود اپنے حکم سے اُسکے نام کے آگے لفظ اعظم زائد کیا گیا۔ اُنیسویں خاندان کا ایک مشہور بادشاہ تھا۔ اس نے ۶۷ برس تک سلطنت کی جس میں پورے پندرہ سال اُسے قوم تھاٹ اور اُسکے حلیفوں سے جو ملک شام پر قابض ہوگئے تھے جنگ وجدل میں گذرے۔ اس میں سب سے زیادہ مشہور لڑائی کدش (نزد کوہ الوند) کی ہے۔ جہاں فرعون کو قریباً شکست ہوچکی تھی مگر اُسکے دشمنوں کی حماقت سے کہ لوٹ مار میں مصروف ہوگئے۔ لڑائی کا پانسہ یکایک پلٹ گیا اور رامسس ظفریاب ہوا۔ بعدہ اس نے اپنے وطن پہنچکر اس فتح کے مرقعے اور حالات بکثرت مندروں و یادگاروں میں لکھوا کر مشتہر کئے اور اسکے دربار کے ایک مشہور شاعر پنٹار نے بھی ایک قصیدہ لکھا

اعظم کی مانند بادشاہ پیدا ہوئے جنکی فتوحات چاردانگ عالم میں پھیل گئی۔ وہی زمانہ تھا کہ مصر سرتاج عالم تھا اور غیر قومیں اسکی ہیبت وجبروت سے لرزتی تھیں۔ مگر اب کیا حالت ہے خود بادشاہ اپنی زبان سے غیر ملکیوں کو حامی و مددگار سلطنت کہتا ہے۔ اور جنہیں کبھی ہماری غلامی پر ناز تھا اب انکی رفاقت کا دم بھرتا ہے (اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر غمزدہ آواز سے) ہیہات! میرے پیارے وطن۔ میری محبوب ملکہ جس کے زیب بدن کبھی لباس خسروانہ تھا یا

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) جس میں یہ بیان کیا کہ جب بادشاہ تن تنہا دشمن کے زغہ میں پھنس گیا تھا تو اس نے را سے دعا مانگی۔ سورج دیوتا فوراً موجود ہوا۔ اور آناً فاناً میں غنیم کی فوج اسکی مدد سے منتشر ہوگئی۔ بعدہٗ ہتایت سے اور لڑائیاں بھی ہوئیں جن کا آخری نتیجہ یہ تھا کہ رامسس کو فلسطین اور فنیقیہ کا ایک حصہ مل گیا۔ دونوں قوموں میں صلح ہوگئی اور شاہ ہتایت کی لڑکی بھی بادشاہ کے عقد میں آگئی۔ رامسس نہایت اولوالعزم مگر ساتھ ہی حد درجہ مغرور بادشاہ تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ تمام فراعنہ مصر سے اس کا مرتبہ بلند ہوجائے۔ اسی لئے نہایت سختی کے طریقہ سے اس نے اپنے کارنامے جگہ جگہ کندہ کرائے۔ اس کے زمانہ میں امن را کی پرستش کو بڑا عروج تھا۔ نیوبیا میں اس نے اس دیوتا کا ایک مندر اونچی پہاڑی پر بنایا جس کے آثار مندر ابوسنبل کے نام سے مشہور ہیں اور رامسس کا ایک بہت بڑا بت بھی وہاں موجود ہے۔ تھیبز میں بھی اس نے امن را کا وہ عالی شان "معبد ظفر" بنایا ہے۔ رامیسم کہتے ہیں اور کرناک (Carnac) میں بھی اسی بادشاہ نے ستونوں والا وہ عظیم الشان دیوان (ہال) تعمیر کرایا تھا جس کی نظیر آج تک تمام دنیا میں نہیں مل سکتی ہے۔ باوجود اس سب کے ہم اُسے اعظم نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ معمولی قابلیت کا شخص تھا اور اُس سے بھی بڑھکر عظیم الشان بہت سے فراعنہ مصر پر حکومت کر چکے ہیں۔ اسکی ممی آج کل قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی ناک طوطے کی طرح اونچی تھی اور چہرہ بھی شاہانہ رعب وداب سے خالی نہ تھا۔ اسکی خاص ملکہ کا نام نفرتری تھا۔ مگر اسکے علاوہ بھی اسکے حرم میں بکثرت عورتیں تھیں اور اسکی اولاد بھی دو سو سے زیادہ تھی جس پر اُسے فخر و ناز تھا۔

(ماخوذ از ڈونلڈ مکنزی۔ متھ اینڈ لیجنڈ)

اب ایک بیسوا کی طرح اپنے چہرہ پر رنگ و روغن لگائے بھڑکیلے جھوٹے کپڑوں کو قابل فخر و ناز سمجھتی ہے۔" فرعون مارے غصہ کے لال ہوگیا اور اپنا پیر زور سے زمین پر مار کر چلا کے کہنے لگا۔

بادشاہ:۔ گستاخ اور بیوقوف لڑکے، تیری زبان درازی حد سے گذر گئی۔ کیا تیری عقل میں فتور آگیا ؟ اور یہ نہیں دیکھتا کہ مصر کی جو شان و شوکت آج کل ہے وہ کبھی اُسے پہلے بھی نصیب تھی۔ رامسس (Rameses) نے بیشک بڑی بڑی فتوحات کیں اور خون کی ندیاں بہادیں مگر میرے زمانہ حکومت میں ملک کی تجارت اقصائے عالم تک پھیل گئی اور بجائے قتل و غارت کے دولت و تمول کا ہُن برسنے لگا۔ رامسس (Rameses) نے اپنے نام کی خاطر رعایا کی مصیبت و تباہی کی کچھ پرواہ نہ کی۔ انکے پسینہ اور خون کو پانی کی طرح بہایا۔ میرے عہد سلطنت میں بھی خون بہا ہے مگر عموماً دوسروں کا۔ رعایا نے محنت و مشقت کی ہے مگر اُن کاموں میں جن سے اُنہیں کا فائدہ، خوشحالی بہتری مقصود تھی۔ نگاہ اُٹھا کر دیکھ، میل ہا میل تک نیل کے کنارے ہزاروں شہر خوشحال و خوش و خرم لوگوں سے آباد ہیں۔ ایک چپہ بھی زمین نہیں جو بنجر پڑی ہو۔ یا زراعت سے خالی ہو۔ اور عدل و انصاف کا یہ حال ہے کہ شیرخوار بچے اپنے گہوارہ میں چین سے سو رہے ہیں۔ بکری و شیر ایک گھاٹ پانی پی رہے ہیں۔ مجرم و گنہگار بھاگے پھرتے ہیں کہیں انہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ اس پر بھی کسی دشمن کو حوصلہ ہو تو شوق سے آئے۔ ہمارے پاس نہ صرف قلعے اور دریا، سمندر و ریگستان ہیں جنہیں دیوتاؤں نے ہمارا قدرتی پاسبان بنایا ہے بلکہ تمام وطن پرست مصری اپنے ملک کی حفاظت کے لئے اٹھ کھڑے ہونگے نیز انکی امداد کے لئے تین ہزار جنگجو یونانی موجود ہیں جن کی دلیری و بہادری کی دنیا میں کہیں نظیر نہیں مل سکتی۔ رامسس (Rameses) کا میری حکومت سے مقابلہ عبث ہے۔ اس نے ملک گیری و جبر و تشدد کو اپنے عارضی نام و نمود کا ذریعہ ٹھیرایا۔ میں نے

اپنی صلح جوئی اور امن پسندی سے سچی عیش و خوشی کا مزا چکھایا جو کبھی انکے دل سے محو نہو گا۔
شاہزادہ۔ یہ سب صحیح مگر میں یہی کہونگا کہ مصر ایک شجر ہے جس کی بیخ و بنیاد میں گھن لگ گیا ہے۔ مال و دولت کی ہوا و ہوس نے ہمارے دلوں کو مسخ کر دیا ہے۔ دوسروں کا عیش و عشرت دیکھا دیکھی ہماری سادہ روی میں بھی فرق آگیا ہے۔ اور زر کی محبت کے پیچھے سب کو بھول بیٹھے ہیں۔ اب یہ ایک معمولی بات ہو گئی کہ مصری یونانیوں کے بہکانے سے اپنے قدیم دیوتاؤں پر ہنسی اڑاتے ہیں اور لوگوں میں ذات پات کا تفرقہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے اور بغض و حسد، فتنہ و فساد کی زیادتی ہو رہی ہے اور نہ صرف آپس میں بلکہ یونانی سپاہیوں اور غیر ملکیوں سے آئے دن جھگڑے و فساد ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ سلطنت کا ایک پتھر دوسرے کو رگڑ رگڑ کے گھس رہا ہے جس کا کسی دن یہ نتیجہ ہو گا کہ تمام عمارت منہدم و برباد ہو جائیگی۔ قبلۂ عالم! یہ حالت دیکھکر جو مجھے سوہان روح ہوتا ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ اور گستاخی معاف آج میں اُسکا اظہار کئے بغیر نہ رہوں گا۔ میری زبان بند نہ ہوگی اور دل کے تمام پھپولے پھوڑونگا۔ دیکھئے آپ تو ہمارے مقدس پرو ہتوں کی مخالفت میں لگے رہے جن سے سلطنت کو کتنی بڑی تقویت تھی اور باہر کی خبر نہ لی کہ ایک چھوٹی سی قوم جو کچھ دن ہوئے ایسی حقیر و ادنی سمجھی جاتی تھی کیا سے کیا ہو گئی اور ایک عفریت کی طرح مشرق سے مغرب تک تمام قوموں کو چٹ کرتی ہوئی ایسی عظیم الشان ہو گئی کہ اُسکی ہیبت و قوت سے اب تمام دنیا تھراتی ہے۔ آپ کا یہ فرض تھا کہ لیدیہ اور بابل کی مدد کر کے ان ایرانیوں کی سرکوبی کرتے اور اُن کو سر اُٹھانے کا موقع نہ دیتے مگر بجائے اسکے ان کمبخت یونانیوں کی امداد کی اور انکے جھوٹے دیوتاؤں کے مندر بنانے میں روپیہ صرف کر ڈالا۔ حتی کہ ایرانی جب اس قدر بڑھ گئے کہ نصف دنیا انکی مطیع ہو گئی اور کوئی اُنکے سامنے چوں نہیں کر سکتا تو دیوتاؤں کی کرپا سے ایک اور ہی خیال آپ کے دل میں پیدا ہوا۔ ایک نئی تدبیر سوجھی۔ یعنی جب کمبوجیہ (Cambyses) کو آپ سے تعلقات پیدا کرنے کی

خواہش ہوئی تو بجائے اسکے کہ اپنی اصلی بیٹی کو بھیجکر ملک کے سر سے یہ بلا ٹال دیتے۔ آپ ایک غیر کی لڑکی کو اسکے حوالہ کرنا چاہتے ہیں اور ایک اولوالعزم شہنشاہ کو دہوکہ دینے کی فکر میں ہیں۔ اور اُس پرطرہ یہ کہ ایک ایسے شخص کی جان بخشی کرنا چاہتے ہیں جسے یہ راز معلوم ہے۔ اور جو جب چاہے ہمارے ملک کو اپنی ریشہ دوانیوں سے تباہ وبرباد کرسکتا ہے؟"

بادشاہ (جو غصہ سے کانپ رہا تھا اور ولیعہد کی جلی کٹی باتوں کو صبر کے ساتھ سن رہا تھا اب اپنے آپے سے باہر ہوگیا۔ اس زور سے چلا کر بولا کہ تمام کمرہ گونج اُٹھا) "کمبخت لڑکے تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اگر مجھے اپنی اولاد ونسل سے اتنی محبت نہ ہوتی تو ملک کے فائدہ کے لئے کس کو سب سے پہلے بھینٹ چڑھاتا؟ تو اس قدر کینہ پرور و شیخی باز ہے لیکن یہ بھی خبر ہے کہ ہماری اس قدیم وعظیم الشان سلطنت کو آیندہ برباد کرنے والا کون ہے؟ وہ تو ہے! ساسطیق تو ہی وہ بد نصیب شخص ہے جس کے چہرہ پر ہنسی نہیں آتی جس کا دل دوسروں کی محبت سے خالی ہے اور جس سے سب لوگ ڈرتے ہیں۔ تو ہی ہے جسے دیوتاؤں نے ازل سے اس ملک کا برباد کرنے والا قرار دیدیا ہے۔ اُنہیں کی پھٹکار ہے کہ تیرا دل اس قدر سخت ہے اور انہیں کی ناراضی وخصومت ہے جو ہمیشہ تیرے شامل حال رہے گی۔ اور جو کام کریگا کبھی اُس میں کامیابی نہ ہوگی۔ میں نے اپنی محبت پدری کے سبب سے اس راز کو ابھی تک تجھ سے پوشیدہ رکھا تھا۔ مگر اب مناسب ہے کہ ظاہر کردوں۔ اچھا تو سُن۔ جب مجھے فرعون متوفی پر فتح حاصل ہوئی تھی تو اُسے مجبوراً اپنی بہن کو میرے عقد میں دینا پڑا تھا۔ ایک سال بعد اسے حمل قرار پایا۔ اور تیری پیدائیش کی رات میں اُسی کے ساتھ سو رہا تھا کہ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ملکہ دریائے نیل کے کنارے پڑی ہوئی درد جگر کی مصیبت سے کراہ رہی ہے اور صنوبر کا ایک پودہ اسکے قلب سے نمودار ہو رہا ہے۔ یہ پودہ بڑہتے بڑہتے بہت بڑا درخت بنگیا اُس کی شاخیں تیری ماں کے لپٹ گئیں اور اُسے گھونٹ کر مار ڈالا۔ میں خوفزدہ ہوکر

بھاگنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ استنے میں مشرق سے ایک بڑا زبردست طوفان اُٹھا کہ جس نے درخت کو گرا دیا اور اُس کی شاخیں ٹوٹ کر دریائے نیل میں گر پڑیں جس سے اُس کا پانی یکایک رُک کر منجمد ہو گیا اور اُس کی شکل ایک بہت بڑی ممی (یعنی نعش حنوط کردہ) کے مانند ہو گئی۔ اور جتنے شہر تھے چھوٹے ہوتے ہوتے کوزے اور صراحیاں بن کر میت کے پاس رکھے ہوئے نظر آئے۔ پھر میری آنکھ کھل گئی اور فوراً معبروں کو بُلا کر اس خواب کی تعبیر پوچھی مگر کسی سے تشفی نہ ہوئی تو لبین امّن (Lybian Ammon) کے مشہور پروہتوں کو میں نے طلب کیا۔ جنہوں نے سر جھکا کر یہ جواب دیا "تیری بیوی کے بطن سے ایک لڑکا ہوگا جس کے پیدا ہوتے ہی وہ مر جائے گی۔ یہ لڑکا بہت بدنصیب، بدخلق و بدمزاج ہوگا۔ اسی کے زمانۂ حکومت میں ایک قوم مشرق سے حملہ آور ہوگی اور تمام ملک کو تباہ و برباد کر دے گی۔" (ساملیق بُت کی طرح خاموش تھا۔ اُس کی حالت متغیر ہونے لگی تھی) تمہاری ماں تمہیں جنتے ہی مر گئی۔ تمہاری کنپٹی پر سرخ بال جو اولادِ ٹائفن[۵۱] (Typhon) کی نشانی ہیں نمودار ہونے لگے۔ تمہاری بدمزاجی و درشت روئی بڑھتی گئی۔ شامت و بدنصیبی نے بلا کی طرح تمہارا ساتھ نہ چھوڑا۔ بیوی بچے سب تمہارے ہی سامنے مر گئے اور نجومیوں کی پیشین گوئی سچی نکلی۔ کیونکہ تمہاری پیدائش کے وقت منحوس سیارہ "سب[۵۲]" (Seb) آسمان پر نمودار ہوا تھا۔"

---

[۵۱] "ست" دشمن آسرس کو "ٹائفن" بھی کہتے تھے اسکے سُرخ بال تھے اس لئے اس رنگ سے مصریوں کو سخت نفرت تھی اور جب کبھی ان بالوں والا کوئی آدمی سامنے آجاتا تو اُسے اپنی جان چھوڑانی مشکل پڑ جاتی بلکہ پُرانے زمانہ میں تو ایسے شخص کو مذکورہ بالا دیوتا پر بھینٹ چڑھا دیتے تھے۔

(ولکنس)

[۵۲] "زحل" یا سینچر کو "سب" کہتے تھے لیکن سب روایات قدیم کی رو سے "آسرس" کا باپ بھی تھا۔

(ڈاکٹر وِنلڈ مکنزی)

یہ سنتے ہی سامطیق جس کی حالت پہلے سے ناگفتہ بہ تھی اب بالکل بیقابو ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اور یہ الفاظ اس کی زبان سے نکلے۔

شاہزادہ" بس بس۔ اے ظالم باپ! رحم کھا میں نے کیا کیا ہے کہ تو اس طرح بقصور میرے دل کو برچھیاں بھونک کر زخمی کر رہا ہے" پھر اپنا منہ کپڑے کے دامن سے چھپا کر باپ کے قدموں پر گر پڑا۔ اماسس نے یہ حالت دیکھی تو اُسے بھی رحم آ گیا۔ اس کا غصہ فوراً ٹھنڈا پڑ گیا۔ اُسے اپنی پیاری بیوی کا خیال آیا جو چالیس برس ہوئی مر چکی تھی اور اپنے آپ کو دل میں نفریں کرنے لگا کہ غصہ میں ناحق شہزادہ سے ایسی بات کہدی جس نے اس کو اس قدر آزردہ و غمگین کر دیا۔ شاید خود اسی کا قصور ہے اُسے چاہئے تھا کہ اپنے لڑکے سے کبھی کبھی شفقت پدرانہ کا اظہار کیا کرتا اور اسکے ساتھ ہمدردی کر کے افسردہ دلی کو مٹاتا۔ اس لئے اس وقت اس نے اپنے گزشتہ برتاؤ کی تلافی کرنا چاہی جھک کر شہزادہ کو اٹھا کر گلے سے لگا لیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیکر نہایت شفقت سے کہنے لگا۔

بادشاہ" میرے پیارے بچے! معاف کر۔ غصہ میں معلوم نہیں میرے منہ سے کیا کیا نکل گیا۔ مگر میرے دل میں اب بھی تیری ویسی ہی محبت ہے۔ تیرا ضدی پن، سرد مہری و بے رخی برسوں سے میرے لئے سوہان روح تھی اور آج جو تو نے ایسی باتیں کیں تو میں اپنے غصہ کو ضبط نہ کر سکا۔ خیر اب جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اب آئندہ سے ہم دونوں ایک دوسرے کا پاس و لحاظ رکھیں گے۔ اور متفق و یکدل ہو کر کام کریں گے۔

شہزادہ نے نہایت ادب سے گردن جھکا دی اور باپ کے دامن کو بوسہ دیا

بادشاہ" نہیں میرے منہ کا بوسہ لے۔ (شہزادہ نے تعمیل حکم کی) ہاں اب یہ ٹھیک ہے۔ اسی طرح کا برتاؤ باپ بیٹے میں ہونا چاہئے۔ میرا خواب سن کر پریشان نہ ہونا۔ خواب و خیال دھوکہ کی باتیں ہیں۔ کبھی دیوتاوں کی طرف سے آتے بھی ہوں تو تعبیر دینے والے تو انسان ہی ہیں جو اکثر غلطی کھایا کرتے ہیں۔ تمہارا ہاتھ اب تک کانپ رہا ہے چہرہ کیسا

اترا ہوا اور زرد ہے! میں نے واقعی تمہارے ساتھ ایسا سخت برتاؤ کیا کہ باپ ۔۔۔

شاہزادہ" کہ کوئی غیر اجنبی کے ساتھ بھی نہ کرتا۔ آپ نے مجھے بالکل ہی پامال کر دیا۔ میں یوں ہی غمزدہ و افسردہ دل تھا مگر آج سے رہی سہی تمام خوشی میرے دل سے مفقود ہو گئی"

بادشاہ۔ (شہزادہ کے بازو کو محبت سے پکڑ کر) "نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں نے زخمی کیا ہے تو اس کے علاج کی بھی قدرت رکھتا ہوں۔ اچھا اب اپنی سب سے بڑی کوئی دلی خواہش بیان کرو۔ میں اُسے پورا کرنے کا وعدہ کرتا ہوں"

یہ سنتے ہی سامطیق کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اُسکے مرجھائے چہرہ پر بحالی آگئی۔ اور اور بغیر ایک لمحہ توقف کئے کانپتی ہوئی زبان سے بولا۔

شاہزادہ" بدذات فینیس کو میرے حوالے کر دیجئے"

یہ سُنتے ہی بادشاہ پر سکتہ کا عالم ہو گیا۔ وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر ایک آہ سرد بھر کر آہستہ سے یوں جواب دیا۔

بادشاہ" کیا کہوں۔ میں نے زبان دیدی ہے اور اب پلٹ نہیں سکتا مگر کاش کہ تم نے مجھ سے نصف سلطنت مانگی ہوتی تو اُس کے دینے میں مجھے عذر نہ ہوتا۔ میرا دل اندر سے بولتا ہے کہ اس کام کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ اور نہ صرف میرے خلاف شان ہے بلکہ ہمارے خاندان و سلطنت کی تباہی کا باعث ہوگا۔ اس لئے میں پھر کہتا ہوں کہ سوچ سمجھ لو کہیں بعد میں پچھتانا نہ پڑے اور یہ بھی آگاہ کئے دیتا ہوں کہ فینیس کے ساتھ جو جی چاہے کرو۔ مگر روڈوفس کا ایک بال بھی بیکا ہوا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔ اور خیال رہے کہ یونانیوں کو یہ حال نہ معلوم ہونے پائے۔ افسوس! فینیس کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔ اس کا سا سپہ سالار، مشیر اور سچا بہی خواہ دوست مجھے اب کہاں ملے گا؟ فینیس ابھی تک تمہارے قابو میں نہیں ہے اور یہ ملحوظ رہے کہ اگرچہ آپ اپنے کو بڑا چالاک سمجھتے ہیں مگر وہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ ہاں اور اس کے عوض تم بھی یہ قسم کھاؤ کہ روڈوفس کی

تو اسی کا خیال اپنے دل سے نکال دو گے ۔ میں جانتا ہوں کہ اس سے تمہیں کچھ زیادہ تکلیف نہ پہنچے گی کیونکہ تم کو انتقام محبت سے زیادہ عزیز ہے ۔ نیتیتنیس کی پیدائش کے متعلق اگر تمہیں کچھ اور دریافت کرنے کی خواہش ہو تو میں جتائے دیتا ہوں کہ وہ ایک ایسا راز ہے کہ اگر اپنی سلامتی چاہتے ہو تو کبھی اس کو زبان پر نہ لانا۔"

سامطیق نے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور جوش مسرت سے اُسکے ہاتھ کا بوسہ لیا۔

بادشاہ ۔ (شہزادہ کو رخصت کر کے) "اچھا تو جاؤ اور میری نصیحت یاد رکھنا اور جہاں تک ہو سکے ظلم و تعدی سے کام نہ لینا۔ تمہارا چہرہ کیسا بحال ہو گیا! (فینیس کی خیالی تصویر سے مخاطب ہو کر) غریب یونانی! کیا اچھا ہوتا کہ تو اس ملک کی طرف کبھی نہ آیا ہوتا۔"

جب سامطیق رخصت ہو کر چلا گیا تو بادشاہ اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا بڑی دیر تک ٹہلتا رہا۔ اپنے وفادار جنرل کی خون آلودہ شکل اُسکی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی۔ اور کف افسوس ملنے لگا کہ کیوں میں اسکے قتل پر شہزادہ کے کہنے سے راضی ہو گیا۔ پھر سوچا ممکن ہے کہ اس میں کچھ مصلحت ہو اور یہ شخص خطرناک ثابت ہو کر آئیندہ کوئی نقصان پہنچائے ۔ اس خیال کے آتے ہی ایک گونہ تشفی ہو گئی ۔ اور خادم کو آواز دیکر اُس نے ایک انگڑائی لی اور لاپروائی کے ساتھ ہنستا ہوا کمرے کے باہر چلا گیا۔ معلوم نہیں کہ یہ ہنسی اصلی تھی یا اضطراب دلی کو چھپانے کے لئے ایک بہانہ یا کوشش تھی۔

ساتواں باب

سئیز

سامطیق محل شاہی سے نکلتے ہی سید ہا معبد نیتھ[۱] کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے بڑے پروہت سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر نیتھوتف اسوقت دیوی کی پوجا پاٹ میں مصروف تھا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اُسکے پاس جا سکے۔ اس لئے شہزادہ باغ میں ایک حوض کے کنارے جس پر سفید چنار کے درختوں کا سایہ تھا بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد نوجوان پجاری نکلا اور اُسے اپنے ساتھ لیچلا۔ دونوں ایک چوکور صحن پر سے گذرے جس کا فرش پتھروں کا تھا اور اُن پر ایک ایسا چمکدار مصالحہ لگا ہوا تھا کہ سورج کی روشنی میں شیشے کی طرح جگمگا رہے تھے۔ بعد ازاں ایک لانبی غلام گردش میں داخل ہوئے جس کے دورویہ اَبُوالہَول کی مورتوں کی قطاریں مندر کے بڑے پھاٹکوں پیلان[۲] (Pylons) تک چلی گئی تھیں۔ یہاں ایک بہت بڑا پھاٹک نظر آیا جسپر

---

[۱] اس دیوی کی پرستش لیبیا سے آئی۔ اسکی شکل عورت کی ہے جسکے سر پر مصر کا زریں تاج اور ہاتھ میں ڈہال اور دو تیر ہیں۔ وہ مویشیوں کی چراگاہ و نباتات کی محافظ تھی۔ اسلئے اسکے دست و پا اور چہرہ سبز رنگ کے تھے۔ اسکے جسم پر جولاہوں کے ایک آلہ کی شکل بنی تھی اور وہ انکی مربی سمجھی جاتی تھی۔ عوام الناس نے اس زمانہ میں اس کا مرتبہ بہت بڑھا دیا تھا۔ اور اُسے آسس کی شکل دیگر سمجھتے تھے۔ اسکے نام "مخفی" پوشیدہ تھے۔ کہا جاتا تھا کہ وہ از خود پیدا ہوئی۔ اور کنواری و ناکتخدا ہے۔ اسکے بلا باپ کا ایک بیٹا سبک (بشکل مگرمچھ) تھا جس کا اوتار فرعون سمجھا جاتا تھا۔ (ولکنس وڈونلڈ مکنزی)

[۲] مندر کے عظیم الشان پتھر کے پھاٹک جن کی دیواریں عموماً ڈہلواں ہوتی تھیں۔ (ایبر)

متعدد دیوار قرص[۱] سورج کی شکل کے کھدے ہوئے تھے۔ یہ پھاٹک اس وقت کھلا ہوا تھا اور اسکے دونوں طرف اونچی اونچی برجیوں اور چوکور میناروں پر خوشنما جھنڈیاں اور پھریرے اڑ رہے تھے۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی وہ ایک دالان سے گذرے جس میں دو رویہ ستونوں کی قطاریں تھیں اور جہاں دیوی کو بھینٹ . . . وغیرہ چڑھائے جاتے تھے۔ اسی کے سامنے وہ عالی شان وقلعہ نما عمارت تھی جس کا بیرونی حصہ خوشنما رنگین تصاویر و نقش ونگار سے مزین تھا اور جو دیوی کا خاص واصلی مندر ہے۔ اسکی دہلیز پر قدم رکھتے ہی ایک کمرہ ملا۔ جس سے ہوتے ہوئے ایک بہت بڑے ہال میں پہنچے۔ یہ ہال جسے ایوان کہنا چاہیئے نہایت عظیم الشان تھا۔ اس میں بڑے بڑے ستونوں کی چار قطاریں تھیں جن کی چوٹیاں کنول کی شکل کی تھیں اور اسکی چھت نیلگوں تھی جو آسمان کی طرح ہزاروں سونے کے ستاروں سے جگمگا رہی تھی۔ اس کے در و دیوار، ستون، وطاق وغیرہ رنگین تصاویر اور خوشنما حروف پیکانی سے مزین ومرصع تھے۔ یہ ایوان طرح طرح کی خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔ اس میں عود ولوبان کا دھواں اٹھ رہا تھا۔ قریب کے معابدوں سے معطر ومعنبر بخارات آرہے تھے اور کسی پوشیدہ مقام سے نہایت دلکش راگوں کی آوازیں پیہم سنائی دیتی تھیں اور ساتھ ہی وقتاً فوقتاً آسس کی گایوں کے ڈکارنے اور حورث کے بازوں کے پھیلنے کی آواز بھی کان میں آتی تھی۔ یہ جانور جو نہایت متبرک سمجھے جاتے تھے۔ اس ایوان کے قریب ہی ایک مخصوص مکان میں نہایت احتیاط وحفاظت کے ساتھ بند تھے انکی آوازیں کبھی بلند ہوکر جب مسلسل بڑی دیر تک آتی رہتی تھیں تو بعینہ معلوم ہوتا کہ بادل گرج رہا ہے یا بجلی کڑک رہی ہے جس سے حد درجہ مرعوب ہوکر پرستش کرنیوالے بے اختیار سجدہ میں گر پڑتے تھے اور نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ دعائیں مانگنے لگتے تھے اور

---

[۱] یہ "حورث" کے نشان تھے جنہیں مصری اسکی فتح کی یادگار سمجھتے تھے اور تبرکاً اپنے مکانات کے دروازوں اور مندر کے پھاٹکوں کے باہر کندہ کراتے تھے۔ (ایبر)

پھر سر اٹھا کر بڑی ہیبت و تعظیم سے ان دیوتاؤں کو دیکھتے تھے جو ایوان کے بیچ سرے پر واقع تھے اور صرف ایک ہی پتھر سے نہایت خوبی کے ساتھ کاٹ کر بنائے گئے تھے یہی وہ خاص عبادت گاہ ہے جو سب سے زیادہ مقدس سمجھی جاتی ہے اور جہاں عوام کو داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ اس کے اندر اس وقت بہت سے پروہت کھڑے تھے۔ انکے برہنہ سروں پر شتر مرغ کے پر بندھے ہوئے تھے۔ سفید لباس زیب تن تھا اور چیتے کی کھالیں شانوں پر پڑی ہوئی تھیں۔ یہ پروہت کبھی جھکتے، کبھی سیدھے ہوتے اور پھر اشلوک و بھجن بلند آواز سے باز و سے ٹپکتے ہوئے اپنے اگرداونوں کو ادھر ادھر جنبش دیتے اور سونے کے برتنوں سے پوتر جل چھڑک کر دیوتاؤں کو دھار چڑھاتے تھے۔

یہ بتکدہ اتنا بڑا تھا اور اس کا ساز و سامان ایسا عجیب و غریب تھا کہ اس میں داخل ہوتے ہی انسان اپنے کو حد درجہ ناچیز و حقیر سمجھنے لگتا تھا۔ دنیوی خیالات اسکے دماغ سے غائب ہو جاتے۔ ہوش و حواس جواب دینے لگتے اور کسی اور ہی عالم میں اپنے کو پاتا جسکی پر اسرار آوازیں پرماتما کے قرب کا یقین دلاتیں اور دہشت و ہیبت سے تمام بدن تھرتھر کانپنے لگتا۔ شہزادہ کی عبادت کے لئے ایک گدی دار زریں چوکی تھی جسکے قریب سرنگوں ہو کر وہ الٹے پیر واپس آیا اور بڑے ہال سے گذرتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں حورث[1] کے باز اور آسس[2] و نیتھ کی گائیں موجود تھیں۔ انکے سامنے ایک نہایت بیش بہا

---

[1] "حورث" یا ہورس۔ اس دیوتا کو بہ شکل باز یا "پردار قرص" دکھایا جاتا ہے۔ مختلف دیوتاؤں یعنی "را" وغیرہ کے ساتھ ضم ہو کر اس کی مختلف صورتیں ہو گئیں اور دوسری اور صفتیں بھی اسکی ذات میں داخل ہو گئیں۔ منجملہ انکے وہ بادشاہوں کا محافظ بھی خیال کیا جاتا تھا ۱۲

[2] آسرس، آسس و حورث کے متعلق جو روایات مصریوں میں مشہور تھیں انہیں ہم اب بتفصیل لکھنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب "را" دنیا سے بیزار ہو کر آسمان پر چلا گیا تو ہر طرف ابتری

زربفتی پردہ حائل تھا۔ تاکہ عوام جنہیں صرف شاذ موقعوں پر دور سے درشن کی اجازت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پھیل گئی۔ لوگ درندوں وحشیوں کی طرح رہنے لگے۔ آسرس کے پیدا ہونے کا زمانہ قریب آیا اور ایک ندائے غیبی نے عاقلان تھیبنز کو مطلع کیا "آگاہ ہو کہ تمام دنیا کا مالک اب پیدا ہونے والا ہے"۔ آسرس بادشاہ ہوا۔ اس نے وحشیوں کو تمدن و تہذیب سکھائی۔ اس نے اور اس کی بیوی آسس دونوں نے ملکر انہیں زراعت و کاشتکاری کی تعلیم دی۔ جب وہ اپنے ملک کی اصلاح کر چکا تو پھر تمام دنیا کو تعلیم و تلقین کرنے کی غرض سے نکلا اسکی غیبت میں اسکی بیوی انتظام سلطنت کرنے لگی۔ مگر آسرس کا ایک بدذات بھائی تھا جسے اس سے بہت حسد تھا۔ اور وہ خود حکومت کرنا چاہتا تھا۔ اس کا نام ست تھا۔ غرضکہ جب آسرس اپنے سفر سے واپس آیا تو اسکی آمد کی خوشی میں ایک بہت بڑا جشن منعقد ہوا جس میں ست بھی مع اپنے بہتر بدمعاش ساتھیوں کے جو ملکہ حبش کی رعایا تھے شامل ہوا۔ وہ اپنے ساتھ ایک نہایت خوشنما صندوق بنوا کر لایا تھا۔ جب دعوت ختم ہوگئی تو سب مہمانوں نے اس صندوق کی بڑی تعریف کی۔ ست نے کہا کہ جس کسی کے قد کے برابر ہوگا یہ اسی کو دیدونگا۔ اس پر سب نے اسکے اندر لیٹ کر آزمائش کی۔ آخر آسرس صندوق کے اندر لیٹا۔ ست تو اسی کا منتظر تھا اس نے فوراً اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا جنہوں نے جلدی سے صندوق کا ڈھکنا رکھ کر اُسے کیلوں سے جڑ دیا اور اس طرح غریب آسرس کو مقید کر کے صندوق اُٹھا کر باہر لیگئے اور اُسے دریائے نیل میں پھینک دیا۔ آسس کو جب خبر ہوئی تو اس نے بہت آہ و بکا کی۔ اور اپنے شوہر کی لاش ڈھونڈنے نکلی۔ ست تاج و تخت کا مالک بن بیٹھا۔ اور حد درجہ مظالم و تشدد کے ساتھ رعایا کو عاجز و تنگ کرنے لگا۔ آسس جنگل و بیابان میں بھٹکتی پھرتی تھی۔ سات بچھو اس کے محافظ تھے۔ را کو اس پر رحم آیا اس نے انوبس کو جو آسرس و نیپتھس (روایت ہے کہ یہ ست کی بیوی اور آسس کی بہن تھی جو آسرس پر عاشق ہوگئی اور اس سے ایک حرامی لڑکا پیدا ہوا جس کا نام انوبس تھا) کا بیٹا تھا اسکی رہنمائی کے لئے بھیجا۔ اسی اثنا میں آسس کے ایک لڑکا حورس پیدا ہوا۔ ست کو اسکی خبر ہوگئی۔ اسنے دونوں کو

جاتی تھی انکو نہ دیکھ سکیں۔ گایوں کے سامنے سونے کے برتنوں میں دودھ، نمک، روٹی

پکڑنا چاہا مگر تھوتھ دیوتا نے اُسے آگاہ کردیا۔ وہ اپنے لڑکے کے ساتھ نکل کر بھاگی۔ اور شہر بوتو میں پہنچکر وہاں کی ناگن دیوی کی حفاظت میں اُسے دیدیا۔ ایک دن ایک بچھو نے اُسے کاٹ لیا اور مرگیا۔ آسس بہت روئی۔ تورا کو بھی رحم آیا۔ اس نے تھوتھ کو (بحیثیت طبیب آسمانی) بھیجا جس نے حورث کو دوبارہ زندہ کردیا۔ اب آسرس کی لاش کا یہ حال ہوا کہ صندوق دریائے نیل سے بہتا ہوا بحر قلزم میں پہنچا اور شہر ببلوس (ملک شام) کے ساحل پر لہروں نے اُسے اچھال کر پھینک دیا۔ یہاں اسکے گرد ایک عظیم الشان درخت فوراً اُگ گیا جس نے اپنے تنے میں اس صندوق کو چھپا لیا۔ شہر کے حاکم کو جب معلوم ہوا تو وہ اس عجیب شجر کو دیکھنے کے لئے آیا۔ اور اُسکے حکم سے اسکا تنا کاٹ کر محل میں بطور ایک ستون کے استادہ کردیا گیا۔ آسس کو اب خبر ہوئی تو وہ جہاز پر سوار ہوکر شہر ببلوس آئی۔ اور معمولی عورتوں کا لباس پہنے ساحل پر بیٹھ کر رونے لگی۔ اتنے میں محل کی چند خادمائیں اس طرف سے نکلیں اور اُس کا حال دریافت کرنے لگیں۔ آسس نے انکے بالوں کو منتر پڑھکر معطر کردیا۔ پھر جب وہ اپنی ملکہ کے پاس گئیں تو وہ انکے بالوں کی خوشبو سونگھ کر گرویدہ ہوگئی۔ اور اُنہیں حکم دیا کہ اجنبی عورت کو اسکے سامنے لائیں۔ آسس بادشاہ کے بچے کو دودھ پلانے کے لئے مقرر کی گئی۔ لیکن جب رات ہوئی تو وہ ایک چڑیا بن کر درخت کے تنے کو ڈھونڈھنے نکلی۔ اور جب وہ مل گیا تو دوسرے دن بادشاہ سے اُس نے وہ درخت کا تنہ مانگ لیا اور اسکے اندر سے صندوق نکال کر خالی تنہ کو خوشبودار کپڑوں سے لپیٹ کر واپس کردیا۔ جسے بادشاہ نے متبرک سمجھکر ایک مندر بنا کر رکھا اور صدیوں تک شہر ببلوس کے لوگ اسکی پرستش کرتے رہے۔ جب آسس مصر پہنچی تو اپنے شوہر کی لاش کا صندوق ایک جگہ چھپا کر حورث کو دیکھنے نکلی لیکن اتفاقیہ ست چاندنی رات میں سور کا شکار کھیلنے نکلا تھا۔ اسنے اس صندوق کو دیکھ پایا۔ اور اسے کھول کر آسرس کی لاش کے چودہ ٹکڑے کئے اور حکم دیا کہ انہیں دریائے نیل میں پھینک دیا جائے تاکہ گھڑیال و مگرمچھ کھا جائیں لیکن ان جانوروں نے انہیں نہ چھوا۔ (اسی لئے وہ مقدس جانوروں میں شمار کئے گئے) اور وہ ٹکڑے بہتے ہوئے دریا کے

اور چند خاص قسم کے پھولوں کا ایک ملیدہ بنا ہوا رکھا تھا۔ اور پرندہ بھی نہایت خوبصورت

بقیہ صفحہ گزشتہ۔ مختلف حصوں میں منتشر ہو گئے۔ آئسس کو جب خبر ہوئی تو وہ بہت روئی چلائی
اور ایک کشتی میں بیٹھ کر انہیں ڈھونڈھنے نکلی اور جہاں جہاں وہ ٹکڑے ملے انہیں دفن کر دیا۔ اور
آیندہ زمانہ میں وہاں بڑے بڑے مندر بنائے گئے اور صدیوں تک ان میں آسرس کی پرستش
ہوئی۔ اب حورث جوان ہو گیا تھا۔ ایک رات اس نے اپنے باپ کو خواب میں دیکھا کہ اس سے
کہتا ہے کہ میرا انتقام لے۔ حورث نے قسم کھائی کہ اپنے بدذات چچا سے ضرور بدلہ لیگا۔ پھر اس نے
ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور ست کو شکست دیکر بھگا دیا۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ جب
آسرس کے جسم کے ٹکڑے مل گئے تو آئسس اور نیفتھس دونوں نے انہیں اکٹھا جمع کر کے آہ و
بکا شروع کی۔ تب را کو رحم آیا جس نے انوبس اور تھوتھ کو آسمان سے بھیجا۔ انہوں نے ان ٹکڑوں
کو جوڑ کر اور کپڑے کی پٹیاں لپیٹ کر ایک ممی بنا دیا (اسی لئے آسرس دیوتا کو بشکل ممی پوجتے تھے)
پھر آئسس ایک پرند بن کر اس کا طواف کرنے لگی۔ اور اس کے پروں سے ایک ایسی خوشبو نکلی کہ
آسرس پھر زندہ ہو گیا۔ مگر بعدہ دیوتاؤں نے اُسے آسمان پر بلا لیا۔ اور وہ دوسری دنیا میں مُردوں کا بادشاہ
اور اُنکے اعمال کا جج مقرر ہو گیا۔ مصریوں کے بعض میت کی رسمیں اسی روایت کی وجہ سے ظہور میں آئیں
مثلاً مقبرہ کے ایک حجرہ میں مردہ کی ممی کو کھڑا کر کے رکھتے تھے۔ اور اُسکے رشتہ داروں میں سے دو
عورتیں آئسس و نیفتھس کا پارٹ لیکر ایک منتر پڑھتی تھیں تاکہ جب مردہ آسرس کی عدالت گاہ میں
پہنچے تو وہاں سے سرخرو و کامیاب ہو کر بہشت میں جائے۔

اسطرح آسرس و آئسس دیوتاؤں کے مرتبہ پر پہنچکر آغاز زمانہ میں زراعت و کاشتکاری
کے مربی دیوتا سمجھے جاتے تھے۔ پلوٹارک (مشہور یونانی فلسفی مورخ) مذکورہ بالا روایت کو ایک
قسم کی "الیگری" یعنی تشبیہ و استعارہ خیال کرتا ہے یعنی آسرس سیلاب نیل ہے۔ آئسس
سرزمین مصر کا سیر حاصل حصہ ہے حورث وہ بخارات ہیں جو بادلوں کو پیدا کر کے مینھ برساتے ہیں۔
ست مصر کی وہ دلدل جھیل ہے جہاں بخارات پیدا ہوتے ہیں۔ نیفتھس ریگستان کا وہ کنارہ ہے

طلائی پنجروں میں بڑے آرام سے بند تھے اور انکی خوراک و غذا کے لئے بھی خاص طور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جو کبھی کبھی سیلاب سے سرسبز ہوتا ہے۔ انوبس بنجر زمینوں کی پیداوار۔ ست یا
ٹائفو سمندر جو دریائے نیل کو نگل جاتا ہے۔ ست کے ساتھی خشکی جو رطوبت پر غالب آتی ہے ملکہ حبش
جنوبی ہوائیں جو مینھ کو برسنے نہیں دیتیں۔ آسرس کے اعضا یا جسم کے ٹکڑے دریائے نیل کی مختلف
نہریں ہیں۔ صندوق کنارہ نیل ہے جسکے اندر سیلاب کے بعد دریا چلا آتا ہے اور فتح ہورس (حورث)
بارش کی وہ قوت ہے جس سے سیلاب پیدا ہوتا ہے۔

زمانہ مابعد میں آسرس، آسس و حورث کی تثلیث قائم کی گئی اور جس طرح دوسرے دیوتاؤں
کو عروج ہوتا گیا انہیں بھی اسکے ساتھ ملاتے گئے۔ انکے متعلق اور بھی مختلف عقائد و روایتیں پیدا ہوتی
گئیں جنہیں سے بعض حسب ذیل ہیں:۔

آسرس۔ ست دیوتا کا بیٹا تھا۔ نت اور آسس اسکی مائیں تھیں اسلئے اپنی ماں کا شوہر
ہوا (اکثر دیویاں جنہیں مہاماتا کہتے تھے یہ عجب رشتہ رکھتی تھیں) بعض کہتے تھے کہ آسس اسکی بہن تھی
اسی لئے شاید بھائی بہن کا عقد مصر میں [illegible] رکھا گیا۔ آسرس توالد و تناسل کا بھی سبب خیال کیا جاتا
تھا۔ اسی لئے ایک خاص تہوار کے زمانہ میں اسکے لنگ کی شکلیں بناکر رسی سے باندھتے تھے اور
عورتیں اپنے ہاتھ میں لیکر انہیں گھماتی ہوئی سڑکوں پر گاتی ہوئی نکلتی تھیں۔ آسرس مصریوں کا
سب سے بڑا قومی دیوتا تھا۔ اور گو تاہ، را، امن وغیرہ بھی بڑے بڑے تھے۔ لیکن آسرس کی ہر جگہ عزت
تھی۔ اور آخری زمانہ میں اسی کی پرستش کا سب سے زیادہ رواج ہوا۔ ادر یونانیوں نے بھی اسے اپنا
دیوتا مان لیا۔ اسکے مشہور معبد فلی اور ابی دوس ہیں تھے۔ فلی (قدیم پانک) ایک نہایت متبرک
جزیرہ تھا۔ جہاں بہت کم لوگوں کو جانے کی اجازت تھی۔ حتی کہ چڑیاں تک اس طرف سے اڑکر نہ جانے
پاتی تھیں۔ عوام کا خیال تھا کہ یہاں آسرس کی قبر ہے۔ اسی لئے وہاں اس دیوتا کی سب سے بڑی "مسٹریز"
(خفیہ رسومات مذہبی) ہوتی تھیں۔ اور خاص اوقات پر پجاریوں کا ایک شاندار جلوس اسکے مرقد پر پھول
چڑھانے نکلتا تھا جہاں خاص پروہت مقرر تھے جن کا قاعدہ تھا کہ روزانہ (۳۶۰) پیالے دودھ سے

سے انتظام کیا جاتا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ بھر کے سب دیوتاؤں کے نام چڑھاتے تھے۔ اس جزیرہ میں آئسس کا بھی ایک مندر تھا جہاں
حورث کا مقام مولود تھا جسکی عزت عیسائیت کے بعد بھی لوگوں کے دل سے نہ گئی اور اسی کو دیکھ کر پادریوں نے کنواری
مریم کا ایک گرجا وہاں بنا دیا اور آئسس و مریم اور حورث و عیسیٰ دونوں کو باہم ملا دیا (نعوذ باللہ من ذالک) قدیم زمانہ میں
آسرس کے متعدد تہوار "مسٹریز" ہوتی تھیں۔ آخر الذکر کا حال بہت کم معلوم ہے وہ اسقدر مقدس تھیں کہ کوئی
انہیں زبان پر نہ لاسکتا تھا۔ بعض یونانی فلسفیوں کو چھوٹی "مسٹریز" میں شامل ہونیکی اجازت مل گئی تھی۔ بڑی
رسومات کے رازداں بننے کیلئے سخت شرائط تھیں۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ "یہ مسٹریز" سیئز میں منعقد ہوتی تھیں۔
وہ انہیں بیان کرتے ہوئے ڈرتا ہے اور لکھتا ہے کہ "سیئز میں ایک عبادتگاہ ہے جس کا نام اس موقع پر لینا مناسب
سمجھتا ہوں۔ ایک خاص رات وہاں قربانیاں ہوتی ہیں۔ ہر شخص اپنے گھر کو چراغان کرتا ہے اور چھوٹی چھوٹی
پیالیاں (دولیاں) جن میں نمک تیل اور بتیاں ہوتی ہیں رات بھر اپنے مکان کے درودیوار پر رکھ کر جلاتا ہے۔ نہ
صرف سیئز بلکہ تمام مصر میں گھر گھر روشنی ہوتی ہے۔"

آسرس۔ اسکی بہشت اور اسکے "امیپ" یعنی "جبل سندی" کا حال ہم آئندہ بیان کریں گے مگر یہ
بتا دینا ضروری ہے کہ بعض فلسفی آسرس کو خدائے واحد کی صفت وہبی و رحمانی کا مظہر سمجھتے تھے اور چونکہ وہ شکل
انسان میں ظاہر ہوا تھا اس لئے یہ ایک مخفی راز تھا جسے بہت کم لوگوں کو بتایا جاتا تھا۔ اسکے متعدد نام تھے وہ
اس عالم میں انسان کی بھلائی و بہبودی کیلئے آیا تھا اور جب اپنا فرض تمام کر چکا تو ست، ٹائفو یعنی شیطان اس پر
غالب آگیا۔ مگر اسکے لڑکے حورث (ہورس) نے اسے شکست دی۔ اور دنیا کو تباہی سے بچا لیا۔ ظاہر ہے کہ عیسائیوں
کے عقاید اور مسئلہ تثلیث پر مصریوں کے اس مذہب کا کس قدر بڑا اثر پڑا ہے اور صاف طور پر اول الذکر ثانی الذکر
سے مستخرج معلوم ہوتا ہے۔

آئسس۔ اس دیوی کی پرستش عام تھی اسے ماما کہتے تھے۔ اسکے دس ہزار مختلف نام تھے
اور مختلف دیوتاؤں اور دیویوں کے ساتھ اکثر ملادی جاتی تھی۔ اسکی شکل عام عورتوں کی طرح تھی مگر اسکا سر کبھی گائے
کا ہوتا تھا کبھی اس پر گدھ بیٹھا ہوتا تھا۔ کبھی اس سے پھول و پودے نکلتے تھے اور کبھی اسپر دو سینگ ہوتے

سا مطبق یہاں پہلے اکثر آچکا تھا اسلئے زیادہ دیر تک نہ ٹھیرا - اور ایک جانب خفیہ
زینوں پر چڑھتا ہوا اس کمرہ یا حجرہ کے باہر پہنچا جو رصدگاہ کے متصل تھا اور جہاں پروہت اعظم اپنا
پوجا پاٹ کرنیکے بعد آرام لیا کرتا تھا - یہ کمرہ بھی بڑا خوبصورت و عالی شان تھا - اسکی دیواروں پر مذہبی
کتبیات مختلف رنگوں میں لکھے ہوئے تھے - اور دیوتاؤں کی رنگین مورتیں بھی جگہ جگہ رکھی تھیں اسکے
فرش پر بابل کے نہایت دبیز اونی و ریشمی قالین بچھے تھے اور ان پر ایک زریں آرام کرسی بھی اودے
رنگ کے مخملی گدوں سے منڈھی ہوئی رکھی تھی - اس کرسی پر ایک سن رسیدہ شخص جسکی عمر قریب ستر
برس کے ہوگی - اپنے پیر ایک خوشنما چوکی پر رکھے ہوئے آرام سے بیٹھا ہوا تھا - اسکے ہاتھ میں کتبات
کا ایک لپٹا ہوا پلندہ تھا - اور اسکے پیچھے ایک غلام شتر مرغ کے پروں کا پنکھا لئے ہوئے
مگس رانی کر رہا تھا - یہی مہا پجاری نتیھوتف تھا - اس کا چہرہ جس پر جھریاں بکثرت تھیں
کسی زمانہ میں حسین ہوگا - اسکی آنکھیں جن سے عقل - فراست و خودداری مترشح تھی - بڑی
اور نیلگوں تھیں - اُس نے مصنوعی بالوں کی ٹوپی سر سے اُتار کر ایک طرف رکھ دی تھی اس لئے
اسکی گھٹی ہوئی چکنی کھوپڑی چمکتی نظر آرہی تھی - جھریاں اور بھی نمایاں ہوگئی تھیں - اور پیشانی غیر معمولی
بلند معلوم ہوتی تھی اس کا چہرہ نہایت بارعب تھا - اس کا طرز و انداز بھی انوکھا تھا - لباس صاف
وستھرا، سفید و بالکل سادہ تھا - اور گردوپیش کی آرائش بھی عجیب و غریب تھی - ان تمام باتوں کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جنکے درمیان قرص شمسی واقع ہوتا اور وہ اپنے طفل حورث کو گود میں لئے دودھ پلاتی
رہتی تھی - مصریوں کی روایات کے بموجب روحانی دنیا میں یہ اپنے شوہر کے ساتھ مردوں کی عدالت میں
صدارت کرتی ہے - پلوٹارک اسے "دھرتی" یا "زمین" سے تشبیہہ دیتا ہے اور حیوانات کی اُس فطرت اناثی
کو جو انکی پیدائش کا باعث ہے اُس سے منسوب کرتا ہے - آسرس تخلیق کا سبب اولین ہے یعنی قوت
فاعلیہ اور آسس قوت قبولیہ یعنی منفعلہ ہے اور حورث ان دونوں کا نتیجہ ہے - حورث (ہورس) بیشتر عموماً بشکل
بازیا پرواز قرص دکھایا جاتا ہے مختلف دیوتاؤں یعنی را وغیرہ کیساتھ ملا کر اسکی بھی بہت سی صورتیں ہوگئیں اور اکثر دوسری صفتیں
اسکی ذات میں شامل ہوگئیں - منجملہ انکے وہ بادشاہوں کا محافظ بھی خیال کیا جاتا تھا - (ماخوذ از پروفیسر ولکنسن و ڈکشنری)

ایک اجنبی ملاقاتی کے دل پر بہت بڑا اثر پڑتا تھا۔ مہا پروہت نے شہزادہ کو دیکھتے ہی حسب مرتبہ اسکی آؤ بھگت کی۔ اور بڑی محبت و شفقت سے پوچھا "فرزند ذی شان! متبرک دیوی کے اس ناچیز خادم کے پاس کس غرض سے آئے ہو؟"

سامطیق۔ (فتحمندانہ خوشی کا اظہار کر کے مسکراتے ہوئے) "پیر و مرشد! مجھے آپ سے بہت کچھ عرض کرنا ہے۔ ابھی ابھی بادشاہ کی حضوری سے واپس آرہا ہوں۔

مہا پروہت "اور شاید اس نے تمہاری عرض منظور کرلی اور تمہاری تمنا دلی بر آئی"

سامطیق "جی ہاں۔ آخر کار"

مہا پروہت "تمہارے چہرہ ہی سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہمارے آقائے نامدار تمہارے پدر مکرم بڑے الطاف و محبت کے ساتھ تم سے پیش آئے ہیں"

سامطیق "جی ہاں، مگر سخت ناراضی اور عتاب کے بعد۔ جب میں نے بموجب آپکی ہدایتوں کے سب باتیں کہہ سنائیں تو اسقدر غصہ آیا کہ میری جان پر آبنی۔ اور میں سمجھا کہ آج خیر نہیں ہے"

مہا پروہت "معلوم ہوتا ہے کہ تم نے سختی و گستاخی سے کلام کیا ہوگا۔ اور میری اس ہدایت پر کہ نہایت عاجزی کے ساتھ عرض داشت کرنا عمل درآمد نہ کیا ہوگا"

سامطیق "بیشک یہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ میرا بھی مزاج اسوقت برہم ہو گیا تھا"

مہا پروہت "تو اس حالت میں ان کو ناراض ہونیکا پورا حق حاصل تھا کیونکہ یہ ہرگز کسی لڑکے کیلئے شایان و مناسب نہیں کہ باپ کے سامنے سخت و سست الفاظ زبان سے نکالے۔ خصوصاً جب اس سے اپنا کوئی کام نکالنا منظور ہو۔ تمہیں شاید بزرگان دین کا یہ قول یاد نہیں کہ "جو کوئی اپنے باپ کی عزت کرتا ہے اسکی عمر زیادہ ہوتی ہے۔" تم میرے شاگرد ہو اور میں ہمیشہ تم کو تنبیہ کرتا رہتا ہوں۔ کیونکہ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ جہاں نرمی و آشتی کو اختیار کرنا چاہئے تھا تم نے ایسی سختی و درشتی کا اظہار کیا ہے کہ تمام کام بگڑ گئے ہیں۔ یاد رکھو! میٹھی زبان سخت کلامی سے کہیں زیادہ مؤثر ہوتی ہے اور طرز انداز گفتگو و لب و لہجہ پر بھی بہت کچھ انحصار

ہوتا ہے۔ سنو! میں تم سے ایک حکایت بیان کرتا ہوں۔ پرانے زمانہ میں اس ملک کا ایک بادشاہ سنیفرو تھا جو ممفس میں رہا کرتا تھا اس نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ اسکے منہ کے تمام دانت گر گئے ہیں۔ اسکی تعبیر اسنے ایک نجومی سے پوچھی جس نے یہ جواب دیا کہ اے بادشاہ! تیرے خاندان پر سخت آفت آنیوالی ہے اور سب عزیز و اقارب تیرے ہی سامنے مر جائیں گے۔ یہ سُنکر بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور اس نے اس بدزبان شخص کو سزا دیکر شہر بدر کر دیا۔ بعدہ ایک دوسرے معبّر کو بلایا۔ جس نے عرض کیا کہ اے جلیل القدر بادشاہ! خوش ہو کہ تو اپنے خاندان میں سب سے زیادہ مدت تک زندہ و خوش و خرم رہے گا۔ بادشاہ یہ سن کر نہایت مسرور ہوا اور اس نے نجومی کو تحفہ تحائف دیکر رخصت کیا۔ حالانکہ اس نے بھی پہلے شخص کی طرح وہی بات کی تھی مگر اس خوبی سے مطلب ادا کیا تھا کہ بُری نہیں معلوم ہوئی۔ تم بھی اس حکایت سے سبق حاصل کرو اور آئیندہ احتیاط سے کام لو۔ اور اپنے مضمون کو بطریق احسن ادا کیا کرو تاکہ سُننے والیکے دل پر خراب اثر نہ پڑے۔"

ساطیق:۔ پیر و مرشد! آپنے اکثر مجھے یہی نصیحت کی ہے اور میں بھی دیکھتا ہوں میری سخت کلامی کی وجہ سے اکثر مجھی کو نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ مگر کیا کروں اپنی عادت کو نہیں بدل سکتا۔"

مہاپروہت:۔ نہیں! بلکہ یہ کہو کہ بدلنا ہی نہیں چاہتے۔ کیونکہ عقلمند آدمی جب کسی کام کو کرکے پچھتاتا ہے تو دوبارہ اسکے ارتکاب کا قصد نہیں کرتا۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ بادشاہ کو تم نے بالآخر راضی و خوش بھی کر لیا

ساطیق:۔ جی ہاں۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ انکی سخت و سست باتوں سے میرے دل کو بہت رنج پہنچا ہے تو فوراً انکا غصہ فرو ہو گیا محبت پدری نے جوش مارا اور اپنے بخشش و کرم سے تلافی مافات کرنے لگے۔"

مہاپروہت۔ بادشاہ نہایت رحمدل و شریف مزاج ہے۔ لوگوں کے بہکانے میں آکر ذرا غافل ہو گیا ہے ہماری رائے پر چلتا اور ہماری نصیحت پر عمل کرتا تو آج ملک کی حالت دگرگوں نہوتی اور کسی کو شکایت کا کوئی موقع نہ ملتا

ساطیق۔ انپر اسقدر اثر ہوا کہ آخر میری التجا قبول کر لی۔ پیر و مرشد آپ سنتے ہیں! انہوں نے فنیس کو میرے حوالہ کر دیا۔

مہاپروہت۔ تمہاری آنکھیں خوشی سے کیسی چمک رہی ہیں! شہزادے یہ تمہارے لئے نازیبا ہے فنیس نے

دیوتاؤں کو ناراض کیا ہے اسلئے وہ قابل قتل و گردن زدنی ہے مگر منصف مزاج حاکم کا فرض ہے کہ اگر سزائے موت دینے پر مجبور ہے تو مجرم کی حالت پر افسوس کرے نہ کہ خوش ہو۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تمہیں اور کوئی بات بھی معلوم ہوئی ؟"

سامطیق "۔ بادشاہ نے مجھ سے نیتیتس کی پیدائش کا راز بھی کہہ دیا"

مہاپروہت "۔ اور کچھ"

سامطیق "۔ اور کچھ بھی نہیں۔ کیا آپ راز کو سننا نہیں چاہتے ؟"

مہاپروہت "۔ راز جوئی عورتوں کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ مجھے جو کچھ تم کہنا چاہتے ہو پہلے ہی سے معلوم ہے"

سامطیق "۔ مگر کل تو آپ ہی نے فرمایا تھا کہ تمہارے والد سے ان تمام باتوں کا کھوج لگاؤ نگا"

مہاپروہت "۔ اس سے مجھے تمہارا امتحان لینا منظور تھا کہ دیوتاؤں کے حکم کی کتنی عزت کرتے ہو اور اُس راستہ سے بھٹک تو نہیں گئے جس پر ترقی کر کے اگر اس قابل ہوئے تو ایک دن آسمانی رازوں کے حامل بنوگے۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ تم میں فرمانبرداری کا مادہ ہے اور اپنے بیان میں دروغ و مبالغہ سے کام نہیں لیتے جو پروہت کا سب سے بڑا فرض ہے"

سامطیق "۔ تو کیا جناب کو نیتیتس کے حسب و نسب کا حال پہلے ہی سے معلوم تھا ؟"

مہاپروہت "۔ میں بذات خود شاہ ہوفرا کی تجہیز و تدفین کے وقت موجود تھا۔

سامتیک "۔ اور اس راز سے کس نے آپ کو خبر کی ؟"

مہاپروہت "۔ صاحبزادے! تمہیں کیا معلوم نہیں کہ علم نجوم[۱] میں مجھے کس قدر مہارت حاصل ہے اور اجرام فلکی مجھ سے تمام حالات بیان کر دیا کرتے ہیں "۔

سامتیک "۔ کیا یہ ستارے کبھی جھوٹ نہیں بولتے ؟"

مہاپروہت "۔ کبھی نہیں۔ کبھی اس شخص کو دہوکہ نہیں دیتے۔ جو انکی علامات ونشانیوں کو پوری طور سے سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہے"۔ یہ سنتے ہی سامتیک کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اُسے بادشاہ کا خواب اور اپنا منحوس زائچہ یاد آگیا اور مہیب شکلیں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگیں۔ بوڑھا پروہت شاہزادہ کا یہ رنگ دیکھ کر فوراً تاڑ گیا اور کہنے لگا "تم شاید اپنی نحس ساعت ولادت جنم پتر کی سوچ میں ہو کہ اس سے مفر پانا محال ہے۔ مگر گھبراؤ نہیں۔ دلکو ڈھارس دو اور خوش ہو کہ اس زمانہ کے نجومیوں کو ایک دوسرے نچھتر کی خبر نہ تھی جسے میں نے اب معلوم کیا ہے۔ تمہارا زائچہ از حد خراب تھا مگر ممکن ہے کہ بدل جائے۔ ممکن ہے ...."

سامتیک ۔ (بیتابی کے ساتھ) "پیر و مرشد۔ جلد فرمایئے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے ؟"

مہاپروہت "۔ ہاں ہاں! ممکن ہے کہ اچھا ہو جائے۔ بشرطیکہ تم یہ وعدہ کرو کہ دیوتاؤں کی خدمت میں تمام تر اپنی زندگی صرف کر دو گے اور انکے احکام پر جو ہمارے ہی ذریعہ نافذ ہوا کرتے ہیں آنکھیں بند کر کے عمل درآمد کیا کرو گے "۔

سامتیک "۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تا زیست دیوتاؤں کی اطاعت سے سرمو گریز نہ کرونگا "

مہاپروہت (نہایت متانت کے ساتھ) "شاباش! میری دعا ہے کہ سیزر کی مبارک

---

[۱] مصری نہایت غور سے اجرام فلکی کے حرکات کا برسہا برس سے مطالعہ کرتے رہے تھے۔ اور انکے اثرات کو بھی کہ فلاں موقعہ پر ہونے سے کیا واقعات یا حادثات پیش آئے لکھ لیتے تھے اور اس سے پیشینگوئی کر سکتے تھے کہ فصل کیسی ہوگی، بیماری پھیلے گی، زلزلہ آئیگا یا سیلاب ہوگا۔ اور انسانی قسمتوں پر کیا اثر پڑیگا۔ یونانیوں نے مصریوں ہی سے اس علم کو حاصل کیا۔ اور علم ہیئت کی بھی اس سے بنیاد پڑی۔

دیوی نیتھ تمہیں ثابت قدمی کی ہدایت دے۔ (کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد نہایت محبت سے) اچھا بیٹا اب رخصت میں بوڑھا ہوں اور آج اتنی پوجا کی ہے کہ تھک گیا ہوں فینس کے قتل میں اگر کچھ توقف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ اسکے مرنے سے پہلے ہی اس سے مل کر کچھ کہہ سن لوں۔ میں نے سنا ہے حبشی سپاہی کل آ گئے ہیں۔ یہ نہ مصری سمجھتے ہیں نہ یونانی زبان سے واقف ہیں۔ میری رائے ہے اگر کوئی ایسا معتبر شخص مل جائے جسے یہ معلوم ہو کہ یونانی کس جگہ پوشیدہ ہے تو اس کی سرداری میں ان حبشیوں سے بڑا کام نکلے گا اس لئے کہ زبان کے نہ جاننے سے وہ اس راز کو کسی پر افشا نہ کر سکیں گے انہیں ہرگز نہ بتانا چاہئے کہ کس غرض سے بھیجا جاتا ہے۔ اور جب مطلب پورا ہو جائے تو فوراً انہیں اپنے ملک واپس کر دینا چاہئے۔ بہرحال نہایت ہوشیاری سے کام لینا۔ اور خیال رکھنا کہ جو راز ایک سے زیادہ آدمیوں کو معلوم ہو گیا وہ قریباً طشت از بام ہو گیا۔ اچھا تو اب جاؤ۔ دیوتا تمہیں سلامت رکھیں۔" سامتیک کو رخصت ہوئے چند لمحے بھی نہ گذرے تھے کہ ایک نوجوان پروہت جو بادشاہ کے خدام میں سے تھا۔ حاضر ہوا۔ اور آداب بجا لا کر مہا پروہت سے اس طرح مخاطب ہوا "حضور والا! میری خبر صحیح تھی کہ نہیں؟"

مہا پروہت "شاباش۔ میں تجھ سے بہت خوش ہوں کہ بادشاہ و شاہزادہ کی گفتگو کا ایک حرف بھی تجھ سے نہیں چھوٹا۔ آئسس تیری قوت سامعہ ہمیشہ ایسی ہی قوی و برقرار رکھے"

خادم۔ پیر و مرشد! میں تو کیا۔ کوئی بہرا بھی ہوتا تو بھی قریب کے کمرہ سے بادشاہ کی گفتگو کا ایک ایک حرف سن لیتا۔ وہ ایک بیل کی طرح ڈکار رہا تھا"

مہا پروہت "چپ۔ خبردار ایسے گستاخانہ الفاظ فرعون کی شان میں پھر کبھی تیری زبان سے نہ سنوں۔ یہ بھی دیوی کا طفیل ہے کہ اسکی طبیعت میں احتیاط کا مادہ نہیں۔

اور اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ اب جا۔ اور اگر راماسس کا خیال بدل جائے اور فنیس کو بچانے کا ارادہ کرے تو فوراً مجھے اطلاع دینا میں اسی جگہ ملونگا۔ باہر میرے خادموں سے کہہ دینا کہ کسی ملاقاتی کو نہ آنے دیں کیونکہ مجھے فرصت نہیں ہے اور مطالعہ وعبادت میں مصروف ہوں۔"

ادہر تو شہزادہ سامتیک فنیس کی گرفتاری کی تدبیریں کر رہا تھا ادہر کروسس مع اپنے رفقا کے شاہی بجرہ پر بیٹھ کر رودِ نیل سے ملنے کے لئے نوکراتیس جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ کروسس کا بیٹا گیجیس اور تینوں ایرانی دوست سیر وتماشہ کے لئے سیئس میں رہ گئے۔ بادشاہ کی عنایتیں ومہربانیاں ان پر روز افزوں ہونے لگیں۔ اور مصریوں کی

[1] نیتھوتپ یعنی سیئس کا مہاپروہت نہایت ذی اقتدار و باثر شخص تھا۔ ہیروڈوٹس نے جو عام مصری پروہتوں کے حالات بیان کئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرقہ عموماً نہایت متمول تھا۔ انکے لباس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں کہ نہایت صاف ستھرے کتان کے واسکٹ وغیرہ پہنتے تھے۔ جوتے پپرس کے تھے۔ طہارت جسمانی کا بہت خیال تھا۔ ہر تیسرے دن اپنے جسم کے تمام بال صاف کر دیتے۔ دن میں دو بار ٹھنڈے پانی سے نہاتے دہوتے اور بوقت شب بھی اتنی ہی بار طہارت کرتے۔ انکی غذا عموماً دریائی پرند مثلاً مرغابی یا گائے کا گوشت وشراب تھی۔ مچھلی ممنوع تھی۔

انکا اقتدار اس لئے اور بھی زیادہ تھا کہ بڑے بڑے دیوتاؤں کے مندر خود مختار تھے۔ انکے انتظامات کا ایک پورا محکمہ تھا جسکے مختلف شعبوں مثلاً خزانہ، سامان آرائش اراضی، مویشی وغیرہ پر حاکم مقرر تھے جنکا مرتبہ شہزادوں سے کم نہ تھا نیز ایک ایک کاتب بھی تھا اور انکا افسر اعلیٰ کاتب اعظم کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ ہر مندر میں مزدور، حجام، دربان، کاریگر، صناع، انجنیر اور دیگر چھوٹے بڑے بہت سے افسر تھے جنکے سپرد بھینٹ، نذرانہ اور بیت المال وغیرہ کی حفاظت تھی۔ بعض مندروں کی خود اپنی فوج تھی اور انکی پروہت اعظم سے فرعون تک ڈرتا تھا۔ اسکی خاص مثال امّن کا معبد تھا یہ وہ بت ہے جو کسی زمانہ میں سب سے بڑا اور عظیم الشان سمجھا جاتا تھا۔ (ماخوذ از ہسٹورین ہسٹری آف ورلڈ)

رسم ورواج کے مطابق ملکہ وشہزادیاں بھی بلا تکلف ان سے ملتی رہیں۔ اماسس سب سے ہنسی مذاق کرتا تھا اور نوجوان ایرانیوں کو اپنی لڑکیوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا۔ کیجیس کو اسی نے نرد کا کھیل سکھایا۔ مگر مصریوں کا مرغوب ترین کھیل لکڑی و چھلوں کا تھا۔ بردیہ نتیتس کی طرف چھوٹے خوشنما چھلے جن پر رنگین فیتے لگے تھے پھینکتا تھا اور وہ انکو ہاتھی دانت کی ایک نازک چھڑی پر روک لیتی تھی۔ کیا مجال کہ کوئی اس سے چھوٹکر علیحدہ گر پڑے۔ جب بردیہ عاجز آگیا تو چلا کر کہنے لگا "بہن! واقعی تم کو عجیب و غریب مشق ہے۔ ہم بھی وطن پہنچکر اس کھیل کو اپنے یہاں رائج کریں گے۔ ہم لوگ تمہاری طرح نہیں کہ غیروں کی باتوں سے نفرت کریں بلکہ کوئی چیز کہیں کی ہو۔ اگر بہتر و مفید ہے تو فوراً اختیار کر لیتے ہیں۔ میں اپنی والدہ سے عرض کرونگا کہ حرم شاہی میں بھی سب کو یہی کھیلنے کی اجازت دی جائے۔" اس پر پریچہرہ تاشو بولی "دیکھو! بہن نتیتس جب سسرال میں کھیلنا تو کہیں اپنے وطن کی سہیلیوں کو نہ بھول جانا (بردیہ کی طرف ترچھی نظر اور بڑی شرمیلی ادا سے دیکھ کر) اور آپ تو گھر پہنچتے ہی ہم کو بھول جائیں گے۔ ہاں البتہ جب کبھی یہ کھیل کھیلئے گا اور چھلّوں کو اڑتا دیکھیئے گا تو شاید اس وقت کا لطف اور ہماری بھی ذرہ سی یاد دل میں آجائے۔ کیوں میں سچ کہتی ہوں نا؟" نوجوان ایرانی (مسکراکر) "آپ کیا فرماتی ہیں۔ بھلا میں آپ لوگوں کو کبھی بھول سکتا ہوں۔ آپ کی عنایتیں اور مہربانیاں ہمیشہ مجھے یاد رہیں گی۔"

(دوسری شاہزادی سے مخاطب ہوکر) مجھے یقین ہے کہ آپ کا دل ہمارے ملک میں کبھی نہ گھبرائیگا۔ ابھی آپ کو معلوم نہیں کہ ہم لوگ کیسے ہیں۔ جب اچھی طرح ملئے جلئے گا تو اصلی حالت معلوم ہو جائیگی۔ (ہنس کر) ہم ایشیا والے حسن و خوبصورتی کے بڑے مداح و دلدادہ ہیں جس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ کئی کئی بیویاں کرتے ہیں۔"

اس جملہ پر نتیتس تو ایک آہ سرد بھر کر خاموش ہو رہی۔ مگر ملکہ نے تیز ہوکر جواب دیا۔ "اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ ہم عورتوں کی طبیعت کو سمجھنے سے ابھی تک بالکل

قاصر ہو۔ برؔدیہ! تمہیں شاید وہم وگمان بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ عورت جو اپنے خاوند کی عاشق زار ہے اور اپنا تمام جان و مال اس پر نثار کرنے کو تیار ہے۔ اُس کے دل کی کیا حالت ہوگی۔ اگر اس سے کہا جائے کہ اس کے پیارے شوہر کی نگاہ میں اسکی قدر و قیمت ایک خوشنما گڑیا، کھلونے، یا پرند وغیرہ سے کچھ زیادہ نہیں۔ اب رہا سوکن کا جلاپا وہ تو اس سے بھی زیادہ ہزار گنا سوہان روح ہوگا۔"

اماسس۔ (بردیہ سے ہنس کر) "ملکہ کو دیکھا کیسی جلی کٹی باتیں کرتی ہے۔ جس کی سُننے سے خواہ مخواہ شبہ ہوتا ہے کہ کہیں میری طرف سے تو کوئی شکایت کا موقعہ نہیں ملا۔ مجھ سے قسم لے لو۔"

ملکہ "نہیں میرے پیارے۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔ اس معاملہ میں تم مصری تمام قوموں سے افضل و برتر ہو کہ جب ایک سے دل لگ گیا تو کبھی بیوفائی نہیں کرتے اور ہمیشہ ثابت قدم رہتے ہو۔ بلکہ میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ دنیا کی کوئی عورت[1] مصری بیویوں سے زیادہ خوش نصیب نہیں ہو سکتی۔ یونانیوں ہی کو دیکھو کہ سامان زندگی کی زیب و زینت انہیں خوب آتی ہے۔ مگر اپنی عورتوں کی جیسی قدر کرتے ہیں وہ سب پر ظاہر ہے۔ ان غریبوں کا بچپن کا زمانہ بند مکانوں میں بڑی بوڑھیوں کی سخت نگرانی

---

[1] اہل مصر اپنی ملکہ کی بادشاہ سے زیادہ عزت کرتے تھے۔ عورتیں ولیعہد ہو سکتی تھیں۔ خود تخت پر بیٹھ سکتی تھیں یا اپنے شوہر کو بٹھا سکتی تھیں۔ لوگ جب اپنی نسل یا خاندان کا شجرہ بیان کرتے تو نسبت باپ کے ماؤں کا زیادہ ذکر کرتے۔ مصری عورتیں نہ صرف گھر کی مالکہ کہلائی جاتی تھیں اور انتظام خانہ داری میں پوری طور سے مختار تھیں بلکہ اپنی جائداد وغیرہ کو بھی جس طرح چاہتیں صرف کر سکتی تھیں۔

مصری عموماً ایک ہی بیوی پر قناعت کرتے تھے اور اسکے ساتھ وہی برتاؤ کیا جاتا تھا جو آجکل یورپ میں پایا جاتا ہے۔ یعنی پرائیویٹ و پبلک زندگی میں جنس اناث کے حقوق ہر حالت میں مردوں پر افضل سمجھے جاتے تھے۔ (ایبر)

میں چرخہ پونی کات کات کر کس بری طرح گذرتا ہے۔ اور جب بڑی ہوتی ہیں تو کسی اجنبی شخص کے ساتھ جسے شاید کبھی دیکھا بھی نہ ہو گا ان کا عقد کر دیا جاتا ہے۔ اور زنان خانہ میں علیحدہ رہتی ہیں۔ شوہر جو باہر اپنے کام کاج میں پھنسا رہتا ہے بہت کم اندر آتا ہے کبھی اتفاق سے کوئی بہت بڑا دوست یا عزیز و اقارب ملنے کے لئے آگئے تو بہ مشکل بیوی کو سامنے آنے کی اجازت دی جاتی ہے اور وہ غریب دور الگ بیٹھی ہوئی شرم سے نیچی کئے انکی باتیں سنتی رہتی ہے اور کچھ اپنی زبان سے نہیں کہہ سکتی۔ افسوس کہ مرد یہ نہیں سمجھتے کہ عورتوں کے دلوں میں بھی دنیا کے حالات معلوم کرنے و علوم و فنون حاصل کرنے کی خواہشیں موجزن ہیں۔ اور اگر انہیں جاہل رکھیں گے تو خود انہیں کی آیندہ نسلوں کے لئے برائی ہے کیونکہ ماں کی تعلیم و تربیت کا اثر بچہ پر بہت بڑا ہوتا ہے اور ایک جاہل ماں جس کا علم نہایت محدود ہے سوائے جہالت کے اپنی اولاد کو کچھ نہیں سکھا سکتی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اکثر یونانی مرد اپنی بیویوں سے گھبرا جاتے ہیں اور انکی صحبت میں لطف نہیں اٹھا سکتے۔ اس لئے باہر نکل کر کسبیوں[۱] یا آوارہ عورتوں سے ناجائز تعلقات پیدا کرتے

---

[۱] یونان میں کسبیوں کے بھی مختلف مدارج تھے۔ معمولی درجہ میں وہ تھیں جنکا تعلق افروڈیت دیوی کی پرستش سے تھا۔ سب سے اعلیٰ طبقہ میں جن کا شمار تھا انہیں ہٹیری کہتے تھے۔ یہ ہندوستان کی ڈیرہ دار رنڈیوں کی طرح رہتی تھیں۔ اور بڑے بڑے شہروں مثلاً کارنتھ و ایتھنز میں زیادہ تر تھیں۔ قانون سولن کے مطابق انکا وجود ملک میں ضروری تھا تاکہ خاندانوں میں خرابیاں نہ پیدا ہوں۔ مجرد لوگوں کا انکے یہاں جانا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔ مگر شادی شدہ کے لئے ممنوع تھا۔ بعدہٗ جب بداخلاقی بڑھی تو یہ قید بھی اٹھ گئی۔

یہ عورتیں شہر کے ایک جداگانہ محلہ میں رہتی تھیں اور عموماً غلاموں کے طبقہ سے تھیں یا آزاد شدہ غیر ملک کی عورتیں تھیں۔ یونانی النسل عورت کا اس پیشہ کو اختیار کرنا نہایت غیر معمولی بات سمجھی جاتی تھی عموماً یہ ہٹیری نہایت حسین، تعلیم یافتہ، ذہین و حاضر جواب ہوتی تھیں۔ بڑے بڑے لوگوں کے یہاں مدعو کی جاتیں۔ یا وہ خود انکی مجلسوں میں آتے اور انکی صحبت و گانے بجانے سے محظوظ ہوتے تھے۔

ہیں۔ یہ عورتیں خواہ ایسی حسین نہ ہوں مگر مردوں کی صحبت میں برابر اٹھنے بیٹھنے سے بڑی ہوشیار ہو جاتی ہیں۔ اور انہیں پھنسانے ولبھانے کے تمام گر معلوم کر لیتی ہیں۔ اور اپنے نازوانداز، حاضر جوابی، ولطیفہ سنجیوں سے مرد کو ایسا گرویدہ کر لیتی ہیں کہ وہ اپنی غریب بیوی کا کبھی نام تک نہیں لیتا اور بالکل انہیں کا ہو جاتا ہے۔ مگر مصر کا حال بالکل مختلف ہے یہاں نوجوان لڑکیوں کو اچھے لوگوں کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے کی پوری آزادی حاصل ہے۔ ہمیشہ میلے ٹھیلے، تہوار، دعوتیں وجلسے ہوتے رہتے ہیں جہاں ہر دو جنس باہم ملتے جلتے ایکدوسرے سے واقفیت حاصل کرتے ہیں اور ایک حد تک اپنے ساتھی کا خود ہی انتخاب کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ شادی ہونیکے بعد بیوی بجائے ایک لونڈی کے ایک سچے ہمدم ورفیق کی حیثیت سے رہتی ہے اور اپنے خاوند کے ہر کام میں مدد کرتی ہے۔ چند خاص اور بڑی بڑی باتوں کو اس پر چھوڑ دیتی ہے۔ مگر افکار خانہ داری کو اپنے ذمہ لے لیتی ہے اور اس میں ایسی قابلیت وجوہر دکھاتی ہے کہ زندگی کا عیش اسی کی ذات سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ اور نیز اپنا علم وتجربہ ودنیا شناسی کی بدولت اولاد کی تعلیم وتربیت بھی بطریق احسن انجام دینے کے قابل ہوتی ہے۔ عورت کی سب سے بڑی صفت اس کی پارسائی اور سلیقہ خانہ داری ہے اور اسکے شوہر کی خوشی وراحت کا تمام تر انہیں باتوں پر دارومدار ہے۔ اس لئے اگر وہ اسکی سچی دلدادہ وبہی خواہ ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ وہ بھی اُس کا قدردان ہے تو کبھی ان دونوں باتوں کو ہاتھ سے نہ جانے دیگی اور اس کی نظروں میں اپنے کو ذلیل وحقیر نہ ہونے دیگی۔

ہم عورتوں کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہی بات کریں گے جو ہمیں پسند آئے یا ہمارے فائدہ کی ہو۔ مگر ہمارے مصری خاوند اس خوبی کے ساتھ ہم سے برتاو کرتے ہیں کہ سوائے اچھی باتوں کے اور کسی دوسری طرف ہمارا خیال ھی نہیں جاتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔) بعض اوقات یہ تھیٹروں میں بھی پارٹ لیتی تھیں۔

(نٹلشپ کلاسکل ڈکشنری)

اگر یونانی شاعر ہیپونکس اس ملک میں پیدا ہوتا تو کبھی اُسے عورتوں کی ہجو کرنے کی ہمت نہ پڑتی اور نہ یہاں پنڈورا[۵] کا قصہ ایسا مقبول عام ہو سکتا۔"

دارا۔ "یہ کون نامعقول حضرت ہیں جنہوں نے عورتوں کی اس طرح مذمت کی ہے۔"

اماسس۔ یہ وہ یونانی شاعر ہیں جنکی دلیری و جوانمردی کی واقعی داد دینا چاہیے۔ کیونکہ میں تو ایک شیرنی کی دم پکڑ کر ناچنے پر تیار ہو جاؤں مگر عورت کو چھیڑنے کی ہمت نہ کروں۔ ذرا ملاحظہ فرمایئے۔ ہیپونکس کے اشعار کا ایک نمونہ پیش کرتا ہوں ؎

زندگی تم ساتھ عورت کے جو کرتے ہو بسر		اس میں دو دن کے سوا کوئی خوشی کا دن نہیں
ایک تو وہ دن ہے جب وہ حجلۂ شادی میں ہو		دوسرا وہ دن ہے جب وہ دفن ہو زیر زمیں

ف ۵ پانڈورا یونانی اساطیر میں سب سے پہلی عورت کا نام ہے۔ اسکی پیدائش کا قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب پرامتھوس نے آسمان سے آتش چرا کر انسان فانی کو تقسیم کر دی تو زیوس نے اس کا توڑ کرنا چاہا۔ اس کام کے لئے اس نے ہفاسٹوس کو حکم دیا کہ مٹی کی ایک عورت بنائے جسے دیوتاؤں نے اپنی اچھی سے اچھی نعمتیں عطا کیں ہفاسٹوس نے انسانی آواز دی۔ افرودیت نے اپنا حسن و لبھاؤ عطا کیا۔ ہرمیز نے اپنی چالاکی و چاپلوسی دی۔ زیوس نے ایک مرتبان دیا جسے پنڈورا کا صندوق کہتے ہیں۔ اور اس میں تمام قسم کی بلائیں بھر دیں اس ساز و سامان کے ساتھ اسنے پنڈورا کو اپی می تھوس کے پاس بھیجا جس نے اپنے بھائی پرامتھوس کی یہ نصیحت فراموش کر کے کہ زیوس کی کوئی چیز مت قبول کرنا۔ اسے اپنی بیوی بنا لیا۔ یہاں آکر پنڈورا نے اپنا مرتبان کھولا تو اس میں سے تمام بلائیں نکل نکل کر عالم میں پھیل گئیں۔ تو صرف ایک امید اندر رہ گئی جسے ابھی باہر نکلنے کا موقعہ نہ ملا تھا کہ صندوق بند کر دیا گیا۔

بعض کا قول ہے کہ مرتبان میں بلائیں نہیں بلکہ برکتیں بند تھیں جو اگر کھول کر ضائع نہ کر دی جاتیں تو انسان کے لئے موجب فلاح ہوتیں۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)

ملکہ لیڈرس - (اپنے کانوں میں اُنگلی دیکر چلاتی ہے) بس بس - اپنی زبان بند کیجئے - ایرانی! دیکھتے ہو۔ **اماسس** کو مجھے تنگ کرنے میں کیسا لطف آتا ہے۔ جب اُنکے جی میں آتا ہے مجھ ہی کو اپنے مذاق و چھیڑ خانیوں کا نشانہ بناتے ہیں حالانکہ میں جانتی ہوں کہ یہ اوپری باتیں ہیں اور دل سے میرے ہی موافق ہیں - (نگاہ محبت سے دیکھ کر) ان سے اچھا شاید ہی کوئی اور..."

اماسس - (ہنس کر) اور تم سے بُری شاید ہی کوئی دوسری بیوی ہو - کیونکہ تمہاری باتوں سے لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ کہیں سے مول لیکر مجھے اپنی غلامی میں لائی ہو - بس اب یہاں زیادہ ٹھہرنا ٹھیک نہیں - میں رخصت ہوتا ہوں - ابھی ان لڑکوں کو سیکنز کی سیر کرانا ہے - خیر چلتے چلاتے ایک غزل اور سُناتا جاؤں جس میں بدذات سمّی مونی ڈیس[۱] نے سب سے اچھی عورت کی اس طرح تعریف کی ہے :-

ہے وہ خوش طالع ملے جسکو زنِ نیکو سیر	اسکی خدمت سے سدا پاتا ہے وہ نشو و نما
گھر کی آبادی کا سرمایہ ہیں انکی الفتیں ؛	لطف میں کٹتی ہے انکی زندگی صبح و مسا
اُس زنِ نیکو سیر کو ملتی ہے اولاد جب	پیاری اماں کہہ کے کرتی ہیں خطاب اُس سے سدا
نام روشن کرتے ہیں ماں باپ کا ہو کر جواں	گود سے ماں باپ کے ہوتے ہیں وہ جس دم جدا
قابلِ مدح و ثنا ہے ایسی بیوی کا وجود ؛	شان اُسکی ہے بلند اور مرتبہ اُس کا بڑا
آسمانی برکتیں رہتی ہیں اُس کی دم کے ساتھ	خلوت و جلوت میں شوہر کی وہ کرتی ہے ثنا
عورتوں میں ذکر غیبت کا کبھی ہوتا ہے گر	رکھتی ہے اپنے تئیں وہ ایسی صحبت سے جدا
ایسی دانشمند، ایسی نیک سیرت بیویاں	خوش نصیبوں ہی کو کرتا ہے رئیس عطا

یہ تمام باتیں میری پیاری **لیڈرس** پر صادق آتی ہیں - اچھا تو اب رخصت"

بردیہ - "ذرا ٹھیر یئے - میں ابھی آپ کو جانے نہ دونگا - معلوم نہیں میری منسوبہ بھاوج کے

[۱] یہ شاعر ۶۵۰ ق م گذرا ہے - اسنے عورتوں کی ہجو میں بہت سے اشعار لکھے ہیں اور انہیں مختلف جانوروں سے تشبیہ دیکر ہنسی اُڑائی ہے - صرف ایک غزل میں شہد کی مکھی سے تعبیر دیکر انکی مدح سرائی کی ہے -

دل میں کیا کیا خیالات آ رہے ہونگے۔ ایرانیوں پر عورتوں کی ناقدری کا اتنا بڑا الزام لگایا گیا ہی کہ اس کا جواب دینا ضروری ہے۔ مجھے بولنا نہیں آتا۔ دارا تم میری طرف سے جواب دو۔ کیونکہ فن تقریر میں تم کو اتنا ہی ملکہ ہے جتنا کہ شمشیر بازی اور تلوار کا عیب و ہنر پہنچاننے میں کمال رکھتے ہو۔"

دارا۔ (ہنسکر) "مجھے بھی کوئی فضول گویا اسلحہ گر مقرر کیا ہے۔ مگر خیر اب تمہاری خاطر منظور ہی اور میں بھی دیر سے سوچ رہا تھا کہ ان اصحاب کی غلط فہمی دور کرنا ضروری ہے۔ سُنئیے جناب ملکہ مکرمہ آپ کی صاحبزادی ہمارے بادشاہ کی لونڈی باندی ہو کر نہ رہیں گی بلکہ اہرمزد[1] نے اگر

---

[1] مذہب زردشت میں اس زمانہ تک زیادہ خرابیاں پیدا نہ ہوئی تھیں۔ خدا سے بزرگ و برتر جسے اہرمزد یا اہورمزدا کے نام سے پکارتے تھے واحد ولاشریک تھا۔ لیکن اُردشیر دوم کے زمانہ میں ناہید و متھرا (مہر) بھی اسکے شامل ہو گئے۔ اور سیتجر کی پوجا جسے منع کیا گیا تھا پھر عود کر آئی۔ ایرانیوں کا عقیدہ تھا کہ دنیا کا انتظام دو قوتوں کے ہاتھوں میں ہے ایک نیکی دوسری بدی یعنی اہورمزد و اہرمن۔ اول الذکر اگرچہ سب سے زیادہ بزرگ و برتر ہے مگر مبدء اولی اور خلاق عالم کی صفت اُس پر عائد نہیں ہوتی۔ اس کا اور اہرمن کا وجود ایک ہی وقت ہوا، روشنی، فضا و زمانہ اُس سے پہلے موجود تھے۔ اہرمن پر وہ پورے طور سے قادر نہیں۔ دونوں ہمیشہ جنگ و جدل میں مصروف ہیں کبھی ایک کو فتح ہوتی ہے کبھی دوسرے کو۔ ہرمزد جو اچھی چیزیں پیدا کرتا ہے۔ اہرمن (انگرمینو) یا شیطان انکو فوراً برباد کر دیتا ہے۔ زمین بنجر کرنا، کانٹے دار یا زہریلے پودے اُگانا، زلزلہ، آندھی، طوفان لانا، بجلی و اولے گرانا۔ بیماری و مصیبت میں مبتلا کرنا، قحط و وبا سے ملکوں کو تباہ کرنا، وحشی درندے، سانپ، بچھو، مینڈک، چوہے، مچھر، بریاں وغیرہ پیدا کرنا یہ سب اہرمن کے کام ہیں۔ وہ ہمیشہ انسان کو خراب باتوں کی طرف راغب کرتا ہے۔ اور اہرمزدا اسکے شر سے دنیا کو بچانا چاہتا ہے۔ اسی لئے باہم لڑائی رہتی ہے اکثر اس پر غالب آجاتا ہے۔ مگر کبھی زک بھی اٹھانی پڑتی ہے۔ اہرمزد کے ماتحت بہت سے دوسرے دیوتا ہیں جو اس اہم جنگ و نزاع میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑے متھرا (مہر) اور سروش ہیں۔ متھرا کا مرتبہ ہرمزد کے بعد خیال کیا جاتا تھا۔ وہ سورج دیوتا ہے اسکی پرستش

اپنا فضل کر کے اُس کے دل کو انکی طرف پھیر دیا تو وہ اپنے شوہر کی ہمدم و ہمجلیس اور محبوبہ خاص ہوکر رہی گی۔ ہمارے بادشاہ کی بھی دعوتوں و جلسوں میں انکی بیویاں و بہو بیٹیاں مردوں کے ساتھ شامل ہو سکتی ہیں۔ مگر اسکی صرف خاص موقعوں پر اجازت دیجاتی ہے اور عموماً ہملوگ بھی ہمیشہ اپنی ماؤں اور بیویوں کے ساتھ نہایت اچھی طرح پیش آتے ہیں اور انکی مرتبہ کے مطابق برابر انکا ادب و لحاظ کرتے ہیں۔ کیا آپ ایسے اعلیٰ درجہ کے سلوک و محبت کی جیسیا ایک بابل کے بادشاہ[1] نے اپنی ایرانی بیوی کے ساتھ کیا تھا۔ کوئی مثال اپنے ملک میں دے سکتی ہیں۔ وہ اپنے پہاڑی ملک کی آب و ہوا کی عادی تھی اور جب فرات کے چٹیل میدانوں میں پہنچی تو اس کا دل گھبرانے لگا اور وطن کی یاد میں دن رات مغموم رہنے لگی اور بیمار پڑ گئی۔ آپ جانتی ہیں کہ بادشاہ نے کیا کیا؟ اس نے فوراً حکم دیا کہ ایک مصنوعی پہاڑ تیار کیا جائے۔ یہ پہاڑ بڑے بڑے عالی شان محرابوں پر بنایا گیا اس پر مصنوعی نہریں و باغات سجائے گئے اور خوبصورت بارہ دری اور مکانات تعمیر کئے گئے۔ جب تیار ہو گیا تو ملکہ وہیں جاکر رہنے لگی۔"

نیتیس۔ (آنکھیں نیچی کرکے) "اور وہ اچھی بھی ہو گئی کہ نہیں؟"

دارا۔ "نہ صرف اُسے صحت ہو گئی بلکہ تمام رنج و غم بھی دور ہو گیا۔ اور آپ بھی ہمارے یہاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) زردشت سے پہلے بھی ایران میں رائج تھی اور شاہان ہخامنش بھی ہمیشہ اس کا نام لیکر دعا مانگتے تھے۔ سروش خاص پیغامبر فرشتہ ہے اور افواج ملکوتی کا افسر اعلیٰ ہے۔ وہی انسان کے پاس ہر فرد کے گوناگوں نعمتیں لایا کرتا ہے اور مرنیکے بعد بھی ایمانداروں کی روح کو اسکے تخت کے سامنے لیجاتا ہے۔ سروش کے علاوہ اور بھی متعدد ملائکہ ہیں جنکے مقابلہ کے لئے اہرمن کے دربار میں بھی بہت سے یار و مددگار ہیں۔ علاوہ بریں ہزاروں دیو و پریاں اسکی تابع ہیں۔ جو ہمیشہ لوگوں کو ورغلاتے اور بہکاتے پھرتے ہیں۔

(پروفیسر النس)

[1] بخت نصر نے اپنی ایرانی ملکہ امیتس کے لئے یہ محل بنوایا تھا (پروفیسر ایبر)

پہنچکر تھوڑے ہی دنوں میں اپنے وطن کو بھول جائیے گا۔"

لیڈیس۔ (مسکراکر) معلوم نہیں کہ خوبصورت ملکہ کی صحت یابی کا سبب مصنوعی پہاڑ ہوا یا خاوند کی محبت جس نے صرف اپنی بیوی کی خوشی کے لئے اتنی بڑی عالی شان عمارت کھڑی کرادی۔" یہ سنکر دونوں لڑکیاں ہم آواز ہوکر بولیں "خاوند کی محبت۔"

بردیہ۔" وہ مصنوعی پہاڑ ابھی تک موجود ہے اور نیتتیس آپ بھی اُسے دیکھکر بہت پسند کیجئے گا جب دربار شاہی بابل میں آیا کریگا تو میں کوشش کرونگا کہ آپ انہیں پرفضا باغات و محل میں رہا کریں۔"

اماسس۔" اچھا تو اب چلو ورنہ اندھیرا ہوجائیگا اور سیر و تماشہ کا وقت جاتا رہے گا۔ وہ دیکھو، سامنے دو کاتب ایک گھنٹہ سے زیادہ کھڑے ہوئے میرا انتظار کررہے ہیں۔ ارے ساچان باڈی گارڈ کے سردار کو حکم دے کہ ہمارے مہمانوں کی حفاظت کے لئے سو سپاہیوں کا ایک دستہ اُنکے جلو میں ساتھ رہے۔"

دارا۔" اسکی کیا ضرورت ہے۔ صرف ایک یونانی افسر یا کوئی دوسرا رہبر ہمارے لئے کافی ہوگا۔"

اماسس۔" نہیں تم ابھی لڑکے ہو اور اس ملک کا حال نہیں جانتے۔ یہاں ایک اجنبی کو بڑی ہوشیاری سے رہنا چاہئے۔ اور ہاں یہ یاد رکھنا کہ راستہ میں کوئی متبرک جانور ملجائے تو اُس سے بچکر چلنا اور مسخرہ نہ کرنا۔ اچھا تو میرے بہادر نوجوانو اب رخصت رات کھانے پر پھر ملیں گے۔"

ایرانی محل سے رخصت ہوکر باہر نکلے۔ انکے ساتھ ایک ترجمان ہولیا۔ یہ یونانی تھا اور مصر میں ایک عرصہ سے رہتا سہتا تھا اس لئے دونوں زبانیں بخوبی بول سکتا تھا۔ شہر کی خوشنما سڑکیں محل کے قریب ہی سے شروع ہوگئی تھیں۔ انکے دورویہ عالیشان[1] مکانات اکثر پانچ پانچ منزل

---

[1] قدیم مصری مکانات اپنی رنگینی و زینت کے لئے مشہور و معروف تھے صحن میں نوکروں کے رہنے کی کوٹھریاں، گھوڑوں و مویشیوں کے اصطبل، مطبخوں کے تندور اور اناج کے ذخیرے نظر آتے تھے۔

بلند تھے۔ یہ پختہ تھے اور انکی تعمیر میں دریائے نیل کی پولی ولکی مٹی کی اینٹوں سے زیادہ تر کام لیا گیا تھا۔ انکے در و دیوار باہر سے مختلف تصاویر و حروف پیکانی سے مزین تھے۔ انکی دیواروں پر جو صحن کے سامنے تھیں چھجے بنے ہوئے تھے جنکے لکڑی کے جنگلوں و کٹہروں پر نہایت خوبصورت رنگین یا منقش کئے ہوئے نقش و نگار بنے تھے۔ اکثر مکانات کے دروازوں پر مالک مکان کا نام و پیشہ لکھا ہوا تھا۔ ان مکانوں کی چھتیں چپٹی و مسطح تھیں اور قسم قسم کے پودوں و پھولوں سے سجی ہوئی تھیں۔ جہاں شام کے وقت خصوصاً گرمیوں میں گھر والے تفریحاً بیٹھا کرتے تھے۔ اور اگر مچھروں و کیڑوں سے جو دریا کے قرب کی وجہ سے بعض اوقات بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ بہت تنگ ہوتے تو ایک چھوٹے سے برج یا مینار پر چڑھ جاتے جو خاص اسی غرض سے مکان کے ایک سرے پر بنایا جاتا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مکان کے اندر ملاقات کا کمرہ سب سے زیادہ خوبصورت تھا۔ اسکے دروازہ کے مقابل سامنے والی دیوار سے ملا ہوا اینٹوں کا بنا ہوا ایک نشست گاہ تھا جسے دیوان خانہ کہنا چاہئے۔ یہ گدوں و تکیوں سے سجا ہوا تھا۔ جب مہمان داخل ہوتا تو پہلے ایک اسٹول پر اسکے پیر دھلائے جاتے۔ پھر وہ اپنے میزبان کے پاس آتا اور تکئے سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھتا۔ سردی کے زمانہ میں کمرہ کے وسط میں ایک آتشدان بھی ہوتا تھا۔ جہاں آگ جلتی رہتی تھی۔ کمرے کے ستون و کھمبے نہایت سڈول گاؤدم یا مختلف اشکال کے بنائے جاتے تھے۔ اور رنگین تصاویر و کتبات سے مزین ہوتے تھے۔ یہی حال در و دیوار کا بھی تھا اور ہوا اور روشنی کے لئے پتھر کی خوبصورت کھڑکیاں بنائی جاتی تھیں۔

خوابگاہ کے کمرہ میں معمولی لوگ بجائے پلنگ کے ایک چبوترہ پر بستر بچھا کر سوتے تھے۔ حمام اور دیگر ساز و سامان کے لئے بھی جداگانہ کمرے تھے۔ اوپر کی منزل پر جانیکے لئے اینٹ کے بنے ہوئے زینے تھے جن سے عورتیں چڑھکر چھوٹے کمروں میں بیٹھ کر اپنے کام کاج میں مشغول ہوتی تھیں۔

(ونڈرس پاسٹ۔ طرز تعمیر زمانہ اخناتون)

ایرانیوں کو مکانات وسڑکوں وغیرہ کی اعلیٰ درجہ کی صفائی وخوشنمائی دیکھ کر نہایت حیرت ومسرت ہوئی۔ ہر دروازہ پر پیتل یا لوہے کی تختیاں کھٹکھٹانے کے واسطے ایسے صاف وشفاف تھے کہ دھوپ میں شیشے کی طرح چمک رہے تھے۔ دیوار، چھجوں وکھمبوں وغیرہ کی آرائش ایسی نکھری و پاکیزہ تھی کہ گویا ابھی نیا رنگ لگایا ہے۔ اور سڑکیں بھی ایسی مصفا تھیں کہ تنکا تک نظر نہ آتا تھا۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی کوئی جھاڑو دیکر چلا گیا ہے۔ مگر محلات شاہی وکنار دریا سے جتنی دور آگے بڑھتے گئے یہ بات نہ رہی۔ سڑکیں کسی قدر تنگ ومیلی ہوتی گئیں اور مکانات بھی زیادہ گنجان وچھوٹے نظر آئے۔ شہر سئیز ایک چھوٹی سی پہاڑی پر آباد تھا۔ ڈھائی سو برس ہوئے کہ ایک معمولی سا گاؤں تھا مگر بادشاہوں کے بود وباش اختیار کرنے کے بعد ایک بہت بڑا شہر بن گیا۔ اس کا وہ حصہ جو دریائے نیل کے قریب تھا نہایت خوبصورت وآراستہ تھا شاہی محلات وقلعے اسکے شمال مغربی سمت واقع تھے۔ مگر پہاڑی کے دوسری جانب جھونپڑوں کے سوا اچھے مکانات شاذ ونادر تھے۔ یہ جھونپڑیاں عموماً ببول کی لکڑی اور دریا کی مٹی سے بنی تھیں اور کچی ہونیکی وجہ سے زیادہ پائدار نہ تھیں۔ غریب اہل حرفہ یا نادار لوگ یہاں رہتے تھے۔

کیجیبیس پسر کریسس اپنے ساتھیوں سے عمر میں سب سے بڑا تھا اور اپنے باپ کی غیر موجودگی میں نوجوان ایرانیوں کی حفاظت کا اپنے آپ کو ذمہ وار سمجھتا تھا۔ جب اسنے دیکھا کہ تماشائیوں کا مجمع قدم قدم پر بڑھتا جاتا ہے اور شہر کے لچے و بدمعاش پیچھے پیچھے ساتھ ہولئے ہیں تو کہنے لگا کہ "بہتر ہوگا کہ اب ہم لوگ واپس چلیں"۔

رہبر "جو آپ کی مرضی ہو۔ مگر اس سامنے والی پہاڑی کے دامن میں شہر کا مشہور نکروپولس (Necropolis) واقع ہے۔ جو بہت قابل دید جگہ ہے"۔

بردیہ "اسے ضرور دیکھیں گے۔ اس ملک میں آئے ہیں تو بھلا اسکے عجائبات کی سیر نہ کریں۔ ہمارے یہاں آنے کا بڑا مقصد تو یہ ہی ہے"۔

جب یہ لوگ کھلے ہوئے میدان میں پہنچے جو نکرو پولس (Necropolis) کے قریب تھا اور جہاں چاروں طرف مزدوروں کی جھونپڑیاں تھیں۔ تو اس مجمع میں جو انکے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ ایک بڑا شور و شغب پیدا ہوا۔ عورت، مرد، و بچے سب خوشی کے مارے چلانے لگے۔ دفعتاً ایک شخص نے باواز بلند یہ صدا دی "آؤ بھائیو۔ مندر کے صحن کی طرف آؤ۔ ایک جادوگر یہاں لبیا[1] کے ریگستانی ملک سے آیا ہے۔ اور دیوی ہُکت کی قدرت سے ایسے تماشے کرتا ہے کہ جنہیں دیکھو گے تو حیران و ششدر رہ جاؤ گے"

رہنما "واقعی یہ قابل دید تماشہ ہوگا اگر آپ لوگ دیکھنا چاہتے ہیں تو میرے ساتھ اس چھوٹے سے مندر میں چلئے" یہ کہہ کر رہنما مجمع کو چیرتا ہوا۔ عورتوں و بچوں کو ہٹاتا ہوا آگے بڑھا اور ایک پجاری کو اپنے ہمراہ لے آیا جس نے ایرانیوں کو مندر کے دالان میں لیجا کر بڑی عزت کے ساتھ بٹھا دیا۔ یہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص پروہتوں کا لباس پہنے ہوئے کھڑا ہے۔ کئی ایک صندوق و پٹارے ادہر اُدہر رکھے ہیں اور دو حبشی اسکے قریب ہی زمین پر دوزانو بیٹھے ہیں۔ یہ شخص بڑا قدآور اور قوی ہیکل تھا۔ اسکی آنکھیں سیاہ و چمکدار تھیں۔ اور اپنے دونوں ہاتھوں میں مُنہ سے بجانیکا ایک بڑا بھاری لکڑی کا باجہ لئے ہوئے تھا۔ بہت سے زہریلے سانپ اسکے شانوں اور سینہ پر لپٹے ہوئے رینگ رہے تھے۔ ایرانیوں کو دیکھتے ہی اُس نے بہت جھک کر سلام کیا اور ایک اشارہ سے خبردار کر کے اپنا سفید لباس اُتار کر ایک طرف پھینک دیا۔ اور سانپوں کو لیکر طرح طرح کے کرتب دکھانے لگا۔ کبھی ایک سانپ کو لیکر اپنے جسم کو ایسا کٹوایا کہ خون نکلنے لگا۔ کبھی بین بجانے لگا تو وہ پھن اُٹھا کر ناچنے لگے۔ کبھی انکے مُنہ پر تھوک دیا

[1] دریائے نیل کا مغربی ساحل اور اسکے گرد و نواح کا ملک لبیا کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں سانپ بچھو بکثرت ہوتے تھے۔ (پروفیسر ایبر)

تو وہ رُک کر کھڑے ہو گئے۔ اور پھر فوراً تمام سانپوں کو زمین پر پھینک کر انکے درمیان ملا کسی کو
پکلے دیوانہ وار ناچنے لگا۔ اور بعدہٗ اُسے ہوش آیا آنکھیں لال پیلی ہو گئیں۔ منہ سے پھین نکلنے
لگا۔ اور یکایک زمین پر گر کر مردہ کی طرح بحبس و حرکت ہو گیا اور پھنکار کی آواز مارنے لگا جسے
سُنتے ہی چاروں طرف سے سانپ رینگتے ہوئے اس کے بدن پر چڑھنے لگے اور زنجیروں
کی طرح اسکی گردن و دست و پا میں لپٹ گئے۔ اسکے بعد اُسے ہوش آیا۔ اُٹھ کر کھڑا
ہو گیا۔ اور دیوی کی تعریف میں جس نے اُسے یہ عجیب قوت بخشی تھی زور سے گانے لگا۔
پھر پٹارہ کھول کر سوائے چند سانپوں کے جنہیں اس نے اپنے ہاتھوں میں چوڑیوں کی
طرح لپیٹ لیا باقی سب سانپ بند کر دیئے۔ اب دوسری طرح کے کرتب دکھاتے لگا۔
مثلاً جلتے ہوئے کپڑے کو نگل گیا۔ دو تلواروں کی نوکیں اپنی آنکھوں پر رکھ کر ناچنے لگا۔ بچوں کی
ناک میں سے لمبی لمبی بتیاں اور فیتے نکالے۔ گولوں کو غائب کر دیا۔ اور شتر مرغ کے پانچ
انڈوں میں سے اتنے ہی خرگوش کے زندہ بچے پیدا کئے جسے دیکھ کر لوگوں کو بڑا تعجب
ہوا۔ ایرانیوں کو بھی یہ کھیل بہت پسند آئے کیونکہ اس سے پہلے کبھی انھوں نے نہ دیکھے
تھے۔ اور انکے ختم ہوتے ہی جب سب لوگ چلدیئے تو ایرانی بھی اُٹھ کر محل کو واپس چلے۔
راستہ میں انہیں بہت سے لوگ ایسے ملے جن کے کان، ناک اور ہاتھ کٹے ہوئے تھے
جنہیں دیکھ کر انہیں زیادہ حیرت نہ ہوئی۔ اس لئے کہ انکے ملک میں بھی مختلف جرائم کی ایسی
ہی سزائیں دیجاتی تھیں۔ مصر میں چور و جعلساز کے ہاتھ کاٹ ڈالتے تھے۔ زانیہ عورت کی
ناک اڑا دیجاتی تھی اور سازش کرنے والے کی زبان بریدہ کر دیتے تھے۔ اور اگر کوئی عورت
اپنے بچہ کو مار ڈالتی تو تین دن تین رات تک اُسے مجبوراً مردہ لاش کو اپنی گود میں لئے ہوئے
بیٹھا رہنا پڑتا تھا جسکے بعد عموماً وہ پاگل ہو جاتی اور کپڑے پھاڑ کر سڑکوں پر ننگی پھرنے لگتی مصری
قانون فوجداری کا یہی اصول تھا کہ مجرم کی تشہیر کی جائے اور اسکی حالت دیکھ کر دوسروں کو
ایسی عبرت ہو کہ پھر کبھی ارتکاب جرم کی ہمت نہ کریں۔

اب چلتے چلتے ایرانی کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک عالی شان مکان کے سامنے بکثرت لوگ جمع ہو رہے ہیں۔ یہ مکان اس سڑک پر واقع تھا جو منیتھو کے مندر کی طرف جاتی ہے۔ اسکی کھڑکیاں باہر سے بند تھیں اور اسکے دروازہ پر ایک بوڑھا آدمی مندر کے خادموں کا سا سفید لباس پہنے ہوئے گلا پھاڑ کر چلا رہا تھا اور چند دوسرے آدمیوں کو جو اُسی کے طبقہ کے معلوم ہوتے تھے۔ اور ایک بڑا بھاری صندوق مکان سے نکال کر لئے جا رہے تھے دیوانہ وار روک رہا تھا۔

بوڑھا شخص۔ (بڑے غصہ سے) "اندھیر ہے کہ دن دہاڑے لوٹ مچ رہی ہے۔ تمہیں کس نے یہاں آنے کی اجازت دی۔ میں اس گھر کا رکھوالا ہوں۔ جب میرے آقا کی نامدار کو زبردستی پکڑ کر ایران بھیجدیا گیا۔ دیوتا اس ملک کا ناس کریں۔ تو چلتے وقت تاکیداً وہ مجھ سے کہہ گئے تھے کہ اس صندوق کو جس میں انکے کتابات وغیرہ ہیں بڑی حفاظت سے اپنے پاس رکھوں"

ایک خادم۔ "بڑے میاں! ذرا آپے سے باہر مت ہو جاؤ۔ ہوش کی دوا کرو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ ہم کس کے حکم سے آئے ہیں۔ ہمیں اس نے بھیجا ہے جو تمہارے آقا کا بھی آقا ہے۔ مہا پجاری (نیبتونف) کا یہ حکم ہے کہ یہ صندوق فوراً اسکے سامنے پیش کیا جائے"

بوڑھا۔ "کوئی بھی ہو مگر میرے آقا حکیم منیتھو کا حکم سب پر بالا ہے۔ تم لوگ اسکے مال کو اس طرح زبردستی چرانے والے کون ہوتے ہو۔ اگر نہ سنو گے تو میں بادشاہ کے پاس فریاد لیکر جاتا ہوں"

خادم۔ "چپ کیا بیہودہ بکتا ہے۔ (اپنے آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے) اس صندوق کو بہت جلد مہا پجاری کے پاس لیجاؤ۔ (بوڑھے پاسبان سے) بڈھے کیا پاگل ہو گیا ہے؟ ذرا بھی عقل ہے تو اپنی زبان کو بند کر اور یاد رکھ کہ تو بھی مہا پجاری کا ایک ادنیٰ خادم ہے اگر جلدی سے اندر نہ جائیگا اور بک بک کئے جائیگا تو تجھے بھی اس صندوق کی طرح

گھسیٹتے لیچلیں گے" یہ کہہ کر اُس نے بڈھے کو اندر ڈھکیلا اور زور سے مکان کا دروازہ بند کر کے لوگوں کی نظر سے غائب ہو گیا۔

ایرانی جو کھڑے ہوئے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے اپنے ترجمان سے پوچھنے لگے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ جب انہیں حال معلوم ہوا تو دو دہ یا کو بے اختیار ہنسی آگئی کیونکہ حکیم نُنجاری کی خشک طبیعت اور اس کے مغرور و سنجیدہ برتاؤ سے ایرانی دربار میں کوئی اس سے خوش نہ تھا۔ بردیہ کا ارادہ ہوا کہ اماسس سے اس عجیب واقعہ کو بیان کرے مگر گیجیس نے اُسے سمجھا کر کہا کہ دوسروں کے معاملہ میں دخل دینے سے کیا فائدہ۔ غرض یہ لوگ جب محل کے قریب پہنچے تو شام کی تاریکی اُفق پر پھیلنے لگی تھی۔ اتنے میں گیجیس کو یکایک محسوس ہوا کہ کوئی شخص پیچھے سے اُس کا دامن کھینچ رہا ہے۔ اس نے جلدی سے مُڑ کر دیکھا کہ ایک اجنبی ہے جو اپنی انگلی ہونٹوں پر رکھ کر اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ خاموش رہے۔

اجنبی "چپکے سے ایرانی کے کان میں" میں آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ کسی کو خبر نہ ہو"

گیجیس "کیا کہنا چاہتے ہو؟ تمہارا کیا مطلب ہے"

اجنبی "یہاں کچھ مت پوچھئے اور دیر نہ کیجئے۔ میتھرا کی قسم مجھے آپ سے ایک بڑی ضروری بات کہنا ہے"

گیجیس "تم ایرانی زبان بولتے ہو۔ اور تمہارے لباس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تم مصری نہیں ہو"

اجنبی "ہاں میں بھی ایرانی ہوں۔ کوئی دیکھ نہ پائے۔ جلدی جواب دیجئے۔ کہاں ملیگا"

گیجیس "کل صبح تڑکے ملونگا"

اجنبی "نہیں بڑی دیر ہو جائے گی"

گیجیس "اچھا تو آج ہی۔ اندھیرا ہوتے ہی محل کے پھاٹک پر مل سکتا ہوں"
اجنبی "میں آپ کا انتظار کرونگا۔ دیکھئے بھول نہ جائیے گا نہیں" یہ کہہ کر اجنبی غائب ہو گیا۔
جب چاروں دوست اپنی فرودگاہ پر پہنچ گئے تو گیجیس، بروبہ اور ظفر یوس سے رخصت ہو کر اپنے کمرہ میں گیا اور اشارہ سے دارا کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور اس سے یہ حال کہا۔ دونوں تلواریں اپنی کمر میں باندھ کر محل کے پھاٹک پر پہنچے جہاں اجنبی ان کا پہلے ہی سے انتظار کر رہا تھا اور انہیں دیکھ کر کہنے لگا "اہرمزد کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم آگئے۔ مگر یہ تمہارا ساتھی کون ہے"
گیجیس "یہ میرا دوست دارا پسر گستاشپ ہے" اس نام کے سنتے ہی اجنبی بہت جھک کر آداب بجا لایا اور کہنے لگا "مجھے اب اطمینان ہو گیا کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ شاید کوئی مصری آپ کے ساتھ آیا ہے"
گیجیس "نہیں ہم دونوں تنہا ہیں اور تمہاری بات سننے کے منتظر ہیں۔ جلدی کہو تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو"
اجنبی "میرا نام بوبارس ہے۔ اور میری داستان عجیب ہے۔ میں سیروس اعظم[1] کی فوج کا ایک ادنےٰ افسر تھا کروسیس یعنی آپ کے والد کے پایۂ تخت سارڈیس کی فتح کے بعد ہم لوگوں کو دل کھول کر قتل و غارت کا موقع ملا۔ مگر آپ کے عقلمند باپ کی التجا پر سیروس نے لوٹ مار بند کر دی کیونکہ وہی اب شہر کا مالک تھا۔ اور اس میں خود اسی کا نقصان تھا۔ اس لئے ایک فرمان جاری کیا کہ جس قدر لوٹ کا مال ہے وہ سب افسران فوج کو واپس کر دیا جائے ورنہ سخت سزا دی جائے گی اور یہ افسر اس مال کو شہر کے بازار خاص میں بادشاہ کے معائنہ کے لئے ایک جگہ جمع کریں۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں اس جگہ سونے، چاندی اور زر و جواہر کے انبار و ڈھیر لگ گئے"
گیجیس "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ جلدی اپنے مطلب کی بات کہو"

[1] یا کورش۔

اجنبی "۔ آپ سچ فرماتے ہیں۔ بس اب چند لفظوں میں ختم کرتا ہوں۔ مجھ سے یہ قصور ہوا کہ لالچ کے مارے میں نے ایک چھوٹی سی ڈبیا جس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے اپنے پاس چھپا لی اور جب پکڑا گیا تو کورش نے میرے قتل کا حکم دیا۔ مگر آپ کے والد کی سفارش سے رہا ہو کر اپنے عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔ اس طرح میری جان بچانیکا سبب آپ کے والد ہوئے۔ بعد ازاں میں شرم کے مارے ایران میں بہت دن نہ رہ سکا۔ اور ایک جہاز پر بیٹھ کر قبرص پہنچا جہاں نوکری کر کے میں نے یونانی زبان سیکھی اور یونانیوں کے خلاف ایک لڑائی میں شامل ہوا اور آخر کار بطور ایک قیدی کی فنیشیں کے ساتھ یہاں آیا۔ اور چونکہ گھوڑوں کے کام میں مہارت رکھتا تھا اس لیئے شاہی اصطبل میں اور غلاموں کے ساتھ مجھے بھی مقرر کر دیا گیا۔ آپ کے والد کا احسان کبھی میرے دل سے محو نہیں ہوا ہے اور شکر ہے کہ مدتوں کے بعد مجھے اس کی تلافی کا آج موقعہ ملا"

گیجیس "۔ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔ ذرا صاف طور سے جلد بیان کرو"

اجنبی "۔ ابھی عرض کرتا ہوں۔ پہلے یہ فرمایئے کہ شہزادہ سامتیک کو کیا آپ کے والد سے کوئی رنجش ہے"

گیجیس "۔ مجھے اس کی مطلق خبر نہیں"

بوبارس "۔ آپ کے والد رہوڈوفس سے ملنے کے لیئے آج نوکراتیس تشریف لے گئے ہیں؟"

گیجیس "۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا"

بوبارس "۔ مجھے انہیں کی زبانی معلوم ہوا۔ میں آج صبح انکا درشن کرنیکے لیئے کشتی کے پیچھے پیچھے گیا تھا"

گیجیس "۔ اور ان سے کچھ گفتگو ہوئی؟"

بوبارس "۔ جی ہاں۔ انہوں نے چند مہربانی کے کلمات ارشاد فرمائے مگر انکے ساتھی

کشتی میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے اس لئے انہیں فرصت نہ ملی اور میری پوری بات نہ سُن سکے۔ انکے غلام سنڈروں سے بھی میری جان پہچان ہے اس نے جلدی میں صرف اس قدر کہا کہ سب لوگ ایک یونانی خاتون روڈوفس سے ملاقات کرنے جا رہے ہیں۔"

گیجیس "تم کو صحیح اطلاع ملی۔"

یوبارس "اگر ایسا ہے تو جلدی کیجئے ورنہ غضب ہو جائیگا۔ یہاں اور ہی کچھ ہونے والا ہے سُنئیے! آج جس وقت بازار بھرا ہوا تھا[۱] اس جنگی گاڑیاں اور دو کشتیاں حبشی سپاہیوں سے بھری ہوئی ایک مصری افسر کی ماتحتی میں نہایت خفیہ طور سے نوکراٹیس کو روانہ ہوئی تھیں تاکہ روڈوفس کے مکان کو گھیر کر اسکے تمام مہمانوں کو گرفتار کر لیا جائے۔"

گیجیس (حیرت و غصہ سے چلا کر) "سچ کہو! اس سازش و دغا بازی کے کیا معنی۔ دارا۔ مگر تمہارے والد سے کسی کو کیا عناد ہو سکتا ہے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ کمبوجیہ کا انتقام......"

یوبارس "مجھے اس سے زیادہ علم نہیں کہ روڈوفس کا محل جہاں کروسس گئے ہیں آج رات محصور ہو جائیگا۔ میں نے خود سپاہیوں کے ساز و سامان جمع کرنے میں مدد دی ہے۔ اور شہزادہ کے نگس راں کو خود اپنے کانوں سے مصری افسر سے یہ کہتے سُنا ہے کہ ہشیار! اپنے ہوش و حواس ذرا درست رکھنا غافل نہ ہو جانا۔ روڈوفس کا مکان اس خوبی سے گھیر لیا جائے کہ مجرم کو کہیں بھاگنے کا موقعہ نہ مل سکے اور اگر ممکن ہو تو اس کو قتل مت کرنا بلکہ زندہ پکڑ کر لانا۔ اور یاد رکھو! تم کامیاب ہوئے تو سو نیکے بٹس[۲] چھلے

---

[۱] یونانی اپنی روزانہ اوقات کو بازاروں کے بھرنے یا خالی ہونے پر شمار کرتے تھے۔ عموماً تمام بازار دس بجے دن اور ایک بجے کے درمیان بہت زیادہ بھرے ہوئے ہوتے تھے۔ (پروفیسر ایبر)

[۲] گمان اغلب ہے کہ سکہ زنی کا رواج ایرانیوں کے زمانہ سے پہلے مصر میں نہ تھا۔ بجائے اسکے سونے چاندی کے چھلے مختلف اوزانوں کے بنا کر استعمال کئے جاتے تھے (پروفیسر ایبر)

انجام میں ملیں گے۔"

گیجلیس "حیرت ہے۔ کیا واقعی میرے باپ کو پکڑنے کے لئے یہ سازش کی گئی ہے۔"

دارا "ہرگز نہیں۔ مجھے کسی طرح یقین نہیں آسکتا۔"

یوبارس "اس ملک میں ہر بات ممکن ہوسکتی ہے۔"

گیجلیس "تیز سے تیز گھوڑا نوکراتیس کتنی دیر میں پہنچ سکتا ہے۔"

یوبارس۔ اگر بہت مضبوط و طاقتور ہے اور دریا زیادہ چڑھائی پر نہیں تو تین گھنٹے لگیں گے۔"

گیجلیس "میں دو گھنٹے میں پہنچ جاؤنگا۔"

دارا۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلنے پر تیار ہوں۔"

گیجلیس "نہیں تم بردیا و دودھیا کی حفاظت کے لئے یہیں رہو۔ اور غلاموں سے کہہ دو کہ تیار ہوجائیں۔"

دارا "مگر بھائی گیجلیس! ...."

گیجلیس "نہیں تمہارا ٹھہرنا ہی مناسب ہے۔ میری طرف سے اماسس سے کوئی بہانہ بنا کر کہہ دینا کہ سر میں سخت درد ہے اس لئے دعوت میں نہیں شامل ہوسکتا۔ سمجھے کہ نہیں؟ میں بردیہ کے تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہونگا اور یوبارس تمہارے گھوڑے پر میرے پیچھے آئیگا۔ کیوں بھائی دارا تمہیں اپنا گھوڑا مجھے عاریتًا دینے میں کچھ عذر تو نہیں ہے۔"

دارا "ایک نہیں بلکہ دس ہزار گھوڑے میرے پاس ہوتے تو تم پر نثار تھے۔"

گیجلیس "یوبارس تجھے نوکراتیس کا راستہ معلوم ہے نا!"

یوبارس "جی ہاں مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔"

گیجلیس "اچھا تو دارا اب تم جاؤ اور دونوں گھوڑوں کی تیاری کا جلد حکم دو۔"

یہاں زیادہ دیر کرنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ خدا حافظ و آرا۔ شاید یہ ہماری تمہاری آخری ملاقات ہے۔ دیکھو بردیہ سے خبردار رہنا۔

خدا حافظ

باب آٹھواں

فنیس کی روپوشی

آدھی رات کو ابھی دو گھنٹے باقی ہیں۔ روڈوفس کے محل کی کھڑکیاں کھلی ہیں روشنی سے تمام مکان جگمگا رہا ہے اور اندر سے مسرت خیز نغموں و چہچہوں کی آوازیں آرہی ہیں۔ آج کریسس کے آنے کی خوشی میں ایک بڑی دعوت کا سامان کیا گیا ہے اور دسترخوان کی میز خاص طور سے سجائی گئی ہے۔ تمام مہمان اپنے گلوں میں پھول پتوں کے ہار پہنے ہوئے گدے دار کرسیوں پر ٹیک لگائے آرام سے بیٹھے ہیں۔ ان سب سے ہم پہلے ہی سے واقف ہیں۔ مختلف مضامین پر گفتگو ہو رہی ہے تھیوڈورس مشہور یونانی بت تراش کریسس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:۔

"مصر کی مثال ایک ایسی لڑکی کی سی ہے جس کے پیروں میں ایک طلاکار پاپوش ہے مگر وہ اب اس قدر تنگ ہو گئی کہ اذیت دینے لگی ہے سامنے اور بھی خوبصورت جوتیاں رکھی ہیں جنہیں پہن کر وہ نہایت آسانی و آرام کے ساتھ چل پھر سکتی ہے۔ مگر کچھ پرواہ نہیں کرتی اور اپنی تنگ جوتی ہی پر قانع ہے۔"

کریسس "تمہارا یہ مطلب ہے کہ پُرانی رسومات و عادات کی پابندی اور

قدامت پرستی نے اس ملک کی ترقی کو روک دیا ہے۔"

تھیوڈورس :- جی ہاں یہ عجیب ملک[1] ہے۔ دو سو برس ہوئے کہ دنیا کے تمام ممالک سے افضل و برتر تھا۔ اس کے علوم و فنون کا کوئی مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ ہم یونانیوں نے بھی بہت سی باتیں اسی سے سیکھی تھیں۔ مگر اپنی عقل کو بھی دخل دیا اور انکی اصلاح و ترمیم کر کے تکمیل پر پہنچا دیا۔ ہم نے نقاشی و مصوری میں کسی خاص پیمائش سے کام نہ لیا بلکہ نیچر کی پیروی کی

---

[1] ہیروڈوٹس مصر کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ اور جس زمانہ میں وہ وہاں گیا ہے بعض رسم و رواج دیکھ کر حیرت کرتا ہے اور یوں لکھتا ہے۔" دیگر ممالک میں پروہتوں کے لمبے بال ہوتے ہیں۔ یہاں چھوٹے دوسرے ملکوں میں غمی یا ماتم کی حالت میں سر کے بال کاٹ ڈالتے ہیں یہاں بڑھاتے ہیں۔ دوسری جگہ جانوروں وغیرہ کو رہنے سہنے کی جگہ سے دور رکھتے ہیں یہاں آدمی و جانور مل جل کر رہتے ہیں۔ دوسری جگہ گیہوں و جو عام غذا ہیں یہاں کٹھیا گیہوں کھاتے ہیں۔ مصری آٹا پیروں سے گوندھتے ہیں مگر گوبر وغیرہ میں ہاتھ لگانے سے احتراز نہیں کرتے۔ سؤر یہاں ایسا نجس سمجھا جاتا ہے کہ کسی کو چھو جائے تو فوراً کپڑے پہنے پانی میں کود پڑتا ہے اور اچھی طرح طہارت کرتا ہے۔ عموماً لوگوں میں صفائی کا بہت خیال ہے۔ ہر روز نئے دُھلے ہوئے کتاں کے کپڑے زیب تن کرتے ہیں۔ مرد دو اسکیٹ پہنتے ہیں لیکن عورتیں صرف ایک۔ علاوہ بریں یہ لوگ اپنے لڑکوں کا ختنہ کرتے ہیں اور دائیں طرف سے بائیں جانب لکھتے ہیں جو بالکل یونانیوں کے قاعدہ کے برعکس ہے۔ مصری اپنے بچوں کی صحت یابی کی خوشی میں انکے بال کاٹ کر سونے سے تولتے ہیں اور اسی متبرک جانوروں کی خبر گیری یا کسی دیوتا کے نام پر نذر کر دیتے ہیں۔ بعض جانوروں کی وہ عزت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مصر میں ایسا سخت قحط پڑا کہ لوگ ایک دوسرے کو کھانے لگے مگر جانوروں کو مارنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ راپس یعنی اپنے مقدس بیل کے لئے وہ ایک حسین مادہ تلاش کرتے۔ بڑے اہتمام سے اسکی پرورش کرتے ہیں اور اسے اپنے دیوتا کی محبوبہ یا داشتہ بیوی خیال کرتے ہیں۔

(ماخوذ از ہسٹورین۔ ہسٹری آف ورلڈ)

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے عرصہ میں اپنے اُستادوں سے بڑھ گیا۔ کیونکہ آخر الذکر اپنے قانون و قاعدوں میں ایسے جکڑے رہے کہ آگے قدم نہ بڑھا سکے اور ہم اپنی آزادانہ خیالی محنت و قابلیت کی بدولت اُن سے سبقت لے گئے۔"

کریسس "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک بت تراش اپنے مجسموں کو جو مختلف کیفیات کا اظہار کرتے ہیں کیونکر ایک ہی نمونہ پر بنا سکتا ہے۔"

تھیوڈورس "مصریوں کا یہی اصول ہے۔ انہوں نے انسان کے جسم کو سوا اکیس حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اسی اندازے سے ہر عضو کے مناسب اسکی پیمائش مقرر کی ہے جس کی اس سختی کے ساتھ پابندی کرتے ہیں کہ ہنرمندی کے مقاصد فوت ہو جاتے ہیں۔ میں نے کچھ دن ہوئے کہ اماسس کے سامنے ایک مصری پروہت سے جو مشہور سنگ تراش تھا کہا تھا کہ مصری قاعدہ کے مطابق ایک بت کی ناپ لیکر اپنے بھائی کو جو یونان میں ہے بھیجتا ہوں اور لکھتا ہوں کہ تم اسکے نیچے کا حصہ بناؤ اور میں یہیں بیٹھے بیٹھے اوپر کا حصہ بناتا ہوں۔ اور شرط بدکر کہتا ہوں کہ تیار ہو جانے کے بعد دونوں کو ملا کر کھڑا کر دیا جائے تو ہرگز نہ معلوم ہو سکے گا کہ دو مختلف شخصوں نے اُسے بنایا ہے۔"

کریسس "اور کیا تمہیں دعوے ہے کہ اپنی شرط جیت جاتے۔"

تھیوڈورس "یقیناً۔ میں اب بھی اس کام کو کرنیکے لئے بخوشی تیار ہوں مگر جو چیز کہ بن کر تیار ہو گی وہ بس ایسی ہی ہو گی جیسی کہ عام طور سے اس ملک میں پائی جاتی ہے اور جو میرے خیال کے مطابق اعلیٰ درجہ کی کاریگری کا نمونہ نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں اصلیت و اتباع فطرت بہت کم ہے۔"

کریسس "مگر ہر ایک پر یہ الزام صادق نہیں آسکتا بعض اس سے مستثنیٰ بھی ہیں۔ مثلاً وہ بت جسے اماسس حاکم ساموس کو تحفۃً بھیجنے کے لئے آجکل

بنوار ہا ہے۔ نیز ممفس میں بھی ایک تین ہزار برس کا پرانا بت موجود ہے۔ جو اس فرعون کا ہے جس نے بڑے اہرام کو تعمیر کرایا تھا اور وہ ان تمام عیوب سے پاک ہے۔ اُسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اتنے سخت پتھر میں کس خوبی کے ساتھ صنعت و جدت کے کرشمے دکھائے ہیں۔ دست و پا و سینہ کے رگ و پٹھوں کا تناسب و اُبھار چہرہ کا ناک نقشہ، جسم کا اتار چڑھاؤ، اعضا کی موزونیت۔ غرضکہ ہر بات میں اصلیت و سچائی پائی جاتی ہے میں اُسے سنگ تراشی کا اعلیٰ درجہ کا نمونہ سمجھتا ہوں۔"

تھیوڈورس: اس میں شک نہیں۔ اور میں مانتا ہوں کہ باوجود اسکے کہ ترقی مسدود ہے تاہم مصری ہم سے اس فن کے اس شعبہ میں جسکو محض سنگتراشی سے تعلق ہے اب بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ مثلاً جس صفائی کے ساتھ وہ پتھر کو چمکا کر جلا دیتے ہیں وہ ہمیں ابھی تک نصیب نہیں۔ مگر ان میں بڑا عیب یہ ہے کہ ظاہری شکل کے پیچھے ایسے پڑے رہتے ہیں کہ باطن سے غافل ہو جاتے ہیں۔ انکی صناعی جذبات انسانی کا اظہار نہیں کرتی اور ان کے مجسمے بالکل بیجان معلوم ہوتے ہیں۔ مصر کے محلات و معبدوں میں ہزارہا نئی و پرانی مورتیں آپ کی نظر سے گذری ہونگی۔ یہ مختلف قسم کے لوگوں کی یادگاریں ہیں۔ کوئی جوان تھا، کوئی بوڑھا کوئی بادشاہ، فاتح فلسفی یا محسن قوم تھا مگر حیرت ہے کہ سب قریب قریب ہمشکل نظر آتے ہیں۔ اور اگر کسی کی عظمت و بزرگی دکھانا منظور ہوتی ہے تو اس کے قد و قامت میں مبالغہ کر دیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایک سن رسیدہ شخص کی شبیہ ایک نوجوان لڑکے کی طرح نہیں ہو سکتی اور نہ ایک شاعر کے خط و خال جنگجو سپاہی کے مشابہ ہو سکتے ہیں۔ اماسس کے مجسمے بس ایک ایسی تلوار کی طرح ہوتے ہیں جسکی لمبائی و چوڑائی دیدینے کے بعد ہمیں

لہ یہ زمانہ انحطاط کی کیفیت کا اظہار ہے۔ ورنہ مصری بت تراشی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ملکہ نفرت شیخ بلد اخناتون و راسس وغیرہ کے مجسمے جو آجکل بھی عجائب گھروں میں موجود ہیں اسکے شاہد ہیں۔

پہلے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ تیار ہونے پر اسکی کیا شکل نکلے گی"

کری سس "تم نے بادشاہ سے اپنے یہ اعتراضات بیان کئے ہونگے؟ اس نے کیا جواب دیا"

تھیوڈورس "وہ سب کچھ سمجھتا ہے اور اس عیب کو محسوس کرتا ہے مگر پروہتوں سے مجبور ہے کہ وہ اپنے قاعدوں کے خلاف کرنا نہیں چاہتے"

ڈلفین "تاہم اس نے ایک نہایت معقول رقم ہمارے نئے معبد کے لئے عطا فرمائی ہے اور یہ کہتا ہے کہ یونانی علم و ہنر کی ترقی و امداد کے لئے دیتا ہوں"

کری سس "یہ واقعی اسکی فیاضی و دریا دلی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تین سو ٹیلنٹ[۱] اس معبد کی تعمیر میں صرف ہونگے۔ آپ کے خیال میں یہ رقم کتنے عرصہ میں جمع ہو جائیگی اگر میرا پہلا سا زمانہ ہوتا تو یہ تمام خرچ خود اپنی جیب سے ادا کر دیتا اور باوجودیکہ مجھے آپ کے دیوتا پر اعتماد نہیں اور ایک بار وہ مجھے پہلے بھی دغا دیچکا ہے تاہم آپ کی خاطر امداد سے دریغ نہ کرتا۔ آپ کو شاید یاد ہوگا کہ میں نے اپنے زمانہ حکومت میں آپ کے اسی دیوتا سے دریافت کیا تھا کہ کورش سے جنگ کروں[۲] یا نہ کروں تو جواب ملا کہ "اگر دریائے ہلیز کے

---

[۱] دس لاکھ روپیہ سے کچھ زیادہ۔

[۲] یہ جنگ تاریخ عالم میں مشہور و معروف ہے۔ ایشیائے کوچک کے غربی حصہ میں ایک سلطنت موسوم بہ لیدیا تھی جس کا پایہ تخت سارڈیس تھا۔ کورش کے زمانہ میں یہاں کا بادشاہ کرزوس یا کری سس نامی نہایت عاقل، زیرک، مدبر و متمول گذرا ہے۔ اسکے پاس بیشمار دولت تھی۔ ایشیا کی تمام یونانی نوآبادیاں اسکی باجگذار تھیں۔ اسکے پاس بکثرت سونے چاندی کی کانیں تھیں اور دریائے ہیلز یا قزل ارماغ جو اسکے ملک کو سیراب کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اسکی ریت سے بھی سونا دستیاب ہوتا تھا۔ غرضکہ کریس اپنے زمانہ کا قارون تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ کورش نے ازی وہاک یا استیاجز تاجدار میڈیا کو شکست دیکر اسکی سلطنت کو تہ و بالا کر دیا تو اسے بڑی فکر پڑی۔ اور مصر و بابل و اسپارٹا سے اتحاد قائم کر کے

پار اُتر گیا تو ایک بڑی سلطنت کو تباہ کر دونگا" میں نے اسکے قول پر یقین کرلیا اور اسی کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ایرانی فاتح کو روکنا چاہا - ان تینوں نے مدد دینے کا بھی وعدہ کر لیا - مگر دیر ہوگئی
اسی اثنا میں کری سس کا ایک مشیر پیغامبر جو یونان جانیوالا تھا کسی وجہ سے بددل ہوکر کورش سے ملگیا
اور اپنے بادشاہ کی تدابیر سے اُسے آگاہ کر دیا - یہ سُنتے ہی کورش بہت تیزی کے ساتھ ایک ہزار میل کا
سفر طے کر کے قبل اسکے کہ حلیف آپس میں مل سکیں - لیدیا پر حملہ آور ہوا - پہلی لڑائی میں اُسے کسی قدر زک
ہوئی - مگر دوسری میں جو تین ماہ کے بعد ہوئی تھی اُسے فتح کامل نصیب ہوئی - کری سس فوراً اپنے پایۂ
تخت کی طرف بھاگا - اسے امید تھی کہ بابل پیچھے ہے اس لئے کورش شاید آگے بڑھنے کی جرأت نہ
کرسکے گا مگر بابل نے حماقت سے صلح کرلی - اور اسے خیال تھا کہ جاڑے کی وجہ سے جنگ محال ہوگی -
اسی لئے اس نے اپنی فوج کے ایک حصہ کو برخاست کر کے حلیفوں کو بھی لکھ دیا تھا کہ موسم بہار میں
آنا - اب جو اس نے دیکھا کہ کورش بلائے بے درماں کی طرح سر پر آپہنچا تو سخت پریشان ہوا - بہرحال
میدان ہرمیز میں اپنی تمام فوج کے ساتھ آیا اور سب سے آگے اپنے مشہور رسالہ کو صف آرا
کیا - اس سے اُسے بڑی امیدیں تھیں - مگر کورش نے سامنے اپنے اونٹوں کو کھڑا کر دیا جنکی
بو سے بوجہ عادی نہ ہونیکے گھوڑے بگڑ گئے - لیدیا والے بڑی بہادری سے لڑے مگر بالآخر
شکست کھا کر سارڈیس میں محصور ہوگئے - شہر و قلعہ وغیرہ نہایت مضبوط تھے اور محاصرہ ایک
عرصہ تک رہتا مگر اتفاق سے ایک دن ایک ایرانی سپاہی کی نظر پڑ گئی کہ محصور فوج کا ایک
جوان باہر اپنا خود اٹھانے نکلا ہے - اسے فوراً راستہ معلوم ہوگیا اور موقعہ پاکر چند ساتھیوں کے
ساتھ پھاٹک کے پہرہ داروں پر اچانک حملہ کر کے قتل کر دیا اور دروازہ کھول دیا - کری سس جب
ناامید ہوگیا تو ایک چتا بنا کر معہ اپنی اولاد و مال و زر جلنے پر آمادہ ہوا اس لئے ایک آہ سرد کھینچی
اور تین مرتبہ سولن کا نام لیا مگر اپالو نے پانی برسا کر چتا کو بجھا دیا" حقیقت الامر یہ تھی کہ کورش کو رحم
آگیا اور اس نے اپنے دشمن کی جان بخشی کر کے اسے اپنے مصاحبین خاص میں داخل کر لیا -
(سائکس پرشیا) - ایک دوسری روایت یہ ہے کہ جب کرزوس (کری سس) کورش کے سامنے

ہدایت کے مطابق اسپارٹا والوں سے بھی دوستی کی اور دریا کو پار کیا مگر بعدہٗ جو انجام ہوا سب پر ظاہر ہے۔ یہ سچ ہے کہ ایک بڑی سلطنت تباہ ہو گئی۔ مگر وہ دشمنوں کی نہ تھی بلکہ میرا ہی بدقسمت ملک تھا۔ جو اب ایرانیوں کی مملکت میں شامل ہو کر غلامی کی ذلت و مصیبت جھیل رہا ہے۔"

فکسس۔ آپ دیوتا کو ناحق الزام دیتے ہیں۔ یہ آپ ہی کا قصور تھا کہ اپنی شیخی و زعم میں آکر اسکے الہام کو غلط سمجھ گئے۔ اُس نے یہ کب کہا تھا کہ ایرانی سلطنت برباد ہو گی۔ اس نے تو کہا تھا کہ لڑو گے تو "ایک سلطنت" تباہ ہو جائیگی۔ تمہیں چاہئے تھا کہ پہلے سوچ سمجھ لیتے کہ وہ کس کی سلطنت ہے۔ علاوہ بریں تمہارے لڑکے کے متعلق یہ پیشینگوئی "کہ عین مصیبت کے وقت اسکی زبان کھل جائیگی" کیسی صحیح نکلی۔ اور شاید تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ شکست کھانیکے بعد تم نے کورش سے اجازت لیکر جب آرکل سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) گرفتار ہو کر لایا گیا تو بادشاہ نے اُسے جلا دینے کا حکم دیا۔ چتا پر جاتے وقت کرزوس نے تین بار چلا کر سولن کا نام لیا۔ کورش کو نہایت حیرت ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ یہ سولن کون ہے۔ کرزوس نے جواب دیا کہ یہ یونان کا ایک بڑا حکیم فلسفی ہے۔ ایک مرتبہ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ بتاؤ دنیا میں سب سے زیادہ خوش قسمت کون ہے۔ مجھے امید تھی کہ وہ میرا نام لے گا۔ مگر اس نے ایک معمولی دہقان کا نام لیا۔ میں نے سبب پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ وہ دہقان ایک سو برس تک زندہ رہا۔ آل اولاد سے خوش رہا۔ اور بالآخر بڑی مردانگی کے ساتھ اپنے ملک پر فدا ہو گیا۔ اہل وطن نے اس کی تعریف میں قصیدے لکھے۔ اس کی یادگاریں و مجسمے بنائے۔ مگر تیرے متعلق باوجود تیری اس قدر دولت و ثروت کے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ معلوم نہیں تیرا کیا انجام ہو گا اور بغیر اسکے جانے ہوئے تجھے فوقیت دینا جائز نہیں سمجھتا۔ کورش یہ حکایت سُنکر نہایت متاثر ہوا۔ اور کرؔیسس کی جاں بخشی کر کے اسے بعزت تمام اپنے درباریوں میں شامل کر لیا۔ (ایران نامہ۔ مرزا عباس علی شوستری)

یہ پوچھا تھا کہ "کیا یونانی دیوتاؤں کا یہی قاعدہ ہے کہ اپنے خوش اعتقاد خادموں کے ساتھ ایسی ناانصافی کا برتاؤ کرتے ہیں؟" تو جواب ملا تھا کہ دیوتا نے تو بڑی کوشش کی مگر مجبوری ہے اُسکے اوپر ایک اور زبردست طاقت ہے جس نے تمہارے جدامجد کو پہلے ہی سے یہ بتا دیا تھا کہ خاندان کے پانچویں حکمراں یعنی تمہاری قسمت میں ازل سے تباہی و اوبار لکھ دیا گیا ہے۔"

کریسس "خیر جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ اب اسکے ذکر سے کیا فائدہ۔ میں اُس وقت اپنے رنج میں تمہارے دیوتا کو بہت کچھ صلواتیں سنا گیا تھا۔ مگر جب جاہ و حشم کے ساتھ خوشامدی مصاحبوں و چاپلوس دوستوں نے بھی کنارہ کشی کر لی تو میری آنکھیں کھلیں اور معلوم ہوا کہ حقیقت میں اپالو کا کچھ قصور نہ تھا بلکہ میرے ہی تکبر و خود پسندی کا نتیجہ تھا جو مجھے بھگتنا پڑا میں اپنی دولت و حشمت کے نشہ میں ایسا چور تھا کہ اگر کوئی مجھ سے کہتا بھی کہ ان الفاظ کے دوسرے معنی ہیں تو ہرگز باور نہ کرتا۔ بلکہ اُسے مستوجب سزا سمجھتا کیونکہ جس طرح ایک مجروح گھوڑا اس جراح کے مُنہ پر جو اُسکے زخم کو اچھا کرنا چاہتا ہے دُلتی لاتیں مارتا ہے اُسی طرح ایک خودسر و مطلق العنان بادشاہ بھی اپنے بہی خواہ دوست کی سچی باتوں سے جو اسکی خلاف طبیعت ہوں فوراً ناراض و ناخوش ہوتا ہے اور اسکی آنکھوں کے سامنے خودرائی اور خودبینی کا ایک ایسا پردہ پڑ جاتا ہے کہ کوئی چیز اپنی اصلی حالت میں نظر نہیں آتی اور نفسانیت و خودغرضی کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ اپنے زعم میں بڑے سے بڑے خطرات کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ چنانچہ اس زمانہ میں میری بھی یہی حالت تھی مگر اب شکر ہے کہ آنکھوں کے سامنے سے وہ پردہ اُٹھ گیا اور اپنی حقیقت معلوم ہو گئی۔ کمبوجیہ کا میں نہایت احسانمند ہوں کہ مجھ سے شاہانہ برتاؤ کرتا ہے۔ اور میرے مرتبے کا بہت پاس و لحاظ رکھتا ہے۔

غرضکہ میں اب کسی قابل نہیں اور نسبتاً بہت غریب ہوں۔ تاہم آپ چندہ مانگنے

ہیں تو انکار نہیں کرسکتا۔ ایک ٹیلنٹ[۱] آپ کی نذر کرتا ہوں"۔
فرکسس نے بہت شکریہ ادا کیا۔ پھر **فینٹس** نے کہا "**الکمن** کے خاندان والے جنھوں نے اس معبد کی تعمیر کا ذمہ لیا ہے خود نہایت متمول و امیر ہیں۔ چندہ طلب کرنے سے انکا خاص مقصد شہرت و ناموری حاصل کرنا ہے۔ تاکہ اس طرح سے ذی اقتدار گروہوں پر اپنا اثر ڈال کر سلطنت کے مالک بن بیٹھیں۔

ابی کوس "کریسس! میں نے سنا ہے کہ اس خاندان کی تمام دولت و ثروت کے تمہیں باعث ہوئے ہو"

کریسس ۔ (ہنس کر) "اس میں کیا شک۔ میں ہی مورد الزام ہوں"

رہوڈوفس "ذرا سنائیے تو یہ واقعہ کیونکر ہوا"

کریسس "بہت دنوں کی بات ہے **الکمن** اتھنز کا رہنے والا ایک دن میرے دربار میں حاضر ہوا۔ وہ نہایت غریب و خستہ حال تھا۔ اور معاش کی تلاش میں حیران و پریشان تھا۔ مجھے اس پر بہت رحم آیا۔ اور اس کو خوش مزاج، مہذب تعلیم یافتہ پاکر اپنے یہاں رہنے کی اجازت دی۔ ایک دن اتفاق سے میں اپنے خزانہ میں جارہا تھا کہ اس کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ خزانہ کو دیکھتے ہی اسکی عجیب حالت ہوگئی میرے قدموں پر گر پڑا اور فقیروں کی طرح مجھ سے گڑگڑا کر کہنے لگا۔ کہ اے کاش کہ اس خزانہ میں سے صرف مٹھی بھر زر و جواہر لے جاسکیں بس ایک مرتبہ ہی اسے اجازت مل جاتی۔ میں اس وقت خوش تھا اور ہنس کر بولا کہ تجھے اجازت ہے مگر شرط یہ ہے کہ صرف ایک ہی بار جس قدر اٹھا سکے لیجا۔

یہ سننا تھا کہ اس نے پیروں میں بڑے اونچے اونچے بوٹ پہنے۔ گلے میں ایک

---

[۱] قدیم یونانی سکوں کی حسب ذیل قیمت تھی:۔ ٹیلنٹ = ۲۲۵ پونڈ۔ منا = چار پونڈ۔ ڈرام = ۹ پنس۔ ابولس = ڈیڑھ پنس۔ (پروفیسر ایبر)

لمبا سا پیرہن ڈالا۔ پیٹھ پر ایک ٹوکری باندھ لی اور ان سب کو زر و جواہر سے بھر لیا جب کچھ اور لینے کے لئے نہ ملا تو اپنی ڈاڑھی اور سر کے بالوں میں سونے کے ذروں کو خوب اچھی طرح چھڑک لیا۔ اور مُنہ میں اتنے جواہرات بھر لئے کہ معلوم ہوتا تھا کوئی بڑی سی لی یا گاجر بھری ہے جو حلق سے نیچے نہیں اُترتی۔ دونوں ہاتھوں میں بھی سونے کے برتن لیلئے۔ اور اس تمام بوجھ سے لدا اپھندا کمر جھکی ہوئی۔ گھسٹتا ہوا خزانہ کے باہر نکلا۔ اور دہلیز پر پہنچتے ہوئے اوندھے مُنہ زمین پر گر پڑا۔ یہ دیکھکر مارے ہنسی کے میرے پیٹ میں بل پڑ گئے"۔

رہوڈوفس "اور آپ نے وہ تمام دولت اُسے لیجانے دی"

کری سس "کیوں نہیں۔ میں اپنی زبان ہی دے چکا تھا اور اس وقت مجھے یہ بھی خیال آیا کہ دولت ایک سمجھ دار اور عقلمند آدمی کو کیسا اندھا و بیوقوف بنا دیتی ہے۔ یہ تجربہ ایسا سبق آموز تھا جس کے مقابلہ میں اس زر و جواہر کی میں نے کچھ حقیقت نہ سمجھی"۔

فینس "ایسی فیاضی و سخاوت عدیم المثال ہے"

کری سس۔ شکر ہے کہ وہ زمانہ گیا اور اب فقیرانہ توکل و قناعت پر بسر ہوتی ہے اور ہاں فرکسس یہ تو کہو کہ اماسس نے تمہیں کتنا چندہ دیا"

فرکسس "اس نے ایک ہزار ٹیلنٹ چٹکی دی"

کری سس "واقعی اسی کا نام شاہانہ دریا دلی ہے"

فینس "اور شہزادہ نے کس قدر دیا؟"

فرکسس "جب میں اسکے پاس یہ درخواست لیکر گیا تو اپنی پیٹھ موڑ کر طنزاً ہنس کر مجھ سے کہنے لگا۔ کہ اگر تم اپنے مندروں کو منہدم کرنیکے لئے کسی چندہ کی خواستگار ہو تو میرے پاس آنا میں بادشاہ سے بھی دوگنہ عطا کرونگا"

فینیس "کس قدر کور باطن و بیہودہ شخص ہے"

رھوڈوفس "نہیں بلکہ یہ کہو کہ سچا مصری ہے تم جانتے ہو کہ سامتیک ہر چیز سے جو اسکے ملک کی نہ ہو بے انتہا نفرت کرتا ہے"

فینیس "نوکراتیس کے یونانیوں نے کس قدر دیا"

فرکسس "ہر فرد نے اپنی حیثیت کے مطابق دیا۔ علاوہ بریں ہر ضلع نے بیس[۲] منیز دیئے"

فینیس "خوب دیا۔ نہایت معقول رقم ہے"

فرکسس "فلونس، سیبارسی نے بھی ایک ہزار ڈرام دیئے۔ اور ساتھ ہی ایک عجیب پرلطف خط بھیجا ہے۔ جسے رھوڈوفس کی اجازت ہو تو میں پڑھکر سناؤں"

رھوڈوفس "ضرور سنائیے۔ مجھے کوئی عذر نہیں"

ڈلفینی نے اپنی جیب سے خط نکال کر اس طرح پڑھنا شروع کیا۔

"منجانب فلونس۔ فرکسس کو معلوم ہو کہ مجھے سخت افسوس ہے کہ اس رات رھوڈوفس کی دعوت میں میں نے کافی طور سے شراب نہ پی۔ اور بالکل بیہوش نہ ہو گیا تاکہ کسی چیونٹی کا بھی دل نہ دکھا سکتا۔ یہ میرے اس کمبخت اعتدال کا قصور ہے کہ اب آیندہ سے مصر کے سب سے بڑے پرتکلف دستر خوان کی نعمتوں سے محروم رہ جاؤنگا بہرحال جو لطف اٹھا چکا ہوں اس کا کہاں تک شکریہ ادا کروں۔ رات کو جب یاد کرتا ہوں تو دل بیتاب ہو جاتا ہے۔ دعوت کے مزیدار کھانوں کی یاد اب تک میرے دل کو بیتاب کر رہی ہے۔ اس لئے باظہار احسانمندی ایک ناچیز تحفہ روانہ کرتا ہوں اور بدست حامل ہذا گوشت بھوننے کی بارہ سلاخیں بھیجتا ہوں اور آپ سے مستدعی ہوں کہ اگر رھوڈوفس کو کوئی اعتراض نہ ہو تو انکے نام سے ڈلفی کے کسی خزانہ میں جمع کر دی جاویں۔ آپ کے چندہ کے لئے میں ایک ہزار ڈرام پیش کش کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آیندہ کھیلوں کے موقعہ پر اس چندہ کا عوام الناس کے سامنے

پورے طور سے اعلان کر دیا جائے۔ میں اس رات ایک بے ادب گستاخ شخص سے جسکا نام ارسٹومیقس اسپارٹی تھا ملا تھا۔ اس سے بھی کہدیجیے گا کہ میں تمہارا بہت ممنون ہوں۔ کیونکہ مصر آنے سے میرا ایک ہی مقصد تھا کہ کسی مشہور دندان[۱] ساز سے ملکر اپنے ایک خراب دانت کو نکلوا دوں مگر ارسٹومیقس نے ایک گھونسہ رسید کر کے اس تمام زحمت سے مجھے بچا لیا۔ اور جس عمل جراحی سے میں اس قدر ڈرتا تھا وہ بڑی آسانی کے ساتھ پورا ہو گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ تین دانت غائب ہو گئے۔ ایک جو پہلے سے خراب تھا اور دو اچھے۔ یہ دونوں بھی مجھے یقین ہے کہ آیندہ چل کر بہت تکلیف دیتے اس لئے اچھا ہوا کہ اس طرح آسانی سے نکل گئے۔ رھوڈوفس اور فینیس کو میری طرف سے سلام پہنچے۔ اور ہاں میں تمہیں ایک دعوت میں مدعو کرتا ہوں جو آیندہ سال اسی دن ہو گی۔ اور اتنے عرصہ پہلے تم کو اس لئے اطلاع دیتا ہوں کہ کہیں اس کی تیاری کی فکر میں عین وقت پر بھول نہ جاؤں۔ میں اس خط کو اپنے ایک عالم و فاضل غلام سے جو قریب کے کمرے میں بیٹھا ہوا ہے لکھوا رہا ہوں کیونکہ مجھے برداشت نہیں کہ کوئی میرے سامنے بیٹھ کر کاغذ پر قلم چلائے۔ جسے دیکھتے ہی میری تمام انگلیوں میں تشنج پیدا ہو جاتا ہے۔"

اس خط کو سُنکر تمام مہمان ہنسنے لگے اور رھوڈوفس نے بھی مسکرا کر کہا:۔
"مجھے یہ خط سُنکر بہت خوشی ہوئی اور یہ معلوم ہو گیا کہ فلونس کچھ برا آدمی نہیں ہے۔ اُس کی تربیت........"

یہ جملہ ابھی ختم نہ ہونے پایا تھا کہ ایک نووارد جس سے رھوڈوفس ناآشنا تھی گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا اور یہ الفاظ اُس کی زبان سے نکلے "حضرات مجھے معاف کیجئے

[۱] بعض ممیوں (محفوظ مردہ جسم) کے مصنوعی دانت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصری دندانساز اپنے فن میں بڑے ہوشیار تھے۔ (پروفیسر ایبر)

کہ آپ کی محفل عیش و طرب میں حارج ہوتا ہوں اور معزز خاتون امید ہے کہ آپ بھی معاف کیجئے گا کہ ایک بن بلائے مہمان کی حیثیت سے یوں آپ کے محل میں بلا اطلاع کئے چلا آیا ہوں۔ میرا نام گیجیس پسر کریسس ہے۔ آپ سب صاحبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ کوئی معمولی بات نہ تھی جسے سن کر میں صرف دو گھنٹے ہوئے کہ سیئرز سے بھاگوں بھاگ اس عجلت میں آیا ہوں۔

رھوڈوفس نے غلام کو آواز دیکر ہمیشہ! ہمارے نئے مہمان کے لئے ایک کرسی لا گیجیس بیٹھو۔ آرام کرو۔ اتنی مسافت دوڑ دھوپ کے بعد بہت تھک گئے ہوگے" کریسس اپنے لڑکے کو دیکھکر نہایت متحیر ہوا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا" ہیں! گیجیس تم اتنی رات گئے یہاں کیسے اچانک پہنچے۔ میں تو تم سے تاکید کر آیا تھا کہ بردیہ کو جسکی حفاظت کا میں ذمہ دار ہوں اکیلا ہرگز مت چھوڑنا۔ پھر اس کے کیا معنی اور...... تمہارے چہرہ پر اس قدر وحشت و پریشانی کیوں برستی ہے۔ کیا کوئی سانحہ ہوگیا۔ یا کسی پر کوئی آفت آئی۔ جلدی بتاؤ"۔

گیجیس اپنے باپ کو فوراً جواب نہ دے سکا۔ اس کا پیارا باپ جس پر وہ اپنی جان تک فدا کرنے کو تیار تھا دوست و احباب کی محلس میں بیٹھا ہوا کیسا تندرست و خوش و خرم نظر آتا تھا۔ غضب ہے کہ اس کا عیش مکدر ہوجائے اور ایسے خطرہ کا سامنا ہو جسکا خیال آتے ہی اُسے محسوس ہوا کہ قوت گویائی نے آج پھر جواب دے دیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد جب طبیعت کسی قدر سنبھلی تو کہنے لگا" ابا جان! دیوتاؤں کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ان آنکھوں نے آپ کو یہاں پھر صحیح و سلامت دیکھا۔ یہ خیال نہ فرمایئے کہ بلا کسی خاص وجہ کے میں بردیہ کو چھوڑ کر یہاں آیاں ہوں۔ مجھے خود نہایت افسوس و رنج ہے کہ اس محفل طرب میں مخل بھی ہوا تو ایسی منحوس خبر لیکر۔ سب سے مخاطب ہوکر حاضرین میں اب زیادہ فضول گوئی کرکے وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ آگاہ ہوجایئے کہ آپ لوگ سخت خطرہ میں گھرے ہوئے ہیں اور دغا و فریب کے جال میں جلد پھنسنے والے ہیں" یہ

سُننا تھا کہ گویا بجلی گر پڑی - ہر شخص اپنی جگہ پر اچھل کر کھڑا ہو گیا - ارستومنیقس نے آہستہ سے اپنی تلوار میان میں ڈھیلی کی اور فینیس نے اپنے دست و بازو کو جنبش دی گویا یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ ان میں پہلا سا قوت وزور اب بھی باقی ہے کہ نہیں - ہر شخص کی زبان پر یہی سوال تھا "یہ کیا معاملہ ہے خطرہ کیا ہے" "کیا معاملہ ہے ؟ خطرہ کیسا جلدی بتاؤ"

گیجیس - اس مکان کو چاروں طرف سے حبشی سپاہی گھیرے ہوئے ہیں - ایک معتبر شخص نے مجھے خبر دی ہے کہ شاہزادہ آپ لوگوں میں سے کسی ایک کو پکڑنا چاہتا ہے اور اس نے یہ تک حکم دیدیا ہے کہ اگر آسانی سے وہ ہاتھ نہ آئے اور مقابلہ کرے تو قتل کر دیا جائے - مخبر نے مجھے دھوکہ نہیں دیا - کیونکہ جب میں اس محل کے باغ کے پھاٹک پر پہنچا ہوں تو میرا گھوڑا ایکا ایک بھڑکا - میں فوراً اُتر پڑا - اور خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہر درخت و جھاڑی کی آڑ میں خونخوار و سیاہ فام آدمی چھپے ہوئے ہیں اور چاند کی روشنی میں انکے ہتھیار چمک رہے ہیں لیکن میرے اندر آنے میں کوئی مزاحم نہیں ہوا"

اتنے میں رھوڈوفس کا غلام ناسیس بھی ہانپتا کانپتا اندر آیا اور گھبرا کر کہنے لگا" میں ایک نہایت ضروری خبر لایا ہوں - میں ابھی ابھی دریا کے کنارے پانی لینے گیا تھا کہ ایک شخص جو اس باختہ بے تحاشہ دوڑتا ہوا میری طرف آیا - میں پہلے تو ڈرا مگر جب پہچانا تو معلوم ہوا کہ وہ فینیس کا حبشی ملاح ہے - اس شخص نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا کہ وہ اپنی کشتی سے نکل کر دریا میں نہانے اترا تھا کہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک شاہی بجرا قریب سے گذرا اور اسکے ایک سپاہی نے ملاح سے پوچھا کہ یہ کس کی کشتی ہے - انہوں نے جواب دیا کہ فینیس کی - یہ سُنتے ہی شاہی کشتی بہ ظاہر لاپروائی کے ساتھ آگے نکل گئی - مگر وہ اور حالات معلوم کرنیکے لئے اُچک کر چپکے سے اُسکے پتھوار پر بیٹھ گیا - اور وہاں سے ایک سپاہی کو دوسرے سے چلا کر یہ کہتے سُنا" اس کشتی پر ذرا اچھی طرح نگاہ رکھنا - ہمیں اپنی چڑیا کا گھونسلا اب معلوم ہو گیا ہے اور اس کا پکڑنا آسان ہے -

یاد رکھو شہزادہ انعام واکرام سے مالامال کر دیگا اگر سرخرو ہو گئے اور **اکفینی** کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لیکئے تو بیس سونیکے چھلوں کا تو پہلے ہی سے وعدہ ہو چکا ہے۔" اے معزز **فینس**! ہوشیار ہو جاؤ تمہارا ملاح **سبک** جس نے سات سال سے اس وفاداری کے ساتھ تمہاری خدمت کی ہے ہرگز جھوٹ نہ بولیگا۔" اکفینی نے **گیجیس** وغلام دونوں کی باتیں نہایت خاموشی کے ساتھ سُنیں۔ اسکے اطمینان واستقلال میں سرمو فرق نہ آیا۔ مگر **رھوڈوفس** خوف سے کانپنے لگی اور **ارستومیقس** غضبناک ہو کر بول اٹھا" خواہ تمام مصر برباد وتباہ ہو جائے مگر جب تک میں زندہ ہوں کیا مجال کہ **فینس** کے سر کا ایک بال بھی بیکا ہونے پاوے"! **کریسس** بھی متردد ہو گیا اس نے کہا کہ وقت نازک ہے نہایت سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیے۔ باقی تمام مہمان حد درجہ پریشان اور ایک دوسرے کا مُنہ تک رہے تھے بالآخر فینس نے اپنی مہر سکوت توڑی اور اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کیا "خطرہ کے وقت انسان کو اپنے حواس بجا رکھنے چاہئیں۔ میں نے کافی غور وفکر کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ اب جانبری ناممکن ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصری پوشیدہ طور سے بغیر کچھ شور وشغب کئے میرے مارنے کی فکر میں ہیں۔ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ کل صبح تڑکے میں ایک فینیقی ٹرائی ریمی میں **نوکراتس** سے روانہ ہونیوالا ہوں اس لئے انکے پاس وقت کم ہے اور میری گرفتاری میں جلدی کریں گے۔ **رھوڈوفس** تمہارا محل چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے۔ اگر میں یہیں چھپنے کی کوشش کروں تو یقین جانو کہ وہ تمہاری بھی کچھ پرواہ نہ کریں گے اور اندر گھسکر مجھے ڈھونڈھ نکالیں گے۔ علاوہ بریں میری کشتی پر بھی ان کا پہرہ ہوگا۔ اس لئے اب کسی قسم کی کوشش کرنا فضول ہے اور میں ہرگز اس کا روادار نہیں کہ آپ لوگوں کو میری وجہ سے کوئی تکلیف پہنچے اور ناحق کی خوں ریزی ہو"۔

ارسٹومیقس "مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم اس طرح آسانی کے ساتھ اپنے کو حوالہ کر دو اور ہم لوگ یونہی بیٹھے تماشہ دیکھا کریں"۔

تھیو پمپوس۔ (چلا کر) مجھے ایک بڑی اچھی تدبیر سوجھی ہے۔ میرا ایک تجارتی جہاز مصری غلہ سے بھرا ہوا کل علی الصباح کنوپس سے ملی توس کو روانہ ہونے والا ہے۔ تم اس بہادر ایرانی کے گھوڑے پر سوار ہو کر کسی طرح وہاں تک پہنچ جاؤ۔ ہم سب لڑ بھڑ کر باغ میں سے تمہارے لئے راستہ نکال دیں گے"۔

گیجیس "میرے خیال میں یہ ناممکن ہے۔ ہم سب نہتے ہیں صرف دس آدمیوں میں سے تین ہی کے پاس تلواریں ہیں اور غنیم کی تعداد سو کے قریب ہے اور وہ پوری طور سے مسلح ہیں"۔

ارسٹومیقس "۔ (جھلا کر) میاں لڑکے اگر تم ایسے حلیف ہمت میں دس گنے کم ہوں اور دشمن کی تعداد سو کیا بلکہ دو سو ہو تو بھی میں انکا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں"۔

یہ سنتے ہی گیجیس کا چہرہ سرخ ہو گیا اسے ایک ایسے شخص نے جو بہادر د جنگجو مشہور تھا سب کے سامنے بزدل بنا دیا وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر الفاظ زبان پر آ کر رک گئے ہجوم جذبات نے پھر اُسے گونگا بنا دیا اور سکتہ کے عالم میں خاموش رہ گیا۔ پھر یکایک اُس کے چہرے پر ایک رنگ آیا اور یہ فیصلہ کن الفاظ تیزی کے ساتھ زبان سے نکلے۔
"اتھینی جلدی اٹھو اور میرے ساتھ چلو۔ (ارسٹومیقس سے) آپ بزرگ و معمر ہیں اس لئے میں آپ سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر یاد رکھئے کہ ذرا سوچ سمجھ کر اپنی زبان سے کوئی بات نکالا کیجئے۔ اور آیندہ بغیر جانے بوجھے کسی کو بزدل نہ بنا دیا کیجئے۔ دوستو! فنیس کی حفاظت کا میں ذمہ دار ہوں اور اُسے میں ہی موت کے پنجہ سے چھڑا سکتا ہوں (کریسس سے) پیارے باپ! میری خطائیں معاف کیجئے گا۔ میں رخصت ہوتا ہوں۔ خدا حافظ" یہ کہکر اور فنیس کو زبردستی اٹھا کر اپنے ساتھ لئے ہوئے۔ باہر نکل گیا۔ سب لوگ بڑی حیرت سے تکتے کے تکتے رہ گئے۔ اتنے میں انہیں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی اور اسکے تھوڑی دیر بعد دریا کی طرف سے سیٹیوں کے بجنے اور لوگوں کے چلّانے کی

آوازیں متواتر آئیں۔

رھوڈوفس نے اپنے ایک خادم سے گھبرا کر پوچھا "ناسیس کہاں ہے"

خادم "وہ نوجوان ایرانی اور فنیس کے پیچھے پیچھے باغ میں گیا تھا"

اتنے میں خود ناسیس خوفزدہ اور تھر تھر کانپتا ہوا اندر داخل ہوا۔

کری سیس "تم نے میرے لڑکے کو کہاں چھوڑا اور فنیس کا کیا حشر ہوا"

ناسیس "دونوں نے مجھ سے کہا ہے کہ آپ کو انکا رخصتی سلام پہنچا دوں"

کری سس "تو دونوں کیا چلدیئے؟ کیونکر نجات پائی؟ کدھر نکل گئے؟"

غلام "یہاں سے نکلتے ہی پہلے تو دوسرے کمرے میں ایرانی و اتھینی میں تھوڑی دیر تک بہت بحث ہوتی رہی بعدہٗ مجھے کپڑے اتارنیکا حکم دیا۔ فنیس نے ایرانی کی شلوار و کوٹ پہنا اور پیٹی لگائی۔ اور اسکی نوکدار ٹوپی اپنے سر پر رکھی۔ اور ایرانی نے اتھینی کا چتان اور چغہ زیب تن کیا۔ اس کا زریں حلقہ اپنی پیشانی پر لگایا۔ پھر اپنی مونچھ و ڈاڑھی کے بال کترے اور مجھ سے کہا کہ انکے پیچھے پیچھے باغ میں آؤں۔ دروازہ پر پہنچتے ہی فنیس جو تبدیل لباس کے بعد بالکل ایرانی معلوم ہوتا تھا۔ اُچک کر گھوڑے پر بیٹھ گیا اور دوسرے نے چلا کر اس سے کہا "خدا حافظ کیجیئیں۔ الوداع میرے ایرانی دوست خدا تمہیں یہ سفر مبارک کرے"

اس وقت میں نے جھاڑیوں کے پیچھے سے ہتھیاروں کی جھنکار کی آواز سُنی اور سمجھا کہ اب سپاہی نکلے مگر کسی نے اتھینی کو نہ روکا اور نہ اُس کا تعاقب کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُسے ایرانی سمجھ کر دھوکہ میں آ گئے۔ جب میں پھر دروازہ پر لوٹ کر آیا تو ایرانی نے مجھ سے کہا "مجھے فنیس کی کشتی کی طرف لیچل اور اسی نام سے آیندہ مجھے پکارنا" میں نے عرض کیا کہ شاید کشتی والے اُسے نہ سمجھ سکیں۔ اس پر اس نے کہا کہ اچھا ملاحوں سے پہلے جا کر کہہ آؤ کہ وہ مجھے اپنے مالک ہی کے نام سے پکاریں۔ میں نے

یہ سنکر بڑی منت والتجا کے ساتھ کہا کہ حضور یہ لباس مجھے پہن لینے دیجئے اور خود اندر تشریف لیجائیے۔ مگر انہوں نے ایک نہ سُنی اور یہ کہا کہ تیری چال ڈھال سے لوگ فوراً پہچان جائیں گے اور راز افشا ہو جائیگا۔" افسوس کہ اسکے صحیح ہونے میں کچھ شک بھی نہیں کیونکہ ایک آزاد شخص سر اٹھاکر سیدھا چلتا ہے۔ مگر غلام کی گردن ہمیشہ جھکی رہتی ہے اور اس کے حرکات وسکنات میں وہ بات نہیں آتی جو شرفا کا خاصہ و مابہ الامتیاز ہے اور انکی خاص تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے۔ ہم کچھ بھی کریں مگر ہمیشہ غلام ہی رہیں گے اور ہماری آل واولاد بھی اسی کے تابع رہے گی۔ بھلا پیاز کے درخت میں کہیں گلاب کا پھول لگا ہے۔ اور مولی کے بیج سے نرگس وسنبل اُگے ہیں؟ غلامی سر کو جھکا دیتی ہے اور آزادی وحریت کا احساس انسان کو کچھ اور ہی بنا دیتا ہے۔"

کریسس (متردد ہوکر) "جلدی بتا۔ میرے لڑکے پر پھر کیا گذری؟"

غلام۔ یہی تو عرض کر رہا ہوں۔ میں نے بہت کہا مگر انہوں نے اس غریب کی سرفروشی کو منظور نہ کیا۔ اور اے بادشاہ! آپ کو بہت بہت سلام وآداب کہتے ہوئے کشتی میں بیٹھ گئے۔ میں نے پھر باآواز بلند چلا کر کہا۔ خدا حافظ **فینس**۔ تمہیں سفر مبارک ہو۔" اسوقت آسمان پر ایک ابر نے چاند کو چھپا لیا تھا اور چاروں طرف تاریکی چھا گئی تھی اس لئے میں کچھ دیکھ تو نہ سکا مگر یکایک لوگوں کے چلانے کی آوازیں آئیں اور کچھ دیر بعد کشتی کے کھینے کی آواز بھی سُنائی دی۔ میں آپ لوگوں سے یہ تمام حالات کہنے کے لئے واپس آنے والا ہی تھا کہ اتنے میں **سبک** ملاح تیرتا ہوا کنارہ پر آیا اُس نے بیان کیا کہ مصری غوطہ خوروں نے **فینس** کی کشتی میں سوراخ کر دیئے تھے اس لئے وہ جیوں ہی بیچ منجدھار میں پہنچی فوراً پانی بھر گیا اور وہ ڈوبنے لگی۔ اس پر ملاحوں نے مدد کیلئے شور مچایا تو شاہی کشتی جو پیچھے پیچھے آرہی تھی پاس آگئی اور اسکے سپاہیوں نے امداد کے بہانے مصنوعی **فینس** کو اٹھاکر اپنی کشتی میں بٹھالیا۔ مگر دوسروں کو قریب نہ آنے دیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام ملاح سوائے **سبک** کے جو بڑا تیراک ہے اپنی کشتی کے ساتھ ڈوب گئے۔ اس طرح

گیجیس جسکو بدلے ہوئے مصریوں کی زیر حراست ہیں اور فینس کی جان بچگئی۔ اور اب وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچنے والے ہونگے سیٹی کی آواز محاصرین کو واپس بلا نیکے لئے ہوگی کیونکہ میں نے لوٹتے وقت جھاڑیوں کو اچھی طرح دیکھا مگر وہاں کسی کا پتہ ونشان نہ پایا۔ البتہ دور سیغز کی سڑک پر سپاہیوں کے چلنے کی آواز اور ہتھیاروں کی جھنکار سُنائی دیتی تھی"۔

رھوڈوفس کے مہمانوں نے نہایت اضطراب اور توجہ سے یہ واقعہ سُنا۔ انکے دل کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ خوشی اور غم دونوں ملے ہوئے تھے۔ پہلے تو یہ معلوم کرکے کہ ایک عزیز دوست اتنے بڑے خطرہ سے بچگیا۔ سب کو نہایت مسرت واطمینان ہوا۔ مگر دوسرے بہادر سرفروش نوجوان کا خیال آتے ہی سب کے دل بیچین ہوگئے۔ سب اسکی ہمت و جوانمردی کی داد دینے لگے۔ اور کریسس کو ایسے فخر خاندان فرزند پر مبارکباد دینے لگے۔ اور اسکے اطمینان ودلاسے دینے کے لئے کہنے لگے کہ جیوں ہی شہزادہ کو اپنی غلطی معلوم ہوگی وہ فوراً نہ صرف گیجیس کو چھوڑ دیگا بلکہ اس سے معافی کا خواستگار ہوگا۔

کریسس کو اسلئے اور بھی زیادہ تسکین تھی کہ اُسے اماسس کی دوستی پر پورا بھروسہ تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ ایرانیوں کی قوت سے ڈرتا ہے۔ کچھ دیر بعد جب محفل برخاست ہوگئی تو وہ رھوڈوفس سے رخصت ہوکر تھیوپمپوس کے مکان پر باقیماندہ رات بسر کرنے چلا گیا۔ اسپارٹی نے چلتے وقت اس سے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملا کر کہا گیجیس کو میری طرف سے بہت بہت شاباشی دیجئے گا۔ میں اس سے معافی کا خواستگار ہوں اور اسکی دوستی کا بہت خواہشمند ہوں لیکن اگر یہ اُسے کو منظور نہ ہو تو بحیثیت ایک معزز حریف کے اس سے بخوشی مقابلہ کرنیکو تیار ہوں"۔

کریسس "دیکھیں کیا معلوم آیندہ کیا ہونے والا ہے"

باب نواں

تیر عشق

عجیب سہانا وقت ہے۔ آفتاب ابھی افق مشرق سے نمودار نہیں ہوا ہے نسیم سحری کے ہلکے ہلکے جھونکے چل رہے ہیں اور درختوں و پودوں کی نازک نازک ٹہنیوں سی اٹھکھیلیاں کر رہے ہیں۔ پھول و پتوں پر شبنم کے قطرے آبدار موتیوں کی طرح چمک رہے ہیں۔ سبزہ کا لہلہانا، پھولوں کا مہکنا۔ پانی کی روانی، اور ہوا کی تازگی۔ غرضکہ نہایت ہی فرحت بخش سماں ہے جس سے لطف اُٹھانیکے لئے رھوڈوفس کی نواسی یعنی پرجمال سافو اپنی بڑھیا دایہ ملیتہ کے ہمراہ باغ کی سیر کو نکلی ہے۔ اُسکے خوبصورت و گھنے گھنے بھورے بالوں پر ایک سُرخ رومال بندھا ہوا ہے۔ اسکے نازک جسم پر ایک ہلکا سا ڈھیلا ڈھالا سفید لباس بہت زیب دے رہا ہے۔ اس کا چہرہ جوش مسرت سے تمتما رہا ہے۔ اور جب مسکراتی ہے تو پتلے پتلے ہونٹھ غنچہ کی طرح کھل جاتے ہیں۔ رخساروں کے گڈھے عجیب دلفریب معلوم ہوتے ہیں۔ اسکی اداؤں سے غضب کی شوخی، الھڑپن، و شرارت برستی ہے۔ کبھی روشوں کیاریوں اچھلتی کودتی جاتی ہے۔ کبھی جھک کر کسی کلی کو توڑ لیتی ہے اور اسکی شبنم کو دایہ کے مُنہ پر چھڑک کر زور سے قہقہہ مارتی ہے اور کبھی گلاب کو اپنی کرتی پر ٹھونس کر کسی جگہ بیٹھ جاتی ہے اور عجیب دلکش آواز سے یہ گیت گانے لگتی ہے۔

کیوپڈ عشق کا جو دیوتا ہے ملک یوناں میں
بڑی سوتی تھی اسکی بیتیوں نیں شہد کی مکھی
گیا وہ دوڑ کر وینس کے پاس اور یوں وہ چلّایا

لگا تھا لیٹنے تھک کر ذرا پھولوں کے بستر پہ
وہ جاگی اور سختی سے دیا اُس نے چبھو نشتر
کہ اک چھوٹی سی شے نے کاٹ کھایا مجکو اے مادر

وہ تھی پروار ناگن یا تھی شاید شہد کی مکھی ڈ — رہا ہے نام جس کا یا وہ اک دہقان سے سُنکر
لگی ماں مسکرا کر کہنے۔ اے فرزند حیرت ہے — تو اک چھوٹی سی مکھی کو ہوا ہے ڈنک سے مضطر
ذرا سوچ اپنے دل میں، کرتا ہے جس دل کو تو زخمی — بدلتا ہو گا کیا کیا درد سے وہ دمبدم تیور

(ابیات شاعرانگران)

لڑکی۔ (ہنس کر اور بھولے پن سے) "کہو میرا گیت پسند آیا کہ نہیں؟ ذرا اس کی بیوقوفی دیکھنا مکھی کو پردار سانپ سمجھ گیا۔ نانی اماں کہتی ہیں کہ اس غزل کے اور بھی کئی شعر ہیں۔ میں نے بہت پوچھے مگر انہوں نے نہ بتائے۔ تمہیں تو ضرور یاد ہونگے۔ اچھی ملیشہ ذرا گا کر سناؤ اس میں حرج ہی کیا ہے۔ اچھا نہ بتاؤ میں تم سے نہیں بولتی۔ تم ہنستی ہو معلوم ہو گیا کہ تمہیں بھی نہیں معلوم۔ بھلا مجھے کیا سکھاؤ گی"

بوڑھی دایہ۔ (بہانہ کرکے) "سچ کہتی ہو مجھے نہیں معلوم۔ یہ کوئی نیا گیت ہے۔ مجھے تو پرانی غزلیں یاد ہیں۔ (دفعتاً لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر) یہ آواز کیسی؟ کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے"

لڑکی۔ (چونک کر) ہاں میں نے بھی ابھی ابھی گھوڑے کی ٹاپ کی آواز سُنی تھی۔ لے لو پھر کوئی کھٹکھٹا رہا ہے۔ ذرا جا کر دیکھنا یہ کون ہے جو اتنے سویرے ملنے کے لئے آیا ہے۔ اچھا میں سمجھ گئی شاید **فینس** ہونگے جو ابھی تک روانہ نہیں ہوئے اور اب رخصت ہونے کے لئے آئے ہیں"

دایہ۔ (متفکر ہو کر) نہیں **فینس** تو کب کے چل دیئے۔ رھوڈوفس کا حکم ہے کہ کسی غیر شخص کی نگاہ تم پر نہ پڑنے۔ جاؤ بیٹی تم گھر کے اندر جاؤ۔ میں دروازہ کھولتی ہوں۔ دیکھو پھر کسی نے کھٹکھٹایا ہے"

سافو یہ سُنتے ہی فوراً اپنی جگہ سے اُٹھ کر بھاگی مگر کچھ دور جا کر یکایک اس کا ارادہ بدل گیا اور اپنی دایہ کے حکم کے خلاف ایک گلاب کی جھاڑی کے نیچے چھُپ کر کھڑی ہو گئی اور دیکھنے لگی کہ کون ملنے آیا ہے۔ گذشتہ رات کے واقعات اس خیال سے کہ وہ پریشان نہو

اس سے پوشیدہ رکھے گئے تھے مگر اسے یہ معلوم تھا کہ اتنے سویرے سوائے اسکی نانی کے چند بے تکلف دوستوں کے جو دعوت میں شامل تھے اور کوئی یہاں نہیں آسکتا۔ اس لئے اس نووارد کو دیکھنے کا بے اختیار اُسکے دل میں شوق پیدا ہوا۔ علینہ نے جیسے ہی باغ کا دروازہ کھولا ایک نہایت حسین وجمیل نوجوان لڑکا بہت نفیس و پر تکلف پوشاک پہنے اندر داخل ہوا۔ سافو کی نظر جیوں ہی ایرانی شہزادہ پر پڑی تو اس کا عجیب لباس اور غیر معمولی حسن دیکھکر حیران و ششدر رہ گئی۔ نہ اس میں اپنی جگہ سے ہلنے کی تاب تھی اور نہ اپنی آنکھوں کو اسکے چہرے پر سے ہٹا سکتی تھی۔ اُسے خیال ہوا کہ شاید کوئی خواب دیکھ رہی ہے اور سورج دیوتا کا رتھبان اور میوزز[1] کا سردار سرخ بالوں والا اپالو سامنے کھڑا ہوا ہے۔ اتنے میں دایہ اور اجنبی دونوں باتیں کرتے ہوئے اس جھاڑی کے قریب سے گذرے جہاں وہ چھپی ہوئی تھی۔ سافو نے پھولوں کی ڈالیوں کو اٹھا کر اپنا خوبصورت چہرہ ذرا اور آگے بڑھایا تاکہ انکی باتوں کو سن سکے۔ نوجوان ایرانی بڑھیا خادمہ سے اپنی ٹوٹی پھوٹی یونانی زبان میں کریسس اور اسکے لڑکے کا حال بڑی بے چینی سے پوچھ رہا تھا اس طرح سافو کو گذشتہ رات کے جب تمام واقعات معلوم ہو گئے تو بہت حیران ہوئی فیلیس کی حالت پر افسوس کرنے لگی۔ گیجیس کو دعائیں دینے لگی اور دل ہی دل میں سوچنے لگی کہ آخر یہ اجنبی کون ہے جو ایسی شان و شوکت کے ساتھ یہاں آیا ہے۔ وہ اپنی نانی کی زبانی کورش اعظم کے کارناموں و فتوحات کا ذکر کریسس کے ادبار اور ایرانیوں کی دولت و ثروت کے حالات سن چکی تھی مگر اُسے ہمیشہ یہی خیال تھا کہ ایشیا کے لوگ بہت جاہل اور غیر مہذب ہوا کرتے ہیں۔ اب جو ایک جیتی جاگتی تصویر یعنی شہزادہ بردیہ پر نظر پڑی تو اس کے خیالات رفتہ رفتہ بدلنے لگے اور ایرانیوں کی طرف ایک خاص کشش دل میں پیدا ہونے لگی۔

---

[1] ملکات ربانی۔ نغمہ وشعر تو تیں جنہیں قدیم یونان میں دیویاں بنا کر پوجتے تھے۔

اتنے میں خادمہ اپنی مالکہ سے نووارد کے آمد کی اطلاع کرنے کی غرض سے مکان کے اندر جانے لگی۔ سافو نے بھی چاہا کہ جلدی سے نکل کر خود بھی اسکے پیچھے پیچھے ہولے مگر اُسے خبر نہ تھی کہ وہی لڑکا ایراس[۱] جسکی حماقت پر ابھی تھوڑی دیر ہوئی وہ ہنس رہی تھی اسی کی گھات میں لگا ہوا ہے۔ جیسے ہی اُس نے گھبرا کر نکلنا چاہا کانٹوں میں کپڑے اُلجھ گئے اور ایک چشم زدن میں وہی حسین نوجوان سامنے آموجود ہوا اور دغاباز جھاڑی کے پھندے سے اُسے چھڑانے لگا۔ سافو کی زبان سے شکریہ کا ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ اسکی آنکھیں مارے شرم کے نیچے گر گئیں اور چہرہ پر ایک عجیب دلفریب اضطراب و پریشانی چھاگئی۔ مگر یہ کیفیت صرف تھوڑی دیر تک رہی جیوں ہی اسکے دل سے اچنبھا اور خوف دور ہوگیا تو مزاج کی شوخی اور لڑکپن کی چلبلاہٹ نے رنگ دکھایا۔ اپنی عجیب حالت اور اجنبی کی سنجیدگی و خاموشی کو دیکھ کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور آہوئے نو رمیدہ کی طرح دامن چھڑا کر مکان کی طرف بھاگی۔ ایرانی کے ہوش و حواس تھوڑی دیر کے لئے غائب ہوگئے تھے مگر اس نے اپنی طبیعت کو فوراً سنبھالا اور دو تین جستوں میں لڑکی کے پاس پہنچکر جلدی سے اسکا ہاتھ پکڑ لیا لاکھ لاکھ اس نے کوشش کی مگر نہ چھوڑا۔

سافو۔ (دزدیدہ نگاہوں سے شاہزادہ کی طرف دیکھ کر اور ایک ایسے لہجہ سے جس میں شرارت و سنجیدگی دونوں ملی ہوئی تھی) "افوہ۔ کلائی میں موچ آگئی۔ دیکھئے میرا ہاتھ چھوڑ دیجئے۔"

شاہزادہ۔ "یہ کیسے ہوسکتا ہے جو ایسی مشکل سے ہاتھ آیا ہو۔ بھلا کوئی اُسے آسانی سے چھوڑتا ہے۔ ہاں البتہ اگر یہ پھول جو آپکے سینہ پر لگا ہے مجھے بطور نشانی کے عطا ہو تو شاید مان جاؤں۔"

سافو۔ "دیکھئے مجھے جانے دیجئے۔ جبتک میرا ہاتھ نہ چھوڑیگا میں آپ سے کیونکر

[۱] عشق کا دیوتا۔

وعدہ کر سکتی ہوں۔"

شاہزادہ "۔ اور اگر میں نے چھوڑ دیا اور تم بھاگ گئیں۔"

لڑکی "۔ نہیں میں بھاگونگی نہیں۔"

شاہزادہ "۔ اچھا تو چھوڑتا ہوں۔ اب وہ پھول عنایت کیجیے۔"

لڑکی۔ (آزاد ہوکر اور ایک عجب دلربانہ ادا سے گلاب کی جھاڑی کی طرف اشارہ کرکے)
"جایئے اس سامنے والی جھاڑی میں اس سے بھی اچھے پھول لگے ہیں۔ ایک توڑ لایئے
میرے پھول میں کونسی ایسی خصوصیت ہے کہ آپ اسکے خواہاں ہیں۔"

شاہزادہ "۔ وہ ایک ایسے حور وش پری پیکر کی نشانی ہے جس کے برابر آجتک میں نے
کوئی حسین نہیں دیکھا۔ میں اُسے اپنے پاس جان سے زیادہ عزیز رکھونگا۔"

لڑکی "۔ خوب! اب میں سمجھی۔ اچھا تو اب آپ کو یہ پھول نہیں ملیگا کیونکہ جو کوئی مجھکو حسین
کہتا ہے میری بُرائی چاہتا ہے اور جو مجھے نیک کہے گا وہ ہی میرا سچا بھی خواہ ہے۔"

شاہزادہ "۔ یہ تم سے کس نے کہا۔"

لڑکی "۔ یہ میری نانی رہوڈوفس نے۔"

شاہزادہ "۔ اچھا تو میں بھی کہتا ہوں کہ تمہارے برابر نیک لڑکی مجھے دنیا میں نہیں ملی۔"

لڑکی "۔ یہ آپ کی بنائی ہوئی بات ہے۔ بھلا آپ مجھ سے بلا واقف ہوئے یہ کس طرح
کہہ سکتے ہیں۔ میں بعض وقت بڑی شرارت و نافرمانی کرتی ہوں۔ اگر نیک ہوتی تو بجائے
آپ سے باتیں کرنیکے میں فوراً اندر چلی جاتی۔ نانی اماں کا سخت حکم ہے کہ غیر مردوں کے سامنے
میں باغ میں نہ جایا کروں اور مجھے بھی واقعی اُن لوگوں کی کچھ زیادہ پرواہ نہیں جو ہمیشہ ایسی
باتیں کرتے ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

شاہزادہ۔ (افسردہ ہوکر) "تو کیا تمہارا مطلب ہے کہ میری باتیں بھی ناگوار خاطر ہوئیں اور
میں اب سامنے سے چلا جاؤں۔"

لڑکی "نہیں نہیں میرا یہ مطلب نہیں۔ میں آپ کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ حالانکہ آپ کو ہماری زبان ایسی عمدہ نہیں آتی جیسی اَیکوس یا غریب فینس کو آتی ہے جنہیں میز ابھی مَلیتہ کی زبانی سُنا کہ ایسی جلدی میں یہاں سے بھاگنا پڑا"

شاہزادہ "تمہیں کیا فینس سے محبت ہے"

لڑکی "محبت! میں اسکا مطلب نہیں سمجھی۔ ہاں میں فینس کو بہت چاہتی ہوں۔ جب میں چھوٹی سی تھی تو وہ میرے لئے ہمیشہ سیئیز و ممفس سے گنیدین و کھلونے لایا کرتے تھے اور جب بڑی ہوئی تو انہوں نے مجھے اچھی اچھی کتابیں پڑھائیں اور اب چلتے وقت ایک چھوٹا سا خوبصورت کتا دے گئے ہیں جو ایسا سفید و تیز گام ہے کہ میں نے اسکا نام آرگس رکھا ہے اور تھوڑے دنوں بعد ہمارے فینس کا ایک اور تحفہ بھی یہاں آنے والا ہے۔ دیکھا میں کہتی تھی ناکہ میں کس قدر نافرمان ہوں۔ ابھی ابھی میری زبان سے ایک بڑی رازکی بات نکل گئی تھی۔ نانی اماں نے سخت منع کر دیا تھا کہ یہ باتیں غیروں سے کہنے کی نہیں ہیں اور اپنے ان چھوٹے مہمانوں کا ذکر جو عنقریب ہمارے یہاں آنیوالے ہیں کسی سے نہ کرنا چاہیے مگر خدا جانے مجھے کیا ہو گیا دسترا کر ہ آپ کو دیکھتی ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک عرصہ کی شناسائی ہے۔ اور آپ کی آنکھوں میں ایسی نیکی و سچائی ہے کہ کوئی بات چھپانا نہیں چاہتی اس گھر میں سوائے نانی اماں اور بڑھیا مَلیتہ کے کوئی ایسا نہیں جس سے میں اپنے دلکی باتیں کہہ سکوں۔ اور میری عقل میں نہیں آتا کہ یہ دونوں بھی گو اس قدر مجھ سے محبت کرتی ہیں مگر یہ سب سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کیوں بعض اوقات اچھی و خوبصورت چیزوں کو دیکھ کر میرے دل کو اس قدر خوشی و مسرت ہوتی ہے"

شاہزادہ "یہ عمر کا تقاضہ ہے۔ عمر رسیدہ لوگ نوجوانوں کی خوشیوں اور اُمنگوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ شاید یہاں کوئی تمہاری ہم عمر ایسی لڑکی نہیں ہے جس سے تم کو خاص الفت ہو اور اُسکے ساتھ ملکر اپنا دل بہلاؤ"

لڑکی "ولہا۔ یہاں کوئی بھی نہیں۔ نوکرانیوں میں بہت سی لڑکیاں ہیں مگر نانی اماں کہتی ہیں کہ وہ اچھی نہیں۔ اور مجھے اُنسے ملنے نہیں دیتیں۔ وہ ہمارے یہاں نہیں آتیں اس لئے ہم بھی اُن سے ملنے نہیں جاتے"

شاہزادہ "مجھے تمہاری حالت پر بڑا رحم آتا ہے۔ اگر تم ایران میں ہوتیں تو میں بہت جلد ایک اچھی سہیلی پیدا کر دیتا میری ایک بہن ہے جسکا نام اتوسا ہے وہ بھی ایسی ہی خوبصورت و نیک خصلت ہے جیسی تم ہو"

لڑکی "کیا اچھا ہوتا کہ وہ اسوقت آپکے ساتھ یہاں ہوتیں۔ (شرمیلی اداسی اور ہاں آپنے مجھے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں"

شاہزادہ "میرا نام بردیہ ہے"

لڑکی "بردیہ کیا عجیب نام ہے! بردیہ۔ بردیہ۔ (آنکھیں نیچی کر کے) مجھے یہ نام بہت پسند ہے۔ اور ہاں شریف کرہی سس کے اس بہادر لڑکے کا جسنے فینیس کی جان بچائی ہے۔ کیا نام ہے"

بردیہ "اس کا نام گیجیس ہے۔ وہ دارا اور ددہ یا[۱] میرے بہت بڑے دوست ہیں۔ ہم تینوں نے قسم کھائی ہے کہ کبھی جدا نہ ہونگے اور ایک دوسرے کے لئے اپنا خون بہا دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ میں بلا کسی کو خبر کئے گیجیس کی امداد کے لئے خفیہ طور سے اس قدر سویرے تڑکے یہاں آیا ہوں"

لڑکی "آپ کا آنا بیکار ہوا"

بردیہ "نہیں متھرا کی قسم ہرگز بیکار نہیں ہوا۔ کیونکہ میں نہ آتا تو تم کہاں ملتیں۔ اچھا مجھ سے تو پوچھ چکیں اب یہ بتاؤ تمہارا نام کیا ہے"

لڑکی "میرا نام سافو ہے"

بردیہ "کیا پیارا نام ہے! تم کہیں اس مشہور شاعرہ کے خاندان سے تو نہیں ہو جسکے اشعار گیجیس کو بہت یاد ہیں۔ اور اکثر پڑھا کرتا ہے"

---

[۱] زیپیروس (یونانی)۔ ددہ یا (قدیم فارسی)۔ دوشندہ (موجودہ فارسی)۔ اس ناول میں فارسی حراوف کو قایم رکھا گیا ہے۔

سافو:" ہاں وہ میرے دادا چرکسس کی بہن تھیں۔ اور دسویں میوز یا لسبین ہیو ان کے لقب سے مشہور تھیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ گیجیس کو یونانی زبان آپ سے زیادہ اچھی آتی ہے "

بردیہ:" ہاں! کیونکہ لڑکپن سے اس نے اسی زبان میں تعلیم پائی تھی۔ اور اب ہماری زبان پر بھی کافی مہارت حاصل کر لی ہے اور اس سے بھی بہتر و برتر یہ کہ ہمارے ملک کے فضائل حمیدہ و نیک عادات کو بھی پوری طور سے سیکھ گیا ہے "

سافو:" آپ کے ملک میں سب سے بڑی نیکی کیا سمجھی جاتی ہے "

بردیہ:" اولاً راستبازی۔ دوئم ہمت و جوانمردی۔ سوئم اطاعت و فرمانبرداری۔ انہیں تینوں نے اور دیوتاؤں کی پرستش نے آج ہماری قوم کو سرتاج عالم بنا دیا ہے "

سافو:" مگر میں تو سمجھتی تھی کہ آپ لوگ دیوتاؤں کو نہیں مانتے "

بردیہ:" بیشک ہم لوگ دیوتاؤں[ل۵] کو نہیں مانتے۔ یہ لفظ میں نے تمہارے سمجھانے کے لئے کہا تھا۔ ہم صرف ایک ہی خالق اکبر یعنی اہرمزد کو سب پر برتر و افضل جانتے ہیں۔ اور اُن لوگوں کو نادان و گمراہ سمجھتے ہیں جو اسکی بعض صفات کو دیوتا سمجھ کر پوجتے

[ل۵] ہیرودوتس لکھتا ہے " ایرانی اپنے معبدوں میں بُت نہیں رکھتے بلکہ بت پرستوں کو سخت جاہل و گمراہ سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے خدا کو انسان کی طرح صاحب جسم نہیں کہتے اور عبادت کیلئے پہاڑوں کی بلند چوٹی پر جاتے ہیں " یہ حالت آگے چل کر باقی نہ رہی اور بت پرستوں مثلاً اہل اشور اور عرب کی جہالت سے متاثر ہو گئے۔ مرزا عباس ایران نامہ میں دارائے اعظم کے عقائد کے متعلق یوں لکھتے ہیں :۔" ہزداو اورمزد خدائے بزرگ و خدائے قوی آفرینندہ کائنات است۔ انحراف از جادۂ مستقیم (راستی) و نافرمانی اورمزد گناہ است۔ از دروغ و قحط سالی بہ اورمزد پناہ می برد۔ صراحتاً اسمی از اہرمن یا ایزداں مہر و ناہید و آتش وغیرہ نیاوردہ " یہ اُس کے (دارائے اعظم) کتبات سے ماخوذ ہے۔

لگتے ہیں۔ ہمارے گھروں میں تمہاری طرح تصویریں اور بت نہیں ہوتے۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ معبود برحق کسی خاص مقام و محل کا محتاج و مقید نہیں ہے۔ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ ہر بات کو سُننے والا۔ ہر شے کو دیکھنے والا۔ اور بہت بڑا سمیع و بصیر ہے۔"

سافو۔" اگر آپ کے یہاں مندر نہیں ہیں تو آپ لوگ اپنے اہرمزد کی پرستش کہاں کرتے ہیں"۔

بردیہ۔" اُس کی سب سے بڑی عبادت گاہ[۵] نیچر و قدرت ہے اور اس میں بھی افضل ترین پہاڑوں کی چوٹیاں ہیں جہاں وہ صانع مطلق یعنی اہرمزد جسکے پاک نور سے تمام چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ نزدیک آجاتا ہے اور اسکی قدرت کی سب سے بڑی تجلی یعنی متھرا ہمارا آفتاب عالمتاب بھی زیادہ قریب ہوجاتا ہے۔ وہاں تاریکی و ظلمت بدیر آتی ہے اور روشنی و نور سب سے پہلے نمودار ہوتا ہے۔ اول الذکر بدی و شر۔ گناہ و معصیت کی علامت ہے اور آخر الذکر نیکی و پاکی کی نشانی ہے۔

کبھی تم نے کسی پہاڑ کی اونچی و سرسبز چوٹی پر چڑھکر کارگاہ عالم کی سیر کی ہے۔ وہاں کی عجیب و غریب خاموشی و عالی شان منظر کس کی یاد دل میں پیدا کرتے ہیں؟ کبھی تم نے جنگل کی جڑی، بوٹیوں، پھول پتوں اور صاف چشموں کی روانی پر غور کیا ہے۔

---

[۵] قدیم ایرانیوں کے معبد نہایت سادہ تھے۔ وہ پہلے پہاڑوں کی چوٹی پر چڑھکر ہرمزد کی عظمت و شان یاد کرتے اور دعائیں مانگتے۔ بعدازاں مرتفع مقامات پر ایک چبوترہ بناکر اگنی ہوتر نصب کیا گیا جس پر چھت وغیرہ کچھ نہیں تھی۔ اور اوپر سے آسمان کی طرف بالکل کھلا ہوا تھا۔ دیگر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہان کیانیوں کے زمانہ میں بڑے بڑے عالی شان آتشکدے بنگئے تھے۔ فردوسی لکھتا ہے کہ جب کیخسرو نے افراسیاب کو شکست دی تو ایک بڑا آتشکدہ بنایا جسکا نام اوہرجشنسک تھا۔ ابن خردوبہ کا بیان ہے کہ ساسانیوں کے زمانہ تک یہ اسقدر متبرک سمجھا جاتا تھا کہ جب کوئی بادشاہ تخت نشین ہوتا تو مدائن سے پاپیادہ پہلے اس کی زیارت کو آتا تھا۔ (پروفیسر جیکسن)

اگر ایسا کرتیں تو یزدانِ پاک کی معرفت کے تمام دفتر کھل جاتے۔ تم مجھے حیرت سے دیکھتی ہو۔ مگر سچ کہتا ہوں کہ اگر میرے ساتھ چلو تو ایسے ایسے تماشے دکھاؤں کہ اُسی وقت اس معبودِ برحق کی حمد و ثنا کرتی ہوئی سجدے میں گر پڑو۔"

سافو:" ہاں! کیا اچھا ہوتا کہ کسی دن میں آپ کے ساتھ چلتی اور کسی پہاڑ کی اونچی چوٹی پر چڑھ کر آبادیوں، جنگلوں، سبزہ زاروں اور دریاؤں کا نظارہ کرتی۔ کوئی شے میری نگاہ سے پوشیدہ نہ رہتی اور سب میرے قدموں کے نیچے نظر آتے۔ اس وقت شاید میں اپنے ہی کو تمام عالم کی ملکہ سمجھنے لگتی۔ (یکایک ٹھٹک کر) یہ کیا تھا؟ کسی کی آواز ہے۔ نانی اماں مجھے بُلا رہی ہیں اچھا تو میں اب جاتی ہوں۔"

بردیہ۔ (بیتاب ہوکر) "میری حوروش ملکہ! ابھی نہ جاؤ۔"

سافو۔ (مسکراکر) "آپ ابھی کہہ چکے ہیں کہ اطاعت بھی ایرانیوں کے ایک نیک خصائل سے ہے۔"

بردیہ۔ (قائل ہوکر) "اچھا تو میرا پھول دیتی جائیے۔"

سافو۔ (عجب دلفریب ادا سے) "یہ لیجیے۔"

بردیہ۔ "تم مجھے بھولوگی تو نہیں۔"

سافو۔ (آنکھیں نیچی کرکے) "یہ بھلا کیونکر ہوسکتا ہے۔"

بردیہ۔ "میری پیاری۔ معاف کرنا۔ میری ایک التجا اور قبول کرتی جاؤ۔"

سافو۔ (گھبراکر) "وہ کیا ہے جلدی کہیے۔ دیکھیے نانی اماں پھر بلا رہی ہیں۔"

بردیہ۔ "یہ ہیرے کا ایک ستارہ ہے میری نشانی سمجھ کر اپنے پاس رکھ لو۔"

سافو۔ "جی نہیں۔ مجھے معاف کیجیے۔"

بردیہ۔ "دیکھو۔ نہ لوگی تو مجھے رنج ہوگا۔ یہ میرے باپ کی یادگار ہے۔ جب میں نے پہلے پہل ایک ریچھ مارا تھا تو انہوں نے مجھے بطور انعام کے بخشا تھا۔ اس وقت سے

آج تک میں نے کبھی اسے اپنے پاس سے جدا نہیں کیا۔ مگر اب یہ تمہارا ہو چکا۔ کیونکہ تم سے بڑھکر اب کوئی نہیں۔ تم میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہو۔"

یہ کہہ کر شاہزادہ نے اپنے گلے سے وہ طلائی زنجیر جس میں ہیرے کا ستارہ نُما تمغہ جگمگا رہا تھا۔ اُتار کر لڑکی کے گلے میں ڈالنا چاہی۔ مگر وہ ایسے بیش بہا تحفہ کو دیکھ کر کسی طرح راضی نہ ہوتی تھی۔

بردیہ نے کمر میں ہاتھ ڈال کر پیشانی کا بوسہ لیا۔ وہ تڑپ کر اپنے کو چھڑانا چاہتی تھی۔ مگر اس نے ایک نہ مانی اور زنجیر گلے میں ڈال دی "اور میری پیاری میری جان" کہکر اسکی سیاہ و متوالی آنکھوں میں ایسی محبت سے دیکھا کہ وہ مجبور و لاچار ہو گئی۔ اندر سے پھر بلانے کی آواز آئی اور سافو گھبرا کر بردیہ کی آغوش سے نکل کر بھاگی۔ مگر تھوڑی دور جا کر پھر ٹھہر گئی شہزادہ نے بڑی منت سے پوچھا "اب کب ملو گی"۔

سافو (دبی زبان سے) "کل صبح اسی جھاڑی کے پاس"۔

شاہزادہ "مجھے اس جھاڑی سے اب خاص الفت ہو گئی ہے اگر اسکے پھول دکانٹے مدد نہ کرتے تو تم کبھی کی چلی گئی ہوتیں"۔

سافو نے مسکرا کر اپنے ہاتھ کے اشارہ سے الوداع کہا اور جلدی سے مکان کے اندر چلی گئی۔ بعدہٗ رھوڈوفس نے بردیہ کو ملاقات کے لئے اپنے کمرہ میں بلایا اور اس سے گذشتہ رات کا تمام حال کہہ سنایا۔ پھر کچھ دیر ٹھیر نیکے بعد شہزادہ گھوڑے پر سوار ہو کر سیئس واپس چلا گیا۔

اس رات جب رھوڈوفس حسب معمول اپنی نواسی کی خوابگاہ میں آئی تو اسکی حالت میں ایک عجیب تغیر پایا۔ وہ سو رہی تھی مگر ہونٹ متحرک تھے اور ایسی ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں لے رہی تھی گویا کوئی خواب پریشان دیکھ رہی ہے۔

بردیہ کو راستہ میں دارا اور زوپیرا ملے۔ ان دونوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ایسے

چپکے سے چلدیا ہے تو خود بھی پیچھے پیچھے تلاش میں نکلے اور اُسے بخیریت دیکھ کر خوش ہوئے
انہیں یہ خبر نہ تھی کہ اسکے دوست کو ایک عجب دشمن سے سامنا پڑا تھا۔ یعنی حضرت عشق
کے تیر کا نشانہ بن کر زخمی و گھائل واپس آرہا ہے۔ کری سس ان تینوں دوستوں کی
آمد سے کچھ دیر قبل سیز پہنچگیا تھا۔ اس لئے فوراً فرعون کے پاس جاکر گذشتہ رات کے
تمام حالات بے کم و کاست سُنادیئے۔ اماسس کو اپنے لڑکے کی حرکت پر سخت تعجب
ہوا اور اسکی ناکامیابی پر اپنی خوشی کا اظہار کرنے لگا۔ پھر اپنے دوست کو یقین دلاکر کہا کہ
فجیس فوراً رہا کر دیا جائیگا۔

کری سس رخصت ہوکر باہر گیا ہی تھا کہ شہزادہ سامتیک کی آمد کی خبر
بادشاہ کو سُنائی گئی۔

بابُ دسواں

سامتیک کی دھمکی

اماسس نے اپنے لڑکے کو دیکھتے ہی بڑے زور سے قہقہہ مارا اور اسکے
اضطراب و افسردگی کا کچھ خیال نہ کرکے چلاکر کہا "میں کہتا نہ تھا کہ ایک بھولے بھالے
مصری کے لئے یونانی کو پکڑنا جو لومڑی سے بھی زیادہ ہوشیار و چالاک ہے کچھ آسان
کام نہیں ہے۔

جسے تم اپنا دشمن فصیح البیان اتھینی سمجھ رہے تھے وہ ہمارے دوست
کری سس کا ہکلا لڑکا نکلا۔ میں سچ کہتا ہوں عجب تماشہ ہوا ہوگا۔ اگر میں اُس وقت

موجود ہوتا تو اپنے ملک کے دس شہر انعام میں دے دیتا۔"

سامتیک کا چہرہ اور زرد ہو گیا۔ وہ مارے غیظ و غضب کے کانپنے لگا اور بھرائی ہوئی آواز سے کہنے لگا "باپ! یہ کس قدر نازیبا ہے کہ آپ اپنے لڑکے کی ہتک و پشیمانی پر اس قدر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر کمبوجیہ کا خیال نہ ہوتا تو اپنے لایزال دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس گستاخ لڑکے کو دوسرا دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ لیکن آپ کو کچھ پرواہ نہیں۔ آپ کے فرزند کو یہ بدمعاش یونانی کتنا ہی ذلیل و خوار کریں آپ خوش ہوتے ہیں۔"

اماسس "یہ شرم مٹانے کی باتیں ہیں۔ اب انہیں برا بھلا کہنے سے کیا فائدہ جنہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ تم سے زیادہ ہوشیار و چالاک ہیں۔"

سامتیک "زیادہ ہوشیار و چالاک! آپ کیا فرماتے ہیں؟ میں نے اس خوبی کیساتھ اپنا انتظام و تدبیر کی تھی کہ ...."

اماسس "ہاں۔ بیشک بعض اوقات بڑے سے بڑے جال آسانی کے ساتھ ٹوٹ جاتے ہیں۔"

سامتیک "بھلا مجال تھی کہ وہ دغاباز میرے پنجوں سے نکل جاتا۔ مگر تمام سابقہ دستور و قاعدوں کے مخالف ایک غیر ملکی سفیر دخل در معقولات دیکر ہمارے ایک ایسے ملزم کو جس پر قتل کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ چھڑا لیتا ہے۔"

اماسس "یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ کیونکہ یہ حکم کسی ملکی عدالت کا نہ تھا بلکہ محض ذاتی انتقام پر مبنی تھا۔"

سامتیک "خیر جو کچھ بھی ہو لیکن آپ کے عہدہ دار اس میں شامل تھے اور انکی سخت ذلت ہوئی ہے اسلئے کم از کم یہ تو کیجیے کہ شاہ ایران کو لکھ بھیجیے کہ اس شخص کو خود سزا دے۔ ایران میں بادشاہ کا حکم دیوتاؤں کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کمبوجیہ اس بات کو ملحوظ کر کے ضرور گیجیس کو سزا دیگا۔"

اماسس :- میں اس قسم کی فضول بات ہرگز شاہ ایران کو نہ لکھونگا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ میں خود فینس کی رہائی سے خوش ہوں۔ اور گیجیس کا مشکور ہوں کہ اس نے ایک بیگناہ کو قتل سے بچالیا۔ اور ایک ایسے شخص کو جسکے احسانات مجھ پر بہت کچھ ہیں تمہارے ظالمانہ پنجے سے چھڑا لیا۔"

سامتیک :- "تو کیا واقعی آپ کا ارادہ ہے کہ اس معاملہ کے متعلق کمبوجیہ کو کچھ نہ لکھئے گا"

اماسس :- "نہیں لکھونگا کیوں نہیں۔ اپنے خط میں مذاقیہ طور سے اس واقعہ کا بھی ذکر کرونگا اور اُسے سمجھا دونگا کہ فینس سے ذرا خبردار رہے۔ اس سے میری خاص غرض یہ ہے کہ کہیں فینس ایران پہنچکر ہمارے خلاف بھڑکانے کی کوشش نہ کرے۔ اس لئے میں پہلے ہی سے کمبوجیہ کو آگاہ کردونگا کہ ایسے شخص کی کسی بات کا اعتبار نہ کرے۔ اگر کریسس اور گیجیس ہمارے دوست بنے رہیں گے تو فینس کی عداوت سے مطلق نہ ڈرنا چاہیے۔"

سامتیک :- "تو کیا یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟ اور میری خوشی و تسکین کیلئے کچھ نہ کیجئے گا"

اماسس :- "اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کرسکتا۔"

سامتیک :- "(آنکھیں لال پیلی کرکے) اگر یہ ہے تو یہ بھی جان لیجئے کہ صرف فینس ہی کی طرف سے ڈر نہیں ہے بلکہ ایک اور شخص بھی ابھی تک ہمارے قابو میں ہے جو اس سے بھی زیادہ آپکے لئے خطرناک ثابت ہوگا"

اماسس :- "(برافروختہ ہوکر) تم مجھے ڈراتے دھمکی دیتے ہو۔ ابھی کل کی بات ہے کہ ہم دونوں نے صلح و آشتی کا عہد و پیمان کیا تھا۔ سامتیک! سامتیک میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ تم ایسے شخص کے سامنے کھڑے ہو جو تمہارا باپ و بادشاہ ہے اور اسکا ادب و لحاظ تم پر واجب ہے۔"

سامتیک :- "بیشک لیکن آپ کو بھی اس بات کا خیال کرنا چاہیے کہ میں آپکا لڑکا ہوں

اور اگر آپ اپنے دل سے حقوق پدرانہ کو بھلا دیجئے گا۔ اور مجھے آپ سے کسی قسم کی امید نہ ہوگی تو میں بھی جس طرح بن پڑیگا اپنا کام نکالنے کی خود کوشش کرونگا۔"

اماسس "ذرا میں سنوں تو سہی کہ تم کیا کروگے۔"

سامتیک "مجھے اسکے بتانے میں ذرا بھی تامل نہیں اور نہ اسے چھپانے کی ضرورت سمجھتا ہوں آپ **نبنچاری** کے حال سے خوب واقف ہونگے۔ تو اب سن لیجئے کہ وہ میرے اور میرے دوست پجاریوں کے بالکل قابو میں ہے۔" اماسس کا چہرہ فق ہوگیا۔

سامتیک "آپ نے ایک ایسے شخص کو جسے **نیتیتس** کی اصلیت کی پوری خبر تھی مصر سے نکال کر ایک دور دراز ملک یعنی **ایران** جلا وطن کر دیا۔ مگر یہ خبر نہ تھی کہ خود کمبوجیہ ایک دن آپ کی لڑکی سے شادی کا خواہاں ہوگا۔ **نبنچاری** آج کل ایران میں موجود ہے اور پروہتوں کا ذرا سا اشارہ پاتے ہی فوراً وہاں کے بادشاہ سے تمام راز کھول دیگا۔ کہ آپ نے معزول و متوفہ شاہ **ہوفرا**[۱] کی بیٹی کو اپنی بیٹی بنا کر اسے دھوکہ دیا ہے۔ حکیم مذکور کے تمام کاغذات ہمارے قبضہ میں ہیں۔ اور سب سے زیادہ مفید و ضروری خود آپ کے ہاتھ کا تحریری ایک خط موجود ہے جس میں آپ نے **نبنچاری**

---

[۱] ہوفرا یا اپریس۔ اس بادشاہ کا حال خاص طور سے انجیل میں مذکور ہے اس لئے کہ اسی کے ورغلانے اور امداد کا وعدہ کرنے کی وجہ سے فلسطین کے یہودی تاجدار زدکیہ بابل کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ مگر آخر میں بخت نصر نے اسے شکست دی۔ بیت المقدس کو تباہ کر دیا اور اہل یہود پر بڑے بڑے ظلم و ستم کئے۔ ہوفرا کو جرمیہ سردار یہود نے بددعا دی اور اسکی بھی تباہی کی پیشینگوئی کی۔ چنانچہ ۵۶۸ق م میں خود اس کے اہل وطن اس سے باغی ہوگئے۔ اور اماسس نے اس کی یونانی فوج کو شکست دیکر اسے قید کر لیا۔ لیکن مصریوں کی پھر بھی تسلی نہ ہوئی۔ اور بالآخر اپریس کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔

(ڈونلڈ مکنسری)

باپ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ پروہتوں سے نفیتیتس کی ولدیت کے راز کو پوشیدہ رکھے گا تو ایک ہزار طلائی چھلے انعام میں دیجیئے گا۔"

اماسس "یہ کاغذات کس کے پاس ہیں؟"

سامتیک "پروہتوں کے۔"

اماسس "اور تم اُنکے نائب بن کر مجھ سے گفتگو کرنے آئے ہو۔"

سامتیک "آپ کا خیال درست ہے۔"

اماسس "اچھا بیان کرو تمہاری کیا خواہش ہے۔"

سامتیک "میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کمبوجیہ کو گیجبیس کو سزا دینے کے لئے لکھیں اور مجھے فینیس سے اپنا بدلہ لینے اور اُسے ایذا رسانی کا پورا اختیار و آزادی دیدیں۔"

اماسس "بس اسی قدر۔"

سامتیک "اور ہاں! پروہتوں سے قسم کھاکے یہ وعدہ کیجیئے کہ آپ آیندہ سے بدمعاش یونانیوں کو اپنے جھوٹے دیوتاؤں کے مندر بنانے کی اس ملک میں اجازت نہ دیجیگا۔"

اماسس "مجھے بھی یہی خیال تھا کہ اب جو میرے خلاف تم کو ایسا تیز ہتھیار مل گیا ہے تو اسی قسم کے بیہودہ مطالبات مجھ سے کئے جائیں گے۔ خیر میں ان دشمنوں کی دلی خواہشوں کو جنکے ساتھ تم جاکر مل گئے ہو بجالانیکے لئے تیار ہوں۔ مگر دو شرطیں کرتا ہوں۔ اول تو وہ خط جسے میں نے اپنی حماقت سے نبتچاری کے باپ کو لکھا تھا مجھے واپس دیدیا جائے کیونکہ اگر وہ تم لوگوں کے ہاتھ میں رہا تو بجائے بادشاہت کرنیکے میں ان کمینے پروہتوں کا ایک ادنٰے غلام بن جاؤنگا۔"

سامتیک "آپ کا ارشاد درست ہے۔ وہ خط آپ کو واپس کر دیا جائیگا اگر۔۔۔"

اماسس "اگر مگر کچھ نہیں۔ اسکی فوراً تعمیل ہونی چاہیئے۔ تمہاری دوسری درخواست کہ گیجبیس کی شکایت میں شاہ ایران کو لکھوں ایسی رکیک و بیہودہ ہے کہ میں ہرگز اسکی

منظور نہیں کرسکتا۔

اب جاؤ۔ میرے سامنے سے دور ہو اور جبتک میں نہ بلاؤں اپنی شکل نہ دکھانا۔ آیندہ سے کبھی مجھے اپنا باپ نہ کہنا اور نہ میں تمہیں اپنا بیٹا سمجھونگا۔ (شاہزادہ قدموں پر گر پڑتا ہے) مجھے یہ ظاہرداری پسند نہیں۔ کھڑے ہو۔ تمہاری سرشت ہی میں الفت و عاجزی کا مادہ نہیں ہے۔ اب اگر کبھی صلاح یا مشورے کی ضرورت ہو تو انہیں پروہتوں کے پاس جانا جو تمہیں کٹھ پتلی کی طرح نچائیں گے اور مجھے امید ہے کہ اپنی پوری الفت پدرانہ کا اظہار کریں گے۔ بیتھونقف سے میری طرف سے کہدینا کہ واقعی میں اسکا قائل ہوں ایسی چال کھیل گیا کہ جو بات میں ہرگز قبول نہ کرتا اُسے کرنے پر اب مجبوراً آمادہ ہوں۔ مصر کی عظمت و شان قایم رکھنے کے لیے میں نے جس بے غرضی سے کام لیا ہے وہ سب پر ظاہر ہے مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ یہ پروہت اپنی ذاتی منفعت کیلیے مجھے الزام دیکر اپنے ملک کی تباہی و بربادی کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اس لئے آب آیندہ سے ان سب کو ایرانیوں سے بھی زیادہ اپنے ملک کے لئے مخدوش و خطرناک سمجھونگا (غصہ سے کھڑے ہوکر) خبردار ہو جا اور یاد رکھ! کہ اس مرتبہ تو محبت پدری کی کمزوریوں سے ان دشمنوں کے مکر و فریب کے سامنے میں نے گردن جھکادی مگر قسم ہے اُس بزرگ و معزز دیوی نیتھ کی جو مری خاص حامی و سرپرست ہے کہ اب آیندہ انہیں معلوم ہو جائیگا کہ میں کون ہوں اور بادشاہ کسے کہتے ہیں۔ اگر میرے احکام کی ذرا بھی سرتابی ہوئی تو میں اس تمام فرقہ ناہنجار کو نیست و نابود کردونگا (شہزادہ کچھ کہنا چاہتا ہے) خاموش، دور ہو، میرے سامنے سے نکل جا"

سامتیک گردن جھکاکر چپ چاپ رخصت ہوگیا۔ فرعون بڑی دیر تک اسی طرح غصہ میں بھرا بیٹھا رہا پھر اپنی طبیعت بہلانے کی غرض سے مہمان خانہ میں چلا گیا۔ شہزادہ نے باہر نکلتے ہی سپہ سالار افواج کو بلایا اور اُسے حکم دیا کہ حبشی سپاہیوں کو فوراً اُن کے

وطن کو واپس کردے اور اس مصری افسر کو جسکی حماقت سے تمام تدابیر پر پانی پھر گیا جلاوطن کرکے مدت العمر تعفینز کی کانوں میں کام کرنیکے لئے بھیجدیا جائے۔ یہ کہکر وہ نتیھ کے مہاپروہت کے پاس گیا اور اس سے تمام واقعہ بے کم وکاست کہہ سنایا جس نے بادشاہ کی غصہ کا حال سنکر اپنے افسوس کا اظہار کیا۔ اور شاہزادہ کو مناسب پند ونصیحت کرکر رخصت کردیا۔

اب **سامتیک** نے اپنے محل کا رخ کیا۔ اسکے دل میں طرح طرح کے خیالات آرہے تھے۔ اپنی ناکامی، بادشاہ کی ناراضی۔ اجنبیوں کی نفرت۔ پروہتوں کی اطاعت۔ جنم پتر اکی نحوست۔ اور آنیوالے مصائب کا خوف۔ یہ تمام باتیں دماغ میں جوش مار رہی تھیں اور اسکی پریشانی وپراگندگی کا باعث تھیں۔ پھر اسے اپنی خانگی زندگی کا خیال آتا۔ مرحوم بیوی وبچوں کی یاد دل کو تڑپادیتی۔ اب اس کا صرف ایک لڑکا و لڑکی باقی رہ گئے تھے جو اس کے دل کی ٹھنڈک اور آنکھوں کا نور تھے جن کے بغیر اسے ایک لحظہ چین نہیں آتا تھا اور جن کی پیاری صورتیں دیکھتے ہی اسکے تمام رنج وافکار فوراً دور ہوجاتے تھے اس لئے وہ بڑی تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا بکمال شوق محل کے اندر داخل ہوا۔ ایک غلام کو سامنے دیکھتے ہی اس سے یہ سوال کیا "میرا پیارا بچہ کہیں باہر تو نہیں گیا" خادم رکتی ہوئی زبان سے "بادشاہ سلامت نے شہزادہ کو مع انکی دایہ کے طلب فرمایا تھا۔ وہ ابھی ابھی تشریف لے گئے"۔ اتنے میں داروغہ دیوانخانہ حاضر ہوا اور ایک سر بمہر[۵] خط شہزادہ کے سامنے پیش کرکے گردن جھکا کے کھڑا ہوگیا۔ **سامتیک** نے گھبراکر اسے ہاتھ میں لیا اور وہ سرخ مہر جس میں فرعون کا نام کندہ تھا توڑکر لفافہ کھولا۔ فرمان شاہی کا یہ مضمون تھا "ما بدولت کی خواہش ہے کہ شہزادہ بچوں کو اب آیندہ اپنے محل میں رکھیں گے کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ

---

[۵] مہروں کا رواج مصر میں نہایت قدیم زمانے سے تھا۔ بہت سی ممیوں کی انگلیوں پر منقش چھلے و مہریں پائی جاتی ہیں (پروفیسر ایبرز)

وہ بھی تیری طرح پجاریوں کا غلام بن جائے۔ ہم اُسکی تعلیم و تربیت کے ذمے دار ہیں اور جانتے ہیں کہ نو عمری میں جن باتوں کا اثر ہوتا ہے وہ تا زیست دور نہیں ہوتا۔ کوئی شخص بلا ہماری اجازت حاصل کئے ہوئے شہزادہ سے نہیں مل سکتا۔"

یہ پڑھتے ہی ساطیق آگ بگولا ہو گیا۔ بہت سے خادم و غلام سامنے کھڑے تھے۔ اس لئے زبان سے کچھ نہ بول سکا اپنے ہونٹھ چبا کر رہ گیا۔ مصری آداب و قاعدوں کے مطابق باپ یا بادشاہ کے حکم سے سرتابی ناممکن تھی۔ چند منٹ تک وہ ایک سکتہ کے عالم میں کھڑا رہا۔ پھر یکایک با آواز بلند اپنے شکاریوں وغیرہ کو بلانے کا حکم دیا۔ اور جلدی سے تمام اسلحہ زیب تن کئے۔ نیزہ و کمان ہاتھ میں لئے اور ایک تیز رو رتھ پر سوار ہو کر حکم دیا کہ اُس جنگل و دلدل کی طرف فوراً لے چلے جو سمت مغرب واقع ہے۔ یہاں پہنچتے ہی وہ وحشی جانوروں کی سیر[ل] و شکار میں ہمہ تن مصروف ہو گیا اور اپنا غم غلط کرنے و دل بہلانے کی کوشش کرنے لگا۔

کرہی سس کی ملاقات کے بعد ہی اماسس نے فوراً اُسکے لڑکے کو رہا کر دیا۔ اُسکے رفقا نے بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا اور خوشیاں منائیں۔ فرعون کو اسکی تکلیف دہی اور زحمت کا افسوس تھا جس کی وہ تلافی کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اُس نے اُسی دن گیجیس کو ایک نہایت خوبصورت رتھ اور دو گھوڑے تحفتاً بھیجے۔ اور نرد کا ایک نہایت خوبصورت سٹ جو سینز کی اعلیٰ درجہ کی صناعی کا نمونہ تھا اسے مرحمت فرمایا۔ اس سٹ کے مہرے عاج و آبنوس کے تھے جن پر سونے چاندی کے ٹکڑے و جواہرات

[ل] مصری مرد و زن دونوں سیر و شکار کے شائق تھے۔ علاوہ بڑے جانوروں کے شکار کے رتھوں میں بیٹھ کر غزالوں کا تعاقب کرتے۔ یا کتوں سے خرگوش کا پیچھا کرتے۔ یا کشتیوں میں سوار ہو کر دریائی پرندوں بطوں وغیرہ کے شکار سے دل بہلاتے۔ کشتی، ہمکارزنی اور گھوڑ دوڑ وغیرہ کے بھی بڑے شائق تھے۔ (جیسٹر)

ٹکے ہوئے تھے اور خط پیکانی میں مختلف اشکال کندہ تھیں۔

بعدہ اماسس اور اسکے مہمانوں نے کیجبس کو بلا کر خود اُسکی زبانی تمام واقعات سُنے اور خوب ہنسی مذاق ہوا۔ ایرانیوں کو خاندان شاہی میں ملنے جلنے کی پوری آزادی تھی اور فرعون بھی شہزادوں سے اپنے بچوں کی طرح برتاؤ کرتا تھا۔ مگر کھانے کے وقت وہ علیحدہ بیٹھتے تھے کیونکہ مصریوں کو چھوت وغیرہ کا بہت خیال تھا اور وہ غیر ملک و مذہب والوں کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھنا معیوب سمجھتے تھے۔

کیجبس کی رہائی کے تین دن بعد اماسس نے اعلان کیا کہ اب دو ہفتے میں شہزادی نتیتیس وداع ہوگی اس پر ایرانیوں کو کسی قدر افسوس ہوا۔ کیونکہ مصر کی سیر سے ابھی تک انکا دل نہیں بھرا تھا اور وہ اسکے عجائبات بخوبی دیکھنے نہیں پائے تھے کرسس اپنا وقت زیادہ تر ساموس کے شاعروں ونقاشوں کی صحبت میں گذارتا تھا اور اس کا لڑکا بھی یونانی صنعت و حرفت کا گرویدہ تھا۔ دارا پہلے ہی سے یعنی قیام بابل کے زمانہ ہی سے علم نجوم کا ازحد شایق تھا مصر پہنچکر اس کا شوق اور بھی بڑھ گیا۔ ایک دن بوقت شب وہ اجرام فلکی کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اتفاقاً نیتھ کے مہا پجاری کا بھی اس طرف سے گذر ہوا۔ دارا کو سخت حیرت ہوئی کیونکہ یہ شخص بڑی محبت سے اُس سے پیش آیا۔ اپنے ہمراہ مندر کی سب سے اونچی منزل پر جہاں ایک قسم کی رصدگاہ تھی لے گیا اور کواکب کے حرکات و خواص پر بحث کرنے لگا۔ پھر کیا تھا۔ اُس دن سے نوجوان ایرانی کی یہ حالت ہوگئی کہ کوئی رات خالی نہ جاتی تھی کہ وہ بوڑھے پجاری کی خدمت میں حاضر نہ ہوتا اور اُس سے نجوم کی نئی نئی باتیں نہ سیکھتا۔ چند روز بعد جب سا ملتیک واپس آیا تو اپنے مرشد کو ایک اجنبی کے ساتھ باتیں کرتے دیکھ کر بڑا متحیر ہوا۔ اور اُسے علیحدہ لیجا کر پوچھنے لگا کہ اس کی کیا وجہ کہ وہ اس قدر مہربان ہے اور مصری علوم کے تمام راز اُسے بتائے دیتا ہے نیتھوتپ نے جواب دیا "میں اسے وہی باتیں سکھاتا ہوں جن سے ہر قلدانی ماہر علم باخبر ہے۔ علاوہ بریں

میاں شہزادے تمہیں کیا خبر کہ دارا کون شخص ہے۔ اسکے کوکب اقبال کے سامنے شہنشاہ کمبوجیہ کا ستارہ تاک ماند ہے۔ اور تمام شاہان عالم ایسے نظر آتے ہیں جیسے سورج کی روشنی میں چاند۔ یاد رکھنا کہ ایک دن یہ لڑکا اتنا بڑا بادشاہ ہوگا کہ دنیا میں اسکی نظیر نہ ہوگی۔ آنے والی نسلیں اس پر فخر اور ہم سب اسکی غلامی کریں گے کیونکہ میں نے اسکے ستارہ کو اپنے ملک پر بھی چمکتے دیکھا ہے۔ لہذا ایک عقلمند و دانا کا فرض ہے کہ محض حالات موجودہ پر بھروسہ نہ کرے بلکہ آیندہ زمانہ کا بھی خیال رکھے۔ اور کسی راہ سے گذرے تو صرف سامنے ہی نہ دیکھے بلکہ اردگرد کی بھی خبر رکھے۔ کیا عجب ہے کہ ایک مکان جو باہر سے حقیر و ادنی نظر آتا ہے ایسے شخص کا مسکن ہو جو اس پر حکمرانی کرے گا اس لئے اس دنیا میں ہم کو بصارت و بصیرت دونوں سے کام لینا چاہیئے اور اپنی رہنمائی کے لئے افلاک کی طرف نظر اٹھانا چاہیئے۔ میری تمام عمر اسی شغل میں گذر گئی ہے۔ اور ایک ہوشیار کتے کی طرح جو چوروں کے انتظار میں رات بھر جاگتا رہتا ہے۔ پچاس برس سے میں ان اجرام فلکی کی حرکات و سکنات کا بغور مشاہدہ کر رہا ہوں جو ابدالآباد سے فضائے عالم میں تاباں و درخشاں صبح و شام، گرمی و جاڑے۔ غرضکہ ہر وقت و ہر موسم میں انسان کو خوشی و غم۔ عروج و زوال نکبت یا عزت کی ایسی واضح نشانیاں بتا رہے ہیں جو ناممکن ہے کہ کبھی غلط ہو سکیں۔ انہیں نے مجھے آگاہ کیا ہے کہ دارا جو ابھی ایک نخل نودمیدہ ہے آیندہ ایک ایسا شجر عظیم ہوگا کہ تمام عالم اسکے سایہ کے نیچے چھپ جائیگا۔" یہ سنتے ہی سامتیک کا چہرہ فق ہوگیا۔ اس کے ہوش و حواس اڑ گئے اور اس دن سے جب دارا کو دیکھتا تو ایسے تپاک و عزت کے ساتھ پیش آتا کہ نوجوان شہزادہ کو نہایت حیرت ہوتی۔ غرضکہ دارا تو اس طرح شب بیداری و اختر شماری میں اپنا وقت صرف کرتا اور صبح دیر سے اٹھتا۔ اور وہاں بردیہ کو ایک اچھا موقعہ مل جاتا۔ وہ اپنی دوست دودہ پا کو ساتھ لیکر جسے اب اس نے اپنا رازداں بنا لیا تھا چپ چاپ نوکرانیوں کو

چل دیتا اور اپنی معشوقہ کے دیدار سے لطف اُٹھاتا۔ پھر جب دن زیادہ چڑھنے لگتا تو با دل ناخواستہ رخصت ہو کر جلدی سے گھر واپس آتا اور کریسس سے یہ بہانہ بنا دیتا کہ ہم دونوں سیر و شکار کی غرض سے کچھ دور چلے گئے تھے۔ محبت و عشق نے شہزادہ کے مزاج میں ایک عجیب و غریب انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ جس کا راز سوائے ایک کے اور کوئی نہ سمجھ سکتا تھا۔ یہ اماسس کی لڑکی تاشو تھی۔ جس دن سے اُس نے بردیہ کو دیکھا تھا ہزار جان سے اُس پر مفتوں و شیدا ہو گئی تھی۔ اور اسی عشق نے اسکے احساس باطنی کو اس قدر تیز کر دیا تھا کہ بردیہ کا رنگ بدلا ہوا دیکھ کر وہ فوراً تاڑ گئی کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ اور شاید کسی غیر پر شاہزادہ کا دل آ گیا ہے۔ پہلے تو وہ اس کے ساتھ برادرانہ برتاؤ کرتا تھا اور کبھی تھوڑی دیر کے لئے ہنس بول بھی لیتا تھا لیکن اب لڑکی کی حالت میں تغیر پایا تو اور بھی بھانپ گیا اور عمداً اسکی صحبت سے جان چرا کر دور بھاگنے لگا۔ کیونکہ سافو کی محبت کے بعد کسی دوسری کی طرف ایک نگاہ لطف سے دیکھنا بھی وہ گناہ کبیرہ سے کم نہ سمجھتا تھا۔ اُدھر وہ کشتۂ خنجر عشق نازک اندام تاشو شہزادے کی ان بے اعتنائیوں کو دیکھ کر دل ہی دل میں بہت کڑھنے اور مغموم رہنے لگی آخر ضبط کا یارا نہ رہا۔ اور ایک دن اس نے اپنی بہن نیتیتس سے تمام راز دل کہہ سنایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دختر فرعون نے یہ سُنکر اُسے نہایت تسلی و تشفی دی۔ اسکے شبہات رفع کئے۔ کامیابی کی امیدیں دلائیں اور کہا بہن گھبراؤ نہیں اگر دیوتاؤں نے چاہا تو ہم تم ایک ہی گھر میں بیاہ کر جائیں گے اور بڑے لطف سے زندگی بسر ہوگی۔ اس طرح دونوں ملکر خیالی پلاؤ پکانے لگیں لیکن دن پہ دن گذرتے گئے۔ بردیہ کی بیرخی میں کچھ فرق نہ آیا۔ وہ اب شاذونادر ان کے سامنے آتا تھا اور خصوصاً تاشو کے ساتھ تو ایسی رکھائی سے پیش آتا تھا کہ اس کے دل پر سخت چوٹ لگتی تھی تاہم اُس غریب کی محبت میں سر مو فرق نہ آیا بلکہ اُس کی آگ اور بھی زیادہ بھڑک اُٹھی۔ نوجوان ایرانی اس کی نظروں میں پہلے سے بھی زیادہ خوش رو و دلفریب معلوم ہوتا تھا اور اب بلا اُسے دیکھے کسی طرح دل کو چین نہ آنے لگا۔ بردیہ کی رسیلی آنکھوں میں

جذب دل اور کشش الفت نے ایک نئی قوت پیدا کر دی تھی جس کا خود بھی اُسے احساس ہونے لگا تھا۔ اور ایک قسم کی خودداری پیدا ہو گئی تھی۔ اُسکی حرکات و سکنات میں بھی اب بجائے بیفکری اور لڑکپن کے عشق کی سنجیدگی و متانت نے ایک عجب سکون پیدا کر دیا تھا۔ دوستوں کی صحبت سے جان چرانے لگا تھا۔ ہنسی دل لگی سے دور بھاگتا تھا۔ تنہائی زیادہ پسند تھی اور اکثر خاموش اور اپنے خیالات میں محو رہتا تھا۔ اسکے چہرہ کی سرخی و سپیدی دن بدن اُڑتی جاتی تھی۔ اور غور و فکر کے آثار نظر آتے تھے مگر تاشنو کو یہ ادائیں اور بھی زیادہ بھلی معلوم ہوتیں اسکے مجروح دل پر نمک پاشی کرتیں۔ وہ اُسے دیکھ کر سرد آہیں بھرتی۔ پھول کی طرح کمھلائی اور پتی کی طرح روز بروز زرد پڑتی جاتی۔ اسے ابھی یہ خبر نہ تھی کہ وہ کون دشمن جاں ہے۔ کون خوش نصیب حریف ہے جس نے اسکے محبوب کے دل کو اپنے دام میں پھنسا لیا ہے۔ دوسری طرف پری جمال سافو بھی اپنے عاشقِ دلدادہ کے فراق میں ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتی اور اسکی آمد کی گھڑیاں گنتی تھی۔ بوڑھی دایہ ملیتہ اُسے تسلی و تسکین دیتی۔ اُسسے یہ راز معلوم ہو گیا تھا وہ اسطرح کہ ایک دن اتفاقیہ اس نے دونوں کو باتیں کرتے پکڑ لیا۔ پہلے تو بہت بگڑی اور سافو پر خفا ہوئی مگر شہزادہ کی شکل و صورت و حسن خلق نے فوراً گرویدہ بنا لیا۔ اور زر و جواہر کے لالچ نے غصہ کو بھلا دیا۔ اور سافو نے بھی ایسی منت و سماجت کی کہ ملیتہ نے نہ صرف اُسے معاف کر دیا بلکہ دونوں کو باہم ملانے اور انکی نگہبانی کا ذمہ بھی اپنے سر لے لیا۔ وہ اپنی پیاری بچی کو ابھی سے تمام ایشیا کا سرتاج سمجھنے لگی اور جب تنہا ہوتی تو کبھی ملکہ کبھی شہزادی کہکر اُسے پکارتی پھر اُسے پیار کر کے بلائیں لیتی اور اپنے آپ کو بھی لباس فاخرہ سے آراستہ پیراستہ دربار ایران میں ایک بڑے مرتبہ پر تصور کرتی اور اسی طرح کے خیالی پلاؤ پکا کر دل ہی دل میں خوشی سے پھولی نہ سماتی۔

باب گیارہواں

رازونیازِ عشق

نلتیس کے رخصت ہونے سے تین دن پہلے رھوڈونس نے اپنے مکان پر بہت سے مہمانوں کو مدعو کیا تھا جن میں کری سس اور ججبیس بھی تھے۔ یہ موقعہ عشاق کے لئے نہایت عمدہ تھا۔ رات کی پردہ پوشی اور بڑھیا دایہ کی نگہبانی انکے لئے کافی تھی۔ ملینہ کو جب اطمینان ہو گیا کہ سب لوگ دعوت میں مشغول ہیں تو اس نے چپکے سے دروازہ کھول کر شہزادہ کو باغ کے اندر بلا لیا اور جہاں سافو منتظر کھڑی تھی پہنچا دیا۔ پھر دونوں کو یہ سمجھا کر کہ آہستہ باتیں کرنا اور تالی بجاؤں تو ہوشیار ہو جانا۔ خود اندر چلی گئی۔

سافو۔ (بردیہ سے لپٹ کر بڑی شیریں آواز سے) "مجھے جب خیال آتا ہے کہ صرف تین ہی دن کے بعد آپ چلے جائیں گے تو دل کی عجب حالت ہو جاتی ہے۔ یہ زمانہ ایسی جلدی گذر گیا کہ سچ کہتی ہوں معلوم ہوتا ہے کل ہی کی بات ہے کہ آپ پہلے پہل آئے تھے اور کبھی دل کہتا ہے کہ نہیں برسوں سے تم ہی میری جان کے مالک رہے ہو اور تمام عمر تمہاری ہی محبت کا دم بھرتی رہی ہوں"

بردیہ "ہاں یہی میرا بھی حال ہے۔ میرا دل ہی کہتا ہے کہ ہمیشہ سے تم میری ہی رہی ہو کیونکہ بلا تمہارے بھلا کیونکر میری زیست ممکن ہو سکتی تھی۔ آہ! کیا اچھا ہوتا کہ اب ہم کبھی جدا نہ ہوتے"

سافو "پیارے! یقین جانو۔ جدائی کے دن بھی جلدی سے کٹ جائیں گے۔ یہ سچ ہے کہ انتظار کا زمانہ پہاڑ ہوتا ہے اور ایک ایک لمحہ برس کی طرح کٹھن گذرتا ہے۔ مگر جیسے ہی ہم

پھر ملیں گے معلوم ہوگا گویا کل ہی ایک دوسرے کو الوداع کہکر رخصت ہوئے تھے۔ میرا ہر روز یہی حال ہے۔ جب تم نہیں ہوتے ہو تو انتظار میں تڑپتی ہوں۔ ایک ایک گھڑی سوہان روح ہوتی ہے۔ لیکن جیوں ہی تم دوسرے دن آکر میرے پہلو میں بیٹھ گئے تو اپنا تمام رنج و غم بھول جاتی ہوں اور خیال کرنے لگتی ہوں کہ کبھی تم سے جدا نہ ہوئی تھی اور تمہارا پیارا ہاتھ میرے سر پر اسی طرح رکھا ہوا ہے۔"

بروبیہ۔ "تاہم پیاری جب فرقت کا خیال آتا ہے تو معلوم نہیں میرے دل میں کیوں خوف سما جاتا ہے۔"

سافو۔ (بروبیہ کے رخسار پر اپنا عارض گلگوں رکھکر اور ایک عجیب الفت کی نگاہ سے دیکھکر) "پیارے! خوف کیسا! اور کیوں ہو؟ یہ سچ ہے کہ جب تم سے جدا ہونے لگوں گی تو میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا۔ مگر میں ضبط کرونگی کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم میری خاطر جلد ہی واپس آؤگے اور مجھے کبھی اپنے دل سے فراموش نہ کروگے۔ ملیتہ بھی یہی کہتی ہیں مگر وہ اپنے اطمینان کے لئے ایک آریکل سے یہ پوچھنا چاہتی تھیں کہ تمہاری محبت ہمیشہ قایم رہے گی یا نہیں۔ اور ایک بڑھیا کے پاس بھی جانے والی تھیں جو ابھی فرغیہ سے آئی ہے اور رسی کے ٹکڑوں سے اندھیری رات میں فال نکالتی ہے۔ اور اپنا منتر جگانے کے لئے عود، لوبان، خار وار جھاڑی کی پتیاں اور ہلالی شکل کی روٹیاں مانگتی ہے۔ مگر میں نے منع کر دیا کہ خبردار اسکے پاس مت جانا اور ان فضولیات میں نہ پڑنا۔ میرے دل کو ان سب سے زیادہ اچھی طرح خبر ہے کہ پیارا بروبیہ کبھی بیرخی نہ کریگا اور ہمیشہ میرا سچا وفادار رہیگا۔"

بروبیہ۔ (پیار کرکے) "سافو تیرا خیال بالکل صحیح ہے۔ اطمینان رکھ مجھ سے کبھی تجھے کسی شکایت کا موقعہ نہ ملیگا۔"

سافو۔ (ناز سے) "مگر بروبیہ خفا نہ ہونا بعض وقت میرے دل میں بھی طرح طرح کے وسوسے و وہم آتے ہیں۔ اس وقت جانتے ہو میں کیا کرتی ہوں؟ ہم لڑکیاں اسی طرح فال نکالتی

ہیں۔ پوستہ کی ایک پتی کو زور سے پھونک کر انگلی سے مارتی ہوں اگر وہ چٹاخ سے بولی تو بس معلوم ہو گیا کہ وہ مجھے کبھی نہ بھولے گا۔ لیکن جو کہیں بے آواز دیئے ٹوٹ گئی تو برا انجام ہے میں نے سینکڑوں بار آزمایا ہے مگر ہمیشہ اس سے آواز نکلی ہے۔ اور اب مجھے اطمینان ہو گیا اس لئے دیکھو کس قدر خوش ہوں"

بردیہ "تمہاری فال بالکل صحیح ہے۔ ہر گز ہمیشہ تمہیں اسی طرح خوش و خرم رکھے گا"

سافو "مگر پیارے ذرا آہستہ سے بولو۔ ناسیس دریا کی طرف پانی بھرنے جا رہا ہے۔ کہیں ہماری باتیں سن نہ پائے"

بردیہ "اچھا اب میں بہت ہی آہستہ سے بولونگا۔ یہ خوبصورت ریشم کی طرح ملائم کاکلیں بیچ میں آجاتی ہیں۔ میں دیکھو انہیں اس طرح ہٹا کر کان میں ایک بات کہتا ہوں۔ (لب شیریں کا بوسہ لیکر) پیاری! مجھے تم سے از حد محبت ہے۔ تم پر جان دیتا ہوں۔ تمہارا عاشق شیدا ہوں۔ سمجھیں کہ نہیں؟"

سافو "میں خوب سمجھی (مسکرا کر) آپ کو معلوم نہیں کہ جو بات دلکو اچھی لگتی ہے وہ جلد سمجھ میں بھی آجاتی ہے۔ اگر آپ اسکے خلاف کہتے یا مجھ سے نفرت کا اظہار کرتے تو کیا مجھے باور آتا۔ میں صورت دیکھکر فوراً تاڑ جاتی کہ نہیں یہ غلط ہے اور دل میں مجھ سے سچی محبت ہے آنکھوں کی خاموش بیانی سے بڑھکر بھلا دنیا میں کوئی زبان فصیح ہو سکتی ہے"

بردیہ "پیاری۔ تیری شیریں بیانی عجب دلفریب ہے۔ کاش کہ مجھے بھی یونانی زبان میں مہارت ہوتی اور اپنے خیالات کا پورے طور سے اظہار کر سکتا"

سافو "واہ۔ میں تو خوش ہوں کہ یہ زبان آپ کو بخوبی نہیں آتی۔ کیونکہ یہ ہوتا تو آپ برابر باتوں میں لگے رہتے اور اپنی آنکھوں سے مجھے ایسی نرمی و دلسوزی سے نہ دیکھتے۔ اور زبانی الفاظ بھی بھلا کچھ حقیقت رکھتے ہیں۔ دیکھئے سامنے درخت پر جو بلبل بیٹھی ہے وہ نہ معلوم کس زبان میں بول رہی ہے۔ مگر میں اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ جاتی ہوں"

بردیہ " مجھے نہ بتاؤگی ؟ بلبل شیدا کا رازداں بننے کا مجھے بھی بہت شوق ہے۔ ذرا سنوں تو سہی کہ وہ اپنے عاشقِ زار سے جو گلاب کے پھولوں میں چھپا بیٹھا ہے کیا کہہ رہی ہے "

سافو " (ہنس کر) آپ کے کان میں کہونگی۔ سنئے (قریب منہ لیجاکر) فلوبل۔ اپنے پیارے سے مخاطب ہوکر یوں نغمہ سنج ہے "میں تجھ پر شیدا ہوں، میں تیری دلدادہ ہوں" اور وہ اس کا کیا جواب دیتا ہے۔ سُنئے ! اِتو۔ اِتو۔ اِتیز۔[۵۱] "

بردیہ " اِتو۔ اِتو کے کیا معنی ؟ "

سافو " اس کے معنی ہیں مجھے منظور ہے۔ مجھے منظور ہے "

بردیہ " اور اِتیز ؟ "

سافو " اس کا مطلب ذرا دقیق ہے۔ اتیز ایک دائرہ کو کہتے ہیں۔ اور دائرے سے مراد۔ کیونکہ اس کا نہ کوئی آغاز ہے نہ انجام۔ ہمیشگی و دوام ہے۔ اس لئے اُس کی یہ صدا ہے مجھے منظور ہے۔ مجھے منظور ہے۔ مجھے ابد تک منظور ہے "

بردیہ " فرض کرو کہ میں تم سے کہوں کہ تم پر عاشق ہوں تو تم کیا جواب دوگی "

سافو " میں بھی شاداں و فرحاں ہوکر یہی جواب دونگی۔ یعنی مجھے آج منظور ہے۔ کل منظور ہے۔ اور ابدالآباد تک منظور ہے "

بردیہ " آہ کس غضب کی رات ہے۔ ہر طرف خاموشی کا عالم ہے۔ بلبل کی آواز بھی اب سُنائی نہیں دیتی۔ شاید وہ دور اُس درخت پر جس کے پھولوں کی مہک یہاں تک آرہی ہے چُپ چاپ بیخود و مدہوش بیٹھی ہے۔ دیکھو تاروں کی چوٹیوں کا عکس دریا کے پانی میں پڑرہا ہے اور انکے درمیان چاند کا پرتو ایک راج ہنس کی طرح کیسا چمکتا اور تیرتا نظر آتا ہے "

لڑکی " ہاں اسکی سیمیں کرنوں نے تمام عالم کو کیسا منور و دلفریب بنا دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا ایک مقید دیوی کی طرح ساکت و خاموش کھڑی ہے۔ جسے دیکھ کر دل کی خوشیاں و

---

[۵۱] مشہور شاعر اسکلیوس نے نغمہ بلبل کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ (ایبرا)

امنگیں جوش مار رہی ہیں۔ مگر انکے اظہار کی تاب نہیں اور نہ زور سے ہنسنے اور بولنے کو جی چاہتا ہے۔

بردیہ "بیشک یہ عجب منظر ہے۔ عجب رات ہے۔ تم آہستہ ہی باتیں کرتی رہو۔ یا کچھ گاؤ"

لڑکی "ہاں آپ سچ کہتے ہیں۔ لائیے میری بانسری دیجیے۔ تسلیم۔ اب میں اپنا سر آپکے سینہ پر رکھکر ایک گیت گاؤں گی جو ہمارے حسب حال ہے اور عجب خوش کن و تسکین دہ ہے۔ الکمن۔ لیدیہ کے مشہور شاعر نے جو اسپارٹا میں رہتا ہے اس غزل کو رات کی تعریف میں لکھا تھا۔ اچھا تو اب دل لگا کر سُنیئے گا کیونکہ یہ ایسا گیت ہے جو دھیمے سُر میں آہستہ آہستہ گایا جاتا ہے .... مگر آپ اپنے ہونٹوں کو مہربانی کرکے ذرا دور ہی رکھئے۔ جب ختم کرلونگی تو ایک بوسہ انعام میں مانگونگی۔

ہے نیند چوٹیوں پہ پہاڑوں کی حکمراں	ٹیلوں پہ اور چشموں پہ حکم اسکا ہے رواں
پھولوں پہ پتیوں پہ درختوں پہ سبزہ پر	ان سبزیوں پہ جنکو اگاتی ہیں کھیتیاں
ہیں مکھیاں جو شہد کی ان کے گروہ پر	ان جانداروں پر جو پہاڑوں میں ہیں رواں
خونخوار جانور جو سمندر کی تہہ میں ہیں	ان پر اور آسماں کے پرندوں پہ بگلیاں
القصہ نیند میں ہے وہ تاب و تواں جسے	ہیں مانتی جہان کی سب زندہ ہستیاں

گیت جب ختم ہوگیا تو ایک لمحہ سکوت کے بعد بردیہ کی طرف ایک عجیب ادا سے دیکھکر سافو بولی "پیارے اب میرا انعام؟"

بردیہ۔ (چونک کر اور اپنا منہ قریب لاکر) "آہ میں کیسا مدہوش ہوگیا۔ تمہاری شیریں آواز نے بوسہ کو فراموش کردیا اور جب بوسہ کا خیال آیا تو اس نے نغمہ کو بھلا دیا"

سافو "جایئے میں نہیں بولتی۔ کیا میرا گانا اچھا نہ تھا"

بردیہ "یہ بھلا کیونکر ہوسکتا ہے۔ تم کوئی چیز گاؤ اور وہ اچھی نہ ہو"

سافو "ہمارے مشہور یونانی شاعروں کا کلام اکثر اچھا ہوتا ہے"

بردیہ "بیشک مجھے اس سے پورا اتفاق ہے"

سافو "کیا آپ کے ملک میں شاعر اور مغنی نہیں ہوتے"

بردیہ ہوتے کیوں نہیں۔ بھلا دنیا میں کوئی ایسی بڑی قوم ہے[۵] جو جذبات اعلیٰ سے متصف ہو اور

---

[۵] آثار قدیمہ کے ملاحظہ سے پتہ چلتا ہے کہ اقوام قدیم موسیقی کی بہت شائق تھیں۔ انجیل و زبور و کتاب دانیال میں کئی جگہ آلات موسیقی کا ذکر آیا ہے۔ بابل میں مختلف اقسام کے آلات مروج تھے۔ یہودی بھی کئی طرح کا استعمال کرتے تھے۔ اہل مصر ۱۳-۱۴ مختلف ساز رکھتے تھے۔ اہل اشور گو اس قدر متمدن نہ تھے تاہم ۸-۹ ساز کا انکی تصاویر سے بھی پتہ چلتا ہے۔ تمام آلات میں چنگ کو نہایت قدیم تصور کیا جاتا ہے۔ تصاویر سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈھائی ہزار برس قبل مسیح چنگ مستعمل تھا۔ اس کے سترہ تار ہیں شکل میں سہ گوشہ ہے۔ اونچائی قریباً ۴ فٹ ہے بین کا بھی رواج تھا۔ اسے سازندہ بائیں ہاتھ اور پہلو میں لیکر داہنے ہاتھ سے بذریعہ مضراب بجاتا تھا۔ عورت و مرد دونو بجاتے یا گاتے تھے۔ اور بعض اوقات ۴۰-۵۰ عورت مرد کا طائفہ ایک ساتھ بجاتا اور ناچتا تھا۔ علاوہ چنگ دوسرے آلے یہ تھے۔ قانون، عود، سنتور، نے، تمبور، بربط، سنج، سکاسک، قرنا، طبل۔ مشرقی ایران یا باختر کے ایرانی بڑے شاعرانہ مزاج تھے۔ اوستا کو نظم میں بکمال خوش الحانی پڑھتے تھے۔ گمان اغلب ہے کہ ہخامنش بھی جو بابل و لسید یا میدو اشوا کے تمدن کے وارث تھے۔ موسیقی کے بڑے عربی اور دلدادہ تھے۔ یونانی مورخ لکھتے ہیں کہ جب بادشاہ خاصہ پر ہوتا تو کنیزیں سامنے آکر گاتی بجاتیں اور جشن کے موقعوں پر گانا بجانا و ناچنا بڑی دھوم کے ساتھ ہوتا۔ لڑائی پر جب جاتے تو فوج کے ساتھ تنبور، چنگ، نے و طبل ضرور ہوتے۔ بقول فردوسی

بدانگہ کہ لشکر بجنبد ز جائے	بتیرہ برآید ز ہر دو سرائے
ز بس نالہ بوق و کوس و درائے	ہمی آسماں اندر آمد زجائے

بیامد بر بادشاہ چنگ زن	خراماں بسان یکے نارون
زن چنگ زن چنگ در برگرفت	نخستیں خروش مغاں برگرفت

شاعری و موسیقی سے نفرت کرتی ہو"

سافو "مگر میں نے سنا ہے کہ آپ کے ملک میں بعض بڑی بری رسمیں ہیں"

بردیہ "وہ کون سی ؟"

سافو "آپ لوگ کئی کئی بیویاں کرتے ہیں"

بردیہ "(چونک کر) پیاری سافو....... یہ کس نے کہا"

سافو "ہاں مجھ سے چھپایئے نہیں۔ خیر اگر ایسا ہو بھی تو کیا حرج۔ مجھے تو صرف آپ کی خوشی سب پر بالا ہے۔ اور دل میں یہی آرزو ہے کہ تمام عمر آپ کی خدمت میں صرف کردوں۔ اگر ایک شادی کرنے میں آپ کو اپنے ملک کے رسم ورواج کا اندیشہ ہو اور یہ خیال کبھی آئے کہ لوگ حقارت سے نہ دیکھیں تو مجھے بھلا یہ کیونکر منظور ہو سکتا ہے۔ آپ دوسری بیویاں بھی کر لیجیئے مگر پہلے میرے دل کی ایک آرزو پوری کر دیجیئے گا وہ یہ کہ دو تین سال تک سوائے میرے اور کوئی نہ ہو۔ اور میں اپنے دل کے سب ارمان نکال لوں"

بردیہ "بدل وجان منظور۔ مگر پیاری یہ خیالات کیوں اپنے دل میں لاتی ہو"

سافو "بعد ازاں جب آپ کو مجبور ہونا پڑے تو ایک اور وعدہ کیجیئے کہ کسی دوسرے سے دل نہ لگائیے گا اور مجھی کو اپنی خاص لونڈی سمجھ کر رکھئے۔ جب لڑائی پر آپ جائینگے تو میں ہی سر پر طرہ باندھوں گی۔ تلوار لگاؤں گی اور ہاتھ میں نیزہ دونگی اور فتح ونصرت کے ساتھ واپس آئیگا تو مجھی کو سب سے پہلے تاج پہنانے کا حق ہوگا۔ اور اسی طرح سیر وشکار پر جاتے وقت بھی میں ہی اپنے ہاتھ سے جوتا و مہمیز پہناؤنگی۔ یا کبھی کسی جشن یا دعوت وغیرہ کا موقع ہوگا تو میں ہی آپ کو لباس فاخرہ سے آراستہ کرونگی۔ خوشبوئیں لگاؤں گی۔ اور پھولوں کے ہار بنا کر اپنے پیارے کی پیشانی اور شانوں پر سجاؤں گی۔ اور خدانخواستہ آپ کبھی زخمی ہوئے تو میں ہی تیمارداری کرونگی اور بیماری کی

حالت میں کبھی آپ کی بالیں سے جدا نہ ہونگی۔ پھر جب آپ صحیح و تندرست ہو جائیگا تو مجھے چاہے الگ کر دیجیے گا۔ میں دور ہی سے اپنے پیارے کی خوشحالی اور اقبالمندی کی دعائیں مانگوں گی اور اُسکے شہرت انگیز کارناموں کو سُنکر دل ہی دل میں خوش ہولونگی۔ پھر شاید میری سچی محبت کا اثر آپ کے دل پر بھی پڑے اور آپ اپنے پاس بلاکر بڑی محبت و پیار سے اپنی سافو سے کہیں کہ میں تجھ سے راضی و خوش ہوں۔ جسے سُنکر وہ اس قدر شادماں ہو کہ دنیا و مافیہا کو بھول جائے۔"

بردیہ" (بیتاب ہوکر) پیاری تو یہ کیا کہتی ہے! تجھے خبر نہیں کہ تیرے عشق نے میرا کیا حال کر دیا ہے۔ میں تو خود ستیزاسندہ بے زر ہوں اور اگر ممکن ہو سکے تو آج ہی تجھ سے شادی کرکے کبھی اپنے پاس سے جدا نہ ہونے دوں۔ بھلا خیال تو کر کہ مجھ ایسا خوش نصیب جسے اتنی بڑی نعمت غیر مترقبہ حاصل ہو کہ اسکے سامنے دنیا کا تمام جاہ و حشمت اور دولت و ثروت ہیچ ہے وہ بھلا کسی ناچیز اور ادنیٰ چیز کی طرف مائل ہو سکتا ہے۔ اور تیرے عشق کا دیوانہ کسی دوسرے کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھ سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ میرے ملک و خاندان میں اکثر لوگ کئی کئی شادیاں کرتے ہیں لیکن یہ صرف ایک رسم ہے کوئی قاعدہ و قانون نہیں جسکی پابندی لازم ہو۔ میرے والد بزرگوار گو سو کے قریب خواصین و کنیزیں رکھتے تھے لیکن انکی صرف ایک ہی خاص اور اصلی بیوی تھی۔ یعنی ملکہ کاسندانہ جو ہماری مادر مکرمہ ہیں۔"

سافو" تو مجھے بھی کیا آپ اپنی خاص ملکہ بنا کر رکھیے گا؟"

بردیہ" خاص نہیں بلکہ سرتاج۔ پیاری سافو میں تجھے اس طرح رکھونگا کہ کسی نے اپنی بیوی کو نہ رکھا ہوگا۔"

سافو" اچھا تو بتائیے اب مجھے لینے کب آئیے گا۔"

بردیہ" میں بھی اسی فکر میں ہوں جتنی جلد ممکن ہو سکے گا میں کوئی تدبیر کرکے واپس آؤنگا

سافو "اور میں صبر وشکر کے ساتھ انتظار کرتی رہونگی"

بردیہ "مجھے تمہاری خبر کیونکر ملے گی"

لڑکی "میں آپ کو بڑے لمبے لمبے خط لکھوں گی۔ اور باد صبا سے کہونگی کہ ہر روز میرا پیغام پہنچا دے"

بردیہ "ہاں پیاری بھولنا نہیں اور اپنے خطوں کو اس قاصد کے حوالہ کر دینا جو مصر سے نتیبش کے پاس خط لیکر واپس جایا کریگا"

لڑکی "مگر میں اُسے کہاں پاؤں گی"

بردیہ۔ (سوچکر) "میں ایک آدمی کو نوکرانتیس چھوڑ جاؤنگا۔ جو تمہارے خطوط میرے پاس پہنچا دیگا۔ باقی سب انتظام ملیتہ سے ملکر ٹھیک کر لونگا"

سافو "ہاں مجھے بھی اس پر پورا بھروسہ ہے۔ وہ بڑی ہوشیار اور ہماری خیر خواہ ہے۔ اس دنیا میں ایک شخص اور ہے جو مجھ سے حد درجہ الفت ومحبت رکھتا ہے اور جسے میں بھی آپ کے بعد سب پر ترجیح دیتی ہوں"

بردیہ "تمہارا مطلب شاید اپنی نانی رھوڈوپس سے ہے"

سافو "ہاں وہی میں کہانتک انکی شفقت والفت کا حال بیان کروں۔ وہ نہ صرف میری نانی بلکہ میری معلمہ۔ میری اتالیق۔ میری محسن۔ میری سب کچھ وہی ہیں"

بردیہ "بیشک وہ حد درجہ نیک دل وشریف خاتون ہیں۔ کریسس جنہیں میں اپنے باپ کی برابر سمجھتا ہوں وہ انسانی فطرت وجوہر کو ایسا صحیح پہچان لیتے ہیں جیسے کوئی حکیم جڑی بوٹی دیکھ کر فوراً اس کے خواص بتا دیتا ہے کہ اس میں زہر ہے یا تریاق وہ بھی تمہاری نانی کے بے انتہا مداح ہیں اور کہتے تھے کہ وہ ایک غیر معمولی خاتون ہیں اور انکی مثال ایک ایسے پھول کی ہے جسکی خوشبو دور دور تک پھیل کر لوگوں کے دل ودماغ کو تر وتازہ کرتی ہے"

سافو "کری سس بجا فرماتے ہیں۔ میری نانی غیر معمولی صفات رکھتی ہیں۔ میں ہر دم یہی دعا کرتی ہوں کہ وہ زندہ و سلامت رہیں اور ہمیشہ اُن کا سایہ میرے سر پر قایم رہے۔ پیارے میری ایک اور التجا ہے اُسے بھی قبول کروگے؟"

بردیہ "تم جو کہو گی مجھے بجان و دل قبول ہے۔"

سافو "جب مجھے اپنے وطن لیجائیگا تو دیکھئے میری نانی کو پیچھے نہ چھوڑ دیجئے گا۔ انہیں بھی ہم اپنے ساتھ رکھیں گے۔ وہ میری ایسی دلدادہ اور میری رنج و خوشی میں ایسی شریک حال ہیں کہ شاید میری جدائی کے صدمہ کو برداشت نہ کر سکیں۔"

بردیہ "تم اطمینان رکھو۔ میں انہیں نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے خاص محل میں رکھونگا۔"

سافو "اب مجھے پوری تسکین ہوگئی۔ میں اپنی پیاری نانی کو کس طرح چھوڑ سکتی ہوں۔ انکی خدمت بھی تو مجھ پر واجب ہے۔ کیونکہ جس دن سے میں نے ہوش سنبھالا مجھے اپنے والدین کی خبر نہیں۔ انہیں کے آغوش محبت میں میں نے پرورش پائی۔ انہیں نے مجھے لکھنا پڑھنا گانا بجانا سینا پرونا۔ سب[1] کچھ سکھایا۔ سوائے انکے اور کوئی میرا ہمدم و ہمساز نہیں۔ اور انکی

---

[1] موجودہ زمانہ کے لحاظ سے یونانی عورتیں تعلیم و تربیت میں بہت ناقص تھیں۔ انکا مرتبہ مردوں سے کمتر سمجھا جاتا تھا۔ وہ علیحدہ ایک قسم کے پردہ میں رہتی تھیں اور غیر مرد سے ملنے جلنے نہ پاتی تھیں۔ انکا خاص مشغلہ خانہ داری خصوصاً چرخہ کاتنا یا کپڑے بُننا تھا۔ زرہ دوزی اور نقش و نگار کے کاموں میں انہیں بڑی مہارت تھی۔ کھانا پکانا بھی ہنر میں داخل تھا۔ کنیزیں چکی (جو بالکل آج کل کے پتھر کی دستی چکی کی طرح تھی) پیستیں کھانا پکاتیں۔ گھر کی مالکہ انکی نگرانی کرتی اور اکثر خود بھی پکانے میں حصہ لیتیں۔ حمام کی بھی بہت شائق تھیں اور اسکے بعد اپنے بناؤ سنگار میں بہت وقت صرف کرتی تھیں۔ کانسے کے آئینے، کنگھیاں، غازہ رکھنے کے پیالے اور خوشبودار روغنوں کی شیشیاں لوازمات سے تھیں۔ دیگر تفریحات میں موسیقی مختلف کھیل جیسے جھولا جھولنا یا گیند اچھال کر رقص کرنا وغیرہ شامل تھے۔ اسپارٹا کی لڑکیوں کو زیادہ

الفت کا بھی یہ حال ہے کہ میری صورت دیکھ کر جیتی ہیں۔ بلا میرے ان کی زندگی محال ہو جائے گی۔"

بردیہ "نہیں تم کچھ فکر مت کرو۔ جب میں رخصت ہونے لگونگا تو اُن سے باصرار اپنے ہمراہ چلنے کے لئے عرض کرونگا۔"

سافو "میں یہ سُن کر بہت ہی خوش ہوں۔ اور دیکھو پیارے اب جاتے تو ہو مگر بہت دیر نہ لگانا۔ مجھے تمہاری فرقت کا ایک ایک دن پہاڑ ہو جائیگا۔ اب میں آپ کو اپنا مالک و آقا تصور کرتی ہوں۔ اور رنج و خوشی یا اچھی بُری کسی بات کو آپ سے چھپانا نہیں چاہتی میں شاید پہلے ہی ذکر کر چکی ہوں کہ جب آپ لوٹ کر آئیں گے تو ہمارے گھر میں دو نئے مہمانوں کو دیکھئے گا جو فینیس کے جنہیں آپ کے دوست نے ایسی بہادری سے بچایا ہے خورد سال بچے ہیں اور کچھ دنوں بعد یہاں آنیوالے ہیں میں انہیں بڑے پیار سے رکھونگی۔ اور اگر شرارت نہ کی تو اچھی اچھی کہانیاں سُناؤں گی۔ خصوصاً اُس شہزادے کی کہانی جو ایک غریب لڑکی پر فریفتہ ہو گیا تھا کہ وہ کیسا حسین و جمیل و قدآور سورما ہے اُسکے بال سنہرے۔ اسکی آنکھیں نیلگوں۔ اس کا چہرہ ماہتاب کی طرح درخشاں۔ اور اس کا لباس ایسا خوشنما کہ نظر نہ ٹھیرے۔ وہ ایسا شریف النفس، اولوالعزم، جری، راستباز اور وفا کیش ہے کہ دنیا میں اسکی مثال نہیں۔ غرضکہ میں اپنے پیارے بردیہ کو سر سے پیر تک بیان کر جاؤں گی اور بچوں کو معلوم نہ ہوگا کہ میں کس کا ذکر کر رہی ہوں۔ وہ بڑے شوق سے پوچھیں گے کہ وہ شہزادہ کہاں ہے ہمیں بھی اُس سے محبت ہے ہمیں بھی اُسے دکھاؤ۔ تو میں انہیں اپنے سینہ سے لگالونگی اور پیار کرونگی۔ تو انکی آرزو پوری ہو جائیگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آزادی حاصل تھی اور باہر نکل کر جسمانی ورزشوں میں حصہ لیتی تھیں۔ یہ اسلئے نہ تھا کہ وہ مردوں کی برابر سمجھی گئی تھیں۔ بلکہ انکی تندرستی اور قویٰ میں ترقی ہو اور مضبوط بچوں کو پیدا کر سکیں۔ (گول دکوزر)

کیونکہ میرے دل میں سوائے تمہارے اور کون ہے اور جب وہ میرے سینے سے لگ گئے تو گویا تم سے قریب آ گئے اور مل گئے۔"

بردیہ "میں بھی اپنی بہن انوسا سے ملونگا تو اس سے اپنے سفر کا تمام حال بیان کرونگا یونانیوں کے علم و ہنر، انکی عقل و فہم۔ اور انکی عورتوں کے حسن و جمال کی تعریفیں کرونگا۔ اور جب انکی خوبصورت دیوی **افرودیت** کا ذکر آئیگا تو میری پیاری کی دلربا صورت کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے پھر جائیگا۔ میں اسکی عفت و عصمت۔ شرم و حیا۔ محبت و جان نثاری اور دیگر خصائل کو بیان کرجاؤنگا اور کہونگا کہ اسکی آواز ایسی شیریں و دل آویز ہے جیسے سنکر بلبل تک اپنا نغمہ بھول جاتی ہے۔ پھر کہونگا کہ وہ ایک آسمانی دیوی ہے جسے سنکر میری بہن شوق سے بول اٹھے گی کہ اے کاش میں بھی اس بے مثل **افرودیت** کو دیکھ پاتی تو میں اسے محبت سے گلے لگا کر کہونگا کہ گھبرا نہیں۔ ایک دن تو بھی اس پری تمثال و حور شمائل دیوی کو دیکھ لیگی۔"

سافو دفعتاً یکایک چونک کر۔ بردیہ کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے) "تم نے سنا؟ یہ کیا تھا؟ **ملیتہ** تالی بجا رہی ہے۔ ایسی جلدی وقت گذر گیا اور جدائی کی گھڑی سر پر آ پہنچی۔ پیارے اب میرا زیادہ ٹھہرنا مناسب نہیں۔ رخصت۔ خدا پھر خیریت سے جلدی ملائے۔"

بردیہ "رخصت۔ ایک مرتبہ میں اور پیار کر لوں۔"

سافو "الوداع۔"

ملیتہ اس رات بہت تھکی ماندی تھی۔ اس لئے چوکسی کرتے کرتے اتفاق سے اسکی آنکھ لگ گئی۔ اتنے میں چند آوازیں زور سے اسکے کان میں آئیں تو خواب غفلت سے جاگ اٹھی۔ اور یہ دیکھتے ہی کہ سپیدۂ صبح نمودار ہونیوالا ہے اس نے گھبرا کر تالی بجائی اور عشاق کو خبردار کر دیا۔ بعد ازاں **سافو** کو ساتھ لیکر مکان کی طرف بڑھی تو اسے معلوم ہوا کہ جن آوازوں نے اسے جگا دیا تھا وہ مہمانوں کی تھیں جو اب رخصت ہو رہے تھے

اس نے لڑکی کو جلدی جلدی قدم اٹھانے کے لئے کہا۔ اور مکان کی پشت پر آتے ہی فوراً دروازہ کھول کر خوابگاہ کے کمرہ میں داخل کر دیا۔ یہاں وہ اس کا لباس اتارنے میں مشغول تھی کہ اتنے میں رہوڈوفس اچانک آ پہنچی اور لڑکی کو اس حالت میں دیکھ کر نہایت حیرت زدہ ہو کر پوچھنے لگی "یہ کیا ہے سافو تم ابھی تک جاگ رہی ہو۔ اتنی دیر ہو گئی اور تم نے شام کے کپڑے تک ابھی نہیں بدلے" ملیتہ تھر تھر کانپنے لگی۔ اور کوئی چھوٹا بہانہ بنانیوالی تھی لیکن سافو بے اختیار اپنی نانی کے قدموں پر گر پڑی۔ پھر اٹھ کر اسکے سینہ سے لپٹ گئی اور رکتے ہوئے لہجے دوبی زبان میں اپنے عشق کا تمام واقعہ حرف بحرف بیان کر دیا۔ رہوڈوفس اُسے سنتے ہی سناٹے میں آگئی۔ اس نے بوڑھی خادمہ کو باہر چلے جانے کا حکم دیا پھر اپنی نواسی کو سامنے کر کے دونوں ہاتھ اسکے شانوں پر رکھ کر کہنے لگی "سافو! ذرا میری طرف نظر اٹھا کر دیکھ۔ میں دیکھوں تو سہی کہ تیرے چہرہ پر اب بھی وہی بھولا پن اور مسرت ہے جو ایرانی کے آنے سے پہلے تھی یا نہیں" سافو نے شرما کر۔ ایک ایسی نگاہ سے اپنی نانی کی طرف دیکھا جسے وہ فوراً سمجھ گئی اور بڑی محبت سے اُسے گلے لگا کر کہنے لگی "بیٹی جب سے تم سیانی ہوئیں کہو میں نے تمہیں شریف زادیوں کی طرح تربیت دی یا نہیں۔ میں نے تمہیں عشق و محبت کے جھگڑوں سے دور رکھنا چاہا بُری صحبت سے بچانیکی کوشش کی اور ہمیشہ یہ خواہش رکھی کہ اپنے ملک کی راہ و رسم کے مطابق ایک دن اپنی پیاری کو اچھا سا بر تلاش کر کے بیاہ دونگی۔ مگر دیوتاؤں کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایراس کو انسانی منصوبوں و پیش بندیوں کی کچھ پرواہ نہیں۔ تمہارے آبا و اجداد کے خون نے رنگ دکھایا اور یہ پرجوش و الفت پسند طبیعت کسی طرح روکے نہ رک سکی۔ خیر اب جو کچھ ہونا تھا سو ہو گیا۔ میں تمہیں زیادہ ملامت نہیں کرتی۔ سچی محبت کا جذبہ ایک بڑی نعمت ہے جسکی یاد آیندہ عمر کی روحانی صعوبتوں کو دور کر کے انسان کے دل کو ہمیشہ تر و تازہ رکھتی ہے۔ اس لئے اگر تم اس نوجوان پر گرویدہ ہو گئیں تو بس اسی حد تک رکھو۔ اور اب آیندہ ملنے آئے تو اس سے رخصت ہو کر پھر کبھی ملنے جلنے کی خواہش نہ کرو۔

کیونکہ ایرانیوں کی طبیعت کا کچھ اعتبار نہیں۔ وہ بڑے بیوفا اور متلون مزاج ہوتے ہیں۔
نئی اور انوکھی چیز انہیں بھاتی ہے۔ مگر تھوڑے ہی دن بعد اُس سے اُکتا جاتے ہیں۔
شہزادہ تمہارے حسن پر مفتوں ہوگیا ہے اور بظاہر ابھی جان و دل سے تم پر فدا بھی ہو
مگر یاد رکھو کہ وہ بالکل ایک ناتجربہ کار لڑکا ہے۔ حسین و جمیل ہے۔ خاندان شاہی سے ہو
اور ایسے محلوں میں اسکی تربیت ہوئی ہے جہاں ہر شخص اُسکی خوشامد میں لگا رہتا ہے۔
اور سب سے بڑھکر یہ کہ ایرانی النسل ہونے کی وجہ سے ہم سے اپنی عادت و اطوار و
مزاج میں بالکل مختلف ہے۔ اس لئے تم اگر سمجھدار ہو تو اس خیال خام کو اپنے دل
سے بالکل دور کر دو ورنہ کسی دن مصیبت کا سامنا ہوگا۔ اور وہ متنفر ہو کر تمہیں چھوڑ کر
علیحدہ کر دیگا۔"

سافو "لیکن نانی اماں یہ کیونکر ہو سکتا ہے میں تو اُن سے قسم کھا کر وعدہ کر چکی ہوں
کہ اب ہمیشہ انہیں کے ساتھ رہونگی۔"

رھوڈوفس "کیا خوب! لڑکی تو ابھی بالکل ناسمجھ ہے اور اپنے جذبات پر قابو نہیں
رکھ سکتی ہمیشگی و دوام بھی گویا بچوں کا ایک کھیل ہوگیا۔ تو نے بڑی غلطی کی کہ قسم کھا بیٹھی
میں اسے توڑنے نہیں کہتی کیونکہ وعدہ کا وفا کرنا سب سے بڑا فرض ہے تو اسکی محبت
کو ضرور اپنے دل میں رکھ مگر اُس سے ملنا ترک کر دے۔"

لڑکی "نانی اماں یہ تو مجھ سے ہرگز نہ ہو سکے گا۔ بر دیہ میرا کوئی معمولی سا شناسا ہوتا
تو بھی میں اُسکے قول پر اعتبار کرتی کیونکہ وہ ایک شریف و اعلیٰ نصب ایرانی ہے جن کا
سب سے بڑا اصول سچائی و راستبازی ہے۔ اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ ہرگز بیوفائی
نہ کریگا اور باوجود اپنے ملک کی خراب رسومات کے سوائے میرے اور کسی سے
شادی نہ کرے گا۔"

رھوڈوفس "مجھے مردوں کا کچھ اعتبار نہیں۔ اگر وہ اپنے وعدے بھول گیا تو یاد رکھو

تمہاری تمام عمر تلخی و مصیبت میں کٹے گی۔"

سافو "میری نانی۔ ایسی بری بری باتیں اپنے منہ سے نہ نکالیئے اور میرے دل کو نہ دکھایئے اگر آپ بھی اُن سے میری طرح واقف ہوتیں تو ضرور یقین کرتیں کہ دریائے نیل کا تمام پانی خشک ہو جائے۔ اہرام مصری گر پڑیں مگر میرا بردیہ کبھی بیوفائی نہ کریگا۔ اور ہرگز دھوکہ نہ دیگا۔" سافو کے ان الفاظ سے ایک عجب جذبہ مسرت و عقیدتمندی ترشح تھی۔ اسکی سیاہ آنکھوں میں خوشی کے آنسو موتیوں کی طرح جھلک رہے تھے۔ رھوڈوفس کا دل بھی بالآخر پسیجنے لگا۔ سافو پھر اُس سے لپٹ گئی اور اسکے عاشق نے جو کچھ کہا تھا سب حرف بحرف دُہرا کر آخر میں یہ کہنے لگی "میری پیاری نانی۔ میں اس قدر خوش ہوں کہ بیان نہیں کر سکتی دیکھیئے ہم دونوں کے ساتھ ایران ضرور چلیئے گا۔ دنیا میں میری یہی سب سے بڑی خواہش ہے کہ ہمیشہ آپ کو ساتھ رکھوں۔ اگر یہ تمنا پوری ہوگئی تو پھر دیوتاؤں سے کچھ نہ مانگونگی۔"

رھوڈوفس "یہ تمہارا خیال خام ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں پھر تمہیں انکے سامنے ہاتھ پھیلانے کی اشد ضرورت لاحق نہ ہو۔ تم نہیں جانتیں دیوتا انسان کے عیش و عشرت کو بڑے رشک و حسد سے دیکھتے ہیں۔ راحت و مسرت کے بخشنے میں نہایت تنگدل مگر رنج و غم دینے میں بڑے فیاض ہیں۔ جاؤ بیٹی۔ تم بہت تھکی ماندی ہو۔ اب تھوڑی دیر آرام کر لو۔ میری دل سے دعا ہے کہ اس کا انجام بخیر ہو۔ (آبدیدہ ہو کر) کل صبح تم میری نظروں میں ایک معصوم بچہ تھیں مگر اب چند گھنٹوں میں کچھ اور ہی ہو گئیں اور خودسر و خودمختار لڑکیوں کی طرح ضد کرنے لگیں۔ خیر میں دیکھوں تو سہی کہ سسرال جانے کے بعد بھی تم اپنی غریب نانی کو پوچھتی ہو یا نہیں۔ اور اس سے اگلا سا پیار و اخلاص رکھتی ہو یا دوسروں کی محبت میں اُسے بالکل اپنے دل سے فراموش کر دو گی۔ کل میں کریسس سے اُسکے متعلق گفتگو کرونگی۔ انکے فیصلہ پر سب کچھ منحصر ہے۔ اگر وہ راضی ہو گئے تو شاید تمہاری آرزو پوری ہو ورنہ بردیہ سے ملنے کا

پھر نام نہ لینا۔ میں کسی شریف یونانی کو ڈھونڈکر تمہارا بیاہ کردونگی۔ جاؤ اب جاکر سورہو اپنے دل کو مفت میں پریشان نہ کرو۔ میں یہیں موجود ہوں اور تمہارے پاس بیٹھ کر دعا مانگنا چاہتی ہوں ''

رھوڈوفس بہت دن چڑھے تک اُسی طرح خاموش و ساکت بیٹھی رہی۔ وہ اپنی پیاری نواسی کے چہرہ کو غور سے تک رہی تھی اور طرح طرح کے وسوسے و خیالات اسکے دل کو پریشان کررہے تھے۔ اسی دن اُس نے کریسس کو بُلانیکے لئے خط لکھا اور جب وہ آیا تو اُس سے سافو کا تمام واقعہ بیان کرکے آخر میں کہا ''مجھے معلوم نہیں کہ ایرانی شہزادوں کے لئے کن صفات کی بیویاں ہونی چاہئیں۔ مگر یقین جانئے کہ میری سافو میں بڑے سے بڑے بادشاہ کی ملکہ بننے کی تمام خوبیاں و قابلیتیں موجود ہیں۔ اس کا باپ اپنے ملک کے طبقہ امراسے تھا۔ بچوں کا حسب نسب باپ ہی سے لیا جاتا ہے آپ لوگ بھی اسے مانتے ہیں، اور یہاں مصر میں بھی یہی قانون ہے کہ شہزادی و لونڈی دونوں کی اولاد میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا ''

کریسس ''میں نے تمہاری باتوں کو نہایت غور سے سُنا ہے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس واقعہ پر خوشی کا اظہار کروں یا رنج و افسوس کا۔ بردیہ کی والدہ کاسندانہ اور اسکے بھائی شہنشاہ کمبوجیہ کی تو یہی خواہش تھی کہ ایران سے روانہ ہونے سے پہلے ہی اُسکی شادی کردی جائے کیونکہ بادشاہ لاولد ہے اور اگر آئندہ بھی یہی حال رہا تو اُسکی نسل کا قیام صرف بردیہ کی ذات پر موقوف ہوجائے گا کیونکہ سیروس اعظم کے یہی باقی ماندہ دو فرزند ہیں۔ بردیہ پر ایرانیوں کو بڑا فخر و ناز ہے۔ اُس سے غریب و امیر ہر شخص محبت کرتا ہے اور سب کی امیدیں اسی کے ساتھ وابستہ ہیں وہ نہ صرف بلحاظ اپنی حُسن صورت بلکہ شرافت، فیاضی۔ و نیکدلی میں بھی یکتائے روزگار ہے۔ یہ سچ ہے کہ ایرانی شہزادوں کی شادیاں عموماً اپنے ہی خاندان یعنی

ہخامنش میں ہوتی ہیں لیکن اس میں وہ زیادہ متعصب نہیں ہیں۔ غیر قوموں میں بھی انکے
بادشاہوں نے شادیاں کی ہیں اور عام طور سے وہ اُنسے دلچسپی ظاہر کرتے ہیں۔ خصوصاً
تمہاری نواسی کے حُسن و جمال کو دیکھ کر نہایت خوش ہونگے اور بردیہ کے عشق کا حال
سُنیں گے تو اُسکی خاطر اپنے رسم و رواج کی پرواہ نہ کریں اور بادشاہ کی مرضی کو سب سے
بالا سمجھ کر کوئی بات اپنی زبان سے نہ نکالیں گے۔ علاوہ بریں مجھے یقین ہے کہ مادرِ شاہ
بھی جنکی عزت لوگوں میں سب سے زیادہ ہے اپنے چھوٹے اور چہیتے لڑکے کی خوشی میں ہرگز
مزاحم نہ ہونگی۔ اور جب انہیں معلوم ہوگا کہ بلا سافو کے اسکی زندگی محال ہے اور اسکی
فرقت میں وہ دن رات افسردہ خاطر رہتا ہے تو اگر وہ کسی وحشی قوم سے بھی ہوتی تو بھی وہ فوراً
اُسے منظور کر لیتیں۔ کمبوجیہ پر اپنی ماں کا اس قدر اثر ہے کہ وہ کبھی ہرگز اُنکے خلاف کرنا
نہ چاہے گا۔ اور اپنے بھائی کو غیر کف میں شادی کی اجازت دیدیگا۔"

رھوڈوفس۔ (خوش ہو کر) "بس اب کون سی دقت ہے۔"

کریسس "مجھے شادی کا اندیشہ نہیں۔ مگر اسکے بعد کی فکر ہے جو تردد میں ڈالتی ہے۔"

رھوڈوفس "آپ کو ڈر ہے کہ بردیہ۔۔۔۔۔۔"

کریسس "نہیں مجھے اسکی ذات سے کسی قسم کا خوف نہیں۔ وہ نہایت سچا اور پاک
دل لڑکا ہے۔ اور اپنے قول کا ایسا پکا ہے کہ ایک مرتبہ کسی سے محبت ہوگئی تو ہمیشہ
اُسے نباہے گا اور کبھی بیوفائی نہ کریگا۔"

رھوڈوفس "تو پھر"

کریسس "مجھے محلات شاہی یا حرم کی زندگی پسند نہیں۔ وہاں بکثرت ایسی عورتیں
رہتی ہیں جن کا وقت عموماً کاہلی و بیکاری میں گذرتا ہے اور جن کا مشغلہ سوائے دوسروں کی
غیبت یا انہیں نقصان پہنچانے کے اور کچھ نہیں۔ یہ غریب لڑکی وہاں پُہنچے گی تو اُسے
اتنے بڑے مرتبہ پر دیکھتے ہی چاروں طرف سے رشک و حسد کی آگ بھڑک اُٹھے گی۔

طرح طرح کی سازشیں ہونگی حتیٰ کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اُسکی زندگی تلخ ہوجائیگی"
رھوڈوفس "توبہ! ایرانی عورتیں ایسی خراب ہوتی ہیں"
کریسس "میں انہیں بُرا نہیں کہتا۔ یہ عورت کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ رقابت کا جوش اس میں عموماً زیادہ ہوتا ہے۔ خصوصاً وہ یہ نہیں دیکھ سکتی کہ کوئی مرد جو اس کا منظور نظر ہو یا اسکی لڑکی کے لئے اچھا بر ہو کسی دوسری عورت کے قابو میں چلا جائے۔ حرم کی چہار دیواریوں نے اسکی دنیا محدود اور اسکے خیالات تنگ کر دیئے ہیں اور رشک وحسد نفرت کی حد تک پہنچکر ضرور خواہش انتقام پیدا کرتا ہے۔ سافو جتنی حسین ہوگی اتنی ہی زیادہ دوسروں کے دلوں میں اسکی طرف سے خصومت وعناد کی آگ برانگیختہ ہوگی۔ اور فرض بھی کر لیا جائے کہ بردیہ کے برتاؤ میں کبھی فرق نہ آیا اور اس نے کوئی دوسری شادی بھی نہ کی۔ تاہم لڑکی کی زندگی ایسے خطرات میں گذرے گی کہ سچ تو یہ ہے کہ اس نسبت کے متعلق بجائے مبارکباد دینے کے میں اظہار افسوس کروں تو بیجا نہ ہوگا"
رھوڈوفس۔ "میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں تو کہتی ہوں کہ بجائے اسکے کہ شہزادی بن کر کوئی محلوں میں رہے۔ بظاہر عیش وعشرت کرے مگر درحقیقت وہاں کی روحانی تکالیف میں پڑ جائے۔ بدرجہا بہتر ہے کہ ایک معمولی غریب کی بیوی بنکر اطمینان وراحت کیساتھ اپنی زندگی بسر کر سکے"

یہ باتیں ابھی ہو ہی رہی تھیں کہ غلام نے شہزادہ بردیہ کی آمد کی اطلاع دی۔ رھوڈوفس نے فوراً اُسے اندر بلا لیا۔ شہزادہ کا چہرہ نہایت سنجیدہ تھا اس نے آتے ہی ایک مناسب ومعقول تمہید کے بعد اپنی خواہش کا اظہار کیا اور رھوڈوفس سے عاجزانہ کہا کہ اسکی درخواست کو رد نہ کرے بلکہ خود بھی ہمراہ ایران تشریف لے چلے اس سے بڑھکر اس کیلئے مسرت وفخر کی کوئی دوسری بات نہیں ہو سکتی۔ پھر اس نے نہایت

ادب سے کری سس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اپنا راز اس سے پوشیدہ رکھنے کی معافی چاہی اور باصرار کہا کہ اسکی مدد کرے اور خاتون سے سفارش کرکے اسکی آرزوئے دلی کو پورا کرادے۔ کریسس نوجوان شہزادے کے ان پرجوش کلمات کو سنکر مسکرا دیا اور کہنے لگا" میرے بردیہ! میں نے تمھیں کتنی بار سمجھایا تھا کہ خبردار عشق و محبت کے پھندوں میں نہ پڑنا۔ آخر تم نے نہ مانا۔ اور ایک ایسی آگ میں کود پڑے جو بہت تکلیف دہ ہے"

بردیہ " لیکن اسکے شعلے نہایت روشن و منور ہیں"

کری سس " وہ رنج و غم و درد دکھ پہنچاتی ہے"

بردیہ " مگر اس درد میں ایک عجیب مزا ہے"

کری سس " وہ دماغ کو پریشان و منتشر کرتی ہے"

بردیہ " مگر دل کو تقویت پہنچا دیتی ہے اور روح کو صیقل کرتی ہے"

رھوڈوفس (مسکراکر اور کری سس سے مخاطب ہوکر" ذرا دیکھنا! اس لڑکے کی منطق و خوش بیانی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایراس نے اپنی تعلیم و تلقین دیکر ابھی سے ایسا لسان بنا دیا کہ یونان کے تمام مقررین سے بازی لیگیا ہے۔

کری سس " تاہم میں عشاق کو بدترین شاگردوں میں شمار کرتا ہوں۔ ان سے کوئی کتنا ہی سمجھا کر کہے کہ تمہارا جذبہ فضول ہے۔ وہ ایک زہر ہے وہ آگ ہے۔ خبط ہی بلکہ موت سے بھی زیادہ صعوبت انگیز ہے۔ پھر بھی وہ نہیں سنتے اور اپنی ہی کہے جاتے ہیں اور ایک امید موہوم ہی سہی مگر اپنی ضد سے باز نہیں آتے"

یہ باتیں ابھی ہو ہی رہی تھیں کہ کمرہ کا دروازہ آہستہ سے کھلا۔ اور پریجمال سافو یکایک سامنے آکر کھڑی ہوگئی وہ ایک نہایت خوشنما سفید پوشاک پہنے تھی جسکی آستینیں کشادہ تھیں اور کناروں پر بیل بوٹوں دار اودے رنگ کی گوٹ لگی تھی۔ اس کی

نازک کمر میں ایک زریں پٹی بندھی تھی۔ سر کے بالوں میں تازہ گلاب کے پھول گندھے تھے اور سینہ پر ہیرے کا وہ خوبصورت ستارہ جسے اُسکے عاشق نے تحفتًا دیا تھا چمک رہا تھا۔ اُس نے آتے ہی ایک شرمیلی ادا سے نہایت ادب کے ساتھ معمر مہمان کو سلام کیا۔ کری سس نے نظر اٹھائی تو اُسے معلوم ہوا کہ گویا آسمان سے کوئی حور یا پری اُتر کر سامنے کھڑی ہے۔ دیر تک وہ اُسکے خوبصورت و بھولے چہرے کو بغور دیکھتا رہا۔ ایک عجب کیفیت اُس پر طاری ہوئی۔ اُسے بھی اپنا گذشتہ زمانہ یاد آگیا۔ جوانی کی امنگیں از سر نو تازہ ہو گئیں۔ آخر اُس سے ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار لڑکی کی طرف بڑھکر اُسکی پیشانی کا بوسہ لیا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑکر بردیہ کے پاس لیگیا اور کہنے لگا:-

"اب چاہے تمام ہخامنش ہمارے خلاف سازش کریں مجھے کچھ پرواہ نہیں خوش نصیب شاہزادے! اس حوروش کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے۔ یہ تیری ہی بیوی بننے کے قابل ہے۔ رھوڈوفس تمہیں مبارک ہو"

رھوڈوفس کی آنکھوں سے مارے خوشی کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا "آپ نے تو اس طرح فیصلہ کر دیا کہ گویا مجھے اب کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں رہی"

بردیہ اور سافو۔ رھوڈوفس کے دائیں بائیں کھڑے تھے اور اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اس لجاجت و عاجزی کے ساتھ چہرے کو تک رہے تھے کہ آخر اُس سے بھی نہ رہا گیا اور دونوں کو بڑے جوش محبت سے اپنے سینہ سے لپٹا کر کہنے لگی:-

"میری دل سے دعا ہے کہ زمیئس، اپالو، اور ایراس جس نے تم دونوں کو باہم ملایا ہے ہمیشہ تمہارے مددگار و نگہبان رہیں۔ میرے خیالی تصور میں تم دونوں دو خوبصورت پھول نظر آتے ہو جو ایک ہی شاخ پر کھلے ہوئے ابھی بہار زندگانی کا لطف اٹھا رہے ہو۔ گرم و سرد اور خزاں سے ناآشنا ہو۔ معلوم نہیں کہ آیندہ

تمہاری قسمت میں کیا لکھا ہے ..... میری سافو تجھے خوش و خرم دیکھ کر میں بہت بہت خوش ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ جب دوسری دنیا میں تیرے والدین کو یہ خبر پہنچے تو انکی روح بھی مسرور و شاداں ہو۔"
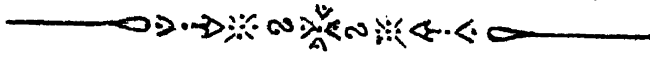
تین دن بعد عوام کا ایک جم غفیر سیئیز کی بندرگاہ پر نظر آیا۔ تمام رعایا و پرجا۔ دختر فرعون کو رخصت اور اُسے خیر باد کہنے آئی تھی جس سے ظاہر تھا کہ باوجود پرومہتوں کی اثر کے انکے دلوں میں اب بھی خاندان شاہی کی طرف سے حد درجہ خلوص و محبت باقی ہے۔ اماسس اور لیڈس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ انہوں نے بڑی محبت سے نیتتیس کو اپنے سینہ سے لگا کر الوداع کیا۔ اور تاشو بھی اپنی بہن سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگی۔ بعد ازاں چند مذہبی رسومات ادا کی گئیں۔ اور مسافر کشتیوں پر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ پھر انکے بادبان کھول دیئے گئے اور وہ روانہ ہو گئیں۔ یہ وقت ایسا تھا کہ شاید ہی کسی کی آنکھیں پُرنم نہ ہوں مگر سنگدل پروہتوں پر کچھ اثر نہ تھا۔ وہ اپنی شکلیں سنجیدہ بنائے کھڑے تھے۔ اور اجنبیوں کے چلے جانے پر بہت خوش تھے۔ تاشو مسافروں کی جانب اپنا رومال ہلا ہلا کر خیر باد کہہ رہی تھی۔ اس کے دل کو کسی حالت قرار نہ تھا۔ اول تو اپنی عمر بھر کی ساتھی بہن چھوٹ رہی تھی۔ دوسرے وہ نوجوان ایرانی، جس پر وہ جان و دل سے عاشق و شیدا تھی جدا ہو رہا تھا۔ بڑی دیر تک اس غریب شاہزادی کے آنسوؤں کی جھڑی بند نہ ہوئی۔ اماسس نے سب کے سامنے اسے سینہ سے لگا کر بہت کچھ دلاسہ و تسکین دی۔ پھر اُس نے اپنے پوتے نکو کو دونوں ہاتھوں میں لیکر اوپر اُٹھایا جسے دیکھتے ہی لوگوں نے ایک بہت بڑا نعرہ خوشی کا بلند کیا اور بادشاہ کو مبارکباد دینے لگے۔ شہزادہ ولیعہد یعنی سامتیک اپنے باپ کے قریب ہی منہ بنائے خاموش کھڑا تھا۔ اتنے میں مہا پروہت نیتیفوتپ اس کی طرف بڑھا

اور ہاتھ پکڑ کر فرعون کے پاس لے گیا اور دونوں کو ملا کر خاندان شاہی کے لئے دست بدعا ہوا۔ یہ دیکھتے ہی تمام مصری اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے زمین پر سجدے میں گر پڑے اماسس کو بھی سب کے سامنے اپنے لڑکے سے بغلگیر ہونا پڑا مگر مہاپروہت سے اس نے دبی زبان میں یہ الفاظ کہے " اپنے ملک اپنی قوم اور اپنے خاندان کی عزت کی خاطر مجھے سب کچھ منظور ہے اور شہزادہ کا قصور معاف کرتا ہوں "

مہاپجاری :- " آپ کو نیتجاری کا خط مل گیا "

فرعون :- " ہاں ! اور فینس کے تعاقب کے لئے احکام بھی صادر ہو گئے "

مہاپجاری :- " اور اب مصر کے تاج و تخت کی اصلی وارث۔ شاہ ہوفرا کی دختر بھی بسلامت اس ملک سے روانہ ہو گئی "

فرعون :- " ممفس میں اب کوئی یونانی مندر تعمیر نہ ہو گا "

مہاپجاری :- (ہاتھ اٹھا کر) " آئسس ہم سب کو خوشی و امن و امان بخشے اور مصر کی شان و شوکت کو ابدالآباد تک قائم و دائم رکھے "

نوکراتیس کے یونانیوں نے اپنے مہربان و سرپرست بادشاہ کی لڑکی کے اعزاز میں ایک بہت بڑی رخصتی دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ چنانچہ جیوں ہی بندرگاہ میں اس کی کشتی پہنچی بکثرت جانور یونانی دیوتاؤں پر قربان کئے گئے۔ لوگوں نے گیت اور بھجن گانا شروع کئے اور بہت سی خوبصورت دوشیزہ لڑکیاں لباس فاخرہ سے آراستہ ایک تحفہ نذر کرنے لائیں۔ یہ ایک چھوٹا سا طلائی حلقہ تھا۔ جس کے چاروں طرف بنفشہ کے خوشبودار پھول لگے ہوئے تھے اور شادی کے موقعہ پر دلہن کے سر پر رکھا جاتا تھا۔ اسے پیش کرنے کی خدمت اسی لڑکی کے سپرد کی گئی جو سب سے زیادہ حسین تھی۔ یہ رھوڈوفس کی نواسی پری جمال سافو تھی جو اسے ہاتھ میں لئے ہوئے نہایت

ادب سے شہزادی کے سامنے آئی۔ نتنتیس نے نہایت شکرگذاری کے ساتھ اُسے قبول کیا اور لڑکی کی پیشانی پر بوسہ دیکر۔ پھر تمام مجمع کو رخصت کیا۔ اور اپنی کشتی پر جو قریب ہی لگی تھی جاکر سوار ہوگئی۔ اب ملاحوں نے اپنی اپنی ڈانڈیں ہاتھ میں لیکر ہم آواز گانا شروع کیا۔ کشتیاں روانہ ہوگئیں۔ پچھوا ہوا کے جھونکوں نے اُن کے بادبانوں کو پھیلا دیا۔ اور کنارے سے ہزاروں لوگوں کی آوازیں جو رخصتی گیت گارہے تھے گونج اٹھیں۔ شاہزادہ بردیہ شاہی کشتی کے بالائی تختہ پر کھڑا ہوا اب آخری بار اپنی معشوقہ کو الوداع کہہ رہا تھا۔ سافو دم بخود تھی اور دل ہی دل میں افرودیتی سے جو مسافروں کی نگہبان خیال کی جاتی تھی دعائیں مانگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں مگر اپنے عاشق کی تسکین کے لئے مسکرا رہی تھی۔ اس کا دل بیتاب تھا۔ مگر آئیندہ ملنے کی امید اُسے تھامے ہوئی تھی۔ بوڑھی ملیتہ لڑکی کے سر پر ایک چھتری لگائے پیچھے کھڑی تھی۔ اور زار و قطار رو رہی تھی۔ اتنے میں اتفاقاً سافو کے ہار سے چند پتیاں ٹوٹ کر نیچے گر پڑیں جسے دیکھتے ہی بڑھیا کی حالت بالکل بدل گئی۔ اسکی باچھیں کھل گئیں اور جلدی سے اپنے آنسو پونچھکر سافو کے کان میں کہنے لگی :-

"لو مبارک ہو۔ پیاری بچی یہ بڑا اچھا شگون ہے۔ جن لڑکیوں کے ہار سے پتیاں گرتی ہیں اُن کی مراد جلد برآتی ہے اور انکا چاہنے والا بخیر و عافیت واپس آتا ہے"

باب بارھواں

بابل[۵] میں آمد آمد

سات ہفتے اس واقعہ کو گذر گئے تھے کہ اُس بڑی شاہراہ پر جو مغرب سے ہوتی ہوئی کلدانیہ کے مشہور پایہ تخت کو جاتی ہے بکثرت رتھیں اور بیشمار پیادوں و سپاہیوں کی

---

[۵] بابل جسکے آثار قدیمہ بمقام ہلہ نزد بغداد ابھی تک موجود ہیں۔ قدیم دنیا کا ایک بہت بڑا شہر تھا اور سلطنت کلدانیہ کا دارالخلافت تھا۔ اسکی لمبائی پندرہ میل تھی۔ اسکی شکل مربع تھی اور بیچوں بیچ سے دریائے فرات بہتا ہوا نکلتا تھا۔ اسکی شہر پناہ ۳۵۰ فٹ اونچی اور ۸۷ فٹ چوڑی نہایت درجہ مضبوط اور ناقابل تسخیر خیال کیجاتی تھی۔ اس میں ایک سو برنجی دروازہ تھے۔ اور اندر متعدد نہایت عالیشان محلات۔ مندر۔ باغ و شکارگاہیں تھیں۔ دریا پر پتھر کا ایک خوبصورت پل تھا جسے بخت نصر نے بنوایا تھا۔ اسی بادشاہ کا ایک قلعہ اور ایک عالیشان محل بھی تھا جسکے سمت جنوب میں وہ وسیع ہال یا دیوان واقع تھا جہاں بلشہ زار نے ایک غیبی ہاتھ کو دیوار پر اپنی قسمت کا فیصلہ لکھتے ہوئے دیکھا تھا۔ (یہ واقعہ کتاب دانیال میں موجود ہے۔) یہاں وہ معلق باغات بھی تھے۔ جو عجائبات عالم سے شمار کیے جاتے۔ نیز بل۔ مروک۔ اشتر۔ اور ننمخ کے مندر بھی تھے۔ سب سے زیادہ عالیشان معبد بل تھا۔ جہاں سے ایک بڑی چوڑی سنگین سڑک محل شاہی تک جاتی تھی اور خاص موقعوں پر اس پر دیوتا کا ایک بہت بڑا جلوس نکلا کرتا تھا۔ جو ایک قابل دید نظارہ تھا۔ یہاں وہ عظیم الشان منارہ بھی تھا جس کا ذکر مقدس کتابوں میں آیا ہے اور جسکے متعلق خیال ہے کہ ایک مندر کا حصہ تھا۔ بابل کی تاریخ نہایت دلچسپ اور پرازانقلابات ہے۔ صدیوں تک اشور اسکا زیر فرمان رہا۔ مگر ۹ صدی ق م۔ آزاد ہوگیا۔ اور ۷۰۲ ق م میں اسے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ ۶۰۶ ق م جب میدیا نے اشور کو تباہ کیا تو بابل کا دوسرا دور شروع ہوا اور بخت نصر کی حکومت ہوئی جس نے

قطاریں نظر آئیں۔ یہ وہی شاہی قافلہ تھا جو مصر سے روانہ ہوا تھا اور اب منزل مقصود کے قریب تھا کیونکہ بابل کے عالی شان مندر و عمارات دور سے نظر آرہے تھے۔

مصری شہزادی نیتیس ایک چار پہیوں والے مرصع و زریں رتھ پر جسے ہر مانکسا[۵۱] کہتے تھے جلوہ گر تھی۔ یہ گاڑی نہایت خوشنما و آراستہ تھی۔ اسکی بلند چھت لکڑی کے منقش ستونوں پر استادہ تھی۔ اسکے اندر کمخواب کے گدے بچھے ہوئے تھے اور کھڑکیوں پر زربفتی پردے پڑے تھے۔ اس میں چار مضبوط گھوڑے جتے تھے جنہیں کوچبان نہایت ہوشیاری کے ساتھ چلا رہے تھے۔ اور قریب ہی جلو میں لیدیہ کا سابق فرمانروا اور اس کا لڑکا اپنے گھوڑوں پر سوار آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔ انکے آگے آگے ایرانی سواروں کا ایک رسالہ اپنی زرق برق وردی میں نظر آرہا تھا۔ اور پیچھے باربرداری کی پچاس گاڑیاں

اس شہر کو بہت زینت اور رونق بخشی۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ نابونادیوس تھا جسے آثار قدیمہ کے جمع کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ اس نے شہر میں ایک میوزیم بنا رکھا تھا۔ پروہت اس سے ناراض تھے اور سلطنت کا انتظام زیادہ تر اسکے جنرل و ولیعہد بلشہ زار کے ہاتھ میں تھا۔ جب کورش نے بابل پر حملہ کیا تو اُسے ایک عرصہ تک اس شہر کا محاصرہ کرنا پڑا۔ اس کی شہر پناہ اس قدر مضبوط تھی کہ محصورین اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھتے تھے اور دیوار پر کھڑے ہو کر ایرانیوں پر پھبتیاں اُڑاتے تھے۔ بالآخر کورش نے یہ تدبیر کی کہ اپنی فوج پیچھے ہٹا کر بہت سی نہریں کھودنا شروع کیں۔ جنکی وجہ سے دریائے فرات کا جو شہر کے اندر سے جاتا تھا رُخ بدل گیا اور بوقت شب جب اہل بابل اپنی عید منا رہے تھے اور بالکل غافل تھے۔ مع اپنی فوج کے غیر محفوظ اور پایاب دریا کے پھاٹک سے اندر داخل ہو گیا۔ بلشہ زار رقص و سرود کی محفل کے لطف اُٹھا رہا تھا۔ یکایک تمام سین بدل گیا اور درفش کیانی بابل پر لہرانے لگا۔ کورش نے مفتوحین کے ساتھ عمدہ سلوک کیا اور حضرت دانیال پیغمبر جو وہاں موجود تھے نہایت عزت کے ساتھ بادشاہ انسے پیش آیا اور تمام مظلوم بخت نصر کی قیدی یہودیوں کو آزاد کر کے یروشلم کو پھر آباد کیا۔ (ونڈرس پاسٹ۔ سائکس۔ ایران نامہ)

۵۱ بقول زنوفن یہ گاڑیاں اُس زمانہ میں صرف ایشیا میں رائج تھیں۔ (پروفیسر ایسیم)

چھ سو ٹٹو اور باقی ماندہ لوگ تھے
جس سڑک سے یہ قافلہ گذر رہا تھا وہ دریائے فرات کے کنارے واقع تھی اور اسکے چاروں طرف ایسی زرخیزی و خوش حالی نظر آتی تھی جسکی مثال دنیا میں نہ مل سکے گی۔ گیہوں۔ جو و کنجد وغیرہ کے کھیت لہلہا رہے تھے۔ جنکے ایک حصہ سے تین سو گنہ پیداوار ہوتی تھی۔ نیز میوہ دار درختوں کے بکثرت نخلستان تھے۔ خصوصاً کھجوروں کے درخت سر تاسر لدے ہوئے تھے۔ اور ہر طرف چشموں۔ نہروں و نالیوں کی اس قدر کثرت تھی اور ایسے عجیب و غریب انجن۔ چکیاں۔ پہیئے و پمپ پانی کھینچ کھینچ کر ارد گرد کی خطہ زمین کو سیراب کر رہے تھے جنہیں دیکھ کر کوئی شبہ نہیں رہتا تھا کہ فن زراعت و آب رسانی کو یہاں کے باشندوں نے کمال پر پہنچا دیا ہے۔
یہ زمانہ موسم سرما کا تھا۔ اس وقت آسمان کا مطلع صاف تھا مگر آفتاب کی حدت ناگوار طبع نہ تھی۔ عظیم الشان دریائے فرات پر بکثرت کشتیاں و بجرے چل رہے تھے جنکے ذریعہ آرمینیا کے پہاڑی ممالک کی پیداوار عراق کے میدانوں میں آتی تھی اور یونانی تجارت کا مال بابل کے بازاروں میں پہنچتا تھا۔ لب دریا بکثرت گاؤں بسے ہوئے تھے۔ جنکی آبادی رفتہ رفتہ گنجان معلوم ہونے لگی جس سے ظاہر ہوا کہ شہر کے مضافات قریب ہیں اور ایک اعلیٰ درجہ کی مہذب و منتظم مملکت کا پایہ تخت کچھ دور نہیں ہے۔
شہزادی کی گاڑی اور تمام خدم و حشم ایک وسیع عمارت کے سامنے جسکی دیواریں اینٹوں کی تھیں اور جس سے ملحق ایک پائیں باغ تھا پہنچکر ٹھیریں۔ خادموں نے بڑھکر کری سس کا گھوڑا پکڑا اور سب سے پہلے وہی اترکر شہزادی کے پاس گیا اور کہنے لگا "یہ ہماری آخری منزل ہے۔ سامنے دور ایک بلند منار نظر آرہا ہے جو بل دیوتا کی مشہور و معروف لاٹھ ہے اور اہرام مصری کی طرح عجائبات دنیا میں شمار کی جاتی ہے۔ غالباً غروب آفتاب سے پہلے ہم لوگ بابل کے برجی پھاٹکوں تک پہنچ جائینگے۔ اچھا اب گاڑی سے اترو

اور مکان میں قدم رکھ کر تھوڑی دیر کے لئے آرام کرو۔ میں تمہاری خواصوں کو ابھی بھیجتا ہوں۔ آج تمہیں ایرانی بیگمات کا لباس پہننا پڑیگا۔ تاکہ شہنشاہ کی نظروں میں مقبول اور باعث عزت ہو۔ بس اب چند گھنٹوں میں وہ آنے ہی والے ہیں۔ (شہزادی کی طرف بغور دیکھ کر) ہیں! تمہارا چہرہ کیوں اس قدر زرد و اترا ہوا ہے۔ شاید سفر کی تکان ہے۔ مشاطہ سے تاکیداً کہدینا کہ رخساروں پر غازہ اچھی طرح ملے۔ یاد رکھو کہ پہلی مرتبہ کی ملاقات کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ خاصکر تمہارے شوہر کی طبیعت ایسی ہے کہ ان پر یہ بات بدرجہ اولی صادق آتی ہے اگر جیسا مجھے یقین ہے تم کو دیکھتے ہی وہ فریفتہ ہوگیا تو ہمیشہ کے لئے غلام بن جائیگا لیکن بخلاف اسکے تم ناپسند ہوئیں تو وہ ایسی روکھی و سخت طبیعت کا ہے کہ پھر تمہیں نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔ میری عزیز بچی۔ عنقریب تیری زندگی کا ایک بہت بڑا واقعہ ظہور میں آنیوالا ہے۔ خبردار گھبرانہ جانا۔ ہمت بلند رکھنا اور میری نصیحتوں پر پورے طور سے عمل کرنا۔"

نتیتس - (اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ کر) "کریسس میں آپ کو اپنا سب سے بڑا نگہبان و پشت پناہ خیال کرتی ہوں اور اپنے باپ کی برابر سمجھتی ہوں آپ کی شفقت و محبت کا کہاں تک شکریہ ادا کروں۔ دیکھئے کسی حالت میں میرا ساتھ نہ چھوڑیئے گا۔ معلوم نہیں ابھی میری زندگی میں کیا کیا مصائب و غم لکھے ہیں لیکن جس طرح آپ کی مدد سے اس دشوار گذار سفر کے مرحلے جھیل گئی۔ اسی طرح آیندہ بھی آپ کی نظر عنایت رہی تو میری تمام مشکلیں آسان ہوجائنگی میرا بال بال آپ کے احسانات میں بندھا ہوا ہے۔ اور ہزار ہا زبانیں بھی لاؤں تب بھی آپ کا شکریہ ادا نہیں کرسکتی۔"

یہ کہہ کر پری جمال شہزادی نے بوڑھی کریسس کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور بیٹیوں کی طرح اُسے پیار کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد جب سب انتظام ٹھیک ہوگیا تو دختر فرعون اپنی گاڑی سے اُتر کر فرودگاہ میں داخل ہوئی۔ صحن مکان تک پہنچی تھی کہ سامنے سے ایک شخص آتا ہوا نظر پڑا جس کے پیچھے

بہت سی خواصیں و کنیزیں متعدد اشیا اپنے ہاتھوں میں لئے تھیں یہ بوگس[۵] حرم شاہی کے خواجہ سراؤں[۵] کا سردار تھا اور دربار میں بہت بڑا مرتبہ و اعزاز رکھتا تھا۔ اس کا قد لانبا اور جسم فربہ تھا۔ اس کا چہرہ جس پر ہر وقت ایک عجیب تمسخرانہ و تصنع آمیز مسکراہٹ رہتی تھی ڈاڑھی مونچھ سے صاف تھا۔ اس کا لباس زنانہ تھا کانوں میں بالیاں پہنے تھا۔ دست و بازو گلو بھی عورتوں کی طرح بیش بہا جواہرات سے مزین تھے۔ اسکے لمبے بال ایک رنگین فیتہ سے سر پہ بندھے تھے اور ان سے ایک قسم کی تیز خوشبو آرہی تھی۔ بوگس نے شہزادی کی

۵[۱] بگاوس۔ بگاوش یا بوگس (فارسی جدید میں باغ یا بغ ملفظ ہو سکتا ہے) اس نام کے کئی خواجہ سرائے شاہی ایران میں گذرے ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور اردشیر سوم کے عہد میں تھا۔ یہ شخص نہایت قابل تھا۔ تمام ملک کا انتظام اس کے ہاتھ میں تھا۔ جب بادشاہ اس کے خلاف ہو گیا تو اس نے زہر دیکر اُسے مار ڈالا اور نہایت بیرحمی کے ساتھ اس کے تمام لڑکوں کو بھی سوائے ایک کے قتل کر دیا۔ پھر اسے تخت پر بیٹھا کر خود حکومت کرنے لگا لیکن ارشاک نے جب سلطنت اپنے ہاتھ میں لینا چاہی تو اُسے بھی مع اُسکے لڑکوں کے مار کر خاندان کا خاتمہ کر دیا اور خدا منش ملقب بہ دارلوش سوم کو تخت پر بٹھایا۔ کچھ عرصہ کے بعد اسے بھی زہر کا جام دینا چاہتا تھا کہ بادشاہ نے اسی کو پینے پر مجبور کیا اور اس طرح بگاوش اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ (ایران نامہ)

۵[۲] محلات شاہی میں خواجہ سرا مقرر کئے جاتے تھے۔ ان کی ایک کثیر تعداد بطور خراج ہر سال آتی تھی۔ چنانچہ بابل کو سالانہ پانچ سو نوعمر لڑکے پیش کرنا پڑتے تھے۔ مفتوحہ اقوام سے بھی انکی بھرتی ہوتی تھی۔ مثلاً جب دارا نے یونانی شہروں کو فتح کیا تو بہت سے نوجوان قیدیوں کو خواجہ سرا بنا ڈالا۔ ہخامنش کے زمانہ میں انکا بہت بڑا اقتدار تھا۔ انکا افسر اعلیٰ تمام حرم کا نگراں تھا۔ اور بادشاہ پر بہت بڑا اثر رکھتا تھا۔ بعض اوقات یہ خواجہ سرا بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کئے جاتے تھے۔ ساسانیوں کے زمانہ میں بھی انکا وجود تھا۔ مگر ایسے بااثر نہ تھے۔ مسلمان حکمرانوں نے بھی انہیں کی تقلید کی۔

(رالنس)

سامنے آتے ہی بڑے ادب سے سلام کیا اور اپنے بھدے ہاتھ کو جس کی انگلیاں چمکدار انگوٹھیوں سے لدی ہوئی تھیں۔ منہ کے سامنے لیجا کر ایک عجیب انداز سے مٹک کر بولا "اے ملکہ والا تبار! یہ ناچیز آپ کی خدمت میں فرمانروائے عالم شہنشاہ کمبوجیہ کی طرف سے تہنیت و خوش آمدید کا پیغام لایا ہے اور ایک لباس فاخرہ بھی پیش کرتا ہے جسے بموجب حکم سلطانی اب حضور زیب تن فرما کر جلوہ افروز ہوں۔ یہ تمام خواصیں جو میرے پیچھے کھڑی حضور ہی کی خدمت کے لئے بھیجی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض نہایت ہوشیار مشاطہ ہیں۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کی تبدیل ہیئت کر کے ایک مصری زمرد سے ایرانی الماس بنا دیں گی" یہ کہہ کر وہ پیچھے ہٹ گیا اور اپنی انگلی سے ایک دوسرے شخص کی طرف اشارہ کیا جو اس سرائے کا حاکم تھا۔ اس نے نہایت ادب سے شہزادی کے سامنے انواع و اقسام کے فواکہات نذر کئے۔ نیتیش نے چند مناسب لفظوں میں دونوں کا شکریہ ادا کیا اور پھر اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ جہاں بادل ناخواستہ اُسے اپنے وطن کے کپڑوں کو خیرباد کہنا پڑا۔ اور اجنبی ہاتھوں سے ایک نئے ملک کا لباس پہننا پڑا جو نہایت خوشنما و بیش بہا تھا مگر اس کے مذاق و طبیعت کے مطابق نہ تھا۔

اس وقت باہر اہالیان قافلہ میں ایک عجیب ہل چل مچی ہوئی تھی۔ خورد و نوش کا سامان ہو رہا تھا۔ بکاول و باورچی جلدی جلدی اپنے اپنے کام میں مشغول تھے اور نوکر چاکر بھی بڑی پھرتی سے میزیں۔ کرسیاں و برتن وغیرہ گاڑیوں سے نکال رہے تھے۔ غرضکہ تھوڑی دیر بھی نہ گذری تھی کہ تمام سامان مہیا ہو گیا حتیٰ کہ گلدستے تک میزوں پر سج گئے اور تھکے ماندے مسافر کھانے پینے میں مصروف ہو گئے۔ سفارت ایران کا یہ تمام سفر اسی عیش و عشرت کے ساتھ کٹا تھا۔ باربرداری کے گھوڑوں و ٹٹوؤں پر جو اس قافلہ کے ہمراہ تھے ہر قسم کی آسائش کا سامان لدا ہوا تھا اور معمولی موم جامے یا بیش بہا زردوزی کے خیموں و ڈیروں سے لیکر چاندی کے پیر رکھنے کی تپائیاں تک موجود تھیں۔ نیز ہر قسم کے

ملازم واہل حرفہ ساتھ تھے۔ نان بائی۔ باورچی۔ کاسہ بردار۔ آب دار۔ روغن ساز۔ پھولوں کے ہار بنانے والے۔ اور حجام وغیرہ غرضکہ سب مع اپنے ساز و سامان کے ہمراہ تھے۔
یہ سفر بڑی دور و دراز مسافت کا تھا مگر مناسب و موزوں فاصلوں پر آرام دہ سرائیں وچوکیاں بنی ہوئی تھیں۔ جہاں کچھ دیر ٹھیر کر گھوڑے بدلے جاتے تھے اور مسافر باغوں یا سایہ دار درختوں کے سایہ میں بیٹھ کر گرمی و دھوپ سے پناہ لیتے تھے۔ نیز سردی کے زمانہ میں پہاڑی منزلوں پر بھی اسی طرح کے موزوں مکانات تھے۔ جہاں آتشدان وغیرہ ہر وقت گرم و روشن رہتے تھے۔ اور ٹھیرنے والوں کو ہر قسم کا آرام ملتا تھا۔ ان سراؤں و منزلوں کی سب سے پہلے جس بادشاہ نے بنیاد ڈالی وہ کورش اعظم تھا۔ اس نے اپنے[1] تمام ممالک محروسہ میں عمدہ سڑکیں بنوا کر سفر کی تکالیف کو بہت کچھ دور کر دیا! اور اسی کے زمانہ سے پیغام رسانی یا ڈاک کا بھی ایک عمدہ و باضابطہ انتظام قایم ہوا۔ ہرکارے تیز رفتار گھوڑوں پر بیٹھ کر اپنے خطوں کے جھولے کمر سے باندھے ہوئے سرپٹ روانہ ہوتے تھے اور منزل پر پہنچتے ہی دوسرے سواروں کو جو تازہ دم گھوڑوں پر تیار بیٹھے رہتے تھے حوالہ کر دیتے تھے۔ یہ بھی اسی طرح روانہ ہوتے تھے اور ایک چشم زدن میں ہی

[1] دارا اعظم کے زمانہ میں اسے اور بھی ترقی ہوئی۔ ملک میں جگہ جگہ شاہراہیں تھیں۔ قافلوں و مسافروں کی حفاظت آرام و آسائش کا انتظام تھا۔ سب سے مشہور وہ شاہراہ تھی جو شوس سے دیس تک جاتی تھی اور قریب ۱۷۰۰ میل لمبی تھی۔ اس پر ۱۱۰ چوکیاں و کارواں سرائے تھے جن پر ہر وقت پہرہ رہتا تھا۔ شاہی ڈاک کا ہرکارہ تیز رفتار گھوڑے پر سرپٹ روانہ ہوتا تھا اور منزل پر پہنچتے ہی ایک دوسرے ہرکارہ کو جو گھوڑے پر سوار [illegible] تھا خطوں کا تھیلا حوالہ کر دیتا۔ آخر الذکر بھی آناً فاناً ہی ہوا ہو جاتا۔ دن ہو یا رات۔ دھوپ ہو یا گرمی۔ لو چلتی ہو یا برف پڑ رہی ہو۔ مگر یہ قاصد برابر آندھی کی طرح سفر کرتے ہوئے تھوڑے عرصہ میں ڈاک کو ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے پر پہنچا دیتے تھے۔ ساسانیوں کے زمانہ میں بھی یہی قاعدہ تھا اور عربوں نے بھی اسی کی تقلید کی (پروفیسر رالنس)

مراسلے ہزاروں میل پہنچ جاتے تھے۔ ان پیغامبر ہرکاروں کو جنکی تیزی وشہسواری کی تمام دنیا
میں شہرت تھی انگریس کہتے تھے۔ غرضکہ ایرانی امراجن میں بوگس بھی جاکر شامل ہوگیا تھا
جب کھاپی کر فارغ ہوچکے تو روانگی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سب سرا سے کے باہر جمع ہوئے
اتنے میں اسکا دروازہ یکایک کھلا اور نتتیس شاہانہ لباس سے آراستہ پیراستہ بصد شان و
شوکت سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔ اسکے چہرہ پر ایک عجب رعب تھا۔ غرور حسن کی ایک دلفریب
ادا تھی۔ ساتھ ہی ایک اجنبی لباس پہن کر باہر آنے سے خجالت و شرم سے آنکھیں نیچی تھیں
اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ حاضرین کی جیوں ہی اس پر نظر پڑی احسنت و آفریں کا ایک
نعرہ انکی زبان سے نکلا اور بکمال ادب زمیں بوس ہوگئے۔ شہزادوں و امراو سفرانے اپنی
گردنیں جھکا دیں کیونکہ دختر فرعون ایرانی ملکہ کا لباس پہنتے ہی بالکل ہی بدل گئی تھی۔
اور بجائے اگلی سی سادگی و الہڑپن کے اسکے طرز و انداز میں ایک عجب شاہانہ تمکنت
و آن بان پیدا ہوگئی تھی جس نے اسکے شناساؤں کے دلوں کو نہایت مرعوب کر دیا تھا۔
یہ تعظیم و تکریم دیکھ کر بظاہر اُسے خوشی ہوئی۔ گردن کے اشارہ سے اس نے اپنے احباب
کا شکریہ ادا کیا۔ پھر خواجہ سرا سے مخاطب ہوکر ایک حاکمانہ لہجہ سے بولی "تم نے اپنا فرض
بہت اچھی طرح انجام دیا اور میں نے تمہارے لائے ہوئے تحائف و خواصوں کو بھی پسند
کیا۔ اب میں اپنے شوہر سے ملونگی تو تمہاری اس حسن خدمت کی تعریف کرونگی۔ مگر فی الحال
اپنی اظہار خوشنودی کی غرض سے تم کو یہ طلائی زنجیر انعام دیتی ہوں" بوگس نے زنجیر لیکر
نہایت ادب سے شہزادی کے ہاتھ کو بوسہ دیا لیکن دل ہی دل میں جل گیا۔ کیونکہ آج تک
بادشاہ کی کسی بیوی نے نہ تو اس لہجہ سے اُسے خطاب نہ اس غرور و تمکنت کے ساتھ برتاؤ
کیا تھا۔ اُسے اپنے عہدہ کا بڑا گھمنڈ تھا۔ کمبوجیہ کی تمام بیویاں ہمیشہ اسکی خوشامد و
اطاعت میں لگی رہتی تھیں اور حرم شاہی میں اس کا اثر و اقتدار ضرب المثل تھا۔ اس لئے
اسکی ناراضی بجا تھی مگر اس وقت وہ ضبط کرکے پیچھے ہٹ گیا اور پھر دوبارہ سلام کیا لیکن

شہزادی متوجہ نہ ہوئی اور کریسس سے مخاطب ہو کر دبی زبان میں بولی "پدرمن میں آپ کی شفقت و محبت کی اس قدر مشکور ہوں کہ کوئی چیز نہیں جسے دیکر اس کی تلافی کر سکوں۔ صرف آپ ہی کی بدولت مجھے امید ہے کہ میری زندگی اس ملک میں اگر بخوشی نہیں تو کم از کم آرام وچین سے تو بسر ہوگی" اسکے بعد بآواز بلند تاکہ سب لوگ سن سکیں بولی "کریسس یہ ایک انگشتری میں آپ کو بطور نشانی دیتی ہوں۔ اسے جب سے میں مصر سے روانہ ہوئی ہوں کبھی میں نے اپنے پاس سے جدا نہیں کیا۔ گو یہ قیمت میں کم ہے مگر اسکی قدر ومنزلت میری نگاہ میں بہت ہی زیادہ ہے۔ کیونکہ جب یونانیوں کے معزز و مشہور حکیم فیثاغورث ہمارے پروہتوں کے علوم و فنون حاصل کرتے مصر تشریف لائے تھے تو میری والدہ کو یہ انگوٹھی تحفتہً نذر کی تھی جنہوں نے رخصت ہوتے وقت اسے مجھے عنایت فرمایا۔ اس پر ایک خوشنما فیروزہ کا نگ جڑا ہے جس پر سات کا عدد منقوش ہے۔ یہ عدد تقسیم نہیں ہو سکتا اور اس سے مراد جسمانی وروحانی تندرستی ہے کیونکہ وہ بھی ناقابل تقسیم ہے یعنی ایک عضو بھی بیکار ہو جاتا ہے تو تمام جسم کو تکلیف ہوتی ہے اور خیالات فاسدہ کا ذرہ برابر اثر فوراً روح کو پریشان کر دیتا ہے۔ اس لئے جب کبھی اس عدد کو دیکھیئے گا تو مجھے یہ خیال کرکے یاد فرمائیگا کہ آپکی صحت و سلامتی کی ہمیشہ دعاگو ہوں اور اس لطف وکرم کی ملتجی ہوں جو آپ کی نیکی و پارسائی کا شیوہ ہونے کی وجہ سے سب سے بڑی روحانی صحت و تندرستی کی دلیل ہے (کریسس انگشتری کو لیکر شکریہ ادا کرتا ہے) نہیں آپ یہ الفاظ زبان پر لاکر مجھے خجل نہ کیجئے میں اگر آپکی تمام مُرانی دولت وحشمت بھی واپس کردوں تو بھی آپ کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتی (گیجیس سے مخاطب ہو کر) گیجیس میں تمہیں ہاتھی دانت کا ایک سرود دیتی ہوں جو تمہارے ہی وطن کی اعلیٰ درجہ کی صناعی کا نمونہ ہے۔ جب اسے بجانا تو دینے والیکو بھول نہ جانا۔ (زپیروس کی طرف رخ کرکے) مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں وفاداری و

رفاقت کا مادہ بہت ہے اسلئے تمہیں یہ زنجیر دیتی ہوں۔ کیونکہ ہم لوگ زنجیر کو اپنی پریم دیوی ہاتھر کا زیور خیال کرتے اور اتحاد و محبت کی نشانی سمجھتے ہیں۔ (دارا سے) آپ مصری نجوم و علوم کے دلدادہ ہیں۔ میری طرف سے یہ سونے کی انگوٹھی قبول کیجئے جس پر تمام راس منڈلوں کے چکر نہایت خوبی کے ساتھ کندہ ہیں۔ (بردیہ کی طرف متوجہ ہو کر) بردیہ تم میرے سب سے زیادہ چہیتے دیور ہو۔ تم کو میں ایک ایسی نشانی دینا چاہتی ہوں جو مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ نیلم کا ایک خوبصورت تعویذ ہے جسے اپنے پاس رکھو۔ میری چھوٹی بہن تاشو نے رخصتی کی آخری شب مجھے پیار کرکے اسے گلے میں پہنا دیا تھا اور کہا تھا کہ کشش و حُب کے لئے یہ اکسیر ہے۔ جو کوئی اسے پہنے گا وہ اپنے مطلوب سے ملکر مراد کو پہنچے گا۔ معلوم نہیں کہ میری بہن کے دل میں کیا خیال تھا کہ اسے دیتے وقت زار و قطار روتی جاتی تھی اور تمہارا نام لیتی تھی۔ اس لئے میں اس کی خواہش بجالانیکے لئے یہ نادر شے اب تمہیں کو حوالہ کرتی ہوں۔ تم سمجھنا کہ وہی تمہیں اپنے ہاتھوں سے دے رہی ہے۔ اور جب اسے دیکھنا تو سیئز کے اس پُرلطف زمانے کی یاد کو جو ہماری صحبت میں گذرا تھا تازہ کرلینا" شہزادی یہ تمام گفتگو یونانی زبان میں کر رہی تھی اب وہ خدام کی طرف جو دور ادب سے ہاتھ باندھے کھڑے تھے متوجہ ہوئی اور اپنی ٹوٹی پھوٹی فارسی میں کہنے لگی "تم سب سے میں بہت خوش ہوں اور ایک ہزار طلائی سٹاتر[1] انعام میں دیتی ہوں۔ (خواجہ سرا کی طرف دیکھ کر) بوگس میرا حکم ہے کہ یہ رقم ان سب کو دو دن سے پہلے تقسیم ہو جائے۔ (کریسس سے مخاطب ہو کر) میں اب اپنی گاڑی میں سوار ہونا چاہتی ہوں۔ آپ ہی مجھے لیچلئے" کریسس فوراً آگے بڑھا اور شہزادی کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی کی طرف لیچلا۔ راستہ میں نیتتس نے چپکے سے اسکے کان میں کہا "فرمایئے آپ

[1] بقول ہیرڈ یہ دنیا کا سب سے قدیم سکہ تھا۔ وزن دیمایش کے متعلق بعض محققین کا خیال ہے کہ اہل اشور نے بہت زمانہ پہلے انہیں رواج دیدیا تھا۔ (ایبر)

مجھ سے خوش ہوئے کہ نہیں۔ میں نے کوئی بات نامناسب تو نہیں کہی؟"

کرمی سس (بڑی بیٹی!) تو نے مجھے اس وقت نہایت ہی مسرور کیا اور سچ کہتا ہوں کہ مجھے اب یقین ہو گیا کہ مادرشاہ کے بعد تیرے ہی قدم سب کی گردن پر رہیں گے اور تیری ہی قدر و منزلت سب سے زیادہ ہو گی۔ اس وقت تیرا طرز گفتگو و انداز بیان نہایت پرشوکت و شاہانہ تھا۔ تجھے کمتر و ناچیز ذرائع سے بڑے بڑے مقصد پورا کرنیکا خوب ہی سلیقہ آتا ہے۔ یقین جان کہ ان تحائف کو جن کی قیمت کچھ زیادہ نہیں ہے۔ ایرانی امرا نہایت گرانبہا اور قابل فخر سمجھیں گے۔ تو نے ان لوگوں کو جنہیں صرف زر کثیر دوسروں کی طرف پھینکنا آتا ہے اور اسکی مقدار کو سب سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ ایک نہایت عمدہ سبق سکھا دیا کہ تحائف عطا کرنے کا سب سے بڑا منشا کیا ہے۔ یعنی ذاتی خوشنودی کا اظہار باہمی لطف وارتباط کو قایم رکھنا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ہرگز اسے نہ بھولیں گے (کچھ دیر خاموش رہکر اور لڑکی کی طرف بغور دیکھکر) چشم بد دور۔ تمہارا چہرہ اس وقت کیسا بحال و خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ آرام سے بیٹھی ہو یا ایک تکیہ اور نیچے رکھدوں؟ (چونک کر) یہ کیا ہے؟ ذرا شہر کی طرف دیکھنا کتنی بڑی آندھی اُٹھی ہے۔ اور کیسا بھاری گرد و غبار اس طرف اڑا چلا آرہا ہے۔ مجھے خیال ہے کہ یہ بادشاہ کی سواری ہے جو تمہیں لینے کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ بیٹی! اب ذرا سنبھل کے بیٹھ جا اور جب شوہر کی نگاہ تجھ پر پڑے تو خبردار رعب میں آکر گھبرا نہ جانا۔ ایسے بہت کم لوگ ہیں جو اسکے شعلہ انگیز نگاہوں کی تاب لا سکتے ہیں اگر تو نے بلا کسی خوف و جھجک مقابلہ کر لیا تو فتح ہے۔ یاد رکھ! تیری ہمت وجرأت کی آزمائش کا سب سے زیادہ نازک وقت آپہنچا۔ **افرودیت** اپنے رحم و کرم سے تیری حامی و مددگار ہو اور شوہر کی نظروں میں تیرے حسن و جمال کو دوبالا کر دے۔ (ساتھیوں سے مخاطب ہو کر) دوستو! گھوڑوں پر سوار ہو کر جلدی آگے بڑھو۔ شہنشاہ تشریف لا رہے ہیں۔ تیتیس کی اس وقت عجب حالت تھی۔ وہ اپنی زرنگار گاڑی میں دم بخود بیٹھی ہوئی

دل مضطرب کو دونوں ہاتھوں سے تھامے تھی۔ اب گرد و غبار اور قریب آگیا اور سورج کی کرنیں سواروں کے ہتھیاروں و نیزوں پر اس طرح چمکنے لگیں جس طرح ابر سیاہ میں بجلی کوند کر تڑپتی ہو۔ استنے میں دامن خاک چاک ہوا۔ جلوس کے ہراول نظر آئے مگر فوراً سڑک کے ایک موڑ پر پہنچکر گنجان جھاڑیوں کے پیچھے غائب ہو گئے۔ اب ایک لحظہ کے بعد وہ پھر نمودار ہوئے اور چشم زدن میں سواران خاصہ اپنے صبا رفتار گھوڑوں پر اتنے قریب آ گئے کہ صرف سو قدم کا فاصلہ رہ گیا۔ اور انکی صورتیں بخوبی نظر آنے لگیں اس جلوس میں جس طرف دیکھو پر تکلف لباس۔ ساز و سامان۔ طلائی زیورات و جواہرات آنکھوں کو خیرہ کئے دیتے تھے۔ سواروں کی تعداد سو سے کچھ زیادہ تھی۔ وہ اپنے سفید نسائی[1] نسل کے گھوڑوں پر بڑی شان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ان گھوڑوں کی لگاموں میں سونے کی گھنٹیاں بندھی تھیں انکی جھولیں زربفتی۔ کاٹھیاں مرصع اور رکابیں چاندی کی تھیں انکے ایال نہایت خوبی کے ساتھ سنوارے گئے تھے اور کانوں کے پاس ریشمی پھندنے لٹک رہے تھے۔ جب یہ سب نکل چکے تو انکے پیچھے ایک نہایت وجیہ و باوقار شخص نظر آیا جو بڑے دبدبہ و شان کے ساتھ ایک مشکی گھوڑے پر سوار تھا۔ یہ گھوڑا کیا تھا ایک سمند باد رفتار تھا۔ جو اپنے منہ سے پھین و جھاگ پھینکتا۔ کنوتیاں بدلتا۔ اچھلتا۔ کودتا۔ چمکتا۔ ایسا تند خو و وحشی معلوم ہوتا تھا کہ اس کا قابو میں لانا بھی اسی سوار کا کام تھا۔ جو اپنی رانوں سے دبائے ہوئے اُس پر اس طرح بیٹھا تھا کہ زبردست جانور بے بس ہو کر ہانپنے لگا تھا اور اس کا تمام جسم پسینہ سے شرابور تھر تھر کانپ رہا تھا۔

[1] نسائی یعنی میدیا موجودہ عراق عجم کے گھوڑے اپنی خوبصورتی۔ تیز رفتاری اور مضبوطی کے لحاظ سے تمام عالم میں مشہور تھے۔ یہ عموماً سمند بھورے یا سفید رنگ کے ہوتے تھے۔ آخر الذکر مقدس خیال کئے جاتے تھے۔ اور بادشاہوں کی قربانی کے لئے مخصوص تھے۔ آج کل بھی عراق کے گھوڑے مشہور ہیں اور سفید گھوڑا متبرک و افضل سمجھا جاتا ہے۔ (سائکس)

اس بے مثل سوار کا لباس نہایت پر تکلف تھا۔ ریشمی جامے یا عبا پر سرخ و سفید چارخانہ وار دھاریاں تھیں جن پر زردوزی کام سے شاہین و باز کی شکلیں بنی تھیں۔ شلوار نہایت خوشنما ارغوانی رنگ کی تھی۔ اور بوٹ زرد و ملائم چمڑے کے تھے۔ اسکی کمر میں ایک طلائی پٹی لگی تھی جس سے ایک چھوٹی سی خنجر نما تیغ جسکے قبضہ پر جواہرات جڑے تھے لٹک رہی تھی۔ اسکے سر پر تاج شاہی تھا جس کے چاروں طرف سفید و نیلگوں رنگ کا ایک سر بند

لہ کیانیوں کے حالات بالتحقیق معلوم نہیں مگر ہخامنش اپنی طرز معاشرت اور لباس وغیرہ میں بہت کچھ شاہان میدیا کے پیرو تھے۔ ڈاڑھی لمبی اور بال گھونگروالے رکھتے تھے۔ جلوس و دربار وغیرہ کے موقعوں پر ارغوانی رنگ کا ایک چغہ یا قبا جو نہایت قیمتی ریشمی کپڑے کا ہوتا تھا زیب تن کرتے تھے اسکی آستینیں فراخ تھیں۔ سینہ سے کمر تک چست تھا اور بعض اوقات اسکے دامن میں ایک طرف زردوزی کا خوبصورت کام بنا ہوتا تھا۔ وہ ٹخنوں تک نیچا ہوتا تھا۔ اسکے نیچے بھی ایک پیرہن پہنتے تھے جو گھٹنوں تک جاتا تھا۔ پائجامہ سرخ ریشمی کپڑے کا شلوار نما ہوتا تھا۔ جوتے زرد یا ارغوانی رنگ کے اونچے ہوتے تھے اور اوپر تسموں یا بٹن سے بند ہے رہتے تھے۔ زیورات بھی لوازمہ لباس تھے۔ کانوں میں گوشوارے۔ گلے میں زنجیر۔ ہاتھوں میں کنگن یا بازوبند جو نہایت بیش بہا ہوتے تھے پہنتے تھے۔ مگر سب سے زیادہ مابہ الامتیاز بادشاہ کی کلاہ تھی جسے دیکھتے ہی دور سے وہ پہچان لیا جاتا تھا اسے یونانی زبان میں کتارش یا کدرش اور ایرانی فارسی میں کشترم کہتے تھے یہ گرانبہا جواہرات سے آراستہ ایک اونچی سی مدور یا کشتی نما ٹوپی تھی جسکا بالائی حصہ چپٹا اور چوڑا ہوکر زیادہ پھیلا ہوا معلوم ہوتا تھا اسکی دیوار پر چنٹیں نہ تھیں اور اسکے نیچے ایک نیلے و سفید رنگ کا فیتہ لگا رہتا تھا۔ یہ رنگ صرف بادشاہ کے لئے مخصوص تھے۔ سیر و شکار کے موقعوں پر بھی ایک میدی قبا زیب تن ہوتی تھی مگر آسانی کی غرض سے اسے کمر سے کھونس کر اگلے دامونکو پیچھے کر دیتے تھے اور دست و بازو و گھٹنوں سے نیچے ٹانگیں برہنہ رہتی تھیں۔ سر پر چار تاج کی ایک چوڑی سی پٹی بندھی رہتی تھی۔ ساسانیوں کے زمانہ میں اس لباس میں بہت ترمیم ہوئی جسکا ذکر یہاں بے محل ہوگا

دیکھو پروفیسر راؤلنسن وغیرہ

جو خاندان ہنجامنش کا نشان تھا بندھا ہوا تھا۔ اسکے سر کے بال لمبے و سیاہ تھے اور ڈاڑھی بھی بہت گھنی تھی جس سے چہرہ کا رعب و شان اور بھی زیادہ ہو گیا تھا۔ اسکی آنکھیں بالوں سے بھی زیادہ سیاہ و چمکدار تھیں اور اُن سے بجائے نرمی و رحمدلی کے درشتی اور سنگدلی ٹپکتی تھی۔ اسکی ناک سوئے کی سی تھی۔ ہونٹ پتلے پتلے تھے۔ اور بلند پیشانی پر پرانے زخم کا ایک گہرا سا نشان تھا۔ اسکی تمام طرز و انداز سے ایک غیر معمولی قدرت۔ تکبر و جلال برستا تھا۔ ننتیش نے جیوں ہی اس شخص کو دیکھا مبہوت سی ہو گئی اور کسی طرح اپنی نگاہ اُسکی چہرہ پر سے نہ ہٹا سکی۔ آج تک اس نے اس دبدبہ و شان کا نہ کوئی آدمی دیکھا تھا نہ سُنا تھا۔ اُسے محسوس ہوا کہ مردانگی و شجاعت کا تمام تر جوہر اسی کے مغرور چہرہ میں سما گیا ہے اور وہ تو کیا بلکہ تمام دنیا اسی ایک فرد بشر کی اطاعت و خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ یہ خیال آتے ہی اسکے دل میں ایک ہیبت سی سما گئی مگر جس طرح انگور کی بیل کی نازک شاخیں کسی مضبوط تنہ درخت سے لپٹکر سہارا پکڑتی ہیں اسی طرح وہ بھی جو جنس ضعیف سے تھی اس زبردست و طاقتور شخص کی طرف ایک غیر معمولی کشش محسوس کرنے لگی۔ اسکی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ سامنے جابر و قہار سیتھ کھڑا ہے۔ یا بخشش و کرم کا دیوتا ر ا انسانکی شکل میں زمین پر اُترا ہے۔ اس کے قلب کی عجب حالت تھی جسکا اثر چہرہ سے صاف ظاہر تھا یعنی جس طرح دوپہر کے وقت آسمان پر ابر ہوا اور روشنی و سایہ جلدی جلدی یکے بعد دیگرے نمایاں ہوں۔ اسی طرح اُسکے خوبصورت رخساروں پر بھی کبھی کبھی سرخی زردی دوڑ جاتی تھی۔ ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا۔ اور اپنے مشفق و مکرم اُستاد کرمی سس کا سب سکھایا۔ پڑھایا سبق بھول گئی تھی۔ لیکن جیوں ہی کمبوجیہ نے اپنے ہنہناتے ہوئے منہ زور اسپ کو لگام کھینچ کر گاڑی کے پاس کھڑا کیا۔ اور اُسکی طرف بغور دیکھنے لگا تو بجائے [illegible] ہو کر آنکھیں نیچی کر لینے کے وہ بیساختہ اُسکے چہرہ کو تکنے لگی اور بلا کسی کے بتائے فوراً سمجھ گئی کہ وہی اس کا شوہر و شہنشاہ عالی وقار ہے۔ وہ اگرچہ ابھی

کمسن وناسمجھ تھی۔ مگر شاہی خون اسکی رگوں میں بھی دوڑ رہا تھا اس لئے اُس شخص کی جو نصف دنیا کا ایک مطلق العنان فرمانروا تھا تیز و چھبنے والی نگاہیں مرعوب نہ کر سکیں اور جسقدر دلیری سے وہ انکا مقابلہ کرتی رہی اتنا ہی زیادہ کمبوجیہ کے درشت وسخت چہرہ پر نرمی وتلطف کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اس نے بڑی عزت ووقار کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا اور باخلاق ومہربانی مزاج پرسی کی پھر اُسکے ہمراہیوں کی طرف پلٹ کر دیکھا یہ لوگ اپنے اپنے گھوڑوں سے اُتر پڑے تھے اور بعض تو بادشاہ کو دیکھتے ہی سر بسجود زمین بوسی کر رہے تھے۔ اور بعض درباری ایران کی رسم ورواج کے مطابق اپنے ہاتھوں کو آستینوں کے اندر چھپائے گردنیں جھکائے ہوئے خاموش کھڑے تھے۔

اب اس نے اپنے گھوڑے سے اُترنا چاہا۔ فراشوں نے چشم زدن میں ایک بیش بہا سُرخ قالین راستہ پر بچھا دیا۔ تاکہ قدم زمین پر نہ پڑنے پائیں۔ کمبوجیہ نے اُترتے ہی اپنے عزیزوں ودوستوں کو خوش آمدید کہا۔ بردیہ ودارا کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور کریسس سے ہاتھ ملا کر خواہش ظاہر کی کہ وہ بطور ایک ترجمان اُس کے ساتھ نتیتس کے پاس چلے۔ یہ دیکھتے ہی بڑے بڑے امرا نے لپک کر گھوڑے کی رکابیں تھامیں۔ بادشاہ نے سوار ہوتے ہی تمام جلوس کو روانگی کا حکم دیا۔ اور خود تنہا شہزادی کی گاڑی کے قریب گیا اور کریسس سے اس طرح ہمکلام ہوا "مجھے دختر فرعون کا حسن وجمال بہت پسند آیا۔ میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ وہ میرے سوالوں کا جواب دیں۔ تم اس کا صحیح ترجمہ مجھے سناؤ۔ کیونکہ میں سوائے ایران۔ بابل ومیدیا کے اور کسی ملک کی زبان نہیں جانتا"

نتیتس ان الفاظ کو سمجھ گئی۔ اس کا دل مارے خوشی کے اُچھلنے لگا اور قبل اسکے کہ کریسس بادشاہ کو جواب دے اس نے نہایت شیریں لہجہ سے اپنی ٹوٹی پھوٹی فارسی میں یہ کہا "دیوتاؤں کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ مجھ سے راضی وخوش ہوئے۔

میں اپنے آقا کی زبان سے بالکل نابلد نہیں ہوں کیونکہ میرے بزرگ و مشفق کریمس راستہ بھر مجھے فارسی پڑھاتے آئے ہیں تاہم مجھے وقت کم ملا ہے - اور ایک معمولی ناسمجھ لڑکی ہوں اس لئے معاف فرمائیگا اگر مجھ سے غلطیاں سرزد ہوں اور آپ کی باتوں کا پوری طور سے جواب نہ دے سکوں "

بادشاہ یہ سنکر مسکرایا - اسکی خودبین و تملق پسند طبیعت کو شہزادی کی یہ رضاجوئی و اظہار شوق بہت پسند آیا اُسے نہ صرف حیرت ہوئی بلکہ اس لڑکی کی عزت بھی اسکی نگاہوں میں زیادہ ہوگئی کیونکہ آج تک عموماً جن عورتوں سے اُسے سابقہ پڑا تھا وہ جہالت و بیکاری میں اپنا وقت گذارتی تھیں اور سوائے ایک دوسرے کے خلاف سازشیں اور اچھے لباسوں و زیوروں کی خواہشیں کرنے کے علمی مذاق سے بالکل بے بہرہ تھیں - اس لئے اس نے مسرت و لطف آمیز لہجہ سے کہا " میں یہ سنکر بہت خوش ہوا کہ تم بلا کسی ترجمان کے مجھ سے گفتگو کرسکتی ہو - ہماری زبان نہایت شیریں و پر معنی ہے اُسے اچھی طرح سیکھنے کی کوشش کرو - میں اپنے عزیز دوست کریمس کو آئندہ سے تمہاری تعلیم کے لئے مقرر کرتا ہوں " کریمس جھک کر آداب بجالایا اور کہنے لگا حضور کا حکم میرے سر آنکھوں پر یہ میری عین خوشی و افتخار کا باعث ہے - دختر اماسس سے بڑھ کر بھلا کون مجھے ایسا شاگرد مل سکتا ہے جو اپنے اُستاد کا ایسا مطیع و احسانمند اور پڑھنے لکھنے کا ایسا شوقین و دلدادہ ہو "

بادشاہ " بیشک ! وہ ایک ایسے ملک سے آئی ہے جس کا علم و ہنر شہرۂ آفاق ہے مجھے امید ہے کہ وہ مجوس کی تعلیم سے بہرور ہو کر بہت جلد ہمارے مذہب کو بھی سمجھ لیگی اور اُسے صدق دل سے قبول کرلے گی "

نتیتس نے آنکھیں نیچی کرلیں جس بات کا اُسے اس قدر خوف تھا اب آخر سامنے آئی اور آئندہ سے اُسے اپنے وطن کے دیوتاؤں کو خیر باد کہکر ایک نامعلوم و اجنبی

مذہب کی تقلید کرنا پڑیگی۔ اُس سے اُسکے دل میں ایک قسم کا اضطراب و خلجان پیدا ہوا جسے کمبوجیہ نے نہ دیکھا اور اپنے سلسلہ کلام کو جاری رکھکر اس طرح بولا:۔

"ہماری والدہ محترمہ کاسندانہ تم کو فرائض زوجیت اور اس ملک کے آداب شاہی کی تعلیم و تلقین فرمائیں گی۔ کل میں خود تمہیں انکی خدمت میں لے چلونگا اور اب پھر اس بات کو دہرا کر کہتا ہوں جسے تم نے اتفاق سے سن لیا ہے یعنی یہ کہ میں تمہیں دیکھکر بہت خوش ہوا ہوں اور تم میری مقبول خاطر ہوئی ہو۔ اب اس کا قایم رکھنا تمہارا کام ہے۔ ہم بھی اپنی طرف سے تمہارے آرام و راحت کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے لیکن ایک امر کا اور خیال رکھنا وہ یہ کہ بوگس جسے میں نے تمہاری پیشوائی کے لئے بھیجا تھا اُس سے بعزت و احترام پیش آنا۔ وہ ما بدولت کے حرم شاہی کا افسر اعلیٰ ہے اور اُس کی بہت سی باتوں پر تمہیں کاربند ہونا پڑیگا۔"

شاہزادی۔ (مغرورانہ ادا سے) "بوگس خواہ تمام دوسری بیگمات پر اپنا حکم چلائے مگر مجھ پر اس دنیا میں سوائے حضور کے اور کسی کی مجال نہیں کہ آنکھ اُٹھا کر دیکھے۔ میں اُس خود مختار ملک کی پلی ہوئی ہوں جہاں عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر سمجھے جاتے ہیں۔ اور اس کہنے کی معافی چاہتی ہوں کہ وہی خودداری و غیرت اس لونڈی کے سینہ میں موجزن ہے جو اُسکے پیارے شوہر کی آنکھوں سے عیاں ہے۔ حضور میرے آقا۔ میرے مالک و میرے خاوند ہیں۔ میں بدل و جان آپ کی خدمت و اطاعت کرنے کو تیار ہوں مگر ایک زنانے۔ زرخرید غلام خواجہ سرا کی خوشامد درآمد کرنا میری شان کے خلاف ہے اور میں ہرگز ایسا نہ کرونگی۔"

کمبوجیہ یہ سُنکر نہایت متحیر ہوا۔ اس نے سوائے اپنی ماں کے اور کسی عورت کے منہ سے یہ الفاظ نہ سنے تھے۔ وہ حد درجہ مغرور و خود پسند تھا تاہم نتیتس کی اس آن بان سے ناخوش نہ ہوا بلکہ اس کے دل میں شہزادی کی وقعت اور بھی بڑھ گئی اور اسکی زبان سے

اپنی شان میں مالک و آقا کے الفاظ سُنکر نہایت مسرور ہوا اور سر کے اشارہ سے اپنی رضامندی کا اظہار کر کے کہنے لگا۔ "تم حق بجانب ہو۔ تم پر صرف میری ہی اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے میں تم کو ایک علیحدہ محل میں رکھونگا اور ابھی حکم دیتا ہوں کہ وہ خوبصورت معلق باغات جنہیں کہ تم دیکھ کر بہت خوش ہوگی فوراً تمہارے رہنے سہنے کیلئے آراستہ کر دیئے جائیں۔"

نتیتس "میں اس عنایت و مہربانی کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں اور حضور کے اس انعام خسروانہ سے جو خوشی مجھے حاصل ہوئی ہے بیان نہیں کر سکتی۔ میں آپ کے بھائی بردیہ کی زبانی ان معلق باغات کا حال سُن چکی ہوں کہ وہ ایک بادشاہ کے عشق و محبت کی یادگار ہیں۔ اس لئے مجھے اُنکے دیکھنے کا پہلے سے شوق تھا۔ آپ نے میری تمنائے دلی پوری کر دی۔"

کمبوجیہ "کل سے تم وہیں جاکر رہوگی۔ اب یہ بتاؤ کہ میرے سفیر و عزیزوں نے مصر میں کس قسم کا برتاؤ کیا۔ اور انکے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

نتیتس "میری زبان میں طاقت نہیں کہ بیان کر سکوں۔ کون ہے جو آپ کے ذیوقار احباب و اعزہ سے ملے اور انکی خوبیوں کا گرویدہ نہ ہو جائے۔ میرے کل خاندان کو اُن سے حد درجہ کا انس ہو گیا تھا۔ خاصکر آپکے چھوٹے بھائی بردیہ نے تو ہم سب کو اپنا گرویدہ بنالیا حتیٰ کہ عام مصری بھی جو اجنبیوں سے تعصب رکھتے ہیں انکی تعریف میں ہمیشہ رطب اللسان تھے"

ان الفاظ میں نہ معلوم کیا اثر تھا کہ بادشاہ کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اس نے کچھ بڑبڑا کر جلدی سے منہ موڑ لیا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ دیکر اس زور سے چابک مارا کہ الف ہو کر گرتے گرتے بچا اور پلٹتے ہی اس زور سے بھاگا کہ تمام جلوس کو پیچھے چھوڑ کر چشم زدن میں بابل کی دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ شاہزادی کی گاڑی بھی اب روانہ ہو گئی تھی۔ دور سے شہر کی عظمت و شان دیکھکر وہ دنگ رہ گئی اور جب قریب پہنچی تو اسکے استحکام و قلعہ بندی نے اور بھی حیرت میں ڈال دیا۔ بابل کے چاروں طرف سوائے اُس سمت کے جہاں ایک دلدل کے

ہونے سے قدرتی حفاظت تھی ایک عظیم الشان شہر پناہ تھی جس کا دور نو میل سے زیادہ تھا وہ دو سو ہاتھ اونچی اور چوڑائی میں اس قدر وسیع تھی کہ دو گاڑیاں بآسانی ساتھ ساتھ جا سکتی تھیں۔ اس پر جگہ جگہ مناسب خوشنما برج نصب تھے۔ جنکی تعداد قریباً ڈھائی سو تھی۔ اور اس قدر مضبوط تھے کہ بذات خود مختصر سے قلعے معلوم ہوتے تھے۔

اس فصیل کے اندر بڑی بڑی سر بفلک عمارات نظر آتی تھیں۔ وہ ایسی عالی شان تھیں کہ انکے سامنے **تھیبنز** و **ممفس** کے مندروں و اہراموں کی بھی کچھ حقیقت نہ تھی شہر میں داخل ہونیکے لئے متعدد برنجی دروازے تھے جن میں سب سے بڑا پھاٹک اسوقت جلوس شاہی کے لئے کھلا ہوا تھا۔ اس پھاٹک کے اوپر دونوں جانب اونچے اونچے برج تھے اور اسکے سامنے ایک بڑا عظیم الشان بت بطور ایک محافظ کھڑا ہوا تھا۔ اس بت کے دونوں بازوؤں پر پر لگے تھے۔ اس کا جسم بیل کا تھا اور شکل انسان کی جسکی لمبی سی ڈاڑھی اور چہرہ نہایت سنجیدہ و بارعب تھا **نتیتس** اسے دیکھکر نہایت متحیر ہوئی اور جب اسکی نگاہ پھاٹک سے گذر کر اس لمبی و کشادہ شاہراہ پر گئی جو اسکی آمد کی خوشی میں آج بڑی زیب و زینت کے ساتھ سجائی گئی تھی تو یہ حیرت ایک غیر معمولی دلچسپی سے بدل گئی۔

یہاں پھاٹک کے سامنے لوگوں کا ایک جم غفیر کھڑا تھا جس نے سنہری گاڑی اور بادشاہ کی سواری دیکھتے ہی بڑے جوش خروش سے خیر مقدم کیا۔ خصوصاً جب بردیہ پر جو سب سے زیادہ ہر دلعزیز تھا انکی نگاہیں پڑیں تو اس زور سے نعرہ خوشی بلند ہوا کہ آسمان و زمین ہل گئے۔ شہنشاہ کا درشن ایک عرصہ سے رعایا کو نصیب نہ ہوا تھا۔ کیونکہ شاہان میدیہ کے رسم و رواج کے مطابق وہ بہت ہی کم عوام کے سامنے ظاہر ہوتا تھا۔ اور دیوتاؤں کی طرح غائب از نظر حکومت کرتا تھا۔ اسلئے اسکا شاذونادر باہر نکلنا لوگوں کے لئے ایک بہت بڑے میلے یا تہوار سے کچھ کم نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آج بابل کے تمام باشندے اپنا اچھے سے اچھا لباس پہنے ہوئے تماشہ کو نکلے تھے۔ اور عورتیں بھی دریچوں و کھڑکیوں میں کھڑی

ہوئی اوپر سے پھول پھینک رہی تھیں اور جلوس پر طرح طرح کی عطر آمیز خوشبوئیں چھڑک رہی تھیں۔ ان مکانات کی چھتوں سے بیش بہا و خوشنما کپڑے و قالین لٹک رہے تھے اور پھولوں کی بیشمار ہار و مالے بھی دو رویہ آویزاں تھے۔ نیچے سڑک پر مہندی و انار کے پتوں کا فرش بچھا تھا اور جگہ جگہ بڑے بڑے عود دان رکھے تھے جن کے خوشبودار بخورات سے تمام ہوا مہک رہی تھی۔ شاہراہ کے دو رویہ شاہی فوج صف باندھے کھڑی تھی جس کے پیچھے اہالیان شہر کا مجمع تھا۔ جو عموماً سفید کتاں کے کپڑے یا رنگین کوٹ چھوٹے چغے پہنے تھے اور اپنے ہاتھوں میں لمبے لمبے عصائیں و جریبیں جنکے سروں پر نقرئی و طلائی اناروں کی شکلیں بنی تھیں لئے ہوئے تھے۔

شاہی جلوس جن سڑکوں سے ہوتا ہوا گذرا وہ سب نہایت ہموار۔ سیدھی و کشادہ تھیں انکے دو طرفہ پختہ اینٹوں کے بڑے بڑے اور اونچے مکانات تھے مگر سب سے زیادہ بلند اور ہر طرف سے نظر آنے والا ایک عالی شان مندر تھا جو بل دیوتا کے نام سے منسوب تھا۔ یہ ایک منارہ کی شکل تھا جسکے مختلف منازل نیچے سے اوپر تک بتدریج چھوٹے ہوتے ہوئے چلے گئے تھے اور باہر سیڑھیوں کے آٹھ بڑے بڑے چکر تھے جو ایک اژدہے کی طرح بل کھاتے ہوئے اُس چوٹی تک پہنچتے تھے جس پر خاص معبد[۱] واقع تھا۔

محلات شاہی بھی اپنی طرز تعمیر کے لحاظ سے شہر کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھے۔ انکے گرد برجی پھاٹکوں دار تین فصیلیں تھیں اور انکے در و دیوار بھی بت تراشی و نقاشی کے کام سے بڑی خوبی سے سجائے گئے تھے۔ کہیں تو عجیب و غریب مجسمے بنے تھے جو انسان۔ چرند۔ و پرند و مچھلی وغیرہ کی اشکال مختلفہ کا ایک مجموعہ تھے۔ کہیں سیر و شکار۔ جنگ و جدال اور رسومات

[۱] اس معبد کا ذکر اکثر قدیم کتابوں میں آیا ہے۔ اسے بعض لوگ منار بابل سے منسوب کرتے ہیں۔ اس کا پہلا درجہ جو ۲۶۰ فٹ اونچا تھا ابھی تک شکستہ حالت میں موجود ہے۔ معبد کے گرد جو دیوار تھی وہ غالباً ۴۰۰ فٹ لمبی اور ۳۰۰ فٹ چوڑی تھی اسکے آثار ابھی تک موجود ہیں۔ (ایبرا)

مذہبی کے سین تھے جنہیں بڑی صنعت کے ساتھ کندہ کیا تھا۔ ان محلات کے جانب شمال ولب دریا وہ نہایت خوبصورت سبز پہاڑی تھی جو باغات معلقہ[۱۵] کے نام سے مشہور تھی۔ اور اس کی سمت مشرق **فرات** کے دوسرے کنارے پر ایک دوسرا محل نظر آتا تھا جو اول الذکر سے ایک نہایت خوشنما سنگین پل کے ذریعہ ملادیا گیا تھا۔

---

۱۵ بخت نصر کو سلطنت بابل ہواکشترا (سیاکزاز) شاہ میدیا کی مدد سے ملی تھی۔ اس اتحاد کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہواکشترا کی ایک پری جمال لڑکی اسکی زوجیت میں آئی۔ اس ایرانی شاہزادی کے آرام ودلبستگی کی غرض سے بخت نصر نے وہ عالی شان باغ و محل تعمیر کرایا جو باغات معلقہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ محل شاہی کے شمالی شرقی گوشہ میں واقع تھا۔ اس کی چہار دیواری ۲۰ فٹ چوڑی تھی۔ اس کا دور ۱/۴ میل تھا۔ اور بلندی ۳۵۰ فٹ تھی۔ اس کی بنیاد و دیواریں وغیرہ پتھر کی تھیں۔ اس میں نیچے سے لیکر اوپر تک متعدد منزلیں یا درجے ایک دوسرے کے اوپر چلے گئے تھے۔ اور ایک قسم کی چھت دار برآمدے معلوم ہوتے تھے جنہیں پتھر کی کمانیں سہارا دیئے تھیں۔ اور ایک چوڑا زینہ گھومتا ہوا چوٹی تک پہنچا تھا جس پر محل کے خاص کمرے واقع تھے۔ ہر منزل کے فرش پر ملائم مٹی بچھادی گئی تھی جس میں نہ صرف چھوٹے بلکہ بڑے پھل دار درخت بھی موجود تھے۔ ستونوں پر بیل دار پودے چڑھائے گئے تھے اور خوشبودار پھول اس کثرت سے تھے کہ تمام باغ ہر وقت مہکتا رہتا تھا۔ آب پاشی بذریعہ نلوں کے تھی جو پانی کو سب سے اونچے حوض پر لیجاتے تھے۔ اور نمی و سیلن سے محفوظ رہنے کے لئے کمانوں کے اوپر سیسے کے پتروں یا لفت ورال کی استرکاری سے کام لیا گیا تھا۔ رہنے کے کمرے نہایت خوشنما۔ آراستہ وکشادہ تھے۔ دور دور کا نظارہ و سیر وہاں بیٹھ کر ہوسکتی تھی اور گرم سے گرم موسم میں بھی ٹھنڈی وخوشبودار ہوا کے جھونکوں سے دلکو فرحت وتسکین ہوتی تھی۔ اس باغ کے چند آثار اب بھی باقی ہیں۔ اس کی بنیاد کا پتہ لگا ہے۔ اور وہ کنوئیں بھی برآمد ہوئے ہیں جن میں پانی اُٹھانے کی کلیں لگی ہوئی تھیں۔

(ونڈرس پاسٹ)

غرضنکہ جب شاہی جلوس محل کے قریب پہنچگیا تو بڑے اہتمام کے ساتھ شہزادی کو اُتارا گیا۔ غلاموں نے لپک کر گھوڑے پکڑے۔ خواجہ سراؤں نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور ایک چاندی کی تپائی نیچے رکھ دی جس پر شہزادی اپنے پیر رکھ کر نیچے اُتری اور خواصوں کے جلو میں محل کے اُن آراستہ کمروں میں پہنچگئی جو اس کی عارضی سکونت و قیام کے لئے حرم سرا میں مخصوص کر دیئے گئے تھے۔

اُدھر کمبوجیہ مع اپنے تمام عزیزوں۔ مصاحبین۔ اکابر و عمائدین سلطنت ایک نہایت آراستہ مقام میں جسے دیوان خاص کہنا چاہیئے کھڑا تھا۔ ہر طرف سے مبارک و سلامت کی آوازیں آرہی تھیں اور بادشاہ نہایت مسرور و شاداں ہر ایک سے ہنس ہنس کے باتیں کر رہا تھا۔ اتنے میں یکایک ایک عجیب شور و شغب کی آواز سُنائی دی۔ اور ایک حسین و دوشیزہ لڑکی جو نہایت اعلیٰ درجہ کی پوشاک و زیورات سے آراستہ تھی۔ اور جس کے بالوں کی خوبصورت لٹوں میں بڑے بڑے موتی پِل رہے تھے دوڑتی ہوئی دفعتہً مردوں کے مجمع میں آکر کھڑی ہوگئی۔ اور اسکے پیچھے پیچھے بہت سی لونڈیاں و خواصیں گھبرائی ہوئی ہانپتی کانپتی چلاتی ہوئی آئیں۔ کمبوجیہ کی نگاہ جیوں ہی اس شوخ و شریر لڑکی پر پڑی تو مسکراتا ہوا اس کا راستہ روک کر سامنے کھڑا ہوگیا مگر وہ بڑی پھرتی سے دبک کر فوراً اس کے ہاتھوں سے نکل گئی اور کچھ رُتی اور کچھ ہنستی بے اختیار بردیہ کے گلے سے لپٹ گئی۔ یہ دیکھتے ہی خواصیں تو ٹھٹک کر دور نہایت ادب سے کھڑی ہوگئیں۔ اور بادشاہ نے چلاکر کہا " اتوسا۔ یہ بڑی شرم کی بات ہے تجھے معلوم نہیں کہ اب سیانی ہوئی۔ بچہ نہیں ہے۔ بالیاں[1] پہنے ہے۔ میں تجھے بھائی سے ملنے کو منع نہیں کرتا لیکن اپنے جوش محبت میں غیروں کے سامنے اس طرح بے باکانہ چلا آنا شہزادیوں کی شان کے خلاف ہے۔ آج میری خوشی کا دن ہے

[1] قدیم ایران میں پندرہ برس کی عمر ہوتے ہی دوشیزہ لڑکی کے کانوں میں بالیاں پہنا دیتے تھے جس کے یہ معنی تھے کہ وہ اب سن بلوغ کو پہنچ گئی اور قابل شادی ہے۔ (ایبر)

اس لیے تجھے معاف کرتا ہوں - اگر پھر دوبارہ یہ حرکت کی تو میں بوگس کو حکم دونگا کہ بارہ دن تک تجھے ایک جگہ بند کر دے اور نکلنے نہ دے۔ جا۔ اب اندر بھاگ جا تیری خواصیں منتظر کھڑی ہیں۔ اور والدہ سے کہنا کہ میں ابھی بردیہ کو لیکر حاضر ہوتا ہوں۔ ادھر آ۔ میں تجھے پیار کرنا چاہتا ہوں۔ ہیں! تو میرا کہنا نہیں مانتی۔ بڑی شریر لڑکی ہے۔ ذرا ٹھہر تو جا۔"

یہ کہکر کمبوجیہ اپنی بہن کی طرف جھپٹا اور اس زور سے اسکے دونوں ہاتھ پکڑے کہ وہ چلانے لگی اور منہ چھپا کر چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر اس نے زبردستی پیار کرکے چھوڑ دیا۔ اور لڑکی روتی ہوئی اپنی خواصوں کے پاس بھاگ کر اندر چلی گئی۔

بردیہ کو بھائی کی یہ حرکت سخت ناگوار گذری اس نے قریب آکر آہستہ سے کہا "آپنے ناحق غریب بچی کو اس زور سے پکڑا کہ وہ مارے درد کے رونے لگی" یہ سن کر بادشاہ غصہ سے لال ہو گیا اور بردیہ کو بھی کچھ سخت سست کہنے والا تھا مگر رک گیا۔ اور محل کی طرف اشارہ کرکے بولا "چلو۔ اب والدہ کے پاس چلیں۔ وہ تمہاری بہت منتظر ہونگی۔ مجھ سے انہوں نے باصرار کہہ دیا تھا کہ آتے ہی تمہیں فوراً انکی خدمت میں لے آؤں۔ معلوم نہیں ان عورتوں کا کیا حال ہے کہ بلا تمہیں دیکھے انہیں چین ہی نہیں آتا۔ نتیتیس بھی مجھ سے کہتی تھی کہ تمام زنان مصر تمہارے گھونگر والے بالوں اور گلابی رخساروں کو دیکھ کر بالکل فریفتہ ہو گئی تھیں۔ واقعی تم بڑے خوش نصیب ہو۔ متھرا سے دعا مانگو کہ وہ تمہیں دائمی حسن عطا کرے اور بڑھاپے کی مصیبتوں سے بچائے۔"

بردیہ "کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ ظاہری شکل وصورت کے علاوہ میں ان تمام صفات سے خالی ہوں جو مرد کا جوہر اصلی سمجھے جاتے ہیں۔"

کمبوجیہ "میرا کچھ مطلب نہیں۔ اور نہ میں اپنے الفاظ دوسروں کو سمجھانے کا عادی ہوں۔ چلو"

بردیہ "مجھے امید ہے کہ آپ ایک دن مجھے یہ ثابت کرنے کا موقع دیں گے کہ شجاعت و

مردانگی میں بھی میں کسی ایرانی سے کم نہیں ہوں۔"
کمبوجیہ۔ (طنز آمیز لہجہ سے) آج کے پُرجوش خیر مقدم اور لوگوں کے نعرہ ہائے خوشی سے تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ تعریف حاصل کرنیکے لئے کوئی مردانگی یا جرأت دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔"
بردیہ "بھائی۔ یہ آپ کیا فرماتے ہیں!"
کمبوجیہ "چلو۔ ان فضول باتوں سے کیا فائدہ۔ عنقریب **ماساجت** سے ایک جنگ چھڑنے والی ہے۔ تمہیں بھی موقعہ دیا جائیگا۔ پھر میں دیکھونگا کہ تم کیا ہو اور کیا کرسکتے ہو۔"

اتنے میں دونوں بھائی حرم کے اندر اپنی معزز ماں کے سامنے پہنچ گئے۔ **کاسندانہ** جو اپنے پیارے **بردیہ** کی واپسی کا بڑی بیتابی سے انتظار کررہی تھی اسکی آواز سُنتے ہی گھبرا کر اٹھی اور اُسے اپنی آغوشِ محبت میں لیکر تمام رنج و غم بھول گئی۔ مادرِ شاہ کی دونوں آنکھیں اک عرصہ سے بے نور تھیں اسلئے وہ اپنے چہیتے لڑکے کے خوبصورت چہرہ و سر کو ٹٹول کر ہاتھ پھیرتی جاتی تھی اور بار بار گلے لگا کر پیار کررہی تھی۔ اور اس قدر محو تھی کہ بڑے لڑکے کی موجودگی کو بالکل بھول گئی تھی جو اپنے چھوٹے بھائی سے ماں کی اس قدر شفقت و محبت دیکھ کر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

کمبوجیہ کی فطرت میں خود پسندی کا مادہ از حد تھا۔ لڑکپن ہی سے اسکی عادت خراب ہو گئی تھی۔ اس کی تمام خواہشیں پوری کی جاتی تھیں۔ اس کے ذرا سے اشارہ پر لوگوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں اس لئے جب جوان ہوا اور تختِ شاہی پر بیٹھا تو حد درجہ کا ضدی و مغرور ہو گیا۔ کیا مجال کوئی اسکی رائے سے اختلاف کرسکے۔ چھوٹے بڑے سب اس کی رعایا ہونے کی حیثیت سے عقل و فہم میں اُس سے کمتر تھے۔ اگر کسی کی زبان سے کوئی کلمہ اعتراض سن پاتا تو آگ بگولا ہو جاتا اور اپنے آپ کو سب پر بالا و افضل سمجھتا۔ یہ تمام باتیں اول عمر کی خراب تربیت کا نتیجہ تھیں۔ جسکے ملزم والدین تھے

اور لوگوں کو حیرت تھی کہ کورش اعظم[۱] جو ایک غیر معمولی قابلیت رکھتا تھا۔ نصف دنیا کا فاتح تھا جس نے ایرانی قوم کو ایک حالت گمنامی سے تھوڑے عرصہ میں سرتاج عالم بنا دیا اور ایک عظیم الشان سلطنت کے نظم و نسق کو اس خوبی کے ساتھ انجام دیا مگر اپنے چھوٹے سے خاندان کو نہ سنبھال سکا اور اولاد کی تربیت میں سخت غلطی کا مرتکب ہوا۔ اس نے کمبوجیہ کو صغر سنی ہی سے اپنا جانشین تصور کر کے لوگوں کو حکم دیدیا تھا کہ آنکھیں بند کر کے اس کی غلامی و فرمانداری کریں۔ مگر یہ نہ سوچا کہ جو شخص آیندہ دوسروں پر حاکم ہوگا اس میں خود پہلے اطاعت گذاری کا مادہ پیدا کرنا چاہئے اور بزرگوں کے احکام کی عزت و حرمت کا احساس ہونا چاہئے۔

کاسندانہ اپنے شوہر کی بڑی چہیتی بیوی تھی۔ اسکی کئی اولادیں ہوئیں۔ سب سے بڑا کمبوجیہ تھا۔ بعدہٗ تین لڑکیاں اور انکے پندرہ سال بعد بردیہ پیدا ہوا۔ اس عرصہ میں پسر اولین کی محبت قدرتی طور سے کسی قدر کم ہوگئی اور سب سے چھوٹا اپنے ماں باپ کا

[۱] کورش اعظم کا دنیا کے سب سے بڑے تاجداروں میں شمار ہے۔ علاوہ نہایت قابل جنرل و فاتح ہونے کے اور تمام صفات انسانی سے بھی متصف تھا۔ وہ نہایت وجیہ و شکیل تھا۔ جری جفاکش مدبر۔ خداترس۔ منکسر مزاج۔ فیاض اور ظریف الطبع بھی تھا۔ چنانچہ یہ حکایت مشہور ہے کہ جب وہ لیدیا پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا تو ایشیائے کوچک کے یونانیوں نے اسکی مدد نہ کی لیکن جب اسے فتح نصیب ہوئی تو خود اطاعت قبول کرنے آئے اور مراعات شاہی کے خواستگار ہوئے اسوقت کورش نے برجستہ جواب دیا "یونانیو تم نے یہ حکایت بھی سُنی ہے ایک مرتبہ ایک مچھیرا کسی تالاب کی مچھلیوں کو نچانا چاہتا تھا۔ اس نے بین بجا کر بہت کوشش کی [illegible] وہ نہ نا چیں تب اس نے جال ڈالکر سب کو پکڑ لیا اور کنارہ پر لاکر پھینکدیا تو وہ خود بخود ناچنے کودنے لگیں۔ مچھیارے نے جواب دیا جب میں نے کہا تھا تو نہ ناچیں اب تمھاری خوشامد کرنے سے کیا ہوتا ہے" کورش اعظم کے ہم عصر دنیا میں بڑے بڑے لوگ تھے۔ گوتم بدھ (ہندوستان)۔ کنفوشیوس (چین)۔ سولن (یونان)۔ پیلیکولا روما میں تھا۔ (دراللنس۔ ایران نامہ)

دلارا بن گیا اور بڑے ناز و نعم کے ساتھ اسکی پرورش ہوئی - یہ لڑکا نہ صرف اپنے حسن و جمال میں یکتائے زمانہ تھا۔ بلکہ نہایت مطیع ۔ ملنسار و نیک دل تھا اس لئے والدین اُسے اور بھی چاہنے اور کمبوجیہ سے بے اعتنائی برتنے لگے - تاہم بوجہ وارث تاج و تخت ہونیکے ہمیشہ اس کا پاس و لحاظ رکھتے تھے ۔ اس نے اکثر لڑائیوں میں بہادری و شجاعت کے کارنمایاں دکھائے مگر بوجہ اپنی نخوت و غرور کے ہردلعزیز نہ ہوسکا - اور باوجود ہر قسم کی داد و دہش و انعام و اکرام کے لوگ اس کے سامنے آتے ہوئے ڈرتے تھے۔ بخلاف اسکے بردیہ سے انہیں بڑی الفت تھی - وہ انکے پیارے بادشاہ کورش اعظم کا ہم شبیہ تھا اور اسی کی طرح رعایا سے بڑی دلجوئی و لطف و کرم سے پیش آتا تھا۔ کمبوجیہ کو بھی پورے طور سے اس بات کا احساس تھا اور اُسے اب یقین ہو چلا تھا کہ خواہ کتنا ہی زر و جواہر نثار کرے مگر عوام کے دلوں کو ہاتھ میں لانا یا انکے رجحان طبع کو بدلنا ناممکن ہے ۔ اسے بردیہ سے کوئی خاص رنج یا عداوت نہ تھی لیکن جب یہ خیال کرتا کہ ایک نوعمر لڑکے نے جس نے ابھی تک اپنی عمر میں کوئی چھوٹی سی مہم بھی سر کی تھی - لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے ۔ وہ اُسے اپنا ایک ہیرو سمجھنے لگے ہیں تو اسکے دل میں حد درجہ کی جھنجلاہٹ و پیچ و تاب پیدا ہوتا تھا۔ اسکی مطلق العنان طبیعت کو جو بات پسند نہ آتی وہ اُسے فوراً بیہودہ اور بیجا سمجھنے لگتا اور اسکے مرتکب کو مورد الزام گردانتا جس سے ہر شخص خائف و ترساں رہتا تھا اس خاص موقع پر بردیہ کے لئے رعایا کا اس قدر جوش و خروش - ماں بہن کی ایسی الفت و چاہت دیکھکر اور سب سے بڑھکر یہ کہ نیتیس کی زبان سے بھی اسکی تعریفیں سنکر اسے ایک عجیب رشک و حسد پیدا ہوا - یہ ایسا جذبہ تھا جس سے اس کا مغرور دل ابھی تک ناآشنا تھا اور جسے اسکی خوددار شاہانہ طبیعت اپنی خلاف شان سمجھتی تھی ۔

گزشتہ چند دنوں میں دختر فرعون نے اسکے سخت دل پر ایک غیر معمولی اثر پیدا کیا تھا۔ وہ ایک مشہور و معروف آزاد ملک کی جلیل القدر شاہزادی تھی اور ابھی

اُس سے بخوبی واقف بھی نہ تھی کہ فوراً جان ودل سے اسکی اطاعت کا دم بھرنے لگی اور صرف اسی کی خوشنودی کے لئے نہایت محنت سے ایک غیر زبان سیکھنے لگی۔ نیز اسکے مزاج میں ایک ایسی تمکنت۔ آن بان اور ادائی باتوں سے نفرت تھی جو کمبوجیہ کو بہت پسند آئی اس طرح کی کسی عورت سے اُسے آجتک سابقہ نہ پڑا تھا۔ اور نہ ایسی بلند بالا حور وش نازنیں اسکی نظروں سے گذری تھی۔ وہ اُسے دیکھتے ہی بے اختیار فریفتہ و مفتوں ہوگیا لیکن جب اس کی زبان سے بھی بردیہ کی تعریف سُنی تو ظاہر ہے کہ اُس نے کس قدر محسوس کیا ہوگا اور رشک وحسد کی دبی ہوئی آگ پورے طور سے بھڑک اٹھی ہوگی بعدہٗ ماں کی ملاقات نے اسے اور بھی افزوں کر دیا۔ اس لئے حرام سرا سے جب بھائی کو ساتھ لئے باہر نکلا تو اسکی تیوریوں پر بل پڑے تھے اور غیر معمولی طور سے سنجیدہ و خاموش معلوم ہوتا تھا۔ کچھ دیر بعد اُسے ایک خیال آیا اور یکایک بردیہ کی طرف مڑ کر کہنے لگا ”تم ابھی مجھ سے ملتجی تھے کہ شجاعت و مردانگی دکھانے کا تم کو کوئی موقعہ دیا جائے میں اُسے منظور کرتا ہوں۔ تیوری نے علم بغاوت بلند کیا ہے اور ایک فوج انکی سرکوبی کے لئے سرحد کی طرف بھیجی گئی ہے۔ تم ابھی فوراً روانہ ہو جاؤ اور راغہ[۱] پہنچکر اس مہم کی سرداری اپنے ہاتھ میں لو اور بہادری و قابلیت کے جوہر دکھاؤ“

---

[۱] رے کو قدیم زمانہ میں راغہ کہتے تھے۔ اسکے کھنڈر طہران سے چھ میل بہ سمت جنوب مشرق واقع ہیں۔ یہ قدیم سلطنت میدیا کا دار الخلافہ تھا۔ اور ایرانی تہذیب وتمدن کا بہت بڑا مرکز تھا۔ کہتے ہیں کہ اسکا بانی ہوشنگ تھا جو چار ہزار برس قبل مسیح گذرا ہے۔ انجیل میں لکھا ہے کہ ۷۰۰ صدی قبل مسیح یہ شہر خوب آباد تھا۔ اوستا میں دوبار اس کا ذکر آیا ہے۔ اور یونانی ورومن وعرب مصنفین نے بھی اس کا حال لکھا ہے۔ ہارون رشید اسی شہر میں ۱۶۳ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اصطخری کا بیان ہے کہ دسویں صدی میں رے اس گرد ونواح کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اور تمام ایران میں سوائے نیشاپور کے سب سے زیادہ آباد تھا۔ اس کے متعدد دروازے۔ بازار۔ سرائیں وغیرہ تھیں اور ایک قلعہ بھی تھا جس کے قریب

بردیہ "میں بہت خوش ہوں اور آپ کی عنایت و مہربانی کا ازحد ممنون ہوں۔ اگر اجازت ہو تو اپنے ساتھ دارا۔ گیجیس و زپیروس کو بھی لیتا جاؤں"

کمبوجیہ "میں اسے بھی منظور کرتا ہوں۔ دیکھو نہایت خوبی سے اپنے فرائض کو انجام دینا اور دیر نہ لگانا اور تین مہینے سے پہلے ہی یہاں آجانا تاکہ اس لشکر جرار کے ساتھ بھی شامل ہو سکو جو موسم بہار میں ماساحت کے مقابلہ کو جائیگا"

بردیہ "میں کل ہی روانہ ہوتا ہوں"

کمبوجیہ "خدا حافظ"

بردیہ "بھائی جان! میری ایک اور التجا ہے جسے ہرمزد کی دعا سے اگر بفتح و ظفر واپس آیا تو آپ سے عرض کرونگا۔ قبول فرمائیگا"

کمبوجیہ "ہاں۔ بخوشی"

بردیہ جو اپنی پیاری معشوقہ سافو کا خیال کر رہا تھا۔ یہ سنتے ہی مارے خوشی کے اچھل پڑا اور بڑے جوش سے کہنے لگا "اب مجھے کوئی خوف نہیں۔ اور غنیم کے دس گنہ لشکر سے مقابلہ کر کے اسے شکست دینے کے لئے آمادہ ہوں"

کمبوجیہ "کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہے۔ اپنے قول کو پورا کر کے دکھاؤ تو مجھے یقین آئے (کچھ سوچکر) ذرا ٹھیرو! مجھے تم سے ایک بات اور کہنا تھی۔ تمہاری عمر قریباً بیس برس کے ہو گئی مگر ابھی تک شادی نہیں ہوئی۔ میری خواہش ہے کہ اب اس میں تاخیر نہ ہو اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جامع مسجد واقع تھی۔ آب رسانی کی بکثرت قناتیں تھیں۔ یہاں کا سکہ دینار و درہم تھا۔ یہاں کے باشندے اکثر شریف الطبع تجارت پیشہ تھے۔ پندرھویں صدی میں یہ شہر بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ آج کل شمالی دیوار کا ایک ذرا سا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ جسکے قریب ایک ٹیلہ قلعہ رے کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں پرانے قلعہ کے کچھ کھنڈر نظر آتے ہیں۔

(پروفیسر جیکسن)

سردار ویدارنا[1] کی لڑکی روشنک کو تمہارے لئے منتخب کرتا ہوں۔ وہ حسین و خوبصورت ہے اور خاندانی لحاظ سے بھی ہر طرح تمہارے لئے موزوں و مناسب ہے۔"

بردیہ "بھائی جان! خدا کے لئے ابھی شادی کا ذکر نہ کیجئے۔ میں ......"

کمبوجیہ "نہیں۔ تمہاری شادی کی مجھے بہت جلدی ہے۔ کیونکہ ابھی تک خود میرے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔"

بردیہ "آپ ابھی جوان ہیں اور خدا کے فضل سے ضرور صاحب اولاد ہونگے۔ علاوہ بریں میں یہ نہیں کہتا کہ کبھی شادی نہ کرونگا لیکن گستاخی معاف۔ جبتک کوئی بڑا کام کرکے نام پیدا نہ کرلوں۔ اُس سے معذور سمجھا جاؤں۔"

کمبوجیہ "اچھا تو جب واپس آؤ گے تو تمہارے عقد کا انتظام کیا جائیگا۔ مگر میری صلاح مانو تو ابھی بیاہ کرکے بیوی کو بھی ساتھ لیتے جاؤ۔ کیونکہ ہم ایرانیوں کا قاعدہ ہے کہ جب مال و دولت یا بیوی ساتھ ہوتی ہے تو ان دونوں کی حفاظت کے لئے خوب جان توڑ کر لڑتے ہیں۔"

بردیہ "(گھبرا کر) بھائیجان مجھے معاف کیجئے۔ میں آپ کو والد مرحوم کی روح اقدس کی قسم دیتا ہوں کہ ایسی عورت سے مجھے شادی کرنے پر مجبور نہ کیجئے جسے نہ میں نے دیکھا ہے نہ آیندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ روشنک کے لئے دوسرے بہت سے لوگ موجود ہیں۔ اُسے **دڈہ یا** کے حوالے کر دیجئے جو حسین عورتوں کا بڑا دلدادہ ہے۔ یا دارا **دیس** کو بخشدیجئے کیونکہ وہ ویدارنا کے قریبی عزیز و رشتہ دار ہیں۔ مگر مجھ پر رحم کیجئے۔ میرے لئے اس سے بڑھکر مصیبت ......"

کمبوجیہ ۔ (زور سے ہنس کر اور بردیہ کے کلام کو قطع کرکے) "شادی و مصیبت! اسکے

---

[1] ہیدارنس (یونانی)۔ ویدارنا (قدیم فارسی)۔ یکے از ہفت بزرگان فارس کہ داریوش را برانداختن گوماتائی غاصب کمک نمودند۔ از نسل پادشاہان آرمینیا ظہور کردند (ایران نامہ جلد اول)

کیا معنی۔ عجب بیوقوف ہو۔ اور اپنی شادی بیاہ کے معاملہ میں یہ خودرائی کیسی؟ معلوم ہوتا ہے کہ مصر سے یہ خراب عادت سیکھ کر آئے ہو۔ واقعی مجھے اب افسوس ہے کہ ناحق میں نے ایسی ناتجربہ کار اور کچی عقل کے لڑکے کو ایک اجنبی ملک میں بھیجکر خراب کیا۔ مجھے چھوٹوں کی زبان سے انکار و مخالفت پسند نہیں اور بعد جنگ کسی قسم کا بہانہ نہ سنونگا۔ فی الحال میں تمہیں کسی ایسے کام کے لئے مجبور نہیں کرتا جو تمہارے موجودہ فرائض میں حارج ہو۔ اور بلا شادی کئے جانے دیتا ہوں۔ مگر مجھے تمہاری باتوں سے شبہ ہوتا ہے کہ انکار کرنے کا سبب اور ہی کچھ ہے جسے تم مجھ سے چھپانا چاہتے ہو۔ اگر ایسا کیا تو یاد رکھو میں بہت خفا ہونگا۔ جاؤ اب رخصت ہو۔ لڑائی کے بعد میں تمہاری کوئی بات نہ سنونگا۔ تم میری عادت سے واقف ہو"

بردیہ "شاید جنگ کے بعد میں خود آپ سے اس امر کی نسبت عرض کرونگا۔ جسے ابھی قبول کرنے میں مجھے عذر ہے۔ میری رائے ناقص میں کسی شخص کو اس کی خلاف مرضی شادی بیاہ کے لئے مجبور کرنا دور از انصاف ہے۔ میں آپ کا نہایت مشکور ہوں کہ اس وقت میرے حال پر رحم فرماکر آپ نے درگذر کیا"

کمبوجیہ "ہاں۔ مگر آیندہ اس کی توقع مجھ سے نہ رکھنا۔ تمہارے اس غیر معمولی اضطراب کو دیکھ کر صاف پتہ چلتا ہے کہ شاید تم کسی کے عشق میں مبتلا ہو۔ اسی لئے عورتوں سے نفرت کرتے ہو اور شادی کے نام سے دور بھاگتے ہو"

بڑے بھائی کی زبان سے یہ کلمات سن کر بردیہ مارے شرم کے پسینے پسینے ہوگیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بڑے جوش سے کہنے لگا "مکرم و محترم بھائی! معاف فرمائیے۔ میں اس وقت اپنے راز کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ اور آپ کا بصدق دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں خدا حافظ۔ والدہ اور اتوسا سے اب رخصت ہونے جاتا ہوں۔ بعدہٗ بھابی صاحبہ کی خدمت میں بھی سلام کے لئے حاضر ہونگا۔ مجھے امید ہے کہ آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

یہ سُننا تھا کہ کمبوجیہ نے دانت پیس کر بھائی کی طرف گھور کر دیکھا اور اُسے کسی قدر گھبرایا ہوا پاکر مشتبہ ہوا اور نہایت روکھے پن سے یہ جواب دیا "تم اپنا کام کرو اور لڑائی پر چلے جاؤ۔ میری بیوی سے ملنے کی کچھ ضرورت نہیں۔"

بعدہ اپنی پیٹھ موڑ کر اور بردیہ کو حیران و ششدر اُسی جگہ چھوڑ کر چلا گیا۔ پھر مختلف کمروں سے ہوتا ہوا اُس عالی شان ایوان میں پہنچا جو نہایت خوبی کے ساتھ آراستہ پیراستہ تھا۔ جہاں معززین و عمائدین سلطنت اور درباری وغیرہ اپنی زرق برق پوشاکیں پہنے ہوئے موجود تھے۔ ان میں بعض سپہ سالار یا افسران فوج تھے۔ بعض ستریپ یا والیان صوبہ۔ بعض حکام عدالت یا خزانچی۔ دبیر۔ مشیر۔ خواجہ سرا۔ دربان۔ حاجب۔ کاسہ بردار۔ میر طویلہ میر شکار۔ حکیم۔ منجم۔ چشم و گوش[۱]۔ پرچہ نویس۔ قاصد۔ ایلچی۔ غرضکہ ہر قسم کے لوگ اپنی جگہوں پر مؤدب کھڑے ہوئے شاہ عالی جاہ کی آمد کے منتظر تھے۔ اُسکے آگے آگے نقیب چوبدار و عصابردار تھے اور پیچھے بہت سے غلاموں و خادموں کا غول تھا جن میں چتر بردار۔ فراش۔ کہار۔ نامہ بر و ہرکارے وغیرہ شامل تھے۔ اور شاہی کاتب بھی اپنے آقا کے بالکل قریب اسکے حکم پر گوش بر آواز تھے۔ اور ذرا سا اشارہ پاتے ہی اسکے احکام سزا و جزا کو فوراً قلم بند کر لیتے تھے اور ان حکام کو مطلع کر دیتے تھے جنکے سپرد اسکا عمل درآمد تھا اس وقت یہ ایوان یا عالی شان ہال روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ اسکے عین وسط میں ایک خوشنما کھانے کی میز بچھی تھی جس پر اس کثرت سے طلائی و نقرئی برتن نظر آتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا شاید انکی وجہ سے ٹوٹ جائیگی۔ ہال کے ایک جانب دوسرا کمرہ تھا جسکے دروازہ پر مرصع ارغوانی رنگ کے پردے پڑے تھے اور اندر ایک چھوٹی سی طلائی میز پر ایسے نادر و بیش بہا برتن سجے ہوئے تھے جنکی

[۱] "چشم و گوش" سے مراد افسران پولیس یا کوتوال تھا۔ ہخامنش نے شاید مصریوں سے اس خاص لقب کو لیا ہوگا کیونکہ انکی قدیم کتبیات میں یہ مذکور ہے شاہ مصر بالا کی دو آنکھیں اور شاہ مصر زیریں کے دو کان۔" (پروفیسر ایبرز)

قیمت کروروں سے زیادہ شمار کی جا سکتی تھی۔ یہ کمرہ خاص بادشاہ کے کھانیکے لئے
مخصوص تھا۔ یہاں پردہ کے پیچھے وہ دوسروں کی نظر سے پوشیدہ اپنے تمام مہمانوں کے
حرکات و سکنات کو جو باہر کی میز پر بیٹھے ہوتے بخوبی مشاہدہ کرسکتا تھا۔[۵] شاہی دسترخوان
پر صرف چند ہی منتخب لوگ مدعو کئے جاتے تھے جنہیں "مصاحبین مائدہ" کہتے تھے۔
اور ہر درباری کی یہ تمنا و آرزو تھی کہ اُسے یہ فخر حاصل ہو۔ علاوہ بریں جب کسی سے
بادشاہ خوش ہوتا تھا تو اپنے خاصہ سے کوئی قاب اُٹھاکر اُسے بھجوا دیتا تھا جیسے ایک

---

[۵] بادشاہ عموماً تنہا میز پر کھانا کھاتا تھا۔ مگر کبھی اسکی منظور نظر ملکہ یا لڑکے لڑکیاں بھی شامل ہو جاتیں یا اگر مادر شاہ
آتی تو وہ سب سے اونچی جگہ بیٹھتی اور بادشاہ مودبانہ اسکے سامنے بیٹھتا۔ علاوہ اسکے اگر کوئی دوسرا مدعو
کیا جاتا تو بہت زیادہ باعث افتخار تھا۔ اسی طرح اگر کسی مہمان کے لئے دسترخوان پر سے کوئی کھانا بھیجا جاتا
تو وہ خاص الطاف خسروانہ کی نشانی تھی۔ شہنشاہ کی میز کے سامنے بعض اوقات ایک پردہ حائل ہوتا۔ اسکے
باہر نیچے میز پر امرا و وزرا درجہ بدرجہ بیٹھتے اور بعد فراغ طعام سب کھڑے ہو کر جام صحت پیتے۔ پھر بادشاہ
اگر چاہتا تو باہر نکل کر آتا اور ایک کرسی زرنگار سے ٹیک لگا کر شراب کے جام نوش کرتا اور بعض اوقات اپنے
وزرا سے اہم ملکی معاملات پر بحث کرتا۔ کھانے نہایت لذیذ و انواع و اقسام کے ہوتے تھے ہیروڈوٹس
لکھتا ہے کہ سب سے پہلے فواکہات لائے جاتے۔ ایران میں اب بھی یہی دستور ہے۔ کھانیکے برتن
طلائی اور نقرئی اور جام و ساغر بھی طلائی مرصع کار، جواہر نگار یا بلورین ہوتے تھے۔ شراب نوشی کا اس زمانہ
میں بڑا شوق تھا۔ آبدار ساقی یا کاسہ بردار کا بہت معزز عہدہ تھا وہ عموماً کوئی امیر یا سردار ہوتا تھا۔ اسی طرح
مطبخ کا انتظام بھی ایک خاص افسر کے سپرد تھا۔ ان دونوں کا فرض تھا کہ ہر کھانے یا پینے کی چیز کو پہلے
چکھ لیں تاکہ زہر آلود نہ ہو۔ نیز ہر شے کی صفائی اور خوبی کا نہایت درجہ خیال کیا جاتا تھا چنانچہ جب کبھی
بادشاہ باہر جاتا تو شہر شوس کے دریا کا پانی چاندی کی صراحیوں میں بھرا ہوا ساتھ رہتا تھا۔ شاہی مطبخ بہت
بڑے ہوتے تھے۔ پندرہ ہزار آدمیوں کے لئے روز کھانا پکتا تھا۔ اور سالگرہ وغیرہ کے دن تمام شہر کی
دعوت ہوتی تھی۔ (دیکھو پروفیسر رالنس وغیرہ)

بہت بڑا اعزاز و نوازش خسروانہ خیال کیا جاتا تھا۔
کمبوجیہ کے داخل ہوتے ہی تمام حاضرین اسکے سامنے اوندھے منہ سجدے میں گر پڑے۔ صرف چند خاص امرا اور اسکے رشتہ دار جن کا مابہ الامتیاز سفید و نیلے رنگ کے سربند تھے گردنیں جھکائے اور آستینوں میں ہاتھ چھپائے کھڑے رہے۔ اور جبتک شہنشاہ اپنے خاص مقام پر ایک کرسی زرنگار پر جلوہ افروز نہ ہوا سب اسی طرح مؤدبانہ رہے۔ پھر باہر کی میز پر اپنی اپنی جگہ قرینے سے بیٹھ گئے۔ اور اشارہ پاتے ہی اکل و شرب میں مصروف ہو گئے۔ قسم قسم کے کھانے انکے سامنے لائے گئے۔ ان میں سب سے زیادہ پر تکلف وہ نفیس میوے و لذیذ مٹھائیاں تھیں جو یونان میں "ایرانی فواکہات" کے نام سے مشہور تھیں جب اس سے فارغ ہو چکے تو کاسہ بردار مہ ناب کے خم و صراحیاں اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے حاضر ہوئے۔ بادشاہ بھی اپنے کمرے سے اب باہر نکل آیا۔ اور عام درباریوں کے میز کے سرے پر بیٹھ گیا۔ اس کا اشارہ پاتے ہی ساقیان خوبرو طلائی جاموں میں شرابیں بھر بھر کر سامنے لائے جنہیں سب سے پہلے میر آبدار نے اپنی زبان پر چکھ کر اطمینان کر لیا کہ زہر آلود نہیں ہے۔ بعد ازاں دور چلنے لگے اور وہ مینوشی شروع ہوئی جس کی تقلید آیندہ زمانہ میں سکندر اعظم نے اس بری طرح کی کہ حد اعتدال سے گذر گیا اور بدمستی و نشہ میں پرانی دوستی و عہد و پیمان فراموش کر کے ان حرکات کا مرتکب ہوا جنہوں نے اسکی شہرت و نام آوری پر ہمیشہ کے لئے داغ لگا دیا۔
کمبوجیہ آج غیر معمولی طور سے خاموش تھا۔ اس کے دل میں ایک عجب شبہ پیدا ہو چلا تھا یعنی بردیہ شاید اسکی حور شمائل منگیتر پر عاشق ہے۔ ورنہ کیا وجہ کہ باوجود اسکے سخت اصرار و حکم و نیز اس امر کے جتانے پر بھی کہ بلحاظ مصلحت ملکی اسکے لئے جلد شادی ضروری ہے پھر بھی اس نے انکار کر دیا۔ اور کیا سبب کہ وہ اپنی روانگی سے پہلے نتیتس سے ملنا چاہتا تھا۔ اور کیوں اجازت طلب کرتے وقت اسکے چہرہ کا رنگ بدل گیا اور وہ

مضطرب و سراسیمہ ہوگیا تھا۔ اور دختر فرعون نے بھی کیوں پہلی ہی ملاقات میں صاف صاف لفظوں میں اسکی تعریف کی تھی۔ ان خیالات کے آتے ہی بادشاہ دل ہی دلمیں حد درجہ جھنجلایا اور سوچا کہ بہتر ہی ہوا کہ بردیہ فی الحال یہاں سے جارہا ہے اور اگر بھائی ہونیکا پاس و لحاظ نہ ہوتا تو وہ اُسے اُس جگہ بھیجدیتا جہاں سے کبھی کوئی واپس نہیں آسکتا۔

نصف شب گذرنیکے بعد جب دعوت ختم ہوئی اور دربار برخاست ہوا تو سردار خواجہ سرا سامنے حاضر ہوکر آداب بجالایا۔ اب اس کا یہ فرض منصبی تھا کہ اگر بادشاہ بالکل نشہ میں مدہوش ہوگیا ہو تو حرم کے اندر اُسے لیجائے۔

بوگس "عالیجاہا۔ ملکہ فدیما حضور کی نہایت بیچینی سے منتظر ہیں"

بادشاہ "ہونے دے مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ بتا کہ 'معلق باغات' کا محل آراستہ ہوگیا یا نہیں"

بوگس "کل تک ضرور تیار ہوجائیگا"

بادشاہ "میری مصری بیگم کے لئے کون کون سے کمرے سجائے گئے ہیں"

بوگس "وہی جن میں حضور کے والد مکرم کی ملکہ دوم رہا کرتی تھیں۔

بادشاہ "ہاں۔ یہ اچھا کیا۔ خبردار میری نئی ملکہ سے نہایت عزت کے ساتھ پیش آنا اور جبتک مابدولت کا ارشاد نہ ہو اپنی طرف سے کوئی حکم نہ دینا۔ (بوگس سرتسلیم خم کرتا ہے) اور یہ بھی یاد رکھ کہ کسی شخص کو حتی کہ کریسس تک کو بلا میرے حکم کے اُن سے ملنے کی اجازت نہیں ہے"

خواجہ سرا "کریسس تو آج ہی شام وہاں تشریف لائے تھے"

بادشاہ۔ (چیں بجبیں ہوکر) "کس غرض سے؟ اور نیتیس سے کیا باتیں ہوئیں؟"

بوگس "غلام نہیں عرض کرسکتا کیونکہ اُسے یونانی زبان نہیں آتی۔ مگر یہ جانتا ہے کہ اثنائے گفتگو میں کئی مرتبہ شہزادہ بردیہ کا نام آیا تھا۔ اور ملکہ والا تبار نہایت مغموم اور افسردہ معلوم ہوتی تھیں"

یہ سنتے ہی کمبوجیہ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا اور کریسس کی طرف گھور کر غصہ سے بولا "تیری زبان سڑ جائے! تجھ پر اہرمن کی پھٹکار! میرے سامنے سے دور ہو" پھر غلاموں و مشعلچیوں کے جلو میں کچھ بڑبڑاتا ہوا جلدی سے اپنی خوابگاہ کو چلا گیا۔

دوسرے دن بوقت دوپہر بردیہ مع اپنے رفقا اور خدم و حشم مہم تیوری پر روانہ ہوگیا کریسس شہر پناہ کے باہر تک پہنچانے آیا۔ بردیہ نے جھک کر اسکے کان میں کہا "کوئی نامہ بر مصر سے میرے نام خط لائے تو مہربانی کر کے اُسے مجھے جلد بھیج بھیجئے گا۔"

کریسس۔ (مسکرا کر) "بلا یونانی زبان جانے خط کس طرح پڑھ سکو گے؟"

بردیہ "گیجیس میرے رازداں ہیں مجھے اُن پر پورا بھروسہ ہے۔ اور (مسکرا کر) حضرت عشق بھی میرے ذہن کو تیز کر کے کچھ نہ کچھ مدد دیں گے۔"

کریسس "کل میں نے نتیتس سے بھی تمہاری روانگی کا ذکر کیا تھا۔ اُنہوں نے بہت بہت دعا و سلام کے بعد یہ کہا ہے کہ اپنے مصری دوستوں کو مت بھول جانا۔"

بردیہ "ہرگز نہیں۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔"

کریسس۔ (بردیہ سے آخر بار رخصت و بغلگیر ہوکر) "میرے فرزند دلبند! اب جاؤ۔ دیوتا ہمیشہ تمہارے حافظ و نگہبان رہیں۔ یاد رکھو باغیوں سے اپنے نیک دل باپ کی طرح رحم سے پیش آنا۔ اور یہ نہ سمجھنا کہ انکی یہ حرکت گستاخی یا کبر و غرور پر مبنی ہے بلکہ اسکا محرک وہ مبارک جذبۂ انسانی ہے جس کا نام آزادی و حریت ہے اور جو ایک کمزور و عاجز شخص کو اپنی جان و مال فدا کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ پیارے بردیہ کبھی نہ بھولنا کہ رحم و کرم ظلم و خونریزی سے کہیں زیادہ افضل ہے۔ کیونکہ تلوار تو فوراً مار کر خاتمہ کر دیتی ہے۔ مگر جاں بخشی و عفو ہمیشہ کے لئے آدمی کو بندۂ بے زر بنا دیتا ہے۔ جنگ و جدل طبع انسانی کا ایک وحشیانہ مظہر ہے۔ ہماری خلقت کا وہ بدترین نمونہ ہے جو ہمیں خونخوار درندوں کی مانند ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیتا ہے۔ امن و امان کی تمام برکتیں

اُٹھ جاتی ہیں۔ نوجوان وتنومند تہ خاک ہوتے ہیں۔ بڈھے وکمزور زندہ رہتے ہیں۔ قوم برباد خاندان تباہ ہوجاتے ہیں۔ اس لئے جہانتک جلد ہوسکے اُسے ختم کرنے کی کوشش کرنا میں بھی تمہارے لئے فتح ونصرت کی دل سے دعائیں مانگونگا۔ اچھا اب رخصت۔"

باب تیرہواں

نتیس کی سسرال

کمبوجیہ کو اُس رات بالکل نیند نہ ائی۔ پری جمال شہزادی کی یاد اسکے دل کو بے چین کر رہی تھی اور رشک وحسد کے جذبے خواہش وصل کو اور بھی بھڑکا رہے تھے ایرانی شریعت کے مطابق ایک غیر ملک کی عورت جبتک مذہب[1] زردشت قبول کرکے

---

[1] زردشت یا زردشترا دنیا کے اُن مشہور لوگوں میں گذرا ہے جنہوں نے نیچر پرستی کو توڑ کر لوگوں کو خدا ے واحد کی پرستش کی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ اسکے سن ولادت ومقام پیدائش دونوں میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ۶۶۰ ق م میں یہ صوبہ آذربائجان میں پیدا ہوا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سولن یونان میں زندہ تھا۔ اور اہل یہود بابل میں اسیری کی مصیبتیں اٹھا رہے تھے۔ بعض اس کا مولود رَے یا باختر بتاتے ہیں۔ مرزا عباس شوستری مصنفہ ایران نامہ کا خیال ہے کہ یہ پندرہ سو برس قبل مسیحؑ پیدا ہوا تھا۔ اور حضرت موسیٰؑ کا ہمعصر تھا غرضکہ جب یہ جوان ہوا تو دنیا سے کنارہ کش ہوکر کوہ سولن یا سہند کے ایک غار میں گوشہ نشین ہوگیا۔ یہاں اُسے الہام باری ہوا۔ اور بعد ازاں جھیل ارمیہ کے قریب ایک میدان میں اہرمزد کے سات فرشتوں نے اسے احکام الٰہی سکھائے۔ اہرمن نے بہکانے کی بہت کوشش کی مگر ناکامیاب رہا۔ زردشت نے اب اپنے مذہب کی تلقین شروع کی۔ تمام ایران کا سفر کیا اور آخرکار شاہ گشتاسپ جو غالباً شمال مشرقی

اس کے تمام قواعد و رسومات سے واقف نہ ہو جائے۔ بادشاہ کو اسے نکاح میں لانے کی اجازت نہ تھی۔ اور کم از کم اُسے ایک سال انتظار کرنا پڑتا تھا۔ مگر کمبوجیہ کو اسکی کیا پرواہ تھی۔ وہ اپنے آپ کو تمام قوانین سے افضل و برتر سمجھتا تھا اور تین ماہ کی مدت کو بس کافی خیال کرتا تھا کہ اس عرصہ میں نٹیتس مجوس کی تعلیم سے بہرہ ور ہو کر اُس کی زوجیت میں آنیکے قابل ہو جائیگی۔ بادشاہ کی اس غیر معمولی بیتابی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ دختر فرعون پر نظر پڑتے ہی اسکے نا آشنا دل میں یکایک ایک ایسا جذبہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا جس نے اسے اپنی تمام بیویوں سے ایک سخت نفرت پیدا کر دی تھی۔ اُسے اپنا تمام حرم سرا ویرانہ نظر آتا تھا۔ اور کیسا حرم سرا! جسے ایک پرستان یا اندر کا اکھاڑا کہنا چاہئے جہاں آہو چشمانِ ارمن۔ گلرخانِ قاف و گرجستان۔ نازنینانِ ہند۔ سنہری بالوں والی ایران و میدیہ کی حور وش لڑکیاں۔ زنانِ بابل جنکی خوش اندامی و عیش پسندی مشہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ایران کا ایک کیانی تاجدار تھا مع اپنے تمام درباریوں کے اس کا مرید ہو گیا۔ اسنے اس مذہب کو بہت ترقی دی۔ کافروں سے متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ اور زردشت بھی اسی قسم کے کسی جہاد میں ۷۷ برس کی عمر میں مارا گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ جنگ تورانیوں سے ہوئی تھی۔ اور خراسان میں بلخ کے قریب زردشت شہید ہوا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک دن معبد کے اندر بیٹھا ہوا عبادت کر رہا تھا کہ ایک شخص نے پیچھے سے آکر خنجر بھونک دیا۔ غرضکہ زردشت کی سوانحات میں قصہ کہانیوں کا بہت حصہ شامل ہو گیا ہے۔ جادوگروں و دیوؤں سے بھی اسکی اکثر جنگ ہوئی ہے۔ اور وہ سب بالآخر مغلوب ہوئے ہیں۔ اسکے صحیح احوال و احکامات کا بہت کم پتہ لگتا ہے۔ اسکی مذہبی کتاب زند اوستا تھی۔ جو اسکے بعد مرتب ہوئی تھی اسکی ۲۱ جلدیں تھیں جنمیں دس لاکھ ابیات تھے جو بحکم شاہ گشتاسپ سونیکے حروف میں لکھے گئے تھے یہ کتاب پرسی پولس کے خزانہ میں محفوظ تھی سکندر نے جب اس شہر پر حملہ کیا تو اس کتاب کو جلا دیا۔ اب اسکا صرف ایک حصہ یعنی وندیداد کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی کسی قدر مشتبہ ہے کیونکہ کئی سو برس بعد عہد ساسانیان میں اسے زبان پہلوی میں ترجمہ کیا گیا تھا۔ اب اسکا بھی کہیں پتہ نہیں۔ آجکل سب سے قدیم نسخہ تیرھویں صدی عیسوی کا ہے۔ (الفنس جیکسن وغیرہ)

تھی۔ غرضکہ تمام جہان کی حسینانِ ماہ وش تھیں جو ہر وقت اسکی خوشامد و خدمت کیلئے موجود رہتی تھیں۔ علاوہ اسکے خاندان ہخامنش کی کئی ایک ذی مرتبہ خواتین بھی تھیں جو باضابطہ اسکے عقد میں آچکی تھیں۔ انہیں میں اسکی ایک خالہ زاد بہن فدیما دختر آتانس (اُتنو) بھی تھی۔ جو ابتک اسکی بیویوں میں سب سے زیادہ ممتاز و چہیتی سمجھی جاتی تھی۔ مگر وہ بھی اب دختر فرعون کے سامنے نظروں سے گرگئی۔ مصری شہزادی کی آن بان و عالی حوصلگی سب پر بالا تھی۔ دوسری بیویاں لونڈی باندیوں کی طرح ہمیشہ اسکی خوشامد درآمد کرتی تھیں مگر اس میں رانیوں کی طرحداری وشان وشوکت تھی۔ وہ اسکے قدموں پر گرگر جبہ سائی کرتی تھیں لیکن بالابلند نلتیتس ایک شاہانہ تمکنت وخودداری کے ساتھ دلیرانہ گفتگو کرتی تھی۔ اب آیندہ فدیما کی جگہ وہی اُسکی خاص ملکہ ہوگی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اعلیٰ مرتبہ پر وہ اُسے سرفراز کریگا اور جو عزت سیروس اعظم نے ملکہ کاسدانہ کو بخشی تھی۔ وہی اس کو بھی دیجائیگی یعنی صرف اُسی کو امور سلطنت میں صلاح ومشورہ دینے کا حق ہوگا۔ وہی اس کی ہمجلیس اور مشیر خاص ہوگی۔ باقی سب جاہل و بیوقوف ہیں اور سوائے اچھے لباسوں و بیش بہا زیورات پر جان دینے یا آپس میں لڑنے جھگڑنے و شر وفساد کرنیکے انہیں اور کچھ نہیں آتا۔ نلتیتس میں اور ان میں زمین آسمان کا فرق ہے وہ باوجود ایک اجنبی و غیر ہونیکے کتنی جلد اسکے مزاج کو سمجھ گئی۔ اور آیندہ بھی ہمیشہ اُسے خوش کرنے کی کوشش کریگی کیونکہ اس ملک میں اب سوائے اُسکے اور کون اُسکا حامی و مددگار ہوسکتا ہے اس لئے ہرگز کسی سے دل لگانے کی جرأت نہ کریگی اور اسی کی محبت کا دم بھرے گی۔ غیروں کی صحبت سے وہ اُسے دور رکھے گا خصوصاً بردیہ کو اب ہوشیار رہنا چاہیئے۔ اگر ذرا بھی اسکی نیت بد کا پتہ چل گیا تو خیر نہیں ہے اور اسے فوراً معلوم ہوجائیگا کہ جو لوگ شہنشاہ کی راہ میں رخنہ اندازی یا اسکے مقابلہ کی جرأت وہمت کرتے ہیں انکا کیسا انجام بد ہوا کرتا ہے۔

نتیتس کی رات بھی بڑی بےچینی سے کٹی۔ اسکی خوابگاہ سے ملحق حرم کی بیگمات کی نشست و برخاست کا خاص کمرہ تھا جہاں سے گانے بجانے کی آوازیں دیر تک آتی رہیں اور بوگس کی باریک و کرخت آواز بھی جو عورتوں سے ہنسی مذاق کر رہا تھا اکثر سنائی دیتی رہی۔ آخر جب رات بہت گذری تو ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ سب خواب خرگوش کے مزے لینے لگے لیکن شہزادی کی آنکھوں سے نیند اب بھی اُچاٹ تھی۔ کبھی اپنے پیارے وطن کو یاد کرتی کبھی اپنی غریب بہن تاشو کا خیال کرتی۔ کبھی بردیہ کی صورت سامنے کھڑی ہو جاتی۔ اور کریسس کا یہ کہنا یاد آتا کہ وہ کل ایسی جنگ پر جا رہا ہے جہاں اسکی جان کا بہت خوف ہے۔ غرضکہ اسی اُدھیڑ بن میں کروٹیں بدلتی رہی۔ دن بھر کی تھکی ماندی تھی آخر کچھ دیر بعد آنکھ لگ گئی تو یہ خواب پریشان نظر آیا کہ اس کا پیارا شوہر یعنی شہنشاہ کمبوجیہ ایک مشکی گھوڑے پر سوار ہے اور کہیں جا رہا ہے۔ اتنے میں بردیہ کی لاش سامنے پڑی ہوئی نظر آتی ہے جسے دیکھتے ہی گھوڑا بڑے زور سے اچھلتا ہے اور بادشاہ کو زمین پر گرا کر اسے گھسیٹتا ہوا دریائے نیل میں لیجا کر پھینک دیتا ہے۔ پھر فوراً ہی دریا کا پانی یکایک خون کی طرح سُرخ ہو جاتا ہے جسے دیکھتے ہی اسکے مُنہ سے ایک چیخ نکلتی ہے کہ اہرام مصری گونج اُٹھتے ہیں اور انکی صدائے بازگشت بڑھتے بڑھتے ایسی وحشتناک معلوم ہوتی ہے کہ یکایک اسکی آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ گھبرا کر پلنگ پر بیٹھ جاتی ہے مگر یہ کیا تھا؟ عالم خواب ہے یا بیداری؟ درحقیقت ایک ہولناک آواز کانوں میں آئی اس نے کھڑے ہو کر جلدی سے کھڑکی کا دروازہ کھول دیا اور باہر جھانک کر دیکھا۔ جہاں ایک نہایت خوشنما چمن کھلا تھا۔ جسکی کنج و روشوں میں طرح طرح کے پودے و درخت تھے۔ اور انکی تمام ڈالیاں و پتیاں اس وقت شبنم سے بھیگی تھیں۔ سپیدۂ صبح نمودار ہو چکا تھا۔ نسیم سحری کے جھونکے چل رہے تھے۔ ہر طرف خاموشی و سکوت کا عالم تھا۔ شہزادی ٹھنڈی ہوا کے لگتے ہی اب بالکل بیدار ہو گئی تھی اور اس دلکش سماں سے پورے

طور سے لطف اٹھا رہی تھی کہ اتنے میں اسکی نگاہ دو شخصوں پر پڑی جو محل سے نکل کر باغ میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کو اُس نے فوراً پہچان لیا۔ وہ **یوگس** خواجہ سرا تھا جو ایک نوجوان حسین عورت سے نہایت گھل مل کے باتیں کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد یہ دونوں اسی کی کھڑکی کی طرف آتے ہوئے نظر آئے جسے دیکھتے ہی **نتیس** فوراً ایک پٹ بند کر کے پیچھے چھپ گئی۔ اور بغور اُنکی گفتگو سننے لگی۔

خواجہ سرا" **دختر فرعون** ضرور اپنے سفر کے بعد تھک گئی ہوگی اور شاید ابھی تک سو رہی ہے"

عورت" جلدی بتاؤ۔ کیا واقعی یہ اجنبی عورت میرے لئے خطرناک ثابت ہوگی"

خواجہ سرا" میری بھولی بھالی ننھی جان ابھی تک تمہیں یہی نہیں معلوم"

عورت" بھلا کہو تو تمہیں اس بات کا کیوں اندیشہ ہوا"

خواجہ سرا" تم نے سُنا نہیں۔ اس لاڈلی بیگم پر میرا کوئی اختیار نہ ہوگا۔ اور خود شہنشاہ کے زیر حکم رہیں گی"

عورت" بس اسی قدر۔ یہ تو کوئی بات نہیں"

خواجہ سرا" جان من تمہیں کیا خبر میں بادشاہ کے مزاج سے خوب واقف ہوں اور صرف صورت ہی دیکھ کر اسکے دل کا حال اسطرح تاڑ جاتا ہوں جس طرح کوئی معلم یا اُستاد ایک کھلی ہوئی کتاب بآسانی پڑھ لیتا ہے"

عورت" (متوحش ہو کر) اگر یہ ہے تو اس بدذات کو نیچا دکھانا چاہیے۔ اور اُسے تباہ کرنے کی جلدی فکر کرنی چاہیے"

خواجہ سرا" (ناک پر انگلی رکھ کر) ذرا سچ کہنا۔ میری بھولی بھالی فاختہ کو بھی جوش آگیا"

عورت" (تیوری چڑھا کر) بڑا گستاخ مردوا ہے میں جاتی ہوں۔ یہاں اب نہیں پھر کہیں کوئی دیکھ نہ لے"

خواجہ سرا: "دیکھے گا کون۔ جاؤ نہیں خفا نہ ہو۔ تمہارے ہی مطلب کی بات ہے۔ ایک دن تم ہی میرے پاس ہاتھ جوڑتی ہوئی آؤ گی۔"

عورت: "دیکھ مجھے تنگ نہ کر۔ تو نے کوئی تدبیر بھی سوچی ہے کہ یوں ہی باتیں بنا رہا ہے۔"

خواجہ سرا: "پیاری قدسیا تم تو ابھی سے ایسی گھبرا گئیں۔ ذرا صبر سے کام لو۔ فی الحال خاموشی مصلحت ہے۔ مجھے کریمس سے صرف ڈر ہے۔ یہ حد درجہ کا ہوشیار و زیرک شخص ہے اور مصریہ کے معاملات میں بہت دلچسپی لیتا ہے۔ اسکے جاتے ہی دیکھنا پھر کیسا جال پھیلاتا ہوں۔ مجال ہے کہ کوئی اس میں پھنس کر باہر نکل جائے۔"

یہ کہہ کر دونوں ٹہلتے ہوئے اس قدر دور نکل گئے کہ نفتیس کو اور باتیں سنائی نہ دیں۔ اس نے غصہ سے کھڑکی کو بند کر دیا اور کنیزوں کو آواز دیکر کپڑے پہنانے کا حکم دیا۔ وہ اپنے دل میں بڑی شکر گذار تھی کہ خیر دشمن سے تو خبردار ہوگئی اور یہ جان گئی کہ کن خطرات کا ابھی اُسے سامنا کرنا ہے۔ نیز یہ علم بھی اُسے ہو گیا کہ وہی شہنشاہ کی چہیتی و خاص بیوی ہوگی۔ اور دوسرے رقیب ابھی سے اُس پر رشک و حسد کھانے اور آزار دہی کی فکریں کرنے لگے۔ اس سے بجائے خوفزدہ ہونیکے اُس کے دل میں غرور و مسرت کے جذبات پیدا ہوئے اب اسے اپنی اصلی قدر و قیمت معلوم ہوگئی۔ اور دوسروں کا مقابلہ کرنے سے خائف نہ ہوئی۔ کیونکہ اُسے اپنی نیکی و پاکدامنی پر پورا بھروسہ تھا اور یقین تھا کہ سچ کو کوئی آنچ نہیں آسکتی۔ اور دشمن جو کچھ بھی کریں گے اپنے منہ کی کھائیں گے۔ اور بالآخر فتح و نصرت کا سہرا اُسی کے سر بندھے گا۔ انہیں خیالات میں غلطاں و پیچاں تھی کہ اتنے میں اُسے اپنا خواب یاد آیا اور مشاطہ سے جو اُسکے بالوں کو سنوار رہی تھی مخاطب ہو کر بولی "میں نے آج صبح تڑکے ایک عجیب آواز سنی تھی وہ کیا تھی؟"

مشاطہ "بیوی کیا آپ کا مطلب گھڑیال سے ہے "
منیتیس "مجھے معلوم نہیں۔ مگر وہ ایسی مہیب آواز تھی جسے سُنتے ہی میں قبل از وقت بیدار ہو گئی "
خادمہ " میں سمجھ گئی۔ وہ اس بڑے گھنٹے کی آواز تھی جو ہر روز علی الصباح امیرزادوں کو جگانے کے لئے بجایا جاتا ہے آپ جلد اُسکے عادی ہو جائے گا۔ مجھے بھی وہ پہلے بہت وحشت انگیز معلوم ہوتا تھا۔ مگر اب یہ حال ہے کہ چھٹیوں کے زمانہ میں جب اس کا بجنا بند ہو جاتا ہے تو اُس وقت کی خاموشی ایک عجیب بات معلوم ہوتی تھی۔
بیوی! شاید آپ کو خبر نہیں کہ ان امیرزادوں کی تربیت خود بادشاہ سلامت کرتے ہیں باغات معلقہ سے آپ کو یہ تماشا بخوبی نظر آئے گا کہ کس طرح گرمی ہو یا جاڑہ سویرے تڑکے ان نوجوان طالب علموں کے پرے کے پرے قواعد سے فارغ ہو کر حمام کی طرف جاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان عزیزوں کو چھ ہی برس کی عمر سے اپنے والدین سے چھڑا کر بادشاہ کی زیر نگرانی بڑی سخت تربیت و تعلیم دیجاتی ہے "
منیتیس " کیا اس سے یہ مقصد ہے کہ شروع زمانہ عمر ہی سے وہ درباری عیش و عشرت سے واقف ہو جائیں "
خادمہ " جی نہیں۔ بلکہ اس کے بالکل برخلاف انکی زندگی بڑی تکلیف سے کٹتی ہے ان کو زمین پر سونا پڑتا ہے۔ اور کھانے کو روٹی۔ پانی اور بہت ہی تھوڑا سا گوشت ملتا ہے شراب و کباب و میوے وغیرہ کبھی آنکھ سے دیکھنے کو میسر نہیں آتے۔ بلکہ اکثر تو کئی کئی دن تک کچھ کھانے کو نہیں ملتا تھا تاکہ ریاضت و فاقہ کشی کی عادی ہو جائیں جب ہم لوگ پسارگد[۵۱]

[۵۱] پزارگد۔ پارساگرد۔ پاژرگا۔ یہ کورش اعظم اور کمبوجیہ کا پایہ تخت تھا یہیں اول الذکر نے استیاز آخری تاجدار میدیا کو شکست دی تھی۔ آجکل اسکے آثار میدان مرغاب میں نظر آتے ہیں۔ یہ میدان مشہد مرغاب (ایک قریہ) سے جو اصفہان سے پانچ دن کا راستہ ہے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں پہنچتے ہی جو شے سب سے پہلے نظر آتی ہے وہ ایک وسیع چبوترہ بلند مقام پر ہے۔ جسے تخت سلیمان کہتے ہیں۔ اور جو غالباً کورش کا دربار

یا اکتبانہ[۵۱] جاتے ہیں جہاں کڑاکے کی سردی پڑتی ہے تو صبح اٹھتے ہی ان سب لڑکوں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہال تھا۔ آگے چل کر وہ سب سے زیادہ عجیب عمارت ملتی ہے جو قبر مادر سلیمان کے نام سے مشہور ہے۔ مگر حقیقت میں کورش اعظم کا مقبرہ ہے۔ اسکی اونچائی ۳۵ فٹ۔ لمبائی ۲۰ فٹ۔ اور چوڑائی ۱۷ فٹ تھی۔ یہ بالکل پتھر سے بنا تھا۔ اور ایک اونچے چبوترہ پر واقع تھا جسکی اب صرف سات سیڑھیاں باقی رہ گئی ہیں۔ اس کا دروازہ ۴ فٹ اونچا اور ڈھائی فٹ سے کچھ زیادہ چوڑا ہے۔ یونانی مورخ لکھتے ہیں کہ سکندر کے زمانہ میں اس پر ایک کتبہ (جسکا اب پتہ نہیں) تھا اور یہ عبارت کندہ تھی:۔

"اے انسان! ہر کہ باشی و از کجا می آئی بداں من کورش موسس سلطنت ایران ہستم۔ برمن حسد مکن۔ واز ایں جزئی خاک کہ جسد مرا پوشانیدہ۔ مرا محروم منما" بقول ان مورخین کے اس مقبرہ کے قریب ایک خوشنما چار دیواری وچمن بھی تھا اور متولی کی قیام گاہ بھی ایک طرف واقع تھی۔ مقبرہ کے اندر کورش کی لاش ایک طلائی تابوت میں محفوظ تھی۔ جس کے نزدیک ایک کوچ تھا جسکے پائے طلائی تھے۔ اور ایک میز پر بیش بہا جواہرات ولباس رکھے ہوئے تھے۔ جب سکندر اعظم زیارت کو آیا تو کوئی شے باقی نہ تھی۔ لوگ سب لوٹ کر لیگئے تھے۔ سکندر نے نہایت احترام کے ساتھ دوبارہ ان اشیا کو بہم پہنچایا اور دروازہ کو چن کر اپنی مہر لگادی۔ (پروفیسر جیکسن)

[۵۱] ہگمتان۔ اکتبانہ۔ ہمتان۔ یعنی موجودہ ہمدان۔ بقول ہیروڈوٹس اس کا بانی فراورتس پہلا شاہ مید تھا۔ (۷۰۰ ق م) اسکے گرد سات دیواریں تھیں۔ اسکے اندر مشہور عبادتگاہیں اور لکڑی کے عالیشان محلات شاہی تھے۔ اور جہاں آجکل مصلی ہے وہاں وہ مشہور قلعہ تھا جسکے متعلق ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ اربسس شاہ اشور نے اپنی دولت وہیں جمع کی تھی۔ کورش کا بیشمار خزانہ اسی میں تھا۔ اور سکندر نے بھی اپنا مال غنیمت یہیں لاکر محفوظ رکھا تھا۔ اس قلعہ میں باغی حکمراں وقیدی رکھے و قتل کئے جاتے تھے۔ ہخامنش کے زمانہ میں ہمدان انکا موسم گرما کا پایہ تخت تھا۔ سکندر بھی دو بار یہاں آیا۔ اور کہتے ہیں کہ اسی شہر میں جب ایک رات محفل طرب منعقد تھی یہاں کا ایک نہایت چہیتا سردار مرگیا۔ سکندر نے شراب کے نشہ میں گرد ونواح کے تمام نوجوانوں کو قتل کراکے متوفے کی سفینتیں پہ بھینٹ چڑھایا۔ اور اس کا ایک مقبرہ بھی تیار کرایا۔ عربوں

نہایت ٹھنڈے پانی میں نہانا پڑتا ہے۔ اور جب ہم سوسا[۵] میں مقیم ہوتے ہیں اور موسم گرما میں غضب کی دھوپ و لو چلتی ہے تو ان کو عین دوپہر کے وقت بڑی سخت دوڑیں و ورزشیں کرائی جاتی ہیں۔"

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) کے زمانہ میں بھی یہ شہر ایک بڑا تجارت گاہ تھا۔ تیمور نے اس پر حملہ کیا اور ۱۸ صدی میں آغا محمد شاہ نے بھی اسے خوب لوٹا۔ بوعلی سینا کا مزار ہمدان ہی میں ہے۔ آثار قدیمہ میں ایک پتھر کا شیر دامن مصلی ہی میں ابھی تک موجود ہے جسے غالباً شاہان مید نے نصب کرایا تھا۔ مسعودی نے اسے باب اسد کے قریب دیکھا تھا اور وہ لکھتا ہے کہ شہر والے اسے بہت متبرک سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جبتک کھڑا رہے گا کوئی تباہی نہ آئے گی۔ کچھ عرصہ کے بعد جب یہ گر پڑا تو واقعی یہ پیشین گوئی صحیح نکلی اور شہر پر سخت بربادی اور آفت آئی۔ اب وہ بہت شکستہ ہو گیا ہے لیکن پرانے توہمات باقی ہیں۔ مائیں اپنے بچوں کو اس پر بٹھاتی ہیں۔ بانجھ عورتیں اسکی پیشانی پر بوسہ دیتی ہیں۔ اور اکثر لوگ اس پر پتھر کے ٹکڑے رکھ کر منتیں مانگتے ہیں۔ ہمدان کے قریب کوہ الوند کی چوٹی پر دارا اور خشیار شاہ کے دو مشہور کتبے ہیں جنہیں یہاں کے لوگ گنج نامہ کہتے ہیں (پروفیسر جیکسن)

[۵] سوسا یا شوش جسکے آثار شستر و اہواز کے نزدیک موجود ہیں نہایت قدیم و مشہور شہر تھا۔ یہ سلطنت ایلم (موجودہ عربستان۔ لورستان و پشت کوہ) کا دار الخلافہ تھا۔ اور ۴۰۰۰ برس قبل مسیح سے لیکر ۶۵۰ برس بعد مسیح تک آباد رہا یعنی دنیا میں سب سے زیادہ عمر کا شہر ہوا ہے۔ اوائل ایام سے یہاں تمدن کے آثار پائے جاتے ہیں۔ غالباً یہاں سب سے پہلے حبشی و تورانی اقوام آباد تھی۔ پھر سامی قوم کے لوگ آئے۔ بعد ازاں اشور کی حکومت ہوئی۔ فارس کی تہذیب و تمدن کی یہیں سے ابتدا ہوئی۔ کورش نے ایک بہت بڑا قلعہ بنایا جسکا ذکر انجیل میں آیا ہے۔ اور اپنی دولت اس میں جمع کی۔ دارا نے اپنا عالیشان محل جسے سکندر نے آگ لگا کر برباد کر دیا اسی شہر میں بنوایا تھا۔ اسکے ایک صدی بعد خشیار شاہ دوم نے بھی ایک دوسرا عظیم الشان محل یہاں تعمیر کرایا۔ انہیں کے آثار میں تیر اندازوں و شیروں کے وہ مشہور مرقعے ہیں جو چکنی اینٹوں پر مختلف رنگوں سے بنائے گئے تھے (اجر کاشی) اور آجکل عجائب خانہ لوور کو زینت بخش رہے ہیں۔ غرضکہ اس شہر میں بکثرت انقلاب آئے کئی بار برباد ہوا اور پھر بنا خاندان اشکانی و ساسانی عہد میں گو اسکی شہرت کم تھی تاہم خوب آباد تھا۔ (سائکس و دالنس)

نتیتیس "تاہم سخت حیرت کی بات ہے کہ یہی لڑکے آیندہ بڑے ہو کر ایسے عیش پسند ہو جاتے ہیں"

خادمہ "ہر انسان کی طبیعت کا یہی خاصہ ہے کہ جس قدر اُسے بھوکا رکھا جائیگا اتنا ہی زیادہ وہ لذیذ کھانوں پر گریگا۔ اسی لئے ایک نوجوان امیرزادہ جو اپنے چہار طرف تمول وعیش کے سامان دیکھتا ہے مگر ان سے محروم رکھا جاتا ہے۔ آیندہ جب اُسے آزادی نصیب ہوتی ہے تو پھر خوب جی کھول کر زندگی کے مزے لوٹتا ہے۔ مگر اپنی تربیت کا اثر اب بھی اُسکی طبیعت میں ہے۔ اور بوقتِ جنگ وجدل یا شکار سخت زندگی جھیلنے کے لئے فوراً تیار ہو جاتا ہے۔ اسے بھوک پیاس کا کچھ خیال نہیں آتا۔ اور باوجود اپنی نازک پاپوشوں اور ریشمی شلوار کے پانی میں کودڑنا یا دلدل میں چلنا وہ بچوں کا ایک کھیل سمجھتا ہے۔ اور گرم پہاڑی چٹانوں پر لیٹکر اس آرام سے نیند کے مزے لیتا ہے گویا مخملین یا نرم گدیلوں والی کسی سیج پر سو رہا ہے یہ امیرزادے ہمارے قوم کے لئے باعثِ فخر ہیں۔ آپ کسی دن انکی بہادرانہ کرتب ضرور ملاحظہ فرمائیگا یا بادشاہ سے کہئے گا وہ خود آپ کو تماشا دکھا دیں گے"

نتیتیس "ہمارے مصر کا بھی یہی حال ہے بلکہ ہمارے یہاں تو لڑکوں ولڑکیوں دونوں کو ورزشیں سکھائی جاتی ہیں۔ خود مجھی کو دیکھ لو۔ میرے ہاتھ پیر کیسے مضبوط ہیں مجھے دوڑنا۔ کودنا۔ تیرنا۔ گیند وغیرہ کھیلنا خوب آتا ہے"

مشاطہ "سچ کہئے مجھے تو سنکر بڑی حیرت ہوئی۔ کیونکہ ہم لوگ تو صرف کاہلی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور چرخہ کاتنے اور روٹی پکانے کے سوائے اور کچھ نہیں جانتے۔ کیا یہ سچ ہے کہ مصری عورتوں کو لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا ہے"

نتیتیس "ہاں یہ بالکل صحیح ہے۔ ہمارے ملک میں شاید ہی کوئی عورت ہو جسے لکھنا پڑھنا نہ آتا ہو"

مشاطہ " متھرا کی قسم! آپ لوگ نہایت مہذب و تعلیم یافتہ ہیں۔ ہمارے ایران میں تو سوائے مجوس یا کاتبوں کے اور کسی کو یہ ہنر نہیں آتے۔ امیر زادوں کو تو بس[۱] اسی قدر سکھایا جاتا ہے کہ سچ بولیں۔ مطیع رہیں۔ بہادری کے جوہر دکھائیں۔ ہرمزد کی پرستش کریں۔

[۱] ہخامنش کے زمانہ میں عوام اپنی اولاد کو اپنے پیشہ و کام کے موافق تعلیم دیتے تھے۔ برہمنوں کے لڑکے لکھنا پڑھنا سیکھتے تھے اور مذہب کے ساتھ قانون و حکمت کی بھی تعلیم پاتے تھے۔ کتابیں اُس زمانہ میں شاذ و نادر تھیں۔ اسلئے زیادہ تر حافظہ پر دارو مدار تھا۔ شاہزادوں و امیر زادوں کی تعلیم بالکل مختلف ہوتی تھی۔ زنوفن لکھتا ہے کہ پانچ سال کی عمر ہوتے ہی انہیں والدین سے علیحدہ کر کے ایک خاص مکتب میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ جس کے چار مدارج تھے۔ پہلے درجہ میں ۵ تا ۱۶ سال کے لڑکے تھے جنہیں راستگوئی۔ اطاعتِ بزرگان۔ تیراندازی و شہسواری سکھائی جاتی تھی۔ دوم درجہ میں دس سال تک تربیت پاتے اور اصول ملک داری۔ عدالت و اصول جنگ وغیرہ کی تعلیم پاتے۔ اور جب بادشاہ شکار وغیرہ کو جاتا اُسکے ہمرکاب رہتے۔ درجہ سوم میں ۲۵ سال کی عمر سے فنون جنگ اور استعمال آلات حرب وغیرہ کی تکمیل ہوتی۔ اور لڑائیوں میں آزمائش و امتحان لیا جاتا۔ یا کسی ولایت میں حاکم بنا کر بھیجا جاتا۔ چوتھے درجہ میں قوانین شرع۔ داد و قضا وغیرہ کی تکمیل کی جاتی اور مناسب عہدوں پر انہیں سرفراز کیا جاتا۔

ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ اوستا میں گو مذہبی تعلیم کی تاکید کی گئی ہے لیکن ہخامنش سپاہی و جنگجو تھے امیر زادوں کو زیادہ تر اسی کی تعلیم دی جاتی تھی اور بڑی سختی کے ساتھ انکی تربیت کی جاتی تھی۔ تعلیم گاہ بادشاہ کے محل کے قریب ایک صحن ہوتا تھا۔ دوسرے شہروں میں والی کا محل یا کوئی بڑی عمارت عامہ اسکے لئے مخصوص کی جاتی۔ بازاروں کے قریب تعلیم گاہیں نہ بنائی جاتی تھیں کیونکہ لڑکوں میں دھوکہ بازی و دروغ گوئی کی عادات نہ پیدا ہو جائیں۔ پہلا سبق یہی تھا کہ جھوٹ بولنا سخت گناہ ہے۔ ناموران قدیم کے کارنامے بیان کئے جاتے تھے اور اُنکے قدم بقدم چلنے کی ترغیب دی جاتی تھی۔ سب سے زیادہ فوجی تعلیم تھی۔ جس میں تکالیف جسمانی کا عادی ہونا ضروری تھا۔ انکی غذا روٹی نمک اور اُبلا ہوا گوشت تھا وہ سویرے تڑکے گھنٹہ کی آواز پر اُٹھتے اور پچاس پچاس جماعتیں کسی خاص مقام پر شاہزادوں کی سرکردگی میں جمع ہوتیں۔

شکار کھیلیں - شہ سواری کریں - عمدہ درختوں و پودوں کو باغات میں لگائیں - اور چند ضروری نباتات کو پہچان سکیں - اگر کسی کو شاذونادر جناب دارا کی طرح لکھنے پڑھنے کا شوق ہوتا ہے تو وہ مجوس کے پاس جا کر ملتجی ہوتا ہے - عورتیں اس قسم کے علوم سے بے بہرہ رکھی جاتی ہیں - اور عموماً بالکل جاہل ہوتی ہیں - اب آپ تیار ہو گئیں - یہ موتی شہنشاہ نے آج ہی صبح بھیجے تھے - آپ کے سیاہ بالوں میں کیسے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں گستاخی معاف - ذرا کھڑی ہو جائیے - میں دیکھوں تو - یہ جوتیاں پیروں میں کچھ بڑی ہیں - ذرا اس دوسری جوڑ کو پہن کر دیکھئیے - ٹھیک آتی ہے کہ نہیں چشم بددور یہ لباس آپ پر سجتا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے کوئی پری اتر آتی ہے - ہاں ابھی آپ کو ان ریشمی شلواروں کی عادت نہیں اور اونچی ایڑی کی جوتیاں کسی قدر تکلیف دہ معلوم ہوتی ہیں - مگر ذرا چند قدم چل کر مشق کر لیجئے - مجھے یقین ہے کہ بہت جلد آپ تمام ایرانی خواتین سے اپنے حُسن خرام میں سبقت لیجائیگا"

شہزادی اب اپنے بناؤ سنگار سے فارغ ہو کر بیٹھی تھی کہ بوگس اجازت طلب کر کے حاضر ہوا اور نیتتیس کو مادرِ شاہ یعنی کاسندانہ کے پاس جہاں کمبوجیہ بھی منتظر تھا لیچلا - راستہ بھر اس نے شہزادی سے نہایت تصنع آمیز چاپلوسی و خوشامد کی باتیں کیں - اُسے آفتاب درخشاں - ماہِ تاباں - گلبنِ حُسن و ادا - مخزنِ جود و سخا وغیرہ کہکر طرح طرح سے خوش کرنا چاہا - مگر نیتتیس بالکل متوجہ نہ ہوئی اور نہایت حقارت سے اسکی طرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بڑی دیر تک دوڑ لگاتے - سرپٹ گھوڑے پر جلدی سے اترتے چڑھتے - شمشیر زنی - تیر اندازی و نیزہ بازی کی مشق کرتے اُنھیں زور سے بولنے کی ہدایت کی جاتی - موسم کی سختیوں کا عادی بنایا جاتا - سخت دھوپ میں گھنٹوں دوڑایا جاتا - موسم سرما میں جب برف و کہرہ پڑ رہا ہو مع اپنے تمام اسلحہ دریاؤں کو پار کرتے - جانور چراتے کھلے میدانوں میں رات بھر جاگتے - کئی دن تک بھوکے پیاسے پہاڑیوں کو طے کرتے - (رالنس - ایرانی نامہ)

منہ پھیرے رہی - وہ اپنے دلدادہ کمبوجیہ کے خیال میں اسوقت محو تھی اور حجرۂ شاہی کے قریب آتے ہی اس کا کلیجہ بانسوں اچھلنے لگا تھا - اس کمرے کے دروازوں و کھڑکیوں پر ہندوستانی ریشم کے سبز پردے پڑے تھے - تاکہ دھوپ و روشنی کا بچاؤ ہو اور اندر تاریکی رہے - اور نابینا خاتون کی آنکھوں کو تکلیف نہ پہنچے - فرش پر بابل کے ایسے دبیز اور ملائم قالین بچھے تھے کہ ان پر چلتے ہی پیر دھنس جاتے تھے - دیواروں پر نہایت خوبصورت نقش و نگار تھے - جن میں سونا چاندی - لاجورد - آبنوس - عاج - عنبر اور کچھوے کی ہڈی وغیرہ سے صناعی کا کمال دکھایا گیا تھا - متعدد کرسیاں و کوچیں بچھی تھیں جنکی طلائی ڈھانچوں پر چیتے و شیر کی کھالیں منڈھی تھیں - اور پاس ہی کئی ایک خالص سونے و چاندی کی میزیں و تپائیاں بھی قرینہ سے رکھی تھیں - ملکہ کاسندانہ ایک خوبصورت آرام کرسی پر ٹیک لگائے بیٹھی تھی - اسکے زیب تن ایک نہایت بیش قیمت بنفشئی رنگ کا لباس تھا جس پر نقرئی و طلائی کام لسا ہوا تھا - اسکے سر پر مصر کی بنی ہوئی باریک جالی کا ایک دوپٹہ تھا جس کے دونوں سرے پشت گردن سے سامنے آکر ٹھڈی کے نیچے ہلالی شکل میں بندھے تھے - اسکی عمر ساٹھ و ستر کے درمیان تھی - قد لانبا اور تیر کی طرح سیدھا تھا آنکھیں بے نور ہونیکی وجہ سے بند تھیں - چہرہ کے خط و خال نہایت پاکیزہ تھے - اور ان سے حد درجہ کی ذہانت - شفقت و رحمدلی برستی تھی - اور ایسی بزرگی و شان پائی جاتی تھی جو ہر طرح **کورش اعظم** کی عالی مرتبت بیوہ کے لایق و سزاوار تھی -

ملکہ کے قدموں کے پاس ایک تپائی پر اسکی سب سے چھوٹی لڑکی اتوسا بیٹھی ہوئی اپنے طلائی تکلہ سے لمبے لمبے دھاگے کھینچ رہی تھی - سامنے کمبوجیہ استادہ تھا اور پس پشت مصری کھال نبخار ہی جس کی شکل کمرے کی تاریکی میں کسی قدر دھندلی نظر آرہی تھی - خاموش بت کی طرح کھڑا تھا -

نیتیس کے اندر داخل ہوتے ہی بادشاہ آگے بڑھا اور اسکا ہاتھ پکڑ کر ماں کے پاس

ے آیا۔ جیسے دیکھتے ہی دختر فرعون نے قدموں پر گر کر اسکے ہاتھوں کو نہایت خلوص و ادب کے ساتھ بوسہ دیا اور نابینا خاتون نے بھی اپنا ہاتھ بڑی محبت سے اسکے سر پر پھیکر یہ کہا۔ "بیٹی۔ ہر مزد تیرا آنا مبارک کرے۔ میں پہلے سے تیری تعریف سن چکی ہوں اور بہت خوش ہوں کہ مجھے ایسی لایق و فایق بیٹی ملی۔ تو بھی آج سے ہمیشہ مجھے اپنی ماں کیطرح سمجھنا۔"

نیتیش نے ملکہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیکر اپنی شیریں و نازک آواز سے یہ جواب دیا۔ "میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ یہ میری بڑی خوش نصیبی ہے کہ کورش اعظم کی جلیل القدر ملکہ مجھے اپنی دختر کے لقب سے یاد فرماتی ہیں۔ میرا دل جوش مسرت سے پھولا نہیں سماتا۔ ایک عرصہ کے بعد آج وہ مبارک دن آیا ہے کہ میں کسی کو اپنی پیاری ماں کہکر پکار سکتی ہوں۔ اب میری جان و دل سے یہی کوشش ہوگی کہ اپنی اطاعت و فرمانبرداری سے اس اعزاز کی مستحق بنوں۔ اے بانوئے محترم! مادر مشفقہ! آپ سے بھی اس لونڈی کی بس یہی التجا ہے کہ کبھی اپنے دست شفقت کو اسکے سر سے نہ اٹھائیگا اور ہمیشہ اپنی پند و نصائح سے میری ہدایت فرماتی رہئے گا۔ جب کبھی میرا کمزور دل اپنے وطن کی یاد میں غمگین و پژمردہ ہوگا تو آپ ہی کے پاس آؤنگی۔ آپ ہی کے قدموں پر سر رکھکر اپنا حال عرض کرونگی آپ بھی میری تسلی و تشفی فرماکر ماں باپ کی یاد کو دل سے بھلا دیں گی۔" یہ کہکر وہ زار و قطار رونے لگی۔ اسکے گرم گرم آنسو ملکہ کے ہاتھوں پر پڑے اس نے نہایت محبت سے شہزادی کو گلے لگالیا اور اسکی پیشانی پر بوسہ دیکر کہا۔ "بیٹی! رو نہیں۔ میں تیرے جذبات کو بخوبی سمجھتی ہوں۔ آج سے میرا مکان اور میرا دل دونوں تیرے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ تو میری لخت جگر ہے۔ اپنا کوئی حال مجھ سے ہرگز نہ چھپانا اور ہمیشہ ماں کہکر مجھے پکار تا چند ماہ کے بعد تیرا بیاہ ہوجائیگا اور ہرمزد وہ دن بھی جلد لائیگا جب تو خود بال بچوں والی ہوکر شفقت مادری کو محسوس کرے گی اور کسی دوسرے کی الفت کی ایسی محتاج نہ رہے گی۔"

کمبوجیہ "یہی میری بھی تمنا و آرزو ہے۔ والدہ! میں بہت خوش ہوں کہ آپ نے بھی

میری منگیتر کو پسند کیا۔ وہ ابھی ایک غیر ملک میں ہونے کی وجہ سے گھبراتی ہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ بہت جلد یہاں کی باتوں سے مانوس ہو جائیں گی اور تین چار مہینے میں ہمارے آداب ورسومات سے پوری آگاہی حاصل کر کے میرے عقد میں آنیکے قابل ہو جائینگی۔"

مادرِ شاہ۔ "لیکن شریعت . . . ."

کمبوجیہ۔ "میں چار مہینے سے زیادہ نہ ٹھیرونگا۔ پھر دیکھتا ہوں کہ کون مجھے شادی کرنے سے روکتا ہے۔ پروہتوں پر زیادہ مجھے اعتبار نہیں۔ غرضکہ اس مسئلہ پر پھر آپ سے گفتگو کرونگا۔ اب رخصت ہوتا ہوں (مصری حکیم کی طرف مخاطب ہو کر) **نلبنچارہی**! میری ماں کی آنکھوں کے علاج میں غفلت نہ کرنا۔ تو شہزادی **نلتیتس** کا ہموطن ہے اس لئے اگر انکی خواہش ہو تو کل تو ملنے جا سکتا ہے۔ (عورتوں سے مخاطب ہو کر) **بردیہ** نے تم سب کو سلام کہلا بھیجا ہے۔ وہ مہم تپوری پر روانہ ہو گیا۔"

اتوسا یہ سنکر آبدیدہ ہو گئی۔ اور ملکہ بھی کسی قدر چین بجبیں ہو کر بولی "بھلا چند ماہ کے لئے بردیہ کو ہمارے پاس چھوڑ دیتے تو کیا حرج تھا۔ اس کا جانا ایسا ضروری نہ تھا۔ ہمارا جنرل بگاز[1] تپوری ایسی چھوٹی قوم کو بآسانی سزا دے سکتا تھا۔

بادشاہ۔ یہ صحیح ہے۔ مگر بردیہ نے خود خواہش کی تھی کہ اسے اپنی بہادری دکھانیکا کوئی موقع دیا جائے اس لئے سوائے اُسے بھیجنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔"

ملکہ۔ "تاہم اگر تم چاہتے تو وہ کچھ دن اور انتظار کر سکتا تھا۔ ماساجت سے ایک بڑی جنگ ہونیوالی ہے اُس میں اُسے اپنی نام آوری کے بہت سے موقعے ملجاتے۔"

اتوسا۔ "(تیز کلام ہو کر) اب اگر اس لڑائی میں بھائی بردیہ کو کوئی زخم کاری لگا تو میں آپ ہی کو الزام دونگی کہ والد مرحوم کے انتقام میں حصہ لینے سے آپ نے انہیں محروم رکھا۔"

کمبوجیہ۔ "(غضب آلود ہو کر) چپ تو بڑی زبان دراز ہے۔ ایک دن اس گستاخی کا ایسا

---

[1] بگاباز یا میگابازوس۔

مزہ چکھاؤنگا کہ یاد رکھے گی۔ بردیہ بڑی اتراتی ہے۔ گھبرا نہیں وہ بہت سخت جان ہے اس لڑائی سے اچھا خاصہ واپس آئیگا۔ (ماں سے مخاطب ہوکر) آپ نے بھی بہت زیادہ نازو پیار کرکے بردیہ کو ایسا بگاڑ دیا کہ وہ کسی کام کے قابل نہ رہا"

مادرِ شاہ "کمبوجیہ! تمہارا یہ کہنا بالکل بیجا ہے۔ کیا بردیہ میں صفاتِ مردانگی موجود نہیں ہیں؟ یہ کس کا قصور تھا کہ ابھی تک اُسے جنگ میں نام آوری کا کوئی موقع نہ مل سکا؟ اور اب بیجا بھی تو ایسی چھوٹی سی جنگ پر جو اُسکی کسرِ شان ہے۔ تم بادشاہ ہو تمہارا حکم میرے سر آنکھوں پر۔ مگر بحیثیت ماں ہونیکے مجھے تم سے شکایت کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ میری حالت کا تم نے کچھ خیال نہ کیا اور میرے بچے کو جسکی فرقت میں میں تڑپ رہی تھی۔ چند دن بھی میرے پاس نہ رہنے دیا۔ وہ تو بڑی مہم تک انتظار کرنیکے لئے بخوشی آمادہ تھا مگر تم نے اپنی ہی ضد بالا رکھی اور اُسے ۔۔۔"

کمبوجیہ (غصہ کو ضبط کرکے) "خیر جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اب اسکے متعلق میں اور زیادہ سُننا نہیں چاہتا"

یہ کہکر مُنہ پھلائے ہوئے باہر نکل گیا اور اپنے خدم و حشم کے جلو میں جو اُسکے منتظر تھے قصرِ دربار کی طرف بڑھا۔ اسے ایک گھنٹہ گذر گیا۔ مگر نتیتس اسی طرح ملکہ کے سامنے مؤدبانہ بیٹھی ہوئی اپنے ملک کے عجیب و غریب حالات سنا رہی تھی اور اسکے مختلف سوالوں کا جواب دے رہی تھی۔

اتوسا "تمہاری باتیں سُنکر مجھے مصر دیکھنے کا اس قدر شوق ہوا ہے کہ بیان نہیں کر سکتی تمہارا ملک ہمارے ایران سے بالکل ہی مختلف معلوم ہوتا ہے۔ تمہارے دریائے نیل جسکے ساحل ایسے سرسبز و آباد ہیں ہمارے فرات سے بھی زیادہ بڑی ہوگی۔ تمہاری مندروں کی عظمت و شان اور انکی زینت اور رنگینی قابل دید ہوگی اور وہ مصنوعی پہاڑ جنہیں اہرام کہتے ہیں اور جو تمہارے بادشاہوں کے مدفن ہیں کیسے عجیب و غریب ہونگے۔

میں سمجھتی ہوں کہ تمہارے تہوار و میلے بھی جن میں مرد و عورت ایسی آزادی کے ساتھ ملتے جلتے ہیں بڑے دلچسپ و پرلطف ہوتے ہونگے۔ ہمارے ملک میں تو عورتوں کو صرف

نوروز یا بادشاہ کی سالگرہ کے دن میلوں وغیرہ میں جانے کی اجازت ملتی ہے۔ مگر غیر مردوں سے باتیں کرنا یا آنکھ اٹھا کر انکی طرف دیکھنا بھی سخت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ مصر اسکے بالکل برعکس ہے۔ اماں جان! متھرا کی قسم۔ میں بھی مصری ہوتی تو کیا اچھا ہوتا۔ یہاں تو ہم غریب عورتیں لونڈیوں سے بدتر ہیں۔ تاہم مجھے کورش اعظم کی بیٹی ہونے کا فخر ہے۔ اور اپنے آپ کو کسی سے کمتر نہیں سمجھتی۔ آپ ہی فرمائیے میں غلط تو نہیں کہتی۔ کسی کی مجال ہے کہ میرا حکم نہ مانے میرے دل میں بھی کیا بھائیوں کی طرح شہرت و نام آوری کی خواہش و تمنا نہیں۔ کاش کہ مجھے موقع ملتا تو شہ سواری۔ تیر اندازی۔ شناوری اور لڑائی وغیرہ کے تمام فنون میں ماہر ہوکر بڑے بڑے مردوں کے مقابلہ کو نکلتی۔"

اتوسا کی آنکھیں مارے جوش کے چمکنے لگیں۔ وہ اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑی ہوگئی اور تکلہ کو اس زور سے گھما کر پھینکا کہ اسکے دھاگے الجھ کر ٹوٹ گئے۔

کاسندانہ۔ (محبتانہ جھڑکی دیکر) "کیا فضول بکتی ہے۔ یہ کام عورتوں کے لئے موزوں نہیں انہیں اپنی خانہ داری میں دل لگانا چاہیئے۔ اور اسی کو مقصد زندگانی سمجھ کر صابر و شاکر رہنا چاہیئے۔ مردوں کی زیادہ حرص کرنا انکے لئے فضول و نازیبا ہے۔"

اتوسا "مگر اماں جان۔ کیا اس دنیا میں بہت سی عورتیں نہیں ہیں جو مردوں کی طرح رہتی ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ تھیمیسیرا میں ایک دریا کے کنارے عورتوں کی ایک قوم بستی ہے جنہیں امیزن کہتے ہیں اور جو مردوں کی طرح لباس و اسلحہ پہن کر جنگ و جدل کرتی ہیں۔"

کاسندانہ۔ (حیرت سے) "یہ تجھ سے کس نے کہا"

اتوسا "یہ میری بڑھیا دایہ اسٹیفن کہتی تھی۔ اس کا باپ سائی نوپ کا باشندہ تھا اور ایک لڑائی میں قید ہو کر یہاں آیا تھا۔"

ہتستیس ورے میں سمجھتی ہوں کہ اس بیان میں کسی قدر مبالغہ ہے۔ مجھے اسکی اصلیت معلوم ہے اور وہ یہ ہے کہ امیزن کا وجود ضرور ہے اور وہ مردانہ لباس بھی پہنتی ہیں۔ مگر

درحقیقت وہ ایک جنگجو دیوی کی سیوا کرتی ہیں اور اس لباس میں پجاریوں کو اپنی ماتا کا درشن کراتی ہیں۔ کری سس کہتے تھے کہ امیزن کی فوج ایک خیالی بات ہے اور یونانیوں کی ایک طبع زاد کہانی ہے۔ اس میں انہیں کمال حاصل ہے کہ اصلی واقعہ پر قصہ کہانی کا رنگ چڑھا کر اُسے نہایت دلچسپ بنا دیتے ہیں۔

اتوسا "(مایوسانہ لہجہ سے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانی نہایت دروغ گو اور ناقابلِ اعتبار ہیں"

نتیتیس "یہ تو نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ سچائی کی وہ بھی آپ لوگوں کی طرح قدر کرتے ہیں۔ اسے جھوٹ نہیں بلکہ انکی شاعرانہ بلند پروازی کہنا چاہئے۔ وہ اس قسم کی کہانیوں کی نظمیں بنا کر لوگوں کے سامنے گاتے بجاتے ہیں اور انہیں محظوظ و متحیر کرتے ہیں"

کاسندانہ "ہمارے یہاں بھی تو یہی حال ہے۔ رستم وزال کی داستان دیکھو اور میرے شوہر کے کارناموں پر بھاٹوں نے کیا اچھے گیت تصنیف کئے ہیں اور اُن کی پیدائش[۵۱] اور اوائل عمر کے واقعات کو کیسا دلچسپ بنا کر گاتے پھرتے ہیں۔ اسے جھوٹ نہیں

---

[۵۱] ہیروڈوٹس وزنوفن اس بادشاہ کی ولادت کے متعلق جو روایت بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ استیاز شاہ میدیا نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ اسکی لڑکی مندان کے بطن سے ایک ایسا چشمہ جاری ہوا ہے کہ نہ صرف ایران بلکہ تمام دنیا ڈوب گئی۔ اس نے منجموں سے اسکی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ تیرا نواسا بہت بڑا فاتح و کشور کشا ہوگا۔ استیاز کو اس سے اندیشہ ہوا اور اپنی بیٹی کی کمبوجیا حاکم فارس سے شادی کرا دی۔ کچھ دنوں بعد بادشاہ نے پھر ایک خواب دیکھا کہ مندان کے جسم سے اتنی بڑی انگور کی ایک بیل نکلی ہے کہ تمام دنیا چھپ گئی۔ وہ اب بہت خائف ہوا۔ بیٹی کو طلب کر کے اپنے پاس رکھا اور جب اسکے وضع حمل کا زمانہ آیا تو اپنے وزیر ہارپاگس کو اُسے سپرد کر دیا اور خفیہ طور سے سمجھا دیا کہ اس کا لڑکا جب پیدا ہو تو اُسے مار کر کہیں گاڑ دینا۔ غرضکہ جب بچہ پیدا ہوا تو وزیر نے جو خود اپنے ہاتھ سے مارنا نہ چاہتا تھا۔ مہرداد نامی ایک چرواہے کو اُسے سپرد کر دیا۔ اتفاق سے چرواہے کی بیوی نے بھی اسی وقت ایک مردہ بچہ جنا تھا

کہہ سکتے۔ (ہیلنیز سے خطاب کرکے) مگر بیٹی یہ تو بتا کہ یہ صحیح ہے کہ یونانی بڑے عقلمند ہوتے ہیں۔ میں نے انکے علم و ہنر کی بڑی شہرت سُنی ہے"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس نے خاوند کو منا کر دونوں کا تیا ولا کر لیا۔ اور اپنے بچہ کی مردہ لاش لیجا کر وزیر کو اطمینان دلا دیا
اب کورش جب بڑا ہوا تو اتفاقاً ایک دن اپنے ہمجولیوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ لڑکوں نے اسے اپنا حاکم مقرر کیا تھا۔ وہ انہیں مختلف احکام دے رہا تھا۔ اتنے میں ایک امیرزادہ بھی ادھر آنکلا اور کھیل میں شامل ہوگیا۔ مگر اس نے کورش کا حکم نہ مانا اور کورش نے جب اسے سزا دی تو وہاں سے جاکر اس نے اپنے باپ سے شکایت کر دی جس نے بادشاہ کے کانوں تک یہ خبر پہنچائی۔ بادشاہ نے گڈریئے کو مع اسکے لڑکے کے اپنے سامنے بلایا۔ اور اسکی شکل و شباہت انداز و اطوار دیکھ کر اسے یقین ہوگیا کہ ضرور اسی کا نواسا ہے۔ وزیر سے اس نے جواب طلب کیا۔ اس نے کہا کہ جہاں پناہ میں نے اسی گڈریئے کو بچہ سپرد کر دیا تھا۔ اس پر مہرداد نے تمام واقعہ کہہ سنایا۔ بادشاہ بظاہر یہ سُنکر خوش ہوا اور لڑکے کو اُسکے والدین کے پاس فارس بھیجدیا۔
فردوسی نے بھی کیخسرو کے ولادت کے متعلق اسی قسم کی ایک حکایت بیان کی ہے۔ یعنی اس کا باپ سیاوش پسر کیکاؤس تھا۔ افراسیاب نے جب ایران پر حملہ کیا تو بادشاہ نے اسے اپنی فوج کا سردار بنا کر دشمن کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ رستم کی امداد سے سیاوش کو فتح ہوئی اور افراسیاب سے اس نے صلح کر لی۔ اس پر کیکاؤس بہت ناراض ہوا مگر سیاوش عہد شکنی کرنا نہ چاہتا تھا۔ اس نے افراسیاب کے پاس پہنچکر امان لی جس نے اس کی بڑی عزت کی اور اپنی لڑکی فرنگیس سے شادی کر دی۔ کچھ عرصہ کے بعد افراسیاب اس سے برہم ہوگیا اور اپنے وزیر پیران ویسہ کے مشورہ کے خلاف اس نے سیاوش کو قتل کر دیا۔ یہ خبر جب ایران میں پہنچی تو ایک ہنگامہ مچگیا۔ تمام ملک نے ماتم کیا۔ اور زمانہ دراز تک سیاوش کی رسم سوگواری باقی رہی۔
سیاوش کے قتل کے بعد اس کا لڑکا کیخسرو پیدا ہوا۔ بادشاہ نے اُسے مارنے کا حکم دیا۔ مگر پیران ویسہ نے رحم کھا کر اسے مہرداد چرواہے کے سپرد کر دیا۔ جب یہ بڑا ہوا تو اس نے افراسیاب سے اپنے باپ کا بدلہ لیا۔ ان دونوں حکایتوں کی وجہ سے بعض لوگ کورش اعظم کو کیخسرو۔ استیاز کو افراسیاب اور ہارپاگس کو پیران ویسہ سمجھتے ہیں۔ مگر دوسرے محققین اسکے خلاف ہیں۔ اور دو خاص وجوہات پیش

نتیتیس" میں اس کا پوری طور سے فیصلہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ہم مصریوں کی صنعت و حرفت کا معیار یونانیوں سے کسی قدر مختلف ہے۔ ہمارے مندروں میں جو دیوتاؤں کی بت ہیں وہ ایسے پرہیبت و عظیم الشان بنائے جاتے ہیں کہ دیکھنے والا انکے سامنے اپنے کو ایک چیونٹی سے زیادہ حقیر و ناچیز تصور کرتا ہے اور بے اختیار سجدہ میں گر پڑتا ہے۔ مگر یونانی مادہ پرست و ظاہری تناسب و حسن و خوبی کے دلدادہ ہیں اور اپنے دیوتاؤں کے مجسمے بھی اسی طرز پر بناتے ہیں کیونکہ انکا خیال ہے کہ یہ دنیا ایک مقام عشرت و عیش ہے۔ اور انسانی پیدائش کا مقصد اُس سے پوری طور سے لطف و حظ اُٹھانا ہے درانحالیکہ ہم مصری اُسے ایک خواب و خیال کہتے ہیں اور اصلی زندگی کا آغاز مرنے کے بعد سمجھتے ہیں"

اتوسا" یونانیوں کے حالات نہایت دلچسپ ہیں۔ میں ابھی اور سنوں گی۔ مگر اب ذرا نبنچاری جو اتنی دیر سے کھڑا ہے اماں جان کی آنکھوں پر پٹی باندھکر اپنے کام سے فارغ ہو جائے"

مصری کحّال جو نہایت سنجیدہ رو و بلند قامت تھا اپنے ملک کے پروہتوں کی طرح ایک سفید لباس پہنے تھا۔ اشارہ پاتے ہی آگے بڑھا اور ملکہ کی آنکھوں پر بڑی ہوشیاری سے دوا لگاکر اور پٹی باندھ کر چپ چاپ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ نتیتیس کو ہموطن ہونے کی وجہ سے قدرتی طور سے اُس سے دلچسپی ہوئی اور اس نے نہایت مہربانی سے اپنی زبان میں اس کا حال پوچھا مگر قبل اسکے کہ وہ کچھ جواب دے ایک غلام اندر داخل ہوا جس نے عرض کیا کہ کرمی سس تشریف لائے ہیں اور ملکہ کی قدمبوسی کے خواہشمند ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کرتے ہیں۔ اول یہ کہ کیخسرو خاندان کیانی سے اور غالباً ۸۰۰ برس قبل مسیح گذرا ہے اسکا نام قدیم کتابوں میں کا واحسروا یا ہوسروا مذکور ہے۔ دوم یہ کہ افراسیاب تورانی تھا۔ بخلاف اسکے استیاز شاہ میدیا نسل آریہ سے تھا۔ فردوسی نے غالباً دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط کر دیا ہے۔ (ایران نامہ۔ رالنس۔ ساکس)

کری سس کے آتے ہی سب نے نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا۔ اتوساؔ اس کے گلے لپٹ گئی۔ ملکہ نے ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا اور نتتیس نے بھی کھڑے ہو کر ادب سے سلام کیا

کری سس۔ (ملکہ سے) "میں نہایت خوش ہوں اور دیوتاؤں کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ کا دیدار پھر نصیب ہوا۔ یہ میرے بڑھاپے کا زمانہ ہے معلوم نہیں کب موت آجائے۔ اب زندگی کے ایک ایک دن کو نعمتِ غیر مترقبہ سمجھتا ہوں"

ملکہ "مجھے تم پر رشک آتا ہے کہ اب بھی تمہارے دل میں زندگی کی اس قدر آرزو محبت باقی ہے۔ میں گو تم سے عمر میں چھوٹی ہوں مگر اب زیادہ جینا اجیرن ہو گیا اور جو دن اس محرومی و معذوری کی حالت میں گذرتے ہیں انہیں ہر مرد کی طرف سے ایک سزا سمجھتی ہوں"

کری سس "شاید میرے کان دھوکہ دیتے ہیں۔ کورش اعظم کی بہادر و مستقل مزاج بیوی کبھی ایسے مایوسانہ الفاظ اپنی زبان پر نہیں لاسکتی۔ اے خاتون محترم مجھے پورا یقین ہے کہ آپ کی یہ مصیبت بہت جلد دور ہو جائے گی اور آیندہ زمانہ خوشی و راحت سے کٹے گا۔ قاعدہ ہے کہ جو شخص بیمار ہوتا ہے وہی تندرستی کو ہزار نعمت سمجھ سکتا ہے جس کی آنکھیں بے نور ہوتی ہیں وہی بینائی کی کچھ قدر کر سکتا ہے۔ خیال فرمایئے کہ جب دیوتاؤں کے فضل سے آپ کو صحت ہو جائے گی اور ایک مدت کے بعد آپ دنیا کی خوبصورت چیزوں آفتاب کی روشن شعاعوں اور اپنے عزیزوں و پیاروں کے چہروں کو دیکھیے گا تو جو مسرت اس وقت آپ کو حاصل ہو گی وہ ان تمام برسوں کی صعوبت و کلفت کی ایک لحظہ بھر میں تلافی کر دیگی۔ اس وقت آپ کو اپنی زندگی از سر نو تازہ معلوم ہو گی اور آپ میرے معزز دوست سولن کے قول سے اتفاق کریں گی"

ملکہ "ان کا کیا قول ہے"

کری سس "آپ نے شاید سنا نہیں کہ ایک مرتبہ سولن نے ایک مشہور یونانی

شاعر کی نظم دیکھی جسمیں اُس نے نشاط عمر کا ساٹھ برس تک زمانہ قرار دیا تھا۔ اس پر وہ بہت خفا ہوا اور اس کی تردید کی اور کہا کہ شاعر کو چاہیے کہ بجائے ساٹھ کے اسّی کر دے۔"

کاسندانہ "نہیں میری ہرگز یہ خواہش نہیں۔ اگر میری آنکھیں بینا بھی ہو جائیں تو بھی اتنی مدت تک مجھے جینا منظور نہیں۔ کیونکہ اپنے پیارے شوہر کے بعد میری حالت اس دنیا میں ایک ایسی گم گشتہ مسافر کی طرح ہے جو کسی ریگستان یا بیابان میں بے یار و مددگار ادھر اُدھر بھٹک رہا ہو"

کری سس "معاف فرمایئے گا۔ آپ اپنی اولاد اور اُس سلطنت کو جس کا آغاز و نشو و نما آپ ہی کے سامنے ہوا۔ شاید بھولی جاتی ہیں"

کاسندانہ "نہیں میری اولاد اب خیریت سے جوان ہوئی۔ انہیں میری مدد کی اب کچھ ضرورت نہیں اور سلطنت کو جو کہتے ہو تو اس کا خود سر بادشاہ بھلا ایک بوڑھی عورت کی صلاح و مشورے کی کیا پرواہ کرتا ہے"

اس پر دونوں لڑکیوں کے آنسو نکل آئے اور **اتوسا و نتیتیس** دونوں نے ملکہ کے ہاتھ پکڑ کر نہایت منت سے عرض کیا "اے مادرِ مشفقہ! آپ کا سایہ ہم دونوں پر ہمیشہ قایم رہے۔ کیا آپ کو ہماری خاطر بھی منظور نہیں۔ خیال تو فرمایئے کہ بلا آپ کی حمایت و مدد کے ہمارا کیا حال ہوگا" **کاسندانہ** یہ سن کر مسکرائی اور لڑکیوں کے سر پہ ہاتھ پھیر کر بہت آہستہ سے بولی "تم سچ کہتی ہو۔ ابھی تمہیں اپنی زندگی کے بہت سے مرحلے طے کرنا ہیں۔ اور شاید عنقریب وہ وقت آئے کہ تم دونوں کو میری مدد کی ضرورت ہو"

کری سس۔ (ملکہ کے دامن کا بوسہ دیکر) "میری اُولوالعزم ملکہ! آپ کی زبان مبارک کے لیے یہی الفاظ شایاں ہیں۔ معلوم نہیں کہ ہم سب کو آپ کی امداد کی کس وقت ضرورت پڑے شاہ کمبوجیہ کی حالت ایک ایسی سخت فولاد کی مانند ہے جس پر ضرب لگتے ہی چنگاریاں نکلنا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ آپ ہی ہیں کہ ان چنگاریوں سے اپنے عزیزوں و پیاروں کو

محفوظ رکھے گا۔ صرف آپ ہی ہیں جو شہنشاہ کے غصہ کو ٹھنڈا کر سکتی ہیں۔ انکی نگاہوں میں اگر کسی کا پاس ولحاظ ہے تو صرف آپ ہی کا۔ دوسروں کی رائے کو وہ نفرت وحقارت سے دیکھتے ہیں مگر آپ کے کہنے کا ان پر اب بھی بڑا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے جب وقت آئیگا تو نہ صرف ہم سب کے لئے بلکہ خاندان وسلطنت کے لئے بھی آپ ہی کی ذات بابرکت معذرت وشفاعت کا ذمہ لے سکے گی۔ اور یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اس وقت اگر آپ کے سامنے شہنشاہ نے اظہار فروتنی نہ کیا اور آپ کی نصیحت پر کاربند نہ ہوا تو کچھ عجب نہیں کہ دیوتاؤں کا غضب اس پر نازل ہو اور ماں کی نافرمانی اور اپنے غرور وتکبر کی اسی دنیا میں کوئی سخت سزا ملے ۔"

کاسندانہ "کیا کہوں۔ میں تو اپنے آپ بالکل مجبور ومعذور پاتی ہوں۔ تم لوگوں نے خود دیکھا ہوگا کہ کمبوجیہ میرے کہنے کا اب کس قدر کم خیال کرنے لگا ہے ۔"

کریسس "تاہم یہی کتنی بڑی بات ہے کہ وہ آپ کی نصیحت کو سن تو لیتے ہیں اور خواہ اس پر عمل نہ کریں مگر انکے دل میں ایک خلش ضرور رہتی ہوگی جو بہت سی ظالمانہ حرکات سے انہیں باز رکھتی ہوگی۔ میں بھی آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہوں کیونکہ کورش اعظم کی وصیت کے موافق مجھے بھی مشیر خاص کا مرتبہ حاصل ہے۔ اور بعض اوقات شہنشاہ کے تشدد وظلم کے خلاف زبان کھولنے کی ہمت کر سکتا ہوں۔ اس تمام ملک میں آپ ویں صرف دو ہی ایسے ہیں جن کے کہنے کا ان پر کچھ اثر پڑ سکتا ہے اس لئے ہم دونوں کو یکجہت ہو کر نہایت استقلال وہمت کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنا چاہئے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اپنے لڑکے کی اوائل عمر کی خراب تربیت پر خیال کرکے آپ اکثر اپنے آپ کو ملامت کیا کرتی ہوں مگر پشیمانی وتاسف عقلمندوں کا شیوہ نہیں۔ بجائے اسکے اصلاح کی کوشش کرنا چاہئے۔ کیونکہ ایک فلسفی کا قول ہے کہ پشیمانی اپنے زہریلے اثر سے دل کو پژمردہ و پامال کر دیتی ہے۔ مگر اصلاح وترمیم کا ارادہ وخیال انسان کی ہمت کو

بڑھا کر اُسے ترقی و کامیابی کے اوج پر پہنچا دیتا ہے۔"

نیتیتس "ہم مصریوں کے اعتقاد کے مطابق بیالیس۴۲ گناہ کبیرہ ہیں۔ ان میں ایک پشیمانی بھی ہے۔"

کرسی سس "۔ اس پر مجھے یاد آیا کہ شہنشاہ نے تمہاری تعلیم و تلقین مذہب کی ہدایت فرمائی تھی جس کا مجھے ابھی انتظام کرنا ہے۔ میری تو عین خواہش تھی کہ اب تمام دنیوی جھگڑوں سے سبکدوش ہو کر شہر برینی جسے آقائے نامدار سیروس اعظم نے مجھے بخشا تھا۔ چلا جاؤں اور زندگی کے آخری دن آرام و چین سے گذاردں مگر فرمان شاہی سب پر مقدم ہے اور تمہاری خاطر بھی مجھے بہت کچھ منظور ہے اس لئے فی الحال اپنے ارادہ کو ملتوی کر کے یہیں رہونگا۔ اور تمہیں زبان فارسی میں سبق دونگا۔ ملکہ مکرمہ تمکو آداب و آئین شاہی سکھائینگی اروپسیتس موبد اعظم جو اب تمہارے روحانی پیشوا و پیر مرشد ہیں تمہیں مذہب کی تعلیم دیں گے۔"

نیتیتس جو اس سے پیشتر خوش تھی اور مسکرا رہی تھی یہ سُنتے ہی کچھ مغموم سی ہو گئی اور آنکھیں نیچی کر کے مایوسانہ لہجہ سے بولی "تو کیا اپنے وطن کے دیوتاؤں کو جنکی ہمیشہ پرستش کرتی رہی ہوں اب چھوڑ دوں اور انہیں دل سے بھلا دوں۔"

کاستدانہ "(زور دیکر) ہاں انکا خیال اب تمہیں بالکل ترک کر دینا چاہیئے۔ بیوی کا فرض ہے کہ سوائے اپنے خاوند کے اور کسی کے دوست عزیز سے مطلب نہ رکھے۔ دوسرے دیوتاؤں کو بھی غیر سمجھے اور اُنکی پرستش سے توبہ کر کے اپنے شوہر کے دین پر بصدق دل ایمان لے آئے۔"

کرسی سس "علاوہ بریں۔ ہمارا منشا یہ نہیں ہے کہ تم اپنے معبود حقیقی کو بھول جاؤ۔ ہم تو صرف ایک دوسرا نام دیکر تم سے کہتے ہیں کہ اُسے اس نام سے یاد کرو۔ راستبازی و سچائی کو مصری زبان میں ما کہتے ہیں اور یونانی میں السقیا۔ دونوں مختلف لفظ ہیں مگر ایک ہی معنی رکھتے

ہیں۔ اسی طرح ہم سب کا معبود برحق بھی ایک ہی ہے لیکن نادان لوگ اپنے توہمات باطلہ سے طرح طرح کی غلط فہمیوں میں پڑ جاتے ہیں۔ دیکھ بیٹی! جب میں خود بادشاہ تھا تو کبھی بجز سورج دیوتا کے بجائے یونانی اپالو کو بھی بھینٹ و نذر چڑھایا کرتا تھا اور اب جب سے ایران آیا ہوں اہرمزد کے سامنے دعا کو ہاتھ اٹھاتا ہوں اور متھرا و اناہیتا[51] پر ایمان رکھتا ہوں حکیم فیثا غورث جن کے نام نامی سے تو واقف ہے صرف ایک خدائے واحد کو مانتے تھے۔ اسی کو وہ تمام جہان کا نور و تنظیم و تخلیق کا سرچشمہ خیال کرتے تھے اور اپنا اپالو کہتے تھے حکیم زینوفین۔ ہومر کے بیشمار دیوتاؤں کو بیہودہ سمجھ کر انکی ہنسی اڑاتا تھا اور صرف ایک خدا کی پرستش کرتا تھا اور اسی کو اس تمام عالم کا صانع مطلق اور وہم و ادراک کا مبدء اولی تصور کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اسی کی ذات باری سے تمام عالم وابستہ ہے اور گو مادہ کی صورت ہمیشہ مبدل و متغیر ہوتی رہتی ہے۔ مگر خالق کی قدرت و قوت لازوال ہے اور کبھی نہیں بدلتی۔ بھلا بتاؤ تو کہ مصیبت و لاچاری کی حالت میں انسان کس کے سامنے مدد کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے۔ اور جب رنج و غم کی سیاہ گھٹائیں دل پر چھانے لگتی ہے تو کس کا نام بے اختیار زبان سے نکلتا ہے۔ اسی طرح دنیا کے خوبصورت مناظر کو دیکھ کر اور اسکے انواع و اقسام نعمتوں سے حظ اٹھا کر کس کے احسان و شکرگذاری کی ہر تن مو گواہی دیتا ہے۔ یہ تمام باتیں جو فطرتاً انسانی طبیعت میں پیدا ہوتی ہیں خالق اکبر کے وجود کا سب سے بڑا ثبوت ہیں۔ اور ہمیں سچے ایمان و عقیدت کی طرف لیجاتی ہیں۔ تو بھی بیٹی اسی کی پیروی کر اور بخوبی سمجھ رکھ کہ مصریوں۔ یونانیوں اور ایرانیوں کا کوئی جدا معبود نہیں۔ وہ سب ایک

---

۵۱ اناہیتا۔ ناہید یا زہرہ۔ یہ یونانیوں کے افرودیت کے مشابہ تھے۔ اردشیر دوم کے زمانہ میں اس کی اور متھرا کی پرستش اور مزد کے ساتھ ہونے لگی۔ اس بادشاہ نے معبدوں میں ناہید کے بت رکھوائے جہاں اسکی عبادت کے بہانے سے بہت سی مخرب اخلاق رسوم برتی جاتی تھیں۔ ناہید کی پرستش زردشت سے پہلے بھی اشور و بابل میں مروج تھی۔ (ایبر۔ راالنس)

ہی ذات باری کی جس کے ہاتھ میں تمام مخلوق عالم و انسانی اقوام کی قسمتوں کا فیصلہ ہے پرستش کرتے ہیں مگر بعض اس کو جدا ناموں سے پکارتے ہیں اور بعض اپنی نادانی سے اس کی صفات کو مختلف دیوتا سمجھ کر پوجتے ہیں اور گمراہ ہو جاتے ہیں" ایرانی خواتین نے معمر و بزرگ کریسس کی فلسفانہ گفتگو کو نہایت دلچسپی و غور سے سُنا نتیتس کے بھی تمام شکوک رفع ہو گئے اور اس نے کہا "آپ بجا فرماتے ہیں۔ میری والدہ لیڈس جنہیں حکیم فیثاغورث کی شاگردی کا فخر حاصل ہے انکے بھی یہی خیالات ہیں۔ مگر مصری پروہت اسکے سخت مخالف ہیں۔ اور ایسے خیال رکھنے والوں کو ملیچھ کہتے ہیں۔ اس لئے میں بھی ڈرتی تھی اور اپنے دل سے انہیں دور رکھتی تھی مگر اب ایسا نہ کروں گی۔ اور ان پر پورے طور سے ایمان رکھوں گی۔ جن باتوں پر کریسس کی طرح عاقل و پاکباز بزرگ کا عقیدہ ہو وہ بھلا کفر ہو سکتی ہیں۔ اور سپیتس بخوشی آئیں میں انکی تعلیم نہایت شوق سے حاصل کرونگی اور اُسی ایک معبود کا دھیان رکھونگی جس کی قدرت تمام عالم پر حاوی ہے۔ اور جو نہ صرف پیدا کرنے والا ہے بلکہ اپنی مخلوق کی پرورش و نگہداشت بھی کرتا ہے اور ہر سچے بندے کی خواہ وہ کسی ملت و قوم کا ہو دعا سنتا ہے اور مصیبت زدہ دلوں کو تسکین و راحت پہنچاتا ہے"

کریسس یہ سُنکر مسکرایا۔ اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ نتیتس کے لئے اپنے دیوتاؤں کو اتنی جلدی چھوڑ دینا کوئی آسان کام نہیں۔ مصریوں کی طبیعت بڑی ضدی و ہٹی ہوتی ہے۔ اور انکے پرانے توہمات بڑی مشکل سے دور ہو سکتے ہیں۔ اُسے شاید یہ معلوم نہ تھا کہ ملکہ لیڈس یونانی النسل ہونے کی وجہ سے فیثاغورث کے اصولوں سے بخوبی واقف تھی۔ اور اپنی لڑکیوں کو اکثر تعلیم کرتی تھی۔ نیز اسے یہ بھی خبر نہ تھی کہ نتیتس کے دل میں اپنے پیارے شوہر کو خوش کرنے کی کتنی بڑی خواہش تھی اور اس کی خاطر اپنے دیوتاؤں کو چھوڑ دینا زیادہ مشکل نہ تھا۔

کریسس۔ (نتیتس کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھ کر) شاباش۔ تمہاری طبیعت

کی اصلاح پسندی سے میں بہت خوش ہوا۔ اسکے انعام میں تم کو ہر روز صبح و شام ملکۂ مکرمہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت دی جائے گی۔ اور اتوسا بھی تم سے ملنے کے لئے باغات معلقہ جایا کرے گی۔"

یہ سن کر دونوں شاہزادیاں نہایت خوش ہوئیں اور کریسس کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرنے لگیں۔

کریسس۔ (اتوسا سے) "میں تمہارے لئے سئیز سے گیندیں اور چھلّے لایا ہوں یہ ایک مصری کھیل ہے جسے تم بہت پسند کرو گی۔"

اتوسا "گیند! وہ تو بڑی بھاری لکڑی کی ہوتی ہے۔ اُسے لیکر میں کیا کرونگی۔"

کریسس۔ (ہنسکر) "ڈرو نہیں۔ یہ گیندیں نہایت نازک و ہلکی ہیں۔ چمڑے یا مچھلی کی کھال کی بنی ہوئی ہیں جنہیں ایک چھوٹا سا بچہ بھی اٹھا سکتا ہے۔ یہ وہ بھاری بھاری گیندیں نہیں ہیں جن سے ایرانی نوجوان لڑکے کھیلتے ہیں۔ (دختر فرعون سے) نیتیتس اب تمہیں کھیلنے و دل بہلانے کیلئے ایک ہمجولی مل گئی۔ خوش ہوئیں کہ نہیں۔"

دختر فرعون "میں بیحد خوش ہوں اور آپکی عنایتوں کی نہایت مشکور ہوں۔"

کریسس "اپنے روزانہ دستور العمل کو پھر اچھی طرح سمجھ لو۔ صبح کے وقت تم اپنی والدہ یعنی ملکہ کی خدمت میں حاضر ہو کر انکی تعلیم سے مستفید ہو گی اور اتوسا سے بھی ملو گی۔ دوپہر کے وقت میں تم کو فارسی پڑھانے آونگا اور تمہاری دلبستگی کے لئے مصر کی تازہ خبروں سے مطلع کرونگا۔ اور ہر دوسرے دن اردسپیتس تم کو مذہبی تعلیم کا سبق دیا کریں گے۔"

دختر فرعون "میں بڑی محنت سے دل لگا کر پڑھونگی۔"

کریسس۔ سہ پہر کے وقت اتوسا تمہارے یہاں جائیں گی اور جتنی دیر تک چاہو گی رہیں گی۔ اب تو تمہیں کوئی شکایت نہیں۔"

لڑکی۔ (نہایت گرمجوشی سے اپنے بزرگ محسن کے ہاتھوں کا بوسہ دیکر) "میں اس قدر خوش ہوں کہ بیان نہیں کرسکتی اور دعا کرتی ہوں کہ آپ کی محبت و شفقت اسی طرح ہمیشہ میرے شامل رہے"
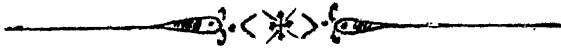
باب چودہواں

شہنشاہ کی سال گرہ

دوسرے دن نتنتیس "معلق باغات" کے محل میں اُٹھ گئی اور کریسس کی ہدایات کے مطابق اپنے اوقات کو بڑی پابندی و دلدہی سے بسر کرنے لگی۔ ہر روز وہ ایک بند پالکی میں سوار ہوکر ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھی اور اسکی شفقت و الفت کو روز افزوں دیکھ کر اپنے دور افتادہ والدین کو بھول گئی تھی۔ نیز دختر کورش سے بھی اسے اپنی بہن کی طرح محبت ہوگئی۔ وہ بڑی شوخ و شریر لڑکی تھی اور ہمیشہ چھیڑ چھاڑ و ہنسی مذاق کرکے اُسے ایسا بھلائے رکھتی تھی کہ کبھی وطن کا خیال نہ آنے پاتا تھا۔

دونوں کے مزاج میں بہت بڑا فرق تھا۔ ایک سنجیدہ و متین تھی اور دوسری نہایت بے چین و چوشیلی تاہم ان میں خوب بنتی تھی اور ایک دوسرے کے جذبات کو قابو میں رکھتی تھی۔

کریسس و کاسندانہ اپنی نئی شاگرد کے شوق تعلیم سے نہایت خوش تھے اور موبد اعظم بھی اس کی ذہانت و قابلیت کی تعریفیں روز کمبوجیہ سے کیا کرتا تھا۔

تھوڑے ہی عرصہ میں نتنتیس نے زبان فارسی میں ایک اچھی استعداد

حاصل کرلی۔ اور بادشاہ بھی جو اکثر اپنی ماں کے پاس اسی سے ملنے کی غرض سے آیا کرتا تھا۔ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اُسے روزانہ بیش بہا جواہرات و لباس بھیجکر سرفراز کرنے لگا اس کے دل میں اس لڑکی کی اس قدر عزت تھی کہ کبھی تنہا محل میں اس کے پاس نہ جاتا۔ وہ اُسے باقاعدہ عقد میں لاکر اپنی خاص ملکہ بنانا چاہتا تھا اور اُس مرتبہ و عروج پر پہنچانا چاہتا تھا جس کی تمنا میں حرم کی بڑی بڑی بیگمات برسوں سے تڑپ رہی تھیں۔

کمبوجیہ ایسے تند خو سخت مزاج شخص پر نیتیتس کے متانت و حسن نے عجب جادو کا اثر کیا۔ اسے دیکھتے ہی اس کا تمام غصہ کافور ہو جاتا تھا۔ پیشانی کے بل دور ہو جاتے اور شقاوت و بیرحمی۔ نرمی و انسانیت سے بدل جاتی۔ اس کے اشتیاق و وارفتگی کا یہ حال تھا کہ جب وہ اُسکی بہن کے ساتھ کھیل میں مشغول ہوتی تو وہ برابر ٹکٹکی باندھے اسی کی صورت کو دیکھتا رہتا۔ ایک مرتبہ اتفاق سے گیند پانی میں گر پڑی تو وہ لپک کر دوڑا اور اپنے کپڑوں سمیت حوض میں کود کر اُسے نکال لایا نیتیتس خوفزدہ ہو کر چلانے لگی مگر کمبوجیہ مسکراتا ہوا اس کی طرف آیا اور گیند دیکر کہنے لگا "یاد رکھنا۔ اگر پھر کبھی ایسی حرکت کی تو میں اس سے بھی زیادہ ڈراؤنگا" بعدہٗ اپنے گلے سے ایک طلائی اور مرصع زنجیر اتار کر پری جمال معشوقہ کو پہنا دی جو اپنا سر جھکا کر ایک عجب شرمیلی ادا سے آداب بجالائی اور ایسی ترچھی نگاہوں سے اسکی طرف دیکھنے لگی جن سے صاف پتہ چلتا تھا کہ دل میں کیا خیالات موجزن ہیں۔ وہی لڑکی جو کبھی اس مغرور و خودسر شخص سے اسقدر ڈرتی تھی اب اس پر جان و دل سے فدا تھی۔ وہ اسکی نگاہوں میں ایک بڑے دیوتا سے کچھ کم نہ تھا جس کی وہ پرستش کرتی تھی۔ جسکی خدمت میں وہ اپنی جان تک دینے کو راضی تھی۔ جس کے خیال و محویت نے اسے اپنے تمام عزیزوں کی یاد کو بھلا دیا تھا۔ جسکی صورت وہ دیکھ کر جیتی تھی جب وہ چلا جاتا تو اسکی عجب حالت ہو جاتی۔ جب اُسکے آنے کی خبر سنتی تو بدن تھر تھر کانپنے لگتا اور تمام جسم میں ایک سنسنی سی پیدا ہو جاتی

کری سس یہ کیفیت دیکھ کر فوراً تاڑ جاتا اور اس کی طرف دیکھ کر مسکراتا۔ ایک دن اس نے اس کے حسب حال مشہور یونانی شاعر انکرین کی یہ غزل گاکر سنائی۔

چالاک شکاری کے جو ہتھیار نظر آئیں	پہچان لیا جاتا ہے وہ اُن سے مقرر
جو ایشیا میں جنگ کے خوگر ہیں سپاہی	ہیں پگڑیاں آتی نظر اُن سب کے سروں پر
عاشق کی مگر ہیں جو چمکتی ہوئی آنکھیں	گویا کہ یہ کاشانۂ دل کے ہیں کھلے در
آتی ہیں یہیں سے نظر اندر کی وہ بھٹی	ہیں جس میں محبت کی دہکتے ہوئے اخگر

غرضکہ اسی طرح عشق و محبت کھیل کود و تعلیمی اشغال میں مہینے و دن اس طرح پلک جھپکاتے گذر گئے کہ کچھ خبر ہی نہ ہوئی۔ اب عراق کا موسم بہار بھی جو دسمبر کی برسات کے بعد شروع ہوتا ہے ختم ہونیکو آیا۔ ہری ہد کے زمانہ میں سب سے بڑا تہوار[۵] یعنی نوروز بھی پڑی

[۵] ہخامنش کے زمانہ میں مشہور تہوار یا جشن حسب ذیل تھے۔ (۱) جشن نوروز۔ اس سے سال نو کی ابتدا مراد نہ تھی بلکہ زمانہ بہار کا آغاز تھا یعنی وہ دن جب آفتاب برج حمل میں آتا ہے اور ہری ہد شروع ہوتا ہے (۲۱ مارچ) کہتے ہیں کہ جمشید کے زمانہ سے اس کا آغاز ہوا اور آج کل بھی یہ ایران میں ہر سال منایا جاتا ہے۔ (۲) جشن مہرگان۔ نئے سال کا آغاز موسم خزاں کی ابتدا۔ یعنی جب سورج برج میزان میں آتا ہے (۳۰ ستمبر) کہتے ہیں کہ اس دن فریدوں نے ضحاک پر فتح پائی تھی۔ اور دارائے اعظم نے گومتا کو قتل کر کے بغاوت مغاں فرد کی تھی۔ اسی وجہ سے مشہور ہے کہ تہوار مغاں کش اور مہرگاں دونوں ایک ہی زمانہ میں ہوتے تھے۔ اس دن مغ اپنے گھر سے باہر نکلتے تو ذلیل کئے جاتے تھے۔ (۳) جشن فرم یا آتش۔ ہوشنگ کی آگ دریافت کرنے کی یادگار تھا۔ اس دن تمام آتشکدے چراغاں کئے جاتے تھے۔ (۴) جشن تیرگاں۔ ستارہ شعرا مینہ و خوش حالی کا دیوتا ہے۔ وہ اپنے دشمن خشک سالی کے دیو پر فتح پاتا ہے اور مینہ برسا کر تمام دنیا کو شاداب کرتا ہے۔ ناہید دیوی کا بھی تعلق مینہ سے ہے۔ اسکے نام سے بھی جشن ہوتا تھا کہتے ہیں کہ منوچہر کے زمانہ سے اس تہوار کا آغاز ہوا۔ (۵) جشن سالگرہ۔ یا تولد بادشاہ۔ علاوہ اسکے فصل و کاشت کے موقعوں پر چند اور بھی تہوار تھے۔ شہری و دیہاتی ایک جا جمع ہوکر دعوتیں کرتے تھے۔ پروہت

دہوم دہام سے منایا گیا۔ بعدہ مئی کا مہینہ آیا۔ اور گرمی شدت سے پڑنے لگی **نیتتیس** ابھی تک **بابل** ہی میں مقیم تھی اور تمام ایرانیوں کو بخوبی معلوم ہو گیا تھا کہ وہی عنقریب شہنشاہ کی منظورِ نظر بیوی بنے گی۔ اس سے **بوگس** میر خواجہ سرا حد درجہ پریشان تھا۔ کیونکہ بادشاہ کے حرم میں نہ آنے کی وجہ سے اب اس کا اقتدار بہت کم ہو گیا تھا۔ اور وہ ان عورتوں کے ذریعہ جو اسکے تابع فرمان تھیں اپنے یا دوسروں کے لئے کوئی کام نہ نکال سکتا تھا۔ البتہ **فدمیہ** سے اب اس کی راہ و رسم بڑھ گئی۔ دونوں میں **نیتتیس** کے خلاف سازشیں و مشورے ہونے لگے مگر **کمبوجیہ** کی محبت اور شاہزادی کی پاکبازی و عفت کے سامنے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ **فدمیا** اپنی ذلت و خواری سے نہایت پریشان و مضطرب تھی اور روزانہ **بوگس** سے کچھ کرنے کے لئے تقاضہ کرتی تھی مگر وہ یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ ابھی صبر کرو میں اپنے وقت کا منتظر ہوں۔ بالآخر چند ہفتوں بعد ایک دن وہ اُسکے پاس بہت خوش خوش آیا اور کہنے لگا "میری پیاری نازنیں! کہو کیا انعام دو گی۔ آج مجھے ایک ایسی اچھی تدبیر سوجھی ہے کہ اس مصریہ کا ناس نہ کردوں تو میرا نام **بوگس** نہ رکھنا۔ ذرا شہزادے **بردیہ** کو تو آجانے دو پھر اپنا جال پھیلا کر تماشے دکھاؤں گا" **فدمیا** مارے خوشی کے اُچھل پڑی اور باصرار مزید حالات پوچھنے لگی۔

بوگس نے مسکرا کر کہا "کسی عورت ذات کو اپنا رازداں بنانا گویا شیر کے مُنہ میں ہاتھ دینا ہے مجھے تمہاری عقل و دانائی پر پورا بھروسہ ہے مگر یہ معاملہ ایسا نازک ہے کہ ابھی اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نکالنا قرینِ مصلحت نہیں سمجھتا۔ تمہیں لازم ہے کہ آنکھ بند کر کے میری ہدایات پر عمل کرو اور چپ چاپ بیٹھی تماشہ دیکھو کہ کیا ظہور میں آتا ہے"

نبنجاری اب بھی ملکہ **کاسندانہ** کے علاج کے لئے روزانہ حاضر ہوا کرتا تھا

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) دعائیں پڑھتے تھے۔ اور ہر شخص اپنے حسب مقدور نیاز و نذر چڑھاتا تھا

(ایران نامہ۔ رالنس وغیرہ)

مگر وہ ایرانیوں سے دور بھاگتا تھا اور اپنی کم گوئی اور تنہائی پسندی کی وجہ سے لوگوں میں ایسا مشہور ہو گیا تھا کہ دربار میں ہر خوش طبع زندہ دل شخص کو بردیہ سے مثال دیتے تھے۔ اور ایک روکھے پھیکے ناآشنا آدمی کو **تنیجاری** کے نام سے پکارتے تھے اُسے تمام دن ملکہ کے محل میں ورق گردانی کرتے گذر جاتا تھا اور بوقت شب بادشاہ کی اجازت سے بلند میناروں پر اجرام فلکی کا مشاہدہ کرنے جاتا تھا۔ ایک دن **کلدانی** پروہتوں نے جو علم نجوم کے بڑے ماہر تھے اُسے بل کے عالی شان مندر سے افلاک کا نظارہ کرنے کے لئے کہا مگر اُس نے نہایت غرور کے ساتھ انکار کر دیا۔ علیٰ ہذا **اردیپتیس** موبد اعظم نے بھی جب اُسے بابل کی وہ دھوپ گھڑی دکھانا چاہی جو دنیا میں مشہور تھی اور یونانیوں نے بھی اُسی سے نقل کی تھی تو نہایت حقارت و رکھائی سے اُسکی طرف پیٹھ موڑ کر یہ کہتا ہوا چلدیا "تمہیں کو وہ گھڑی مبارک ہو۔ بھلا مجھے کیا دکھاؤ گے۔ ہم لوگ اس علم کے اُس زمانہ سے ماہر ہیں جب تمہیں گھنٹے گھڑی کا نام بھی نہ معلوم تھا"

نتیتس جب کبھی اُسے دیکھتی تو نہایت مہربانی و اخلاص کے ساتھ پیش آتی مگر وہ اُس سے بھی کھچا کھچا رہتا۔ اور دور بھاگتا۔ لڑکی کو بڑی حیرت تھی آخر ایک دن اُس سے نہ رہا گیا اور پوچھنے لگی "تنیجاری! کیا تم مجھ سے خفا ہو۔ یا کوئی مجھ میں بری بات دیکھی ہے کہ ایسی بے اعتنائی کرتے ہو"

حکیم "تم میرے نزدیک بالکل غیر و اجنبی ہو - میں ایسے شخص کو نہ اپنا ہموطن کہنا چاہتا ہوں نہ کوئی اُس سے واسطہ رکھتا ہوں جو اتنی جلد اپنے عزیز و اقارب کو بھول جائے اور اپنے مذہب و ملت کو بالائے طاق رکھکر دوسروں میں مل جائے"

بوگس کو جب خبر ہوئی کہ حکیم شاہزادی سے ناراض ہے تو اُسے ملانے کی کوششیں کرنے لگا اور تحفہ تحائف پیش کرکے اُسے اپنا حلیف بنانا چاہا مگر **تنیجاری** نے نہایت رکھائی سے انکو رد کر دیا اور خواجہ سرا کو دھتکار کر اُسے شرمندہ کیا۔ بوگس رات دن تازہ

تازہ خبروں کی فکر میں رہتا تھا۔ جب کوئی ہرکارہ دربار میں آتا تو سب سے پہلے وہ اس سے جنگ تپوریہ کے حالات پوچھتا۔ آخر کار ایک دن قاصد نے خبر دی کہ باغی مطیع ہو گئے اور شہزادہ عنقریب مع تمام سپاہ کے واپس آنے والا ہے۔ اس کے تین ہفتے بعد تمام شہر میں بردیہ کی آمد آمد کی دھوم مچ گئی۔ نہایت جوش و خروش کے ساتھ اسکا استقبال کیا گیا۔ دوست واحباب نے مبارک باد دی۔ شہر میں پہنچتے ہی وہ سب سے پہلے اپنی ماں کی قدمبوسی کے لئے محل کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں کمبوجیہ نے بھائی کو بڑی محبت سے گلے لگایا اور اسکی سلامتی و فتح پر اظہار خوشنودی کر کے ماں کے پاس اس موقع سے لے گیا جب اسے معلوم تھا کہ نیتیس بھی وہاں موجود ہوگی۔ وہ اپنی منگیتر کو اب بھائی کے سامنے کر دینے میں کچھ حرج نہ سمجھتا تھا بلکہ اپنے گذشتہ رشک و حسد کو بالکل بیجا خیال کر کے اسے خاص طور سے یہ دکھانا چاہتا تھا کہ وہ اس پر کس قدر بھروسہ و اعتبار رکھتا ہے۔ کمبوجیہ کی حالت ان چند مہینوں میں بالکل بدل گئی تھی اسکے مزاج میں ایک عجب انقلاب پیدا ہو گیا تھا۔ اور بجائے تشدد و بیرحمی کے۔ اب اسکے داد و دہش و رحمدلی کے چرچے ہونے لگے تھے۔ سزا و قتل کا بازار سرد پڑ گیا۔ کوئی دِلدہجوکوں کے مارے شہر سے دور بھاگ گئے؛ اور جہاں بابل کی دیواروں پر پہلے سینکڑوں مجرموں کی لاشیں لٹکتی نظر آتی تھیں اب وہاں ایک بھی نہ تھی۔

دربار شاہی کا بھی رنگ بالکل بدل گیا۔ اولاً خواجہ سراؤں کا رسوخ تھا اب امرائے خاندان ہخامنش کا اقتدار بڑھ گیا اور بادشاہ انہیں کی صلاح و مشورہ پر عمل کرنے لگا۔ ان امرا میں زیادہ تر اس کے قریبی عزیز و رشتہ دار تھے جن میں سب سے زیادہ ممتاز اس کا چچازاد بھائی گشتاسپ پسر ارشام۔ والی فارس تھا جو عموماً شہر پارسا گرد میں رہتا تھا۔ فرناسپس[1] اس کا نانا تھا۔

---

[1] پدر کاسندانہ و پدر زن کورش اعظم بود از (فرنا۔ اسپا)۔ (ایران نامہ)

آتانس[51] اس کا چچا و سسر تھا۔ انتافرس اسپہ تیتنیس۔ گاؤبروا[52]۔ ویدارنا[53] جنرل بگاباز۔ سفیر فرش اسپا[54] دیگر امرائے ہاخہ منش سے تھے۔ نیز لیدیہ کا معزول بادشاہ کریسس اور بوڑھا و بہادر آریاسپ[55] بھی مشیر سلطنت کی حیثیت رکھتے تھے اور آجکل سب[56] دربار میں موجود تھے۔ انکے علاوہ چونکہ جشن سالگرہ کا زمانہ تھا۔ اس لئے کل ممالک

۵۱ آتانس۔ اُتنو یا خوش تن۔ زمانہ دارا میں ساحل ایشیائے صغیر کا حاکم ہوا۔ اور قسطنطنیہ (اس زمانے کا بی زانتیم) کو اسی نے تسخیر کیا۔ (ایران نامہ)

۵۲ گبریاس۔ گاؤبروا (دارندہ گاؤ) مشہور سردار تھا۔ دارا کے ہمراہ گوماتا کے قتل میں شامل تھا۔ دارا کی بہن سے اس نے شادی کی۔ اور اس کے لڑکے مردانوس کو دارا نے اپنی لڑکی عقد میں دی۔ دارا کی منقش تصاویر میں بھی سردار نیزہ لئے ہوئے اسکے پاس کھڑا ہے۔ (ایران نامہ)

۵۳ ہیدارنس یا ویدارنا۔ یہ بھی اُن سات مشہور سرداروں میں تھا جنہوں نے دارا کی امداد کی تھی۔ اسی کی نسل سے شاہان آرمینیا تھے جنہوں نے عہد داریوش سے سلوکید تک اپنی سلطنت جاری رکھی۔ (ایران نامہ)

۵۴ پرکزاسپس۔ فرش اسپا یا پرکزاسپ۔ کورش اعظم و کمبوجیا کے مشہور سرداروں میں سے تھا جس سے وہ ظالمانہ حرکت سرزد ہوئی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

۵۵ اراسپس۔ آریاسپا یا آریاسپ۔ یعنی دارندہ اسپ نیک۔ (ایران نامہ)

۵۶ درباریوں میں خاندان شاہی کے بعد امراء و وزرا کا مرتبہ تھا۔ عہد کیانیان میں سردار زابلستان کا بہت زیادہ رسوخ تھا۔ انہوں نے کئی پشتوں سے بیش بہا ملکی خدمات کی تھیں۔ ایران کو غنیم کے حملوں سے بچایا تھا۔ اس لئے شہنشاہ انکی بہت قدر کرتے تھے۔ انہیں میں زال و رستم کا شمار تھا جن کے کارنامے اگر صحیح سمجھے جائیں تو درحقیقت انہیں بادشاہ گر کہنا چاہیئے۔ ہخامنش کے زمانہ میں بھی چھ خاندان سب سے زیادہ سربرآوردہ سمجھے جاتے تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ انکے چھ اجداد نے جن کا ذکر اس ناول میں آگے چل کر آئیگا۔ دارائے اعظم کو گوماتا کی بغاوت فرو کرنے میں امداد دی تھی۔ انکی اولاد کو خاص حقوق حاصل تھے یعنی ہر وقت بادشاہ کی خدمت میں بلا اطلاع حاضر ہو سکتے تھے۔ لہذا پروہت۔ جاگیردار۔ نجومی

محروسہ کے عمائدین و سردار۔ صوبوں کے والی یا سترپ۔ مختلف اقوام کے پروہت۔ ایلچی و سفیر وغیرہ سب شہر بابل میں آکر جمع ہوئے تھے اور اپنی نذریں پیش کر کے شہنشاہ کو مبارکباد دینے کے منتظر تھے۔ انکی موجودگی اس رسم قربانی کے وقت بھی ضروری تھی جب کثیر التعداد جانور۔ گھوڑے۔ گدہے۔ گائے بیل و ہرن وغیرہ ذبح کئے جائیں گے اور بادشاہ و سلطنت کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگی جائیں گی۔

شہنشاہ کی سالگرہ کے دن تمام شہروں و قرب وجوار کے گاؤں میں مفت کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ رعایا کو انعام و خلعت بخشا جاتا تھا اور ہر شخص کو اجازت تھی کہ دربار میں آکر کسی ایک شے کی التجا و درخواست کرے جو کبھی رد نہ کی جاتی تھی۔ خاصکر اس سال کے جشن میں تو اور بھی زیادہ مراعات مد نظر تھیں کیونکہ اس کے ساتھ ایک دوسری خوشی بھی شامل تھی اور شہنشاہ نے اسکے دس دن بعد اپنی شادی کی تاریخ مقرر فرمائی تھی۔ اس خبر کے سنتے ہی ہر طرف سے لوگ جوق جوق بابل آئے تھے دریائے فرات کے دونوں کناروں پر محلات مہمانوں سے بھر گئے تھے اور شہر کی بھی یہ حالت تھی کہ کسی جگہ تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ علاوہ بریں تمام شاہراہیں و بازار نہایت خوبی کے ساتھ آراستہ پیراستہ کئے گئے تھے۔ اور انکے دورویہ مکانات پر اس کثرت سے جھنڈیاں اور بیش بہا کپڑے لٹکے تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) و سرداران فوج کا مرتبہ تھا۔ دبیر یا کاتب شاہی بھی نہایت معزز سمجھا جاتا تھا۔ وہ تمام خطوط و مراسلات کو پڑھکر بادشاہ کو سناتا تھا۔ فرامین مرتب کر کے ان پر مہر لگاکر روانہ کرتا تھا۔ نیز مشہور واقعات کو بھی کتاب کی صورت میں قلمبند کرنا اسی کا کام تھا۔ شعرائے سلطنت کا بھی بڑا مرتبہ تھا۔ عموماً عقلمند۔ ذی ہوش۔ حاضر جواب و فصیح البیان شخص کو یہ خدمت سپرد کی جاتی تھی۔ حاجب و سالار بار جس کا فرض لوگوں کو سامنے پیش کرنا تھا۔ امرائے سلطنت سے ہوتا تھا۔ اسی طرح کاسہ بردار چتر و نیزہ بردار۔ اور رتھ چلانے والے بھی نہایت معزز امیروں سے منتخب کئے جاتے تھے۔

(رالنس وغیرہ)

کہ کبھی اس سے پیشتر نظر نہ آئے تھے۔ شہنشاہ اپنی رعایا کے اس جوش وخروش کو دیکھ کر پھولوں نہ سماتا تھا اسے دنیوی جاہ وجلال کی کچھ کمی نہ تھی۔ صرف ایک بات کی کسر تھی یعنی کوئی اس سے سچی محبت رکھنے والا موجود ہو۔ جو اس شان وشوکت کے تماشے دیکھ کر خوش ہو۔ سو ہرمزد کے فضل سے یہ بھی حاصل ہو گئی اور ایک حوروش وپری جمال لڑکی اُسے ایک بڑے ہیرو کی طرح پرستش کرنے لگی۔ اس خیال کے آتے ہی اسکی مسرت وخوشی کی انتہا نہ رہی بخشش وفیاضی سے خزانوں کے مُنہ کھول دیتا اور ہر طرف زر وجواہر انعام واکرام کی بوچھار ہونے لگی۔ مہم تپوری کی واپسی پر سب سے پہلے جنرل نگاباز نے حاضر ہو کر شہزادہ بردیہ اور اُسکے ساتھیوں کی شجاعت وبہادری کی بادشاہ سے بہت تعریف کی کمبوجیہ نے ان نوجوان بہادروں کو گلے لگا کر بیش بہا طلائی زنجیریں عطا کیں اور بردیہ سے بہت خوش ہو کر کہا" جان برادر مجھے یاد ہے کہ تم اپنی کسی خواہش کو جنگ کے بعد مجھ سے کہنا چاہتے تھے۔ اب بیان کرو میں اپنا وعدہ پورا کرنیکے لئے تیار ہوں"

بردیہ نے بھائی کے لحاظ سے آنکھیں نیچی کر لیں اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اپنا مطلب کس طرح ادا کرے اس پر کمبوجیہ بہت ہنسا اور اپنے مصاحبوں کی طرف دیکھ کر کہنے لگا "دوستو۔ دیکھتے ہو۔ ہمارا نوجوان سورما ایک شرمیلی لڑکی کی طرح آنکھیں نیچی کئے خاموش کھڑا ہے۔ اچھا میں اس وقت زیادہ اصرار نہیں کرتا۔ کچھ دن بعد میری سالگرہ کا جشن ہوگا اس وقت شراب کے چند جام پی کر یقین ہے کہ اسکی زبان کھل جائے گی اور مجھ سے اپنے دلی مدعا کا اظہار کر دیگا۔ دیکھو بردیہ کوئی بڑی بات مانگنا۔ میں جیسا خود شاداں فرحاں ہوں اسی طرح اپنے عزیزوں دوستوں کو بھی خوش وخرم وبامراد دیکھنا چاہتا ہوں"

بردیہ سر جھکا کر آداب بجالایا اور اندرون محل یہ قصد کر کے چلا کہ اب زیادہ تاخیر مناسب نہیں اور فوراً والدہ کے پاس جا کر اپنا راز دل بیان کر دینا چاہئے۔ اس کے دل میں طرح طرح کے خطرے ووسوسے آنے لگے کہ کہیں ملکہ مخالفت نہ کرے مگر کسیں

پہلے سے موجود تھا اور معزز خاتون کے سامنے بڑی خوش بیانی سے سافو کی صورت و سیرت کی ایسی تعریف اور اس کی لیاقت و ہنرمندی کو ایسا بڑھا چڑھا کر بیان کر رہا تھا کہ بادشاہ تھوڑے عرصہ کی ردوقدح کے بعد نیم راضی ہو گئی۔

ملکہ "یونانی لڑکی اور ہمارے ایرانی شہزادے کی شرعی بیوی!! یہ بات تو کبھی سننے میں نہیں آئی۔ کمبوجیہ کو جب معلوم ہوگا تو کیا کہے گا؟ اور کس طرح اُسے راضی کر سکیں گے؟"

اتنے میں بردیہ بھی آپہنچا اور ماں کی یہ گفتگو سُن کر بولا "اماں جان! آپ اسکی کچھ فکر نہ کیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ بھائی صاحب بھی جب میری سافو کا حال سُنیں گے تو انکار نہ کریں گے"

ملکہ "میں کریسس کی زبانی تمہاری منظور نظر کی بہت تعریفیں سن چکی ہوں اور خوش ہوں کہ آخر تمہیں اپنی شادی کا خیال تو ہوا۔ مگر میری رائے میں غیر کفو میں شادی کرنا فرزند کورش کے لائق و سزاوار نہیں۔ تم نے کبھی یہ بھی غور کیا ہے کہ اگر کمبوجیہ لاولد رہا تو سرداران ہخامنش ایک یونانی عورت کی اولاد کو ہرگز وارث تاج و تخت تسلیم نہ کریں گے"

بردیہ "مجھے حکمرانی کی خواہش و تمنا نہیں۔ علاوہ بریں بہت سے ایرانی تاجدار ایسی عورتوں کے بطن سے ہوئے ہیں جو میری سافو سے بھی رتبہ میں کم تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ جب آپ اور دیگر امرا میری دُرِیکتا کو دیکھیں گے تو ہرگز مجھے نشانہ ملامت نہ بنائینگے"

ملکہ "میری دل سے دعا ہے کہ تمہاری سافو بھی نطیتش کی طرح نیک دل و خوش سیرت ہو۔ دیکھو مجھ مصیبت زدہ اندھی کی کیسی خبر گیری و اطاعت کرتی ہے۔ اس کا قدم ہمارے گھر میں ایسا مبارک ہوا کہ تمہارے بھائی کی سخت مزاجی بالکل بدل گئی اور اس کی سنجیدگی و متانت نے تمہاری بہن اتوسا کی بھی طبیعت کو بدل دیا۔ وہ پہلے شوخ و لاپروا تھی اب پڑھنے لکھنے کی طرف دل لگانے لگی۔ ذرا لڑکیوں کو آوازدو نیادہ

شاید باغ میں کھیل رہی ہیں۔ میں ابھی بلا کر ان سے کہتی ہوں کہ ان کی ایک نئی سہیلی آنے والی ہے۔"

برو یہ "اماں جان۔ گستاخی معاف۔ جب تک بادشاہ کی اجازت نہ مل جائے میری رائے میں لڑکیوں سے اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں۔"

ملکہ "ہاں بیٹا سچ کہتے ہو۔ ابھی لڑکیوں سے چھپانا چاہیئے۔ معلوم نہیں آئندہ کیا پیش آئے۔ پہلے تمہارے بھائی کا منشاء دریافت کر لینا چاہیئے۔ ہرمزد تمہارے دل کی مرادیں بر لائے اور عمر دراز کرے۔"

اب شہنشاہ کی سالگرہ کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ اور وہ دن جس کے لوگ اس قدر منتظر تھے آپہنچا۔ علی الصباح دریائے **فرات** کے کنارے رسم قربانی شروع کی گئی۔ مگر اس سے پہلے چاندی کا ایک بہت بڑا اگن ہوتر ایک مصنوعی ٹیلہ پر قایم کیا گیا۔ اور بکثرت سفید پوش مجوس[۱] جنکے منہ پر ایک کپڑا لپٹا ہوا تھا تاکہ سانس کی نجاست باہر نہ جائے

---

[۱] قدیم زمانہ میں پروہت کو اتھروان (رمتیں روحانی) کہتے تھے۔ انکا بہت بڑا مرتبہ تھا اور بخلاف ہند دوسری ذات کے لوگ بھی اس میں داخل ہو سکتے تھے مگر عموماً اہل میدیا اکثر اتھروان ہوتے تھے۔ انکے لئے شادی بیاہ منع نہ تھا۔ انکا لباس مذہبی موقعوں پر ایک پیروں تک نیچی لانبی عبا تھی۔ سر پر نمدے یا کسی دوسرے کپڑے کی اونچی نوکدار ٹوپی جس میں کنٹوپ کی طرح دو کان ہوتے تھے کہ منہ تک ڈھک جاتا تھا۔ انکے فرائض حسب ذیل تھے۔

(۱) ذبح قربانی۔ سوائے موبد کے اور کوئی جانور ذبح نہ کر سکتا تھا۔ (۲) رسم تطہیر کو انجام دینا۔ یہ وندیداد میں نہایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ (۳) طبابت۔ بذریعہ دعا۔ دوا۔ طلسم۔ تعویذ و افسون و جراحی۔ (۴) قضاوت۔ (۵) اختر شناسی و نجوم۔ (۶) تعبیر خواب۔ (۷) قتل حیوانات موذی۔ مثلاً مگس پشہ۔ وغیرہ کو مارنا۔ اسکے لئے ایک خاص چمڑے کا اوزار موسوم بہ خرفس انکے پاس رہتا تھا۔ مجرموں و گنہگاروں کی سزادہی کے لئے بھی انکے پاس کوڑے تھے۔ (۸) انکا سب سے بڑا مقدس فرض مقدس

اس کے گرد جمع ہوئے مقدس آگ روشن کی گئی۔ صندل کی تپلی تپلی لکڑیاں اس میں ڈالی گئیں
اور چھڑیوں کے بنڈل سے کرید کرید کرکے اسکے شعلوں کو دہکایا گیا حتی کہ وہ آسمان سے
باتیں کرنے لگے اور خوشبودار دہواں فضائے عالم میں پھیل گیا۔ پھر قربانی کے جانور قریب
ہی ایک چراگاہ میں ذبح ہوئے۔ انکے خون و گوشت وغیرہ کو گھانس پھونس و پتوں میں نہایت
احتیاط سے جمع کیا گیا تاکہ کوئی مردہ مادہ زمین سے جسے ہرمزد پاک نے بنایا ہے لگنے نہ
پائے۔ بعدہٗ موبداعظم یعنی ارویستش نے آتشگاہ کے قریب آکر اس میں تازہ گھی
و تیل ڈالا جس سے بھڑک کر شعلے اور اونچے اُٹھے اور لوگ یہ خیال کرکے کہ یہ نور آتشیں
مخزن انوار عالم یعنی ہرمزد کی طرف رجوع ہو رہا ہے۔ بڑے خضوع و خشوع کے ساتھ
سجدے میں گر پڑے۔ پھر موبداعظم نے مقدس پودے یعنی ہوما[۵] کی پتیاں و ڈنٹھل ایک

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) آگ کی خدمت و حفاظت تھی۔ بوقت پرستش وہ اپنے منہ کے سامنے ایک چھوٹا سا
رومال ڈال لیتے تھے۔ اسے پتی داں کہتے تھے۔ ایک خاص درخت کی لکڑیوں کی چھڑی بھی جس کا نام
برسما ہے انکے پاس ہوتی تھی۔ اس سے وہ غیب کی باتیں بتاتے تھے۔ ظروف میں پتھر ولوہے کی
کھرل سونے چاندی کے پیالے۔ تھالیاں اور ایک چاقو جس سے زمین پر لکیریں کھینچتے تھے۔ لوازمات
پرستش و طہارت تھے آخرالذکر کے لئے ایک نوپور کا ڈنڈا بھی رکھتے تھے۔ اسکے سرے پر ایک چمچہ لگا
رہتا تھا تاکہ نجس شخص کے جسم پر طہارت کا پانی دور سے چھڑکا جاسکے۔

عہد ہخامنش میں اس فرقہ کی زیادہ عزت نہ تھی اور نہ اُسے ملکی اقتدار حاصل تھا۔ شاید یہی وجہ ہو کہ
یہ وہتوں نے ناراض و برہم ہو کر اس خاندان کے بہت کم حالات لکھے ہیں۔ بخلاف اسکے عہد ساسانیان
میں انہیں بہت عروج ہوا اس لئے انکے حالات بھی ایرانی صحائف میں زیادہ تفصیل کے ساتھ نظر آتے
ہیں۔ (درانس - ایران نامہ)

[۵] ہوما۔ یہ ہندوؤں کے وید کا سوما ہے۔ (وید میں لکھا ہے کہ سیمرغ اسے آسمان سے لاتا ہے) یہ ایک
پودہ ہے جو پہاڑوں پر اُگتا ہے۔ پروہت بھنگ کر اس کا عرق کھینچتے ہیں۔ کچھ آگ پر چڑھاتے ہیں۔ کچھ

کھرل میں کوٹ کر ان سے عرق نکالا اور اسے آگ پر چھڑک کے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر سب سے پہلے شہنشاہ اور اپنے ملک و قوم کے لئے دعائے خیر کی اور اشلوک پڑھکر زرخیز زمین۔ مصفا پانی۔ چمکدار دھات۔ سرسبز نباتات وغیرہ یعنی تمام مفید اشیاء کی پاک ارواح کی حمد و ثنا کی اور تاریکی۔ دروغ۔ بیماری۔ موت۔ سردی۔ خشک سالی بنجر زمین۔ گندگی نجاست و کیڑوں مکوڑوں کی مذمت کی اور اُنکے صانع یعنی بدذات انگرمینیو یا اہرمن پر لعنت بھیجی۔ اب تمام مجمع نے ایک ساتھ ہو کر نیکوں کی شان میں بھجن گایا۔ پھر بادشاہ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور رسم قربانی ختم ہو گئی۔

اب کمبوجیہ اپنے زریں رتھ پر سوار[۱] ہو کر جو جواہرات سے جگمگا رہی تھی اور اُس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دودھ میں ملا کر خود پیتے ہیں۔ یا حاضرین کو تقسیم کرتے ہیں۔ اس کا پینا دافع امراض۔ باعث برکت و درازی عمر سمجھا جاتا ہے۔ (دی النفس۔ ایران نامہ)

[۱] عوام الناس کو سوائے چند موقعوں (نوروز۔ سالگرہ۔ روانگی بہ جنگ گاہ) کے بہت کم اپنے شہنشاہ کے درشن نصیب ہوتے تھے۔ شاہی سواری کے لئے بڑی بڑی تیاریاں کی جاتی تھیں۔ شاہراہیں جھنڈیوں وغیرہ سے آراستہ ہوتی تھیں۔ لوگوں کی آمد و رفت بند ہو جاتی تھی۔ دورویہ سپاہیوں کی قطاریں کھڑی ہوتی تھیں۔ گھنٹیاں و بگل بجتے۔ ہر شخص منتظرانہ محل کی طرف نظر اُٹھاتا۔ اتنے میں اس کا عالی شان پھاٹک کھلتا۔ سواران خاصہ اپنی زرق برق وردیاں پہنے نمودار ہوتے۔ پھر بڑے ترک و احتشام کے ساتھ شہنشاہ کی سواری نکلتی۔ رسم قربانی کے موقع پر ترتیب جلوس کس قدر پُرتکلف تھا یعنی سب سے پہلے ہزار سواروں کا ایک رسالہ نکلتا۔ بعدہ قربانی کے جانور یعنی گھوڑے و بیل جنکی گردنوں پر طلائی جوئے لگے ہوتے تھے۔ پھر خورشید دیوتا اسید کی رتھیں جن میں نہایت خوبصورت گھوڑوں پر چوکردیاں جتی ہوئی ہوتیں۔ اور رتھبان ازروئے ادب پاپیادہ ساتھ ساتھ ہوتے۔ بعدہٗ ایک اور عالی شان رتھ نظر آتی جس میں مقدس آگ آتش ہور میں رکھی ہوئی نظر آتی پھر قشون جاودانی کی صفیں اور آخر میں شاہنشاہ عالی جاہ ایک نہایت بیش بہا طلائی درشکہ یا رتھ پر سوار نظر آتا۔ اسکے پیچھے بکثرت چوبدار۔ نیزہ بردار۔ ایرانی وغیر ایرانی رسالے۔ اور پیدل سپاہیوں کے

چار خوبصورت نسائی گھوڑے جتے تھے محل کی طرف روانہ ہوا۔ اسکے جاتے ہی ہر طرف چل پہل مچگئی۔ امراء وزراء نے اپنی اپنی سواریوں پر بیٹھکر دربار عام کا رخ کیا۔ پروہت اپنے حصے بخرے میں مشغول ہو گئے۔ قربانی کا سب سے اچھا گوشت انہوں نے اپنے واسطے رکھ لیا۔ باقی ماندہ عوام کو تقسیم کر دیا۔

یہ اس لیے جائز سمجھا جاتا تھا کہ انکے اعتقاد کے مطابق نیک ارواح جنکے لیے قربانی کی جاتی ہے جانوروں کے گوشت کے زیادہ حاجتمند نہیں بلکہ انکی روحوں کو لیکر خوش ہوتی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ قربانیاں اس کثرت سے ہوتی تھیں کہ غریب غربا کا گذارہ انہیں پر تھا۔ اس رسم کے بعد ہر شخص کے لئے دعا مانگنا فرض تھا۔ مگر صرف اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ شہنشاہ وقوم وملت کے لئے کیونکہ ہر افراد جزو قوم ہیں جسکی بھلائی سب پر مقدم ہے اور بادشاہ کو بھی اسی لئے خصوصیت حاصل تھی کہ وہ تمام قومی صفات کا مجموعہ خیال کیا جاتا تھا یہی وہ جذبات تھے۔ یہی وہ ایثار وخود فروشی تھی جس نے قدیم ایران کو تمام دنیا میں ایسا ممتاز وطاقتور بنا دیا تھا۔ مصری بھی اپنے فراعنہ کو دیوتاؤں کا اوتار سمجھتے تھے اور ایرانیوں سے کہیں زیادہ انکی عزت وحرمت کرتے تھے۔ لیکن آخر الذکر زیادہ آزاد ومطلق العنان تھے۔ ان پر پروہتوں کا بہت کم اثر تھا اور مصریوں کی مانند وہ تعصب وتنگ خیالی نہ تھی کہ غیر مذہب والوں کو ملک میں نہ دیکھ سکیں۔ چنانچہ بابل کی فتح کے بعد اسکے باشندوں کی پرستش میں بالکل مزاحمت نہ کی گئی۔ اسی طرح ایشیائے کوچک کے یہودی ویونانی وغیرہ بھی پوری آزادی کے ساتھ اپنے مذہب ورسم ورواج کی پابندی کر سکتے تھے۔ یہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پرے کے پرے نکلنا شروع ہوتے۔ (ساسانیوں کے زمانہ میں ہاتھی بھی جلوس کے ساتھ نکلتے تھے) بعض کا بیان ہے کہ سب سے آگے مقدس آگ کر تھ ہوتے تھے۔ اسکے پیچھے ۳۶۵ لڑکے (بحساب روز ہائے سال) پیادہ چلتے۔ پھر دوسری رتھیں آتیں اور شہزادگان۔ اعیان دربار۔ قشون جاودانی اور سب سے آخر بادشاہ ہوتا۔ (رالنس۔ ایران نامہ)

سبب تھا کہ آج شہنشاہ کی سالگرہ کے دن صرف مجوس ہی مصروف عبادت نہ تھے بلکہ دیگر اقوام و مذہب والے بھی اپنے دیوتاؤں کے سامنے بھینٹ چڑھا کر دعائیں مانگ رہے تھے۔ اور شہر بابل ایک عظیم الشان قربانگاہ بن گیا تھا۔ جس کے بخورات دل بادل بلند مکانات و میناروں پر منڈلاتے ہوئے آسمان پر چڑھتے ہوئے روئے آفتاب کو نظروں سے چھپا رہے تھے۔ جب شہنشاہ اپنے محل پر پہنچگیا تو مختلف اقوام کے سفرا کا جلوس بھی اسی طرف روانہ ہوا۔ بابل کی سڑکیں جیسا ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ نہایت خوبی کے ساتھ سجائی گئی تھیں۔ راستوں پر مہندی۔ تاڑ۔ چنار۔ کوکنار۔ و گلاب وغیرہ کے پھول پتیاں وغیرہ بھی تھیں۔ ہر طرف سے لوبان۔ عود۔ صندل کی مہک و خوشبوئیں آ رہی تھیں اونچے مقامات پر خوشنما جھنڈیاں اُڑ رہی تھیں۔ اور انکی چھتوں و دیواروں سے بیش بہا قالین و پردے لٹک رہے تھے۔ ہر جگہ لوگوں کا اژدہام تھا۔ تماشائیوں کی کثرت تھی۔ اہل بابل کو ابھی تھوڑا ہی زمانہ انہیں مسخر ہوئے گذرا تھا۔ طوق و زنجیریں جو غلامی و اطاعت کی نشانیاں تھیں گلوں میں ڈالے ہوئے بکمال جوش و خروش اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اتنے میں سفرا کا جلوس نمودار ہوا۔ انکے نعروں سے تمام شہر گونج اُٹھا۔ انکے گروہ خوشی و مسرت سے اُچھلتے۔ کودتے۔ گاتے بجاتے نظر آئے۔ کہیں میدیہ والے اپنی ترئی۔ بگل یا ترم بجا رہے تھے اہل فرغیہ مُنہ سے بانسریاں پھونک رہے تھے۔ یہودیوں کے جھانجھ مجیرے و مرچنگ شور کر رہے تھے۔ اور کہیں لیفلاگونیا والوں کی دف۔ ڈفلی۔ یونانیوں کی بین۔ شامیوں کے نقاروں۔ ہندوؤں کے ناقوس و قرنا۔ اہل باختر کے فوجی ترم اور بھونپوؤں کی آواز سے کان پھٹے جاتے تھے۔ ان لوگوں کا لباس مختلف رنگ برنگ کا تھا۔

انکے گھوڑوں کا ساز و یراق بھی نہایت خوشنما تھا۔ انکے سردار و مکھیا بڑے

ساز و سامان کے ساتھ آئے تھے۔ ہر ایک اپنے ساتھ انواع[۱] و اقسام کے تحائف لایا تھا کسی کے پاس نہایت اعلیٰ نسل کے گھوڑے تھے۔ کوئی ہاتھی و بندر۔ کوئی گینڈے۔ مینڈھے۔ گائے بیل۔ کوئی باختر کے دو کوہان والے اونٹ جنکے گلوں میں سونے چاندی کی گھنٹیاں بج رہی تھیں لایا تھا کسی کے پاس گاڑیاں تھیں یا قیمتی لکڑیاں۔ ہاتھی دانت بیش بہا پارچے۔ طلائی و نقرئی برتن سونے کے برادہ سے لبریز پیپے۔ سونے کی سلاخیں یا نادر و کمیاب پودے تھے۔ علاوہ بریں شاہی چڑیا خانے یا شکار گاہ کے لئے ہرن چیتے گورخر۔ نیل گائے۔ لنگور۔ کبوتر۔ اور دیگر خوشنما پروں والی یا بولنے والی چڑیاں بھی موجود تھیں۔ یہ تمام تحائف از قسم خراج تھے۔ جو محکوم و باجگذار قوم کی طرف سے شہنشاہ کے سامنے خاص موقعوں پر پیش کئے جاتے تھے۔ انکے ملاحظہ کے بعد پرکھنے و جانچنے والے انکی قدر و قیمت کا اندازہ کرتے تھے۔ منشی و کاتب انہیں درج فہرست

[۱] پرسی پولس کے کھنڈرات کے سنگین مرقعوں میں اب بھی یہ بین موجود ہیں۔ اور مختلف باجگذار اقوام کے نمایندے شہنشاہ کے لئے تحائف لئے ہوئے دربار شاہی میں آتے نظر آتے ہیں۔ کسی کے سر پر بدوی (عرب) سر پیچ کی طرح ایک رومال بندھا ہے جسم پر مختصر کوٹ ہیں۔ پیر گھٹنوں کے نیچے برہنہ ہیں۔ کسی کے سر پر لمبی نوکدار ٹوپیاں ہیں۔ پیروں میں پٹی نما جوتے تسموں سے بندھے ہیں جسم پر بھیڑ کی پوستین کے کوٹ ہیں۔ آخر الذکر سیتھی سا کی یعنی تاتار قوم کے سفیر ہیں۔ تحائف بھی مختلف و گوناگوں ہیں۔ کوئی ہندوستان کا بیل۔ باختر کا اونٹ۔ مینڈھا۔ گورخر۔ یا شیر لایا ہے جو شاہی چڑیا گھر کو زینت بخشیں گے۔ کسی کے پاس کوتل گھوڑے دار رتھیں تھیں۔ کوئی سمور۔ قالین۔ زربفتی زین پوش۔ نیزے۔ تیغ و تبر لایا ہے۔ کسی کے ہاتھ میں عطر کی شیشیاں تولیں جڑاؤ زیور وغیرہ ہیں بعض کے کاندھوں پر شیر کی کھالیں پڑی ہیں بعض ترازو ہاتھوں میں لئے ہیں جس سے شاید سونا چاندی تول کر نذر دینا مقصود ہے۔ ان لوگوں کو سالار بادشاہ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ کاتب انکے تحائف کی مقدار و میزان مندرج کرتے ہیں۔ اور اگر وہ بادشاہ کی پسند خاطر ہوئے تو خلعتیں و انعامات دیکر لانیوالوں کو رخصت کیا جاتا ہے (آرٹ آف پرشیا)

یا اگر قابل اطمینان نہ سمجھتے تو فوراً واپس کر دیتی ہیں اور پھر انکے لانے والوں کو دوگنہ نذرانہ پیش کرنا پڑتا۔ اب سفرا کا جلوس بے روک ٹوک دربار عام کے قریب پہنچگیا اور یہاں بکثرت کوڑے بردار لوگوں کے ہجوم کو روکنے کیلئے مصروف انتظام تھے مختلف فوجیں نہایت قرینے سے پراجمائے کھڑی تھیں اور شاہی جلوس کے پانچسو کوتل گھوڑے بیش بہا سازو یراق سے آراستہ موجود تھے۔ دربار عام ایک نہایت خوبصورت عالی شان ایوان تھا جس کی زیب و زینت پر نگاہ پڑتے ہی آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں۔ اس کے پرے سرے پر ایک خوشنما سونے کا تخت[1] بچھا تھا جس کے سامنے چھ سیڑہیاں تھیں اور ہر زینہ پر دو طلائی کتے بطور محافظین بیٹھے تھے۔ تخت کے اوپر ایک ارغوانی رنگ کا مرصع چھتر جس کی چھت پر فروشی[2] کی مقدس شبیہ بنی تھی چار سونے کے کھمبوں پر سایہ فگن تھا۔ اسکے پیچھے چتر[3] بردار اور دیگر

---

[1] یہ ایک اونچے چبوترہ پر رکھا ہوتا تھا اسکے نہایت خوبصورت و منقش اونچے اونچے پائے تھے اور بہت سے بت ان اقوام مختلفہ کے جو ایرانی رعایا تھے اسے اپنے سروں پر اٹھائے تھے۔ موجودہ تخت ایران بھی اسی وضع کا ہے۔ (پرشین آرٹ)

[2] ہخامنشی کتبات میں بادشاہوں کی شبیہ کے ساتھ ہمیشہ آفتاب کی شکل اور ایک خاص تصویر بنی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ ایک شخص ہے جسکی لمبی ڈاڑھی ہے۔ سر پر تاج ہے۔ داہنا ہاتھ اونچا کئے ہیں۔ بائیں میں ایک حلقہ پکڑے ہے اور خود بھی ایک حلقہ کے اندر کھڑا ہوا ہے۔ جسکے دو دو پر دو پر ہیں۔ جو حالت پرواز میں بخط مستقیم کشادہ ہیں۔ اس شخص کے پیر نظر نہیں آتے۔ وہ ایک قبا زیب تن کئے ہے جس کی آستینیں فراخ ہیں اور دامن کنارہ دار ہیں۔ اس شکل کو بعض لوگ فرشتہ خیال کرتے ہیں۔ بعض ہرمز کی شبیہ سمجھتے تھے مگر حقیقت میں یہ شبیہ بادشاہوں کی روح اجداد یعنی فروشی ہے اور حلقہ سے مقصود وہ شکہ آسمانی ہے جو روح نیک کو دنیا سے بہشت جاودانی کی طرف لیجارہا ہے۔ (ایران نامہ)

[3] سلاطین ہخامنشی کا چتر سادہ تھا۔ اس میں حاشیہ و آرائش زیادہ نہ تھی۔ بادشاہ عموماً اپنے ہاتھ میں

خاص عہدہ دار کھڑے تھے۔ نیچے ادہر ادُہر شہزدگان۔ امرائے سلطنت پروہتوں وخواجہ سراؤں وغیرہ کا ہجوم تھا۔

اس عالی شان ایوان[۱] یا ہال کی چھت و دیواریں سونے کے پتروں سے جگمگا رہی تھیں۔ اس کے فرش پر بیش بہا اودے یا ارغوانی رنگ کے قالین بچھے تھے اس کے درو دروازے خالص چاندی کے تھے جنکے قریب عجیب وغریب پروار

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ایک عصا بھی رکھتا تھا جو پانچ فٹ لمبا تھا۔ اور موٹھ سونے و جواہرات سے مرصع تھی جس جگہ کھڑا ہوتا یا ٹھیرتا عصا سامنے رکھ لیتا۔ اور پیچھے ایک خاص افسر چتر کھول کر سایہ کرتا دوسرا مورچھل لئے رہتا۔ تیسرا اسلحہ بردار تھا۔ جسکے ایک ہاتھ میں تبر و بائیں مونڈھے پر کمان تھی اور تخت کے نیچے دو خادم اپنے ہاتھوں میں اگردان لئے بتوں کی طرح خاموش نظر آتے۔ (آرٹ آف پرشیا۔ ایران نامہ

[۱] ہخامنشی آثار دیکھنے کے بعد اس زمانہ کی شاہی عمارات خصوصًا دربار ہال کا نقشہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے یہ ایک عالی شان عمارت ایک سو (۱۰۰) یا اس سے بھی زیادہ ستونوں کی تھی۔ تین طرف سے یہ عمومًا بالکل کھلی ہوئی کشادہ اور ہوادار تھی۔ اس کی چھت لکڑی کی نہایت مرصع وخوشنما۔ اس کا فرش پتھر کا ہے اور سامانِ آرائش ایسا بیش بہا ہے کہ دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں۔ در و دیوار سونے وچاندی کے پتروں سے جگمگا رہے ہیں خوبصورت ونازک ستونوں پر بھی سونے چاندی کے پتر چڑھے ہیں۔ فرش پر بیش بہا رنگین قالین بچھے ہیں۔ باہر کی چھت دستونوں سے زرنگار پردے ریشمی ڈوریوں سے کسے ہوئے سائبان کی طرح بندھے ہیں۔ اور اندر کے ستونوں کے درمیان بھی جگہ جگہ چھت سے یہی زربفتی پردے لٹکے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان ستونوں کی قطاروں میں تخت سے کچھ دور نصف قد اونچے چاندی کے جنگلے ہیں جن سے یہ ایوان مختلف درجوں میں منقسم ہوگیا ہے۔ اور وہاں خوشنما زریں کرسیاں امرا و وزرا کی نشست کیلئے حسب مراتب بچھی ہوئی ہیں۔ ایوان کے باہر بھی نہایت خوشنما چمن بندی ہے۔ طرح طرح کے رنگین اور خوشبودار پھول و پودے اُگے ہوئے ہیں۔ اور انکی قدرتی خوشنمائی۔ دربار کی آرائش اور درباریوں وسپاہیوں کی زرق برق پوشاکوں کے ساتھ مل جلکر عجیب بہار دیرہی اور ایک ایسا ہوشربا ودلچسپ منظر پیش کرتی ہے جسکی مثال بہت کم دنیا میں مل سکے گی۔ (آرٹ آف پرشیا)

جانوروں کے بُت جن کا سر انسان کا اور جسم بیلوں کی طرح تھا پاسبانی کر رہے تھے۔

ایوان کے باہر ایک بہت بڑا صحن تھا جہاں سپاہیان خاصہ جن کے نیزوں پر سونے و چاندی کے سیب نما لٹو لگے تھے پرا جمائے[۵۱] کھڑے تھے۔ انکے سروں پر اونچی ٹوپیاں تھیں۔ جسم پر ارغوانی رنگ کے کوٹ تھے جن پر طلائی زرہ و چار آئینے نہایت خوشنما معلوم ہوتے تھے۔ انکی پیٹیوں میں چھوٹی چھوٹی تلواریں کھنسی تھیں جنکے میان سونے کے تھے اور دستوں پر جواہرات جڑے تھے۔ انکے بعد وہ پلٹنیں جو قشون جاودانی[۵۲] کے نام سے مشہور تھیں صف آرا تھیں انکے سور مابلحاظ اپنے قد و قامت۔ قوی جثہ۔

---

۵۱ دارائے اعظم کے باڈی گارڈ میں دو ہزار سوار اور دو ہزار پیادے تھے شوس اور پرسی پولس کے مرقعہائے آجر کاشی کے مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا لباس نہایت شاندار و پر تکلف تھا۔ جسم پر ایک رنگین ریشمی قبا جس پر نہایت خوشنما پھول بوٹے بنے ہیں۔ اور کناروں پر بھی زردوزی کا کام ہے۔ ٹخنوں تک پہنچتی ہے۔ اسکی آستینیں خوب ڈھیلی ڈھالی و کشادہ ہیں۔ اور اسکے اوپر ایک مرصع کار واسکٹ زیب تن ہے۔ پیروں میں ملایم زرد چمڑے کے بوٹ سامنے تسموں سے بندھے ہیں۔ انکے چہرے وجیہ و بارعب ہیں۔ ڈاڑھی و سر کے بال خوب آراستہ و گھونگروالے ہیں۔ اور عموماً عربوں کے کفیہ کی طرح ایک رسی سر پر بندھی ہے مگر بعض قالب نما یا چوکور چنٹوں دار ٹوپیاں پہنے ہیں۔ انکے ہاتھوں میں طلائی کنگن اور کانوں میں بیش بہا بندے ہیں بائیں کاندھے پر ایک کمان پڑی ہے اور ایک مرصع کار ترکش بھی جس میں خوشنما پھندنے لگے ہیں۔ پشت پر لٹک رہا ہے۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ایک لانبا نیزہ یوں پکڑے ہوئے ہیں جس طرح آجکل سلامی کرتے وقت بندوق سامنے کر لیتے ہیں۔ یہ نیزہ لکڑی کا ہے مگر اسکا پھل کسی چمکدار دھات کا ہے اور اس کی موٹھ بشکل سیب طلائے خالص کی معلوم ہوتی ہے۔ (آرٹ آف پرشیا)

۵۲ یہ ایران کے منتخب جانباز و جنگجو سپاہیوں کی فوج تھی جسے قشون جاودانی اس لئے کہتے تھے کہ بوقت جنگ اگر کوئی مارا جاتا تو دوسرا فوراً اس کی جگہ آجاتا اور تعداد میں کمی نہ ہوتی۔ یہ کل دس ہزار تھے جن کی دس پلٹنیں تھیں۔ انکی بھی وردی سپاہیان خاصہ کی طرح تھی مگر انکے نیزوں پر بجائے سیب کے

شجاعت وبہادری میں منتخب ویگانہ روزگار سمجھے جاتے تھے۔

بعض حکام درباری اپنے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے عصائے عاج لیتے تھے۔ ان کا کام اجنبیوں کے نام پکار کر شہنشاہ کے روبرو پیش کرنا تھا۔ اب یہ لوگ سفراکو اپنے ساتھ لئے ہوئے نہایت ادب سے تخت شاہی کی طرف بڑھے۔ جسکی سیڑھیوں کے قریب پہنچتے ہی سب زمیں بوسی کے لئے جھک گئے اور اپنے ہاتھونکو آستینوں میں چھپاکر ارشاد سلطانی کے منتظر کھڑے رہے۔ بادشاہ کو جواب دینے سے پہلے انکا فرض تھا کہ اپنے مُنہ کے سامنے ایک کپڑا حائل کرلیں تاکہ انکی سانس جسم ہمایونی پر نہ لگنے پائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) انار کی شکل تھی۔ عہد ساسانیان میں بھی یہ فوج موجود تھی۔ مگر شاید اسکی وردی مختلف تھی۔ (آرٹ آف پرشیا)

لہ امرائے ہخامنش کا لباس = انہوں نے بھی امرائے میدکے فیشن کی اتباع کی تھی دربار وغیرہ کے موقع پر ایک ریشمی جامہ یا قبا جس پر جانوروں کی شکلیں اور رنگ برنگ نقش ونگار بنے تھے زیب تن کرتے یہ جامہ ٹخنوں تک نیچا ہوتا تھا۔ اسکے کمر کے نیچے رفل اور چنٹیں پڑی تھیں۔ اسکی آستینیں کہنیوں کے نیچے خوب کشادہ وچنٹوں دار تھیں۔ پیروں میں موزے وجوتے پہنتے۔ سر پر ایک چوکور ٹوپی ہوتی جسکی دیوار پر چنٹیں پڑی تھیں۔ کانوں میں بالیاں کلائیوں میں کنگن اور گلے میں ہار پہنتے تھے۔ علاوہ اس میدی لباس کے امرائے فارس اپنے ملک کا خاص لباس بھی اکثر پہنا کرتے تھے یہ ایک چست کوٹ تھا جو گھٹنوں تک نیچا ہوتا تھا۔ پائجامہ شلوار سا اور ڈھیلا ڈھالا تھا۔ ٹوپی کی شکل ایک قالب یا گنبد کی طرح تھی اور اسپر چنٹیں نہ تھیں۔ ہر دو قسم کے طرز لباس کے ساتھ کمر پر ایک زریں پٹکہ جس میں ایک خنجر کھسا ہوا رہتا۔ ضرور ہوتا تھا۔ یا کبھی یہ خنجر ایک چرمی فیتہ سے بندھا ہوا داہنی ران پر پڑا رہتا تھا اور دوسری ران پر ایک بڑا خول جسکے اندر کمان ہوتی تھی لٹکا رہتا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ میں کوئی خوشنما پھول لئے رہتے اور یہ اس زمانہ کے آداب میں داخل تھا کہ راستہ میں کوئی دوست آشنا ملتا تو اُسے یہ پھول پیش کرتے (آرٹ آف پرشیا۔ رالنس)

کمبوجیہ کا برتاؤ سفرا کے ساتھ اُنکے تحائف و اظہار اطاعت و فرمانبرداری کے مطابق اچھا یا بُرا ہوتا۔ وہ کسی کے ساتھ نہایت سختی کے ساتھ پیش آتا۔ کسی سے نہایت لطف و کرم سے خطاب کرتا۔ مثلاً جب یہودیوں کی سفارت تخت کے سامنے سے گذری تو اس نے بکمال مہربانی انہیں ٹھہر جانے کا حکم دیا۔

اس سفارت کے پیشوا یا سردار۔ دو نہایت باوقار و سنجیدہ شخص تھے۔ ایک تو بابل کے متمول شرفا کا لباس پہنے تھا دوسرے کے زیب تن ایک ارغوانی رنگ کے بے جوڑ کپڑے کی عبا تھی۔ جس میں زیبائش کے لئے بکثرت گھنٹیاں و پھندنے لگے تھے۔ اسکی کمر میں ایک پٹکا تھا جس میں سرخ۔ سفید و نیلے تینوں رنگ ملے تھے۔

اس کے گلے میں ایک چھوٹا سا بٹوا جس میں بارہ جواہرات ٹکے ہوئے تھے لٹکا تھا۔ اور ان پر بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں کے نام کندہ تھے۔ اسکی بلند پیشانی پر ایک سفید سربند جس کے لمبے سرے شانوں پر پڑے ہوئے تھے بندھا تھا۔ غرضکہ یہ شخص اپنی طرز لباس سے یہودکا کوئی مذہبی پیشوا معلوم ہوتا تھا۔ بادشاہ اولاً اسکے ساتھی کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

بادشاہ "بلشزر! میں تجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ والد بزرگوار کی وفات کے بعد یہ پہلی مرتبہ تو ہمارے دربار میں حاضر ہوا ہے"

بلشزر "(نہایت انکساری سے گردن جھکا کر) اے شہنشاہ والاجاہ! آفتاب اقبال ہمیشہ تاباں و درخشاں رہے۔ حضور کا یہ ارشاد غلام کی حد درجہ فخر و مباہات کا باعث ہوا یہ بندہ ناچیز اپنے کو اس نوازش خسروانہ کا کسی طرح مستحق نہیں سمجھتا اور آج ڈرتے ڈرتے اپنی قوم کی طرف سے ایک غرض لیکر بارگاہ عالی میں آیا ہے۔ یہ مرد بزرگ جو میرے ساتھ ہیں ان کا نام جوشوا ہے اور ہمارے مذہبی سردار ہیں۔ یہ بھی بڑی دور و دراز سے ہزاروں مصیبتیں برداشت کر کے خدمت اقدس میں اسی غرض سے حاضر ہوئے ہیں

اور حضور کے جود وسخا و رحم و کرم سے امید رکھتے ہیں کہ اپنی مراد و تمنائے دلی حاصل کرینگے۔"
کمبوجیہ "میں تمہارا مطلب و مقصد سمجھ گیا (جوشوا کی طرف رخ کر کے) کیوں بوڑھے
ربی یہ صحیح ہے کہ نہیں کہ تو اپنے وطن میں تعمیر مسجد کی اجازت طلب کرنے آیا ہے۔"
جوشوا۔ (نہایت عجز کے ساتھ گردن جھکا کر) "جہاں پناہ بڑے روشن ضمیر ہیں حضور
سے کوئی بات مخفی نہیں رہ سکتی۔ یروشلم میں غلامان سلطنت اپنے شہنشاہ کے دیدار
کے ازحد مشتاق ہیں اور اس غلام کو اسی لئے بھیجا ہے کہ انکی اس تمنائے دلی کا
اظہار بندگان عالی کے روبرو کر سکے اور یہ بھی دست بستہ عرض کرے کہ ہمیں اس معبد
کی تعمیر جاری رکھنے سے روکا نہ جائے جسکی اجازت حضور والا کے والد[1] مکرم نے خدا
انہیں غریق رحمت کرے ہمیں اپنی حین حیات میں عطا فرمائی تھی۔"
بادشاہ۔ (مسکرا کر) "تم لوگ بڑے ہوشیار و چالاک ہو اور موقع محل دیکھ کر اپنا مطلب
نکالنے کا ڈھنگ خوب جانتے ہو۔ خیر میں تمہیں اپنی وفادار رعایا میں شمار کرتا ہوں اور
آج میری سالگرہ کا دن ہے اس لئے مایوس نہ کرونگا اور وعدہ کرتا ہوں کہ عنقریب
تمہارے ملک کی طرف مراجعت کر کے یروشلم کی زیارت کرنے آؤنگا۔"
ربی "اس سے بڑھکر ہم غلاموں کے لئے کوئی زیادہ خوشی و فخر کی بات نہیں ہو سکتی
حضور والا کی آمد کی برکت سے ہمارے زیتون و انگور دس گنہ بارور ہو جائیں گے یروشلم
کے دروازے چشم انتظار کی طرح کھلے رہیں گے اور بنی اسرائیل اپنے آقائے مکرم و عالیشان
فرمانروا کے خیر مقدم کے لئے آنکھیں بچھائیں گے۔ پھر انکی خوشی کی کچھ انتہا نہ ہو گی جب

[1] کورش اعظم کے ظہور اور فتوحات کی پیشینگوئی حضرت اشعیاء علیہ نے کی تھی۔ یہ بادشاہ بہت بڑا فیاض و خداترس تھا۔ اس نے نہ صرف یہودیوں کو قید سے نجات دی بلکہ بیت المقدس میں اپنا معبد تعمیر کرنے کی بھی اجازت دی اور انکے سونے چاندی کے متبرک ظروف بھی جنہیں بخت نصر لے آیا تھا۔ واپس کر دیئے (رالنس ساگس)

حضور والا انکی عرضداشت منظور کرکے بنائے معبد ۔۔۔۔۔۔"

کمبوجیہ ۔ (چلاکر) خاموش! بس اور زیادہ نہیں سُننا چاہتا ۔ تیری پہلی درخواست کو منظور کرتا ہوں کیونکہ ما بدولت کی خود ایک عرصہ سے خواہش تھی کہ یروشلم کے عجائبات دیکھوں ۔ اور صور و سیدا[^۱] جن کی دولت و ثروت کی ایسی شہرت ہے انکی بھی سیر کروں ۔ لیکن تعمیر معبد ایک امر دیگر ہے ۔ اگر میں اُسکی اجازت دیدوں تو آئندہ سال تمہیں بخشنے کے لئے میرے پاس کیا رہ جائیگا"

ربی "حضور کے غلام پھر کوئی التجا نہ کریں گے ۔ اور آیندہ بھی زر و جواہر و تحائف کے پیش کرنے میں کبھی دریغ نہ کریں گے ۔ عالیجاہا! آپ کی زبان مبارک سے صرف ایک لفظ کافی ہے ۔ ہمیں دربار سے مایوس نہ پھیرئے اور اپنے خدا کا گھر بنانے کی اجازت دیدیجئے"

کمبوجیہ ۔ (مسکراکر) "بنی اسرائیل تم عجب قسم کے لوگ ہو ۔ میں تو سمجھتا تھا کہ تم ایسے خدائے واحد کی پرستش کرتے ہو جو غیر مادی ہے اور جس کی کوئی شکل و شبیہ نہیں بن سکتی پھر اُسے مکان یا گھر کی کیا ضرورت؟ اور اگر آندھی ۔ پانی ۔ گرمی و سردی سے اُس کی حفاظت لازم ہے تو میرے خیال میں وہ نہایت کمزور و واجب الرحم ہے ۔ ہم اپنے معبود کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھتے ہیں ۔ جہاں چاہے اُس کے سامنے سجدے میں گر پڑیں یا عبادت کریں وہ دعا ضرور سُن لیگا"

---

[^۱]: صور = ٹائر + سیدا = سیدان ۔

یہ دونوں ساحل شام کے دو چھوٹے شہر ہیں ۔ جو قدیم سلطنت فنیکیہ کے زمانہ میں تمام عالم میں مشہور اور صنعت و حرفت و تجارت وغیرہ کے مرکز سمجھے جاتے تھے ۔ انجیل میں انکا اکثر ذکر آیا ہے ۔ عربوں کے زمانہ میں بھی یہ خوب آباد تھے ۔ جنگ صلیبی میں طرح طرح کے انقلاب یہاں آئے ۔ سیدا کا گلاس و شراب مشہور تھی ۔ (انسائیکلوپیڈیا)

ربی - (پُرجوش آواز سے) "بنی اسرائیل کا خدا ابھی ہر جگہ انکی دعائیں سنتا ہے جب ہم فرعون کی قید میں اپنے وطن سے دور غلامی کی مصیبتیں جھیل رہے تھے تو اسی نے ہماری امداد کی - جب ہم بابل میں ظالموں کے جور و ستم سہہ رہے تھے تو اسی نے ہماری آہ و زاری سُنی - اور آپ کے والد ذی شان کو اقوام عالم پر مسلط کر کے ہماری رہائی کا باعث گردانا اور وہی آج بھی سُنے گا اور حضور والا کے دل کو ہمارے لیے رحم و کرم سے بھر دیگا - اے شہنشاہ والا تبار! آپ کے غلاموں کی صرف اسی قدر التجا ہے کہ انہیں ایک ایسا معبد تعمیر کرنے کی اجازت مل جائے جہاں وہ اپنے بارہ[1] منتشر فرقوں کو ایک جگہ جمع کر کے عبادت کر سکیں - اور اپنی عیدوں و تہواروں کو بلا کسی مزاحمت کے منا سکیں - اگر حضور نے ہم غریبوں کی یہ عرض منظور فرمائی تو ہمیشہ آپ کے اور خاندانِ شاہی کے دعاگو رہیں گے - خدا آپ کو اجر عظیم بخشے گا اور دشمنان دولت کو ذلیل و خوار کریگا"

---

[1] اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے - بنی اسرائیل آپ ہی کی اولاد تھے - آپ کے بارہ بیٹے تھے - حضرت یوسف علیہ السلام - ابن یامین - یہودا وغیرہ - ان میں سے ہر ایک کی اولاد اپنے اپنے جد کے نام سے مشہور ہوئی - بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے انہیں صاحبزادوں کی اولاد مراد ہے جو امتداد زمانہ کے ساتھ بہت پھلی پھولی اور اقصائے عالم میں پھیل گئی - انکا آغاز مصر ہی سے ہوا اس لئے کہ اس کے زمانہ میں جب حضرت یوسف علیہ السلام وزیر مقرر ہوئے تو ان کے تمام بھائی یہیں آ گئے اور یہیں بود و باش اختیار کی - کہ اس کے بعد جب اس خاندان کی بربادی ہوئی تو بنی اسرائیل بھی معرض ابتلا میں آئے - کچھ مصر میں رہ گئے کچھ باہر چلے گئے اور تمام عالم میں منتشر ہو گئے - مصر سے بنی اسرائیل نے اس وقت یہ تمامہ ہجرت کی ہے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آکر فراعنہ کے دست تظلم سے انھیں نجات دی اور سب کو جمع کر کے اپنے ہمراہ لے گئے - یہ واقعہ بہت مشہور ہے - اسی واقعہ کے سلسلہ میں فرعون مصر غرق ہوا تھا - ۱۲

بلشزر۔ (بہت گڑگڑاکر) شاہا! یہ غلام قدیم نمک پروردہ سلطنت ہے۔ اسکی ناچیز خدمات پر خیال فرماکر رحم کیجیے اور ہماری التجا کو رد نہ فرمائیے"
بلشزر بابل کے تمام یہودیوں میں سب سے زیادہ متمول و بااثر تھا۔ کورش اعظم بھی اس کی بڑی عزت کرتا تھا اور اکثر معاملات میں اُس سے مشورہ لیتا تھا۔ اس لئے اسے یقین تھا کہ کمبوجیہ اس کی سفارش کو نامنظور نہ کریگا۔
کمبوجیہ "اگر میں تمہاری درخواست قبول کروں تو اس کا کیا ذمہ کہ آیندہ بھی تم اطمینان و دلجمعی کے ساتھ رہوگے۔ میرے والد بزرگوار نے نہ صرف تم کو تعمیر معبد کی اجازت بخشی تھی بلکہ ہر طرح کی امداد دینے کا وعدہ بھی فرمایا تھا جس کا کیا نتیجہ ہوا؟ پہلے تو تم سب متفق تھے اور خوشی خوشی بابل سے اپنے وطن روانہ ہوئے۔ مگر وہاں پہنچکر جیوں ہی تعمیر شروع ہوئی طرح طرح کے جھگڑے و فساد پیدا ہونے لگے حتیٰ کہ عمائدین شام نے کورش اعظم سے التجا کی کہ بنائے معبد کو بند کردیا جائے اور ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے کہ تمہارے ہی ہمقوم ایک فرقہ نے مجھ سے بھی اسی قسم کی درخواست کی تھی میں کسی کے مذہبی عقاید میں دخل دینا نہیں چاہتا۔ اور نہ تمہیں عبادت کرنے سے روکتا ہوں۔ لیکن ایسی عمارت کے بنانیکی اجازت نہیں دیسکتا جس سے خود تم ہی میں فتنہ و فساد برپا ہو اور سلطنت کے امن وامان میں فرق آئے"
بلشزر۔ (مایوسانہ لہجہ سے) "مگر شاہا! اس کے متعلق تو خود حضور والا کے والد مکرم کا ایک تحریری اجازت نامہ موجود ہے"
بادشاہ۔ (حیرت سے) "تحریری اجازت نامہ!"
بلشزر "جی ہاں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دفتر شاہی میں ابھی تک موجود ہے"
بادشاہ "اگر تمہارا یہ دعویٰ صحیح ہے تو اُسے لاکر مجھے دکھاؤ۔ بیشک تمہیں اسکی تلاش کی اجازت ہی دیتا ہوں بلکہ ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔ کیونکہ میری نگاہ ہیں

والد مرحوم کے فرمان مبارک کی عزت آسمانی احکام سے کچھ کم نہیں ہے"۔
بلشزر۔" اگر غلام کو اجازت بخشی جائے تو وہ شاہی کاتبوں کی مدد سے الکتابنہ کے دفاتر میں تلاش کرے۔ کیونکہ وہیں وہ فرمان محفوظ ہے"۔
بادشاہ۔" میں بخوشی اجازت دیتا ہوں مگر مجھے اندیشہ ہے کہ تم خالی ہاتھ واپس آؤگے (جوشوا سے مخاطب ہوکر) ربّی! اپنے اہل وطن سے کہدینا کہ میں اُس فوج کا ملاحظہ کرکے جسے اُنھوں نے جنگ ماساجت میں شامل ہونیکے لیئے بھیجا ہے نہایت خوش ہوا۔ میرا سپہ سالار بگاباز انکے طرز و انداز کی بہت تعریف کرتا ہے اور مجھے امید ہے کہ پہلے کی طرح اب بھی وہ اپنی دلیری و شجاعت کے جوہر دکھائیں گے۔ (بلشزر سے) بلشزر تم میری شادی میں ضرور آنا۔ اور آج رات کی دعوت میں بھی شامل ہونا اور اپنے ہمراہ دوسرے سرداران یہود کو بھی لیتے آنا"۔
بلشزر۔ (نہایت ادب سے گردن جھکاکر)" جہاں پناہ کا ارشاد میرے سر آنکھوں پر۔ خدائے بنی اسرائیل حضور پر اپنی برکات و رحمتیں نازل فرمائے"۔
بادشاہ۔" تمہاری دعا سے میں خوش ہوا۔ کیونکہ تمہارے خدا کی میرے دل میں بھی عزت ہے۔ ہاں بلشزر! ایک بات اور یاد آئی جسے میں تم سے خاص طور سے کہنا چاہتا تھا۔ وہ یہ کہ میں نے سُنا ہے کہ کل چند یہودیوں نے اہل بابل کے دیوتاؤں پر ہنسی اُڑائی تھی اور انکی سخت دل آزاری کی تھی۔ دیکھو اپنے اہل وطن کو آگاہ کردینا کہ اگر وہ تعصب و تنگدلی سے کام لیکر دوسروں کے مذہب کا مضحکہ اُڑائیں گے تو عوام انہیں نفرت و حقارت سے دیکھنے لگیں گے اور حکومت کو بھی مجبوراً انکی سرزنش کرنا پڑیگی۔ تم ہماری مثال نہیں دیکھتے ہو کہ اپنے مذہب پر قایم ہیں مگر دوسروں کی آزادی میں دخل نہیں دیتے اور نہ تمہاری طرح اپنے آپ کو خدا کا منتخب بندہ سمجھتے ہیں۔ میں تمہاری قوم کا سچے دل سے بہی خواہ ہوں اور انکی خودداری و جوشِ مذہبی کو بُرا

نہیں سمجھتا۔ مگر یاد رکھو کہ کہیں زعم ولاف زنی حد سے گذر کر تمہاری تباہی و بربادی کا باعث نہ ہو"

اب اہل یہود کی سفارت زمیں بوسی کے بعد اُلٹے قدم پیچھے ہٹی۔ انہیں اپنے مقصد میں ناکامی تو ہوئی مگر بلشزر کو پوری امید تھی بلکہ یقین تھا کہ اکتبانہ کے دفاتر میں فرمان شاہی مل جائیگا۔ اور تعمیر معبد کی انہیں اجازت حاصل ہو جائے گی۔ بعد ازاں شامی و یونانی سفرا پیش ہوئے۔ اور سب سے آخر میں ایک عجب قسم کے آدمیوں کا گروہ نظر آیا جن کی صورتیں بڑی بھیانک و وحشیانہ تھیں۔ لباس جانوروں کی کھال کا تھا مگر کمر کی پیٹیاں و پرتلے اور ہاتھوں میں جو تیر و نیزے لئے تھے خالص سونے کے تھے۔ انکے سروں پر سموری ٹوپیاں از قسم پاپاخ تھیں۔ جن میں بہت سے طلائی گھنگرو لٹک رہے تھے۔ ان لوگوں کے آگے آگے ایک شخص تھا جسکی شکل تو اپنے ساتھیوں سے مشابہ تھی لیکن وہ ایرانی لباس پہنے ہوئے تھا۔

کمبوجیہ انہیں دیکھ کر پہلے تو نہایت متحیر ہوا پھر یکایک اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور غضب آلود نگاہ سے میر بار یا حاجب کی طرف دیکھ کر بولا "گابَروا! یہ کون جنگلی لوگ ہیں اور میرے سامنے حاضر کئے گئے ہیں۔ اگر میری آنکھیں دہوکہ نہیں دیتیں تو شاید یہ وہی بدذات **ماساجت** ہیں جنہیں میں انکی حرکتوں کا مزا چکھانیوالا ہوں ذرا انکے کان کھول کر کہدے کہ میدیہ کے میدانوں میں ایک لشکر جرار تیار ہے جو تمہاری سرکوبی کے لئے عنقریب روانہ ہونے والا ہے اور وہی تمہاری باتوں کا جواب اپنی شمشیر سے دیگا"

حاجب۔ (سر جھکا کر) "جہاں پناہ۔ یہ لوگ آج ہی صبح جب رسم قربانی ہو رہی تھی۔ شہر کے اندر داخل ہوئے اور یہ معلوم کر کے کہ حضور والا کی سالگرہ کی خوشی میں ایک دربار منعقد ہونے والا ہے۔ باریابی کے لئے مصر ہوئے اور کہنے لگے کہ

خدمتِ اقدس میں اپنی قوم کا ایک ضروری پیغام پہنچانا چاہتے ہیں اور بکثرت زروجواہر و سونے کے انبار بھی جو ساتھ لائے ہیں بطور نذر پیش کرنا چاہتے ہیں"۔

یہ سُنتے ہی بادشاہ کا غصہ کسی قدر فرو ہوگیا۔ اُس نے بہت گھور کے ان اجنبیوں کو جن کے قدآور و تنومند جسموں پر جھبری جھبری ڈاڑھیاں نہایت مہیب معلوم ہوتی تھیں دیکھا اور چلاکر کہا "اچھا ان لوگوں کو میرے سامنے آنے دو۔ ذرا میں سنوں تو سہی کہ میرے باپ کے یہ بدذات قاتل مجھ سے کیا عرض کرنا چاہتے ہیں"۔

گاؤبروا نے جماعت **ماساجت** کے ایک سب سے زیادہ معمر و قدآور شخص کی طرف اشارہ کیا۔ یہ ان خانہ بدوش وحشیوں کا سردار تھا اور تخت کے قریب آکر اپنی زبان میں بلند آواز سے کچھ کہنے لگا جس کا ترجمہ اُسکے اُس ساتھی و ہموطن نے جو ایرانی لباس پہنے ہوئے تھا اور **کورش** کے اسیرانِ جنگ میں ہونیکے سبب سے زبانِ فارسی سے بخوبی واقف تھا۔ حرف بحرف بادشاہ کو سُنانا شروع کیا۔

ماساجتی سردار۔ "اے زبردست بادشاہ! ہم بخوبی جانتے ہیں کہ تو ہم سے ناراض ہے کیونکہ **کورش** ہمارے ہاتھوں لڑائی میں مارا گیا[۱]۔ مگر اس میں ہماری کیا خطا تھی۔ پہلے

---

[۱] کورش اعظم کی وفات کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض کا بیان ہے کہ وہ مصر پر حملہ کرنیکا ارادہ کررہا تھا کہ تاتاری فرقہ ماساجت نے ایران پر حملہ کیا۔ ایک سخت جنگ کے بعد تاتاریوں کو شکست ہوئی اور انکی ملکہ تمیرس ماری گئی۔ بعدہٗ کورش نے ترک دنیا کے خیال سے اپنے سرداروں کو بُلاکر وصیت کی اور ملک کے دو حصہ کرکے ایک کمبوجیہ کو اور دوسرا بردیہ کو بخش دیا۔ یہ واقعہ کیخسرو کے حال سے جسکا ذکر شاہنامہ میں آیا ہے بہت کچھ مطابقت رکھتا ہے۔ زنوفن کا بیان ہے کہ کورش نے عمرِ طبعی پائی اور بیمار ہوکر مرا۔ ہیرودوتس کا دعویٰ ہے کہ وہ ۷۱ برس کی عمر میں تاتاریوں کے مقابلہ میں مارا گیا۔ اور انکی ملکہ تمیرس نے اسکے سر کو ایک خون آلود کاسہ میں رکھکر یہ کہا "اپنی عمر بھر تو نے خونریزی کی اور ہنوز اب تو تجھے تسکین ہوئی ہے اچھی طرح اپنی پیاس بجھالے"۔ اسی مورخ کا یہ بھی قول ہے کہ اسکی لاش پر موم یا کوئی مصری مصالحہ لگاکر ایرانی اپنے ملک لیگئے اور وہاں ایک عالی شان مقبرہ میں اسے دفن کیا۔ (رالنس۔ ایران نامہ)

خود اُسی نے بلا وجہ حملہ آور ہو کر پیش قدمی کی تھی"
بادشاہ۔ (غصہ سے) "میرے والد محترم بالکل حق بجانب تھے اور تم لوگ واقعی سزا کے مستحق تھے خصوصاً تمہاری ملکہ تمیریس جس کی یہ گستاخی وہمت کہ حرم شاہی میں داخل ہونے سے اُس نے انکار کر دیا تھا"
سردار۔ "شاہا! خفا نہ ہونا۔ میری تمام قوم نے ملکہ کے اس فعل کو نہایت پسند کیا اور اسکی ہمت پر صد آفریں کی کیونکہ ایک چھوٹا بچہ بھی سمجھ سکتا تھا کہ **کورش** کا اس سے مقصد بڑھاپے میں کوئی نئی شادی کرنا نہ تھا۔ بلکہ اسی بہانہ وہ ہمارے ملک کو دبا لینا چاہتا تھا۔ جب اس کی یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی تو اس نے فوج کشی کی غرض سے ہماری سرحد کے دریائے ارس پر ایک بڑا پل بنانا شروع کیا جسے دیکھ کر ہماری بہادر ملکہ نے کہلا بھیجا کہ اسکی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہم دریا کے عبور کرنے میں مزاحم نہ ہونگے اور جہاں اسکا جی چاہے خواہ اپنی یا ہماری سرحد میں بے کھٹکے لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ اس پر **کورش** نے **کریس** شاہ لیدیہ سے مشورہ لیکر ہمارے ہی ملک میں جنگ کرنا مناسب سمجھا اور فریب و دھوکہ بازی سے ہمیں شکست دی وہ اس طرح کہ پہلے اپنی فوج کا ایک چھوٹا سا حصہ ہمارے مقابلہ کو بھیجا جسے ہم نے بآسانی اپنے نیزوں دتیروں سے تباہ کر کے خیمہ و خرگاہ کو لوٹ لیا اور اپنی نادانی سے یہ سمجھ کر کہ بادشاہ کی تمام فوج مغلوب ہو گئی۔ مال غنیمت میں مشغول ہو گئے۔ اور ایک شیریں وخوش ذائقہ عرق کو پیکر جسے تم شراب کہتے ہو اور جسے ہم نے پہلے کبھی نہ چکھا تھا۔ ایسے غافل و بدمست ہو گئے کہ پھر ہمیں کچھ خبر نہ رہی۔ اسی حالت میں تمہارے لشکر نے اچانک ہم پر حملہ آور ہو کر قتل و غارت کرنا شروع کر دیا اور سینکڑوں کو گرفتار کر لیا جن میں ہماری ملکہ کا چھوٹا لڑکا سپرگیسیں بھی تھا۔ جب اس بہادر لڑکے نے یہ سُنا کہ اس کی ماں اس شرط پر کہ اُسے آزاد کر دیا جائے صلح کی خواستگار ہے تو بظاہر اس نے رضامندی

ظاہر کی۔ مگر جیوں ہی اسکی ہتھکڑیاں کٹ کر ہاتھ خالی ہو گئے تو اس نے ایک خنجر چھین کر فوراً اپنے سینہ میں مار لیا اور یہ کہتا ہوا کہ میں اپنی قوم پر فدا ہوتا ہوں مر گیا۔

جب ہمیں اپنے عزیز شاہزادہ کی اس دلیرانہ موت کی خبر ہوئی تو ہم نے اپنی باقیماندہ فوج کو ایک جگہ مجتمع کیا اور ہمارے دلوں میں اس کا انتقام لینے اور اسی کی طرح اپنی قوم کی آزادی کے لئے جان دینے کا اس قدر جوش و خروش پیدا ہوا کہ بوڑھے و بچے تک لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ بعدہٗ جو جنگ ہوئی اس کا حال تمہیں معلوم ہی ہے کہ تم ہار گئے اور کورش بھی قتل ہوا اور اسکی لاش کو خون میں لتھڑا دیکھ کر ہماری ملکہ نے چلا کر یہ کہا " اے حریص شخص! تو خون کا پیاسا تھا۔ اب تو تجھے سیری ہوئی " یہ حال دیکھ کر تمہاری وہ فوج جسے تم قشون جاودانی کہتے ہو آگے بڑھی اور ہمیں پسپا کر کے تمہارے باپ کی لاش اٹھا کر لے گئی۔ تم خود اس فوج کے سردار تھے اور اس دن بڑی بہادری سے لڑے تھے۔ میں تمہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں اور یہ بھی جتانا چاہتا ہوں کہ اسی تلوار نے جو میری کمر سے لٹک رہی ہے وہ زخم لگایا تھا جس کا نشان ابھی تک تمہاری پیشانی پر موجود ہے "

یہ سنتے ہی تمام دربار میں ایک سنسنی سی پھیل گئی اور لوگوں کا خیال ہوا کہ ایسے بیباک و گستاخ شخص کا سر اڑا دینا چاہیے مگر کمبوجیہ بجائے خفا ہونے کے مسکرا کر بولا " میں بھی تجھے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ اس دن تو ایک تیز و سرخ گھوڑے پر جس پر سونے کا ساز و یراق تھا سوار تھا۔ آج تو میرے قبضہ قدرت میں ہے لیکن تجھے معلوم ہوگا کہ ہم ایرانی بھی بہادروں کی کس قدر عزت کرتے ہیں۔ (درباریوں کی طرف مخاطب ہو کر) دوستو! میں نے اس شخص کی طرح آج تک کوئی بڑا شجاع و فن سپہ گری کا ماہر نہیں دیکھا اسکے سامنے اپنی گردنیں جھکاؤ۔ کیونکہ شیوہ مردانگی یہی ہے کہ ایک بہادر شخص کی خواہ وہ دوست ہو یا دشمن پوری عزت و حرمت کی جائے۔ (سردار ماساجت سے)

بوڑھے سردار! اب میری صلاح ہے کہ تو جلد اپنے وطن واپس جا اور لڑائی کے لئے تیار ہو کیونکہ تجھے دیکھ کر اور تیری بہادری و قوت یاد کر کے میرے دل میں تیرے مقابلہ کی خواہش از سر نو پیدا ہو گئی ہے۔ مستھرا کی قسم تجھ ایسا جانباز و سورما دشمن ہزاروں بزدل دوستوں سے اچھا ہے۔ میں تجھے بعزت امن و امان رخصت کرتا ہوں۔ اب زیادہ دن یہاں نہ ٹھیرنا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں والد مرحوم کے انتقام کا جوش غالب آ کر میرے غصہ کو نہ بھڑکا دے اور تیری زندگی کا یہیں خاتمہ ہو جائے۔"

بادشاہ کا یہ کلام سن کر معمر سردار کے ہونٹوں پر ایک ایسی مسکراہٹ آئی جس میں تلخی و افسردگی بھری تھی۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز سے جواب دیا "بادشاہ! تجھے اب کس بات کا غم ہے۔ کیا تجھے اپنے باپ کا بدلہ ہماری قوم سے پورا نہیں مل گیا؟ ہمارا شہزادہ جو شرافت و شجاعت میں کسی سے کم نہ تھا مارا گیا۔ میدان جنگ میں ہمارے پچاس ہزار سورماؤں کا خون دریائے ارس کے ریتیلے کناروں پر جذب ہو گیا۔ مگر تیرے صرف تیس ہزار کام آئے جس کی وجہ ہماری بزدلی نہ تھی بلکہ ہمارے سموری کوٹ اور تیری سپاہ کے مضبوط زرہ بکتر جن پر ہمارے تیر کارگر نہ ہوتے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر تیرے ہی سبب سے ہم پر یہ مصیبت نازل ہوئی کہ ہماری شریف و بہادر ملکہ بھی مر گئی۔"

کمبوجیہ (متحیر ہو کر) "ہیں! کیا تمیرس مر گئی؟ ہمیں ایک عورت کے مارنے کا کیوں الزام دیتے ہو؟ بتا میں سننا چاہتا ہوں کہ آخر اس کی موت کیونکر ظہور میں آئی۔"

سردار۔ "دس مہینے ہوئے کہ غریب ملکہ اپنے پیارے اور اکلوتے بچے کے غم میں گھل گھل کر مر گئی۔ اس لئے اس کی موت کا باعث بھی وہی جنگ ہوئی اور کورش کا انتقام تجھے مل گیا۔"

کمبوجیہ "تمیرس واقعی نہایت بہادر و غیر معمولی عورت تھی۔ مجھے اسکے مرنے کا افسوس ہے اور سمجھتا ہوں کہ ہر مرد نے تم لوگوں سے میرے والد کے قتل کا خوب

بدلہ لیا۔ مگر خواہ کچھ بھی ہوتا ہم تمہاری ملکہ۔ شہزادہ و پچاس ہزار آدمی کورش تو کجا ایران کے ایک ادنیٰ بادشاہ کے بھی خون کا بدل نہیں ہو سکتے"

سردار "ہمارے ملک میں موت کے بعد سب کو مساوی سمجھا جاتا ہے اور ایک مقتول بادشاہ کی روح اسکے ادنیٰ غلام سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ یہ صحیح ہے کہ تیرا باپ ایک بڑا شخص تھا لیکن ہم پر بھی اسکی بدولت جو مصیبتیں نازل ہوئیں ناقابل بیان ہیں بادشاہ! سن! میں نے ابھی کل حال بیان نہیں کیا۔ ملکہ کے انتقال کے بعد ہم لوگوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ دو شخص تاج و تخت کے دعویدار ہوئے اور نصف قوم ایک کی اور نصف دوسرے کی طرفدار ہو گئی۔ پھر ایک سخت خانہ جنگی شروع ہوئی جس کے بعد ایک ایسی وبا پھیلی کہ ہمارے بہت سے بہادر فنا ہو گئے۔ اس لئے اگر اب تو ہم پر فوجکشی کریگا تو ہم تیرے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے۔ اور یہ زر و جواہر تیری خدمت میں پیش کر کے صلح و امن کی خواستگار ہیں"

کمبوجیہ "اچھا تو تم بے لڑے بھڑے میری اطاعت قبول کرتے ہو؟ میدیہ کے میدانوں میں جو لشکر جرار فراہم ہے اُسے دیکھ کر تم سمجھ سکتے ہو کہ مجھے تمہارے جانبازوں سے کیا کیا امیدیں تھیں لیکن اب تم ہی اپنی ہمت ہار گئے تو میں بھلا کس سے جنگ کر سکتا ہوں۔ خیر میں اب اپنے بہادروں کو رخصت کر دونگا۔ تم پر ایک حاکم مقرر کر کے بھیجونگا اور بخوشی تمہیں اپنی رعایا میں شامل کر لونگا"

یہ الفاظ سنتے ہی بہادر و غیرتمند سفیر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے تھراتی ہوئی آواز سے جواب دیا۔

"کمبوجیہ! اگر تیرا یہ خیال ہے کہ ہم اپنی حب الوطنی اور آزادی کو خیرباد کہہ کر تیرے غلام بننے کے لئے تیار ہیں۔ تو تو سخت دھوکہ میں ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہم تیری قوت کو پورے طور سے سمجھتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ جنگ و وبا نے ہماری قوم کو اس قدر پست و

وکمزور کر دیا ہے کہ وہ تیرے بےشمار لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ان سب باتوں کا ہمیں اعتراف ہے۔ پھر بھی یہ جتائے دیتے ہیں کہ جبتک دم میں دم ہے کبھی کسی کے غلام نہ بنیں گے اور نہ کسی ایرانی سترپ کے احکام و قوانین کے سامنے اپنی گردنیں جھکائیں گے۔ تو میرے اس کلمہ سے بہت ناخوش معلوم ہوتا ہے لیکن ایک سچی بات کہنے میں مجھے تیرے غیظ و غضب کی بھی کچھ پرواہ نہیں۔ اور دوبارہ سہ بارہ تکرار کے ساتھ بھی اُسے کہنے سے نہیں ڈرتا۔"

کمبوجیہ۔ (گرج کر) "اگر یہ ہے تو میرا جواب بھی بگوش ہوش سُن لے۔ تیری قوم کے لئے صرف دوہی باتیں ہیں۔ یا تو اب مطیع ہو کر اپنے ملک کو ایران کا ایک صوبہ سمجھے اور میرے ناظم و نائب کو اپنا حاکم مان کر امن و امان سے زندگی بسر کرے۔ یا مجھے اپنا دشمن سمجھے اور یقین جان لے کہ میری فوج انہیں شرائط کو جنہیں میں اس وقت بکمال بخشش و مہربانی منظور کرتا ہوں۔ زبردستی بزور شمشیر منوالیگی۔ اگر تم میں ذرا بھی عقل ہے تو آج بالبدو کے الطاف خسروانہ سے فائدہ اُٹھاؤ گے ورنہ شکست دینے کے بعد جو انتقام تم سے لیا جائیگا وہ سب پر ظاہر ہے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ ذرا غور و فکر کے بعد مجھے جواب دو۔"

بہادر سفیر۔ "ہم نے پہلے ہی سے اس پر بخوبی سوچ سمجھ لیا ہے اور اپنے دل میں فیصلہ کر لیا ہے کہ مر جائیں گے مگر غلام نہ بنیں گے۔ ہمارے مکھیا سرداروں نے باہم مشورہ کر کے جو پیغام تجھے بھیجا ہے اُسے میں اب کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایرانیو! ہمیں معلوم ہے کہ ہماری قوم اس قدر کمزور ہو گئی ہے کہ تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتی لیکن یہ ہمارا قصور نہیں بلکہ سورج دیوتا کا غضب ہے۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ تم نے ہمارے ملک پر چڑھائی کے لئے ایک فوج کثیر جمع کی ہے جسے روکنے اور اپنی رہائی و نجات کی غرض سے ہم تمہیں ایک سالانہ خراج دینے کے لئے تیار ہیں لیکن باوجود اسکے

بھی اگر تم برسرِ پرخاش ہو تو یاد رکھو کہ خود تمہیں کو زیادہ نقصان پہنچے گا۔ کیونکہ جیوں ہی تمہارا لشکر دریائے ارس کے قریب پہنچے گا ہم اپنے بال بچوں سمیت وطن چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں گے اور تمہارے ہاتھ نہ آئیں گے۔ اس سے ہمیں بالکل تکلیف نہ ہوگی کیونکہ تمہاری طرح ہم شہروں و قلعوں میں بند رہنا پسند نہیں کرتے اور گھوڑوں پر سفر کرنے و ڈیروں میں رہنے کے عادی ہیں۔ نیز ہم اپنے ساتھ زر و جواہر بھی لیجائیں گے اور اپنی سونے کی تمام کانوں کو بھی ایسا تباہ کرتے جائیں گے کہ بعدہٗ تم کو ان کا نشان تک نہ مل سکے گا کیونکہ سوائے ہمارے اور کوئی انکے پوشیدہ مقامات کو نہیں جانتا۔ اب ہم اپنی آزادی مول لینے کی غرض سے ان کانوں کا ایک بہت بڑا حصہ ہر سال تمہاری نذر کرنیکے لئے تیار ہیں اس پر بھی اگر تم ہماری تباہی پر آمادہ ہو اور فساد سے باز نہیں آتے تو یاد رکھو کہ ہمارے ملک میں سوائے ریت و جنگل بیابان اور کچھ تمہارے ہاتھ نہ لگے گا اور تمہارا دشمن بھی جو چھلاوے کی طرح نظروں سے غائب ہو جائیگا اپنے داؤں پیچ سے غافل نہ رہے گا اور موقعہ پاکر اس قدر نقصان پہنچا سکیگا کہ تم اسکی تلافی نہ کر سکو گے۔ اس لئے ہماری عرض منظور کر کے صلح کر لو۔ ہم صرف آزادی و امن کے خواہاں ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ ہر سال تم کو پانچ ہزار تیز رفتار گھوڑے اور کثیر المقدار سونا تحفتہً بھیجا کریں گے اور جب کبھی تمہاری سلطنت کو ضرورت ہوگی ہم بطور حلیف تمہاری امداد کے لئے بھی تیار ہیں"

اتنا کہہ کر سفیر خاموش ہو گیا۔ کبو جیہ آنکھیں نیچی کئے کچھ دیر تک غور و فکر کے ساتھ سوچتا رہا۔ بعدہٗ یہ جواب دیکر تخت سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"گاؤبروا! ان لوگوں کی اچھی طرح خاطر مدارات کرنا اور خاصکر اس شخص کے لئے جس نے مجھے زخمی کیا تھا ہمارے ہی دستر خوان پر سے خاصہ بھیجنا"

باب پندرھواں

مصر سے ایک خط

شہزادی نتیتس اپنے محل میں تن تنہا مغموم و افسردہ خاطر بیٹھی ہے۔ آج اُسے سب سے پہلے دیگر بیگیات کے ساتھ مذہبی رسومات میں شامل ہونے اور کھلے میدان میں آتشکدہ کے سامنے عبادت کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ غیر مانوس[1] دعائیں بھی اسکے کانوں میں پڑے تھے اور ایسے معبود کی پرستش کے لئے وہ مجبور کی گئی تھی جس کا تصور ابھی پورے طور سے اُسکے ذہن میں نہیں سمایا تھا۔

---

[1] مثال دعائے از اوستا۔

تد تھوا پرسا اِزش موائی دچیا اھورا
من از تو پرسم راست بمن فرما اھورا
کسنا زاتھا پتا اشہ یا پا دروی
کہ آفریدہ پدر نیکی در آغاز یا (قدیم)
کسنا کنگ استارم چیا دادادوانم
کہ آفرید) خورشید و ستارگان (را) ساخت راہ (فلک
کہ یا ماو آکشا یا میتی ترفا یتی تھواد
کہ آں ماہ (را) بزرگ (بدر) می سازد و (باز) ہلال می نماید جز تو
تا چہ مردا وسمی انیا چا دیدویہ
چنیں چیزہا مزدا می خواہم (و اسرار) و گیر بدانم۔ (داخوذ از گاتھا۔ ایران نامہ)

اس موقع پر حرم شاہی کی جتنی خواتین وہاں موجود تھیں وہ رقیبانہ نگاہوں سے اس کی طرف اسطرح گھور گھور کر دیکھ رہی اور آپس میں سرگوشیاں کر رہی تھیں کہ ذکی الحس شہزادی گھبرا سی گئی اور گانے بجانے کی متواتر آوازوں نے جو شہر کی طرف سے آرہی تھیں اُسے اور بھی پریشان خاطر کر دیا۔ اُسے اپنے وطن کے سین یاد آگئے کہ کس طرح بڑے بڑے عالی شان مندروں میں جہاں حد درجہ کی خاموشی رہتی تھی وہ اپنی ماں بہن کے ساتھ پرستش کرنے جاتی تھی۔ اب یہاں دوسرا ہی طریقہ عبادت ہے دوسرے ہی معبود کا نام لیا جاتا ہے جو ابھی تک اسکے دلنشیں نہیں ہو سکا تھا اس لئے ہر چند اس نے چاہا کہ کم از کم اپنے پیارے بادشاہ کی بہبودی و خوش حالی کی دعا مانگ لے مگر دل راغب نہ ہوا اور اسکی منتشر طبیعت کسی طرح مجتمع نہ ہو سکی۔

کاسندانہ وا توسا اسکے قریب ہی بیٹھی ہوئی بڑی صداقت و جوش سے مجوس کی ہم آواز ہو کر بھجن گا رہی تھیں مگر انکا اثر مصری لڑکی کے دل پر کچھ نہ تھا۔ وہ محض ظاہر داری کے لئے آنکھیں نیچی کئے خاموش سُن رہی تھی اور دوسرے ہی خیالات میں محو تھی۔

یہ بھجن عموماً نہایت شیریں و شاعرانہ تھے مگر ان میں ارواح نیک و بد کا اس کثرت سے نام لیا جاتا ہے اور بعض باتوں کی اس قدر تکرار کی جاتی ہے کہ سُننے والا تھوڑی دیر کے بعد اُکتا جاتا ہے مگر وہ لوگ جو اپنے بچپن سے انہیں متبرک سمجھتے آئے ہیں اور انکی آسمانی ہونے کی تلقین اوائل عمر ہی سے انہیں دی گئی ہے وہ قدرتاً زیادہ موثر ہونگی اور حرف حرف پر وجد کریں گے لیکن **نتتیس** جو اعلیٰ درجہ کی یونانی شاعری سے بخوبی واقف تھی۔ اس پر الفاظ کی شیرینی کا بہت کم اثر ہوا وہ اس سوچ میں پڑ گئی کہ اس نئے مذہب کے ارکان و قواعد سیکھنے میں گو اس نے بڑی محنت سے کام لیا ہے مگر ابھی تک عادی نہ ہونے کی وجہ سے ادائے رسومات میں ممکن ہے کہ کوئی بات فروگذاشت ہو جائے اور رقیبوں و دشمنوں کو اس پر ہنسی اڑانے کا موقع مل جائے۔ علاوہ بریں ایک اور بات

بھی اسکے اضطراب کا باعث تھی۔ یعنی قربان گاہ میں آنے سے قبل مصر سے ایک خط اسکے نام آیا تھا جسے وہ اپنی میز پر اسی طرح بند چھوڑ آئی تھی اور اب سخت متفکر تھی کہ معلوم نہیں کہ گھر کی کیا خبریں ہیں۔ والدین کیسے ہیں اور تاشو کا اپنے محبوب شہزادے کے فراق میں کیا حال ہے۔ اس لئے جب تمام رسومات ختم ہو گئیں تو وہ سمجھی کہ ایک مصیبت سے نجات ملی اور کاسندانہ و اتوسا سے رخصت ہو کر فوراً ہی اپنی سواری میں بیٹھ کر محل کو روانہ ہو گئی اور وہاں پہنچتے ہی بڑی بیتابی کے ساتھ اس میز کی طرف بڑھی جس پر خط رکھا تھا۔

شہزادی کے کمرہ میں اس وقت وہ خادمہ یا خواص جس نے سب سے پہلے اسے ایرانی لباس پہنایا تھا دست بستہ ایک طرف کھڑی تھی۔ جیوں ہی اسکی نظر اپنی ملکہ پر پڑی۔ وہ ایک پرمعنی نگاہ سے اسے دیکھ کر مسکرانے لگی مگر اسے سخت حیرت ہوئی جب شہزادی نے نہ اسکی طرف التفات کیا نہ ان اشیا کو نگاہ اٹھا کر دیکھا جو میزوں پر سجے ہوئے جگمگا رہے تھے بلکہ فوراً اپنے خط کی طرف متوجہ ہو گئی اور اس کی مہر توڑ کر پڑھنے والی ہی تھی کہ خادمہ سے نہ رہا گیا۔ وہ ہاتھ جوڑ کر سامنے آئی اور عرض کیا:۔

"آپ کی کچھ طبیعت تو خدانخواستہ ناساز نہیں؟ یا اس کاغذ کے ٹکڑے میں جو آپ لئے ہیں کوئی جادو ہے جس نے دوسری دلفریب چیزوں سے غافل کر دیا ہے۔ میں صدقے جاؤں۔ ذرا اس کو تھوڑی دیر کے لئے الگ رکھ دیجئے اور نگاہ اٹھا کر میز پر ان بیش بہا تحائف کو جو شہنشاہ نے آپکے لئے بھیجے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔ دیکھئے یہ ارغوانی پوشاک جس میں سفید دھاریاں در روپہلا کام ہے کتنی خوبصورت ہے۔ یہ طرہ جس میں جڑے بڑے ہیرے لگے ہیں کیسا تابدار و بیش بہا ہے۔ یہ زیورات کیسے خوشنما و لاجواب ہیں آپ ذرا دیکھئے تو اور سنئے جو ہرکارہ لایا تھا کہہ گیا ہے کہ حضور بندگان عالی کی خواہش بلکہ آپ سے عرض ہے کہ ان سب کو زیب تن کرکے آج رات کی دعوت میں تشریف لائیں

اس وقت میں سچ کہتی ہوں ملکہ فدسیا آپ کو دیکھ کر کیسا پیچ و تاب کھائیں گی۔ اور دوسری بیگمات بھی رشک و حسد کے مارے جل بھن کر خاک ہو جائیں گی۔ ایسی نادر پوشاک و زیور انہیں دیکھنا بھی نصیب نہ ہوئے تھے۔ کیونکہ آج تک سوائے ملکہ کاسندانہ کے اور کسی کو دربار شاہی میں انہیں پہن کر آنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اور آپ کو اس طرح سرفراز کرنے کے یہ معنی ہیں کہ شہنشاہ اب آپ کو اپنی والدہ کی برابر مرتبہ بخشنا چاہتا ہے اور تمام دنیا پر ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ آپ بھی اسکی چہیتی بیوی و ملکہ خاص ہیں۔ میں واری جاؤں۔ اس لونڈی کو اجازت دیجیے کہ اس نئے ساز و سامان سے حضور کو آراستہ کرے اور ایسا سنگار کرے جسے دیکھتے ہی بدنصیب رقیبوں اور برے چاہنے والوں کے کلیجہ پر سانپ لوٹ جائے۔ کاش کہ میں اس وقت موجود ہوتی اور آپ کو ایوان خسروی میں آج رات داخل ہوتے دیکھتی۔ میری اچھی بیگم! اب دیر نہ کیجیے اور اپنی یہ سادی پوشاک اتار کر مجھے لباس شاہانہ پہنانے دیجیے۔"

شاہزادی چپ چاپ خادمہ کی باتوں کو سنتی رہی۔ پھر اس نے نگاہ بھر کران بیش بہا تحائف کو دیکھا اور ایک مسکراہٹ سی اسکے ہونٹوں پر آنے لگی۔ آخر وہ عورت ذات تھی اپنی زیب و زینت کی چیزوں کو دیکھ کر کیوں نہ خوش ہوتی۔ کیا وہ اس شخص نے نہیں بھیجے تھے جسے وہ اپنی جان و دل سے بھی زیادہ عزیز سمجھتی تھی۔ کیا وہ اسکی خلوص محبت اور اس بات کا ثبوت نہ تھے کہ وہ اپنی تمام بیگمات پر اسی کو ترجیح دیتا ہے اور ہزار جان سے اس پر والہ و شیدا ہے۔ غرضکہ خط جس کے پڑھنے کے لئے وہ اسقدر بیتاب تھی اسی طرح بند اسکے ہاتھوں سے گر پڑا وہ اپنی خادمہ کے کہنے پر راضی ہو گئی جس نے بکمال صناعی تھوڑی ہی دیر میں اسے بنا سنوار کر تیار کر دیا۔ ملنیتش کا حسن خداداد پہلے ہی کیا کم تھا۔ اب ارغوانی رنگ کی پوشاک نے اسکے سڈول جسم و حسن کو اور دوبالا کر دیا۔ اور سر پر جواہرات سے چمکتے ہوئے تاج نے اسکی شان و

خوبی میں اور بھی چار چاند لگا دیئے۔ اتنے میں اسکی نگاہ اس قلمی آئینہ پر پڑی جو میز پر رکھا تھا اپنی بے نظیر رعنائی و شاہانہ سج دھج کو دیکھتے ہی ایک عجیب و نئی کیفیت کا اظہار اسکے چہرہ پر ہویدا ہونے لگا۔ غرور حسن سے وہ تمتمانے لگا اور کسی قدر اُس عجب و تکبر کی بھی جھلک آ گئی جس نے ایسے سخت دل و جلیل القدر بادشاہ کو اس کا دیوانہ و مسخر بنا دیا تھا۔ مشاطہ نے کئی بار مسرت و انبساط سے اپنی مالکہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ پھر آنکھیں دوچار ہوتے ہی کچھ ایسی مرعوب ہو گئی کہ بے اختیار اسکے قدموں پر گر پڑی۔ بنتلیس کچھ دیر تک تو اپنی خواص کو دیکھتی رہی۔ پھر آپ ہی اسکے دل میں ایک خیال آیا اور شرما سی گئی۔ اور جھک کر بڑی مہربانی سے کنیز کو اٹھا کر اسکی پیشانی پر بوسہ دیا اور ایک طلائی چوڑی اُسے انعام دی۔ پھر خط کو دیکھتے ہی جو میز پر پڑا تھا۔ اُسے رخصت کر دیا اور آپ ایک ہاتھی دانت کی کرسی پر جو میز کے قریب تھی بیٹھ گئی۔ اس کا دل مارے خوشی کے اس وقت پھولوں نہ سماتا تھا۔ وہ اپنی دیوی ہاتھر کا لاکھ لاکھ شکر ادا کر رہی تھی اور کبھی اپنے نئے جواہرات کو دیکھتی تھی کبھی اس طلائی زنجیر کو جو کمیوحیبہ نے پانی میں کودتے وقت اُسے عطا فرمائی تھی اپنے ہونٹوں سے لگاتی اور فرط محبت سے بوسہ دیتی تھی۔ اتنے میں اُسے خط کا پھر خیال آیا اور کرسی کے ملایم گدوں پر آرام سے لیٹکر آہستہ آہستہ اُسے کھولنے لگی اور یہ الفاظ اسکی زبان سے بے اختیار نکلے "میری خوشی کا اسوقت کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ بیچارے نوشتے! تیرے لکھنے والے کو کیا خبر تھی کہ بنتلیس اتنی دیر تک تجھ سے غافل رہے گی"۔ اب اس نے بڑے شوق و مسرت سے اُسے پڑھنا شروع کیا۔ مگر چند ہی سطروں تک پہنچی تھی کہ مسکراہٹ غائب ہو گئی چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور ابھی ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ وہ خط ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ غریب شہزادی کی عجب حالت ہو گئی۔ وہی آنکھیں جن سے متاثر ہو کر ابھی ماندانہ زمین پر گر پڑی تھی۔ اب آنسوؤں سے ڈبڈبا رہی تھیں۔ وہی سر جو غرور و تکبر سے پہلے بھرا تھا

اب ایسا جھکا کہ تاج اس پر بھاری ہوگیا اور منبر پر اُن موتیوں و جواہرات کے انبار پر گر پڑا
جنہیں آنسوؤں کی جھڑی تر بتر کر رہی تھی۔ اس دردانگیز و غمناک خط کا مضمون حسب ذیل تھا
"لیدس زوجہ اماسس ملکہ مصر بالا و زیریں کی طرف سے اسکی دختر نیتیس
زوجہ شہنشاہ ایران کو بعد دعا و شوق ملاقات کے معلوم ہو۔ پیاری بیٹی! یہ ہمارا قصور نہیں
کہ اتنے دنوں سے تمہیں اپنے وطن کی کوئی خبر نہیں پہنچی۔ جو کشتی ہمارے نامہ و پیام
لیجانیکے لئے مقرر کی گئی تھی اُسے ساموس والے جنہیں بحری ڈاکو کہنا چاہیے پکڑ کر
اپنی بندرگاہ لے گئے۔ پولی کراتیس کی کامیابیوں نے اسے اب حد درجہ گستاخ کر دیا
جب سے اس نے اہل لس بوس[1] و ملیسیا کو شکست دی ہے کوئی جہاز اسکی دستبرد سے
محفوظ نہیں رہ سکتا۔ پی سیس تراتوس کے لڑکے اس کے دوست ہیں اور قرب[2] و جوار
کی دوسری طاقتوں کو بھی اس نے اپنا حلیف بنا لیا ہے۔ جس کا اب یہ نتیجہ ہے کہ ہر
جہاز راں قوم اسکے پچاس چپوؤں والی کشتیوں سے ڈرتی ہے اور وہ انہیں حد درجہ
نقصان پہنچاتا ہے۔ اسکے بیڑہ میں بیس ہزار سے زیادہ جنگجو ملاح ہیں اور اسکے جلو میں ہمیشہ
ایک زبردست باڈی گارڈ رہتا ہے جس کی وجہ سے کسی کو اس پر حملہ کرنے کی جرأت

---

[1] لس بوس (موجودہ جزیرہ متیلین یا مدلو) یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جو خلیج سمرنا کے شمال میں بحر قلزم میں واقع ہے
یہ پہلے ترکوں کی حکومت میں تھا اب یونانیوں کے قبضہ میں ہے۔

[2] یونانیوں کی متعدد نوآبادیاں اس زمانہ میں ساحل بحر روم پر آباد تھیں۔ انکی تہذیب و تمدن پر قرب و جوار
کی سلطنتوں کا بہت اثر پڑا تھا۔ اہل فنیک سے انہوں نے جہاز رانی و حروف تہجی سیکھے تھے
اور آئندہ چلکر تمام تجارت اُن سے چھین لی۔ اور سمندر کی قزاقی کرنے لگے تھے۔ اہل لیدیا سے انہوں نے
سکہ زنی و دیگر علوم و فنون حاصل کئے۔ مگر چونکہ اس قوم کی طبیعت میں آزادی و من چلاپن تھا اس لئے
خود اپنے ذہن و کوشش سے ان سب علوم کو ترقی دی اور ایک نئی زندگی بخشی۔ اور ایک ایسا فلسفہ
ایجاد کیا جسکا اثر آجتک متمدن دنیا میں موجود ہے۔ (ٹائمس)

نہیں ہوتی۔ شہر ساموس میں اس نے ایک نہایت مضبوط قلعہ تعمیر کیا ہے اور اسکے بندرگاہ کو بھی ایسا محفوظ کر دیا ہے کہ نہ کوئی اسے زیر کر سکتا ہے نہ اسکے حاکم کو سزا دینے کی ہمت کر سکتا ہے۔ ایک طرف تو وہ اپنے مال تجارت کو ستون ہرا کلیس[۵] کی راہ سے مغرب کو روانہ کرتا ہے۔ دوسری جانب اسکے لٹیرے غیر اقوام جہازوں کی خبر لیتے ہیں۔ اگر یہی حال رہا اور بقول تمہارے والد۔ دیوتاؤں کی ناخوشی سے کوئی آفت ناگہانی اس پر نازل نہ ہوئی تو عنقریب پولی کراتیس نہایت زبردست حکمران ہو جائیگا اور ساموس سے بڑھکر دنیا میں کوئی جزیرہ متمول نہ ہوگا

تمہارے والد۔ تم جانتی ہو کہ پولی کراتیس کے پرانے دوست ہیں اس لئے انہوں نے اسے رائے دی تھی کہ دیوتاؤں کو خوش کرنیکے لئے کوئی اپنی سب سے زیادہ عزیز و بیش بہا چیز ان پر اس طریقہ سے بھینٹ چڑھائے کہ پھر اس کو واپس نہ مل سکے۔ پولی کراتیس نے اس پر عمل کیا اور اپنی ایک نہایت قیمتی و نادر انگشتری جو اسے سب سے زیادہ عزیز تھی قلعہ کے برج پر سے سمندر میں پھینک دی۔ یہ انگوٹھی یا چھلا ایک نہایت مشہور یونانی کاریگر کی صناعی کا نمونہ تھی اسکے بیچ میں ایک بڑا سا خوبصورت زمردی نگ جسے دونوں طرف سے مچھلیاں پکڑے تھیں جڑا تھا اور اوپر پولی کراتیس کا طغرا نہایت خوبی کے ساتھ ایک سرود کی شکل میں کندہ تھا۔ اس واقعہ کے چھ دن بعد ایک مچھلی اس کے مطبخ میں پکڑ کر لائی گئی جسکا شکم باورچیوں نے چیرا تو اتفاقاً وہی انگشتری اندر سے نکلی۔ پولی کراتیس نے فوراً ہمیں اس عجیب واقعہ کی خبر پہنچائی جسے سنتے ہی بجائے حیرت و خوشی کے تمہارے والد کو بہت صدمہ ہوا اور انہوں نے سر ہلا کر کہا کہ واقعی جسکی قسمت میں جو لکھا ہے وہ ضرور پورا ہوتا ہے۔ اسی دن سے انہوں نے پولی کراتیس سے اپنے تمام تعلقات ترک کر دیئے اور اسے کہلا بھیجا کہ یہ میں اس لئے کرتا ہوں کہ اپنے کسی دوست کو مصیبت

[۵] جبل الطارق یا جبرالٹر

وادیاہیں گرفتار نہیں دیکھنا چاہتا جب حاکم ساموس کو یہ پیغام پہنچا تو وہ بہت ہنسا اور ہمارے اُن خطوں کو جنہیں اُسکے لٹیروں نے چھین لیا تھا بڑی حقارت کے ساتھ واپس کر دیا۔ اب آیندہ سے ہم تمہیں ملک شام کے راستہ سے خط بھیجا کریں گے تمہیں شاید تعجب ہو کہ میں نے بجائے خانگی حالات سے شروع کرنیکے ایک دوسرے واقعہ کو جس سے شاید تمہیں اس قدر دلچسپی نہ ہو ایسا طول کر کے کیوں لکھا اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہیں اپنے والد کی افسوسناک حالت کے سُننے کے لئے تیار کر دوں۔ جو شخص پہلے ایسا خوش مزاج روشن خیال دانشنا پرست ہو وہ ایک معمولی سے وہم پر اپنے دوست سے قطع تعلق کر دے۔ اس سے تم سمجھ جاؤ گی کہ انکے مزاج میں اب ایسا غیر معمولی تغیر آگیا ہے۔ میں اس کا سبب ابھی بتاؤ نگی مگر پہلے اپنا حال زار بیان کر لوں۔ ہائے بیٹی! کیا کہوں۔ جب سے تم گئی ہو۔ میں ایسی مصیبتوں میں گرفتار ہو گئی کہ دن رات روتے کٹتا ہے۔ کبھی تمہاری بیمار بہن کا منہ تکتی ہوں۔ کبھی تمہارے باپ کو تسکین و سہارا دینے کے لئے جاتی ہوں۔ میرا کھانا پینا حرام ہو گیا کبھی فرصت نہیں ملتی۔ رات کے وقت یہ چند سطریں تمہیں لکھنے بیٹھی ہوں مگر دل ٹھکانے نہیں۔ تاشو کے کراہنے کی آواز آتی ہے تو بے اختیار دوڑتی ہوئی اُسے دیکھنے جاتی ہوں۔ میں بیان نہیں کر سکتی کہ میری اس بیمار بچی کو تم سے کس قدر الفت ہے ہر وقت تمہارا ہی نام رٹا کرتی ہے۔ اور بخار کی حالت میں بھی جب ہذیان کا زور ہوتا ہے تو تمہارا ہی نام زبان پر آتا ہے۔ تمہاری اُس مومی مورت کو جو کسی قدر تم سے مشابہ ہے وہ کبھی اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیتی۔ یہ ایسی خوبصورت ہے اور مشہور تھیوڈورس کی صناعی کا ایسا بیش بہا نمونہ ہے کہ ہمیں ہر وقت اندیشہ رہتا ہے کہیں زیادہ چھونے چھانے سے خراب نہ ہو جائے اس لئے میری خواہش ہے کہ عنقریب یونان بھیجکر اس کی ایک سونے کی نقل بنوا کر منگا لوں۔ اب اپنے دکھیا گھر کا حال سنو۔ میں اپنا دل تھام کر کل واقعات بالترتیب بیان کرنے کی کوشش کرونگی

بیٹی زیادہ رنج نہ کرنا اور صبر سے کام لینا کیونکہ دیوتاؤں کی مرضی کے سامنے کسی کا چارہ نہیں
تمہاری روانگی کے بعد تین چار دن تک تاشو برابر روتی رہی اور باوجود میرے و تمہارے
باپ کے سمجھانے بجھانے اور پجاریوں کی دعا و پھونک وغیرہ کے کسی حال اُس غریب کے
دل کو قرار نہ آیا۔ آخر چوتھے دن اسکے آنسو تھمے تو اس وقت سے اُسے چپ لگ گئی
جو بات اس سے پوچھی جاتی بڑی دیر میں آہستہ سے جواب دیتی اور دن بھر خاموش چرخہ
کے پاس بیٹھی رہتی کبھی جی میں آیا تو ذرا سا سوت کات لیا ورنہ گھنٹوں یوں ہی ہاتھ پہ ہاتھ
رکھے کسی سوچ میں رہتی اور آہیں بھرا کرتی۔ وہی تاشو جسے تم جانتی ہو کیسی ہنس مکھ خوش
مزاج تھی اور ہر وقت اپنے باپ کو چھیڑا کرتی تھی اب وہ کوئی ہنسی کی بات بھی سُنتی تو
لبوں پر مسکراہٹ تک نہ آتی اور کہنے والے کا مُنہ تکنے لگتی میں اکثر اُسے دلاسا دیتی۔
سمجھاتی بجھاتی اور کبھی خفا بھی ہوتی مگر سب بے سود۔ زیادہ کچھ کہا تو رونے لگتی یا اکباری
شرما کر مجھ سے لپٹ جاتی پھر جلدی سے چرخہ کے پاس بیٹھ کر دیوانوں کی طرح چند منٹ
تک کام کرتی۔ بعدہ اسی طرح سب چھوڑ چھاڑ کر آنکھیں نیچے کئے زمین کو دیکھنے لگتی اور
کسی خیال میں محو ہو جاتی۔ اگر ہم کسی جشن یا تماشہ میں مجبوراً اُسے ساتھ لیجاتے تو بڑی بددلی
کے ساتھ چلنے پر راضی ہوتی اور مہمانوں کی طرف مُنہ پھیرے الگ کھڑی رہتی ایک دفعہ ہم
اُسے بوبستس[۱] کی بڑی تیرتھ گاہ پر لے گئے جہاں ہر سال ایک بہت بڑا میلا ہوا کرتا ہے

[۱] بوبستس کے حالات ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ قدیم مصری ہر قسم کے میلوں
اور تماشوں کے بڑے دلدادہ تھے اور اپنے مختلف دیوتاؤں کی یادگار میں مختلف زمانوں میں تہوار منعقد کرتے تھے
مثلاً اسرس کے تین میلے تھے جن میں طرح طرح کی رسومات کے ساتھ اس مشہور دیوتا کی زندگی کے افسانے
دکھائے جاتے تھے۔ ایپس بیل کا بھی ایک بڑا جشن ہوتا تھا۔ اسی طرح پشت۔ آئسس۔ نیتھ اور بوبستس کے
کے بھی بڑے بڑے میلے تھے جن میں آخر الذکر نہایت مشہور تھا۔
ان سب میں لوگ خوب دل کھولکر رنگ رلیاں مچاتے۔ بداخلاقیوں کے مرتکب ہوتے اور طرح طرح

اور لوگ اپنی فکر و افکار بھول کر ہمہ تن عیش و تفریح میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ دریاے نیل کے کناروں پر بڑی چہل پہل رہتی ہے۔ قسم قسم کے کھیل و تماشے ہوتے ہیں۔ شراب و کباب کے دور چلتے ہیں اور ہر طرف سے گانے بجانے و ہنسی دل لگی کی آوازیں آتی ہیں۔ تاشو نے اس سے پہلے کبھی ایسے پرلطف تماشہ کو نہ دیکھا تھا۔ مگر وہاں پہنچتے ہی پہلے دن اسکی عجب حالت ہو گئی۔ اول تو وہ حبشیوں کی طرح ادہر اودہر دیکھنے لگی۔ پھر پھوٹ پھوٹ کر اس قدر روئی کہ ہچکیاں بندھ گئیں اور ہم لوگ سخت پریشان و مایوس ہو کر وہاں سے بھی بھاگے۔ اور اپنی غمزدہ بچی کو پھر سئینز واپس لے آئے۔ اس کی صورت پر اب ایسی پاکیزگی و نور برستا تھا کہ بالکل ایک دیوی معلوم ہوتی تھی اسکے چہرہ کا رنگ کاغذ کی طرح سفید ہو گیا تھا۔ اور گلاب کی نئی پنکھڑی کی مثل بس ذرا سی سرخی باقی رہ گئی تھی۔ اس کا قد دبلاپے کی وجہ سے لمبا معلوم ہوتا تھا۔ آنکھیں ہر وقت چمکتی رہتی تھیں اور یہ شبہ ہوتا تھا کہ آسمان و زمین کی کوئی بات ان سے مخفی نہیں ہے۔ میرے خیال میں تو وہ دوسری ہی دنیا کی سیر کیا کرتی ہے۔ غرض کچھ دنوں بعد ہمیں معلوم ہوا کہ اس کا ماتھا اور ہاتھ پیر ہر وقت جلتے رہتے ہیں اور کبھی کبھی زور دیکر بخار بھی آجاتا ہے۔ یہ حال دیکھا تو ہم بہت گھبرائے اور اپنے ملک کے سب سے بڑے حکیم اموتپ کو شہر تھنیز سے فوراً طلب کیا۔ وہ تمہاری بہن کو دیکھتے ہی چپ ہو گیا۔ اور کچھ دیر بعد سر ہلا کر بولا کہ اسے ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی عجب رسمیں کرتے۔ آسس کے میلہ میں پجاری برت اور پوجا پاٹ کے بعد ایک بیل کی قربانی کرتے۔ اسکے پیٹ میں میوے و کشمش بھر کر تیل چھڑک کر آگ پر پکاتے حاضرین اپنے جسموں کو کوڑوں سے زخمی کرتے اور پھر صدقہ کا بچا ہوا گوشت کھاتے۔ تھوتھ کے میلے میں شامل ہونیوالے شہد اور انڈے کھاتے۔ اور جب ایک دوسرے سے ملتے تو یہ کہتے "سچائی بھی کیا شیریں ہے" سورج دیوتا کے لئے بھی ہیلیوپولس میں متعدد میلے ہوتے تھے۔ علاوہ انکے مختلف فصلوں پر جو میلے اور تہوار ہوتے تھے انکی تعداد کثیر تھی۔ (ج۔ دفنیسر ولکنسن)

خطرناک بیماری کا اندیشہ ہے۔ اور زیادہ تکان یا ورزش جسمانی حتیٰ کہ چرخہ کاتنے اور زیادہ بولنے بالنے سے بھی تاکیداً منع کر گیا۔ بعدہ قسم قسم کی دیوتاؤں کو بھینٹ چڑھائی۔ نجومیوں و رمالوں سے رائے لی۔ ہاتھر کے پجاری نے جزیرہ فیلی سے ایک مجرب تعویذ بھیجا اُسیرس کے بڑے پروہت نے دیوتا کا ایک بال سونے کی ڈبیا میں رکھ کر اُسکے گلے میں ڈالنے کے لئے بھیجا اور نلتیھ ہوتپ ہمارے شہر کے مہاپجاری نے تمہاری بہن کی صحت کے لئے ایک بہت بڑی قربانی کا اہتمام کیا۔ مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کسی حکیم و پجاری کی تدبیر کارگر نہ ہوئی بلکہ نلتیھوتپ نے تو ایک دن مجھسے صاف طور سے کہہ دیا کہ تاشتو کے ستارے کچھ زیادہ امید افزا نہیں معلوم ہوتے۔ اسی عرصہ میں ایک اور غضب نازل ہوا۔ ممفس کا متبرک بیل ایک دن یکایک مر گیا اور پجاریوں نے اس کا سینہ چاک کیا تو دل کا کہیں پتہ نہ تھا اس سلئے اُنہوں نے کہا کہ مصر پر کوئی آفت آنے والی ہے۔ ابھی تک اسکی جگہ خالی ہے اور کوئی نیا ایپس[۱] ظاہر نہیں ہوا ہے۔

---

[۱] ایپس۔ اُس بیل کا نام تھا جو روح آسرس کا اوتار خیال کیا جاتا تھا۔ یہ اکیلا برق آسمانی کے نطفہ سے پیدا ہوا تھا۔ اس کے بال سفید۔ پیشانی پر ایک سفید مثلثی نشان پشت پر عقاب یا گدھ کی۔ اور زبان کے نیچے گبریلی کی شکل تھی۔ اور اُس کی دم کے بال دُہرے ہوتے تھے۔ یہ نشانیاں اس بیل کی تھیں جو دیوتاؤں کی طرح پوجا جاتا تھا۔ اور ممفس کے ایک عالی شان مندر میں رکھا جاتا تھا۔ جہاں اسکے کھانے پینے اور آرام و آسائش میں حد درجہ کوشش و احتیاط سے کام لیتے تھے۔ نہایت لذیذ غذائیں اسکے لئے تیار کی جاتی تھیں اور ایک خاص کنوئیں کا پانی اسکے پینے کے لئے روزانہ مہیا کیا جاتا تھا۔ اسکے رہنے کے دو اصطبل تھے اور سوائے شاذ موقعوں کے بہت کم باہر نکالا جاتا تھا۔ ان میں سے ایک وہ خاص تہوار تھا جو اس کی خوشی میں سات دن تک مناتے تھے۔ پروہت اسے بڑے جلوس کے ساتھ باہر نکالتے تھے۔ فوج وغیرہ بھی ہمراہ ہوتی تھی اور جس مکان کے قریب سے ایپس گذرتا تھا لوگ اپنی گردنیں جھکا لیتے تھے۔ اور جو نو عمر لڑکے اسکی سانس کو سونگھ سکتے تھے

عوام میں مشہور ہے کہ دیوتا تمہارے باپ کے راج سے ناخوش ہیں اور بوتو کے پیام ربانی نے یہ ندا دی ہے کہ جبتک غیر مذاہب کے وہ تمام مندر جنہوں نے مصر کی سیاہ زمین[۱] کو ناپاک کر دیا ہے نیست و نابود نہ کر دیئے جائیں اور کافر اس ملک سے خارج نہ ہو جائیں گر دیوتا کے غضب کی یہی حالت رہے گی اور انکی بخشش و مہربانی اس ملک پر سے ہمیشہ کے لئے اٹھ جائے گی۔ ان سب بدشگونیوں کے آخر نتیجے بھی ظاہر ہونے لگے۔ تاتشو کا بخار بہت بڑھ گیا۔ نو دن تک اسے ہوش و حواس نہ رہا۔ ہم سمجھے کہ اب جانبر نہ ہوگی مگر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) انکے متعلق خیال کرتے تھے کہ قوت کاہنہ ان میں آگئی اور آئندہ واقعات کی پیشینگوئی کرنے کے قابل ہوگئے۔

ایپس سے آرکل کا بھی کام لیتے تھے مثلاً ہاتھ بڑھا کر اسے کچھ کھانے کو دیتے۔ اگر وہ کھالیتا تو جواب اثبات میں ہوتا ورنہ نفی۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ سائل ایک اگن ہوتر پر لوبان جلاتا۔ چراغوں میں تیل ڈالتا اور ایپس کے داہنی جانب نذرانہ رکھ کر اپنا منہ اسکے کان کے قریب لاکر استفسار کرتا۔ پھر اپنے دونوں کان بند کئے فوراً باہر نکل جاتا۔ اور جو شخص سب سے پہلے ملتا اسکے منہ سے کوئی بات سنکر شگون لیتا۔ آئندہ زمانہ میں یونانی بھی اسکے معتقد ہو گئے تھے۔ جب یہ مقدس بیل اتفاقیہ مر جاتا۔ یا پچیس برس گذر جاتے تو اسے خود مار ڈالتے۔ ان دونوں حالتوں میں ایسا سخت ماتم ہوتا گویا آسرس مر گیا ہے۔ اسکے جسم پر مصالحہ وغیرہ لگا کر تابوت ایک خوشنما کشتی میں رکھکر رکھے جاتے اور سینکڑوں پروہت تیندوے کی کھال زیب تن کئے عود دان۔ عصا اور دیگر ظروف ہاتھوں میں لئے ساتھ ساتھ ہوتے۔ ہزار ہا روپیہ اس جنازہ کے جلوس پر صرف ہوتا۔ بعد ازاں نئے ایپس کی تلاش میں خاص پروہت نکلتے اور جب وہ ملجاتا تو تمام ملک میں خوشیاں منائی جاتیں۔ چالیس دن تک وہ دریائے نیل کے قریب رکھا جاتا جہاں صرف عورتوں کو اسکی زیارت کی اجازت ہوتی۔ بعدہٗ بڑی شان و شوکت کے ساتھ ایک طلائی حجرہ میں بند کرکے اسی کشتی پر بٹھا کر ممفس لیجاتے۔

(پروفیسر ولکنسن)

[۱] قدیم زمانہ کے لوگ مصر کو کیم کہتے تھے یعنی وہ ملک جس کی مٹی یا زمین سیاہ ہو (ایبر)

شکر ہے کہ بڑے علاج معالجہ کے بعد کچھ سنبھل گئی ہے اور اب اُسے کسی قدر افاقہ ہے تاہم اس قدر کمزور ہے کہ پلنگ سے اُٹھ نہیں سکتی اور دوسروں کی مدد سے نقل وحرکت کرتی ہے۔ اب اپنے باپ کی مصیبت کا حال سُنو۔ بوبستس کے تہوار میں انکی آنکھیں دکھنے آئیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس ملک میں آنکھوں کا مرض[۵۱] کس قدر عام ہے۔ مگر بجائے آرام دینے یا بخوبی علاج کرنے کے وہ صبح سے شام تک اپنے کام میں مصروف رہتے تھے۔ یا تمہاری بیمار بہن کے پلنگ کے پاس بیٹھے رہتے تھے۔ ہم لوگوں نے بہت منع کیا لیکن انہوں نے ایک نہ سُنی۔ آخر آنکھیں روز بروز بدتر ہوتی گئیں اور جس دن تمہارے بابل میں بخیر وعافیت پہنچنے کی خبر آئی ہے اسی دن تمہارے باپ کی بینائی بالکل زائل ہوگئی۔ اور اب وہ اندہوں کی طرح ٹٹول ٹٹول کر چلتے ہیں۔ ساتھ ہی انکی طبیعت میں ایک عجیب وغریب انقلاب پیدا ہوگیا۔ خوشدلی ومسرت غائب ہوگئی۔ کمزوری وافسردگی بڑھ گئی۔ اور دوسروں کی مدد کی محتاجی نے ہمت واستقلال کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہدیا وہی جو پہلے کیسے دلیر وآزاد منش تھے اب ذرا ذرا سی باتوں میں پجاریوں کی اطاعت کرنے لگے۔ اب انکا زیادہ تر وقت نیتھ کے مندر میں اجاج وزاری دعا وگذاری میں کٹتا ہے یا اپنی ممی کے لئے جو مقبرہ تیار کرا رہے تھے اسکے انتظام میں مصروف رہتے ہیں۔ انکے حکم سے اپالو کا مندر جسے یونانیوں نے ممفس میں تعمیر کیا تھا۔ اب فوراً منہدم کردیا جائیگا۔ کیونکہ انہیں خیال ہے کہ اُسی کی وجہ سے تاشو بیمار ہوگئی اور ان کی آنکھوں پر بھی مصیبت نازل ہوئی۔ غرضکہ اسی قسم کے وہم وخیال میں وہ دن رات پڑے رہتے ہیں اور کبھی اپنی بیٹی کے پاس بھی آتے ہیں تو بجائے اس غریب کو تسکین یا دلاسہ دینے کے یہی کہتے ہیں کہ وہ بھی دیوتاؤں کے عذاب میں گرفتار ہے اور اب

[۵۱] پُرانے زمانہ میں بھی مصر میں آنکھوں کے امراض بہت عام تھے اور وہاں کے کحال یا آنکھوں کے ڈاکٹر دنیا میں مشہور تھے۔ (ایبر)

بہتر یہی ہے کہ اس دنیا کا خیال چھوڑ کر آخرت کا دھیان کرتے تاکہ آسیرس کی خوشنودی کا باعث ہو اور اُسکے قاضی جو پاتال میں رہتے ہیں گناہوں کا زیادہ مطالبہ نہ کریں۔ ان باتوں سے میری بچی کو اور بھی خوف و صدمہ ہوتا ہے اور مجھے بھی بُرا معلوم ہوتا ہے جس کا شاید یہ سبب ہو کہ باوجود مصر میں اتنے عرصہ تک رہنے کے میری طبیعت اب بھی یونانی ہے اور ہر وقت موت کا خیال دل میں لا کر زندگی کو تلخ و بدمزہ نہیں کرنا چاہتی۔

کچھ دن ہوئے کہ حکیم امھوتپ پھر مریضہ کو دیکھنے کے لئے آئے۔ مجھ سے علیحدہ گفتگو ہوئی تو کہنے لگے مجھے یہی حیرت ہے کہ ایسی لاغر و کمزور لڑکی اتنے عرصہ تک ایسی مہلک و سخت بیماری کے جھٹکوں کو کیونکر برداشت کرتی رہی۔ اسکی حالت ایسی خراب ہے کہ کبھی کی چل بسی ہوتی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑی تمنا یا خواہش دل میں باقی ہے اور زندہ رہنے کا خیال ایسا مستحکم ہے کہ روح کو قفس عنصری سے نکلنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر وہ مایوس ہو کر اب مرجانے کا ارادہ کرے تو ایسی آسانی سے دم نکل جائے جیسے کوئی بیٹھے بیٹھے سو جاتا ہے۔ لیکن اسکی تمنا پوری ہو جائے تو گو یہ محالات سے معلوم ہوتا ہے تاہم ممکن ہے کہ وہ کئی سال تک زندہ رہے۔ مگر اسکی خواہش و امید کچھ دنوں اور بر نہ آئی تو وہی جذبہ جو اُسے موت سے روکے ہوئے ہے باعث ہلاکت بن جائے گا بیٹی! تو کچھ سمجھی ہے کہ وہ کونسا جذبہ اور کیا آرزو تمنا ہے جو تیری بہن تاشو کو گھلا گھلا کر مار رہی ہے شاید تجھے پہلے سے شبہ ہو۔ جسے میں اب دور کئے دیتی ہوں۔ وہ یہ ہے کہ تیرے دیور کی یہ سب حرکتیں ہیں۔ اسی نے ہماری تاشو پر ایک ایسا افسوں کر دیا ہے کہ وہ اس کے عشق و محبت میں گرفتار ہو گئی۔ بچاری امنامن کا تو یہ قول ہے کہ ایرانی شاہزادہ یقیناً کوئی جادوگر ہو گا جس نے ایک انچھر پڑھ کر شاہزادی کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ مگر مجھے اسکا یقین نہیں آتا کیونکہ تاشو ایسی بھولی بھالی اور محبت کرنے والی لڑکی ہے کہ پردے سے کم بھی کوئی حسین و جمیل ہوتا اور اسکی طرف نگاہ الفت سے دیکھتا تو وہ اسی کا دم بھرنے لگتی۔

غرضکہ کچھ بھی ہو مگر اب تو اسکے عشق کی یہ حالت ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی بلکہ بعض وقت تو اُسے کسی مافوق العادت اثر پر محمول کرنے لگتی ہوں۔ تمہاری روانگی سے کچھ دن پہلے مجھے اس بات کا شبہ ضرور تھا کہ لڑکی۔ ایرانی سے بہت مانوس ہو چلی ہے۔ لیکن اسکے رونے دہونے کو ہم تمہاری جدائی کا غم سمجھے۔ بعدہٗ جب وہ چپ ہو کر ہر وقت مغموم رہنے لگی تو ہمیں حیرت ہوئی۔ مگر ابی کوس جو اُس زمانہ میں ہمارے یہاں مقیم تھے سمجھ گئے اور ایک دن اسکی طرف مسکرا کر کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے یہ حضرت کیوپڈ کی کارستانیاں ہیں اور اُسی نے اس غریب لڑکی کے دل پر ایک زخم کاری لگایا ہے۔ اس وقت تاشو اپنے چرخے کے پاس بیٹھی ہوئی حسب معمول کسی خیال میں گم تھی کہ ابیکوس نے میرے سامنے اسکے کان میں چپکے سے سافو کے یہ اشعار پڑھے۔

کہتی ہوں اے مادرِ مشفق میں اپنے دل کا راز
کاتنے بننے کا اب ہوگا نہ مجھ سے کاروبار
عشق ہے اک نوجواں کا میرے دل میں جلوہ گر
نازک افرودیت کے جل کا ہوئی ہوں میں شکار

ان اشعار کے سنتے ہی لڑکی کا چہرہ یکایک متغیر ہو گیا اور گھبرا کر پوچھنے لگی۔

آبی کوس! کیا یہ آپ کے اشعار ہیں"

ابی کوس "نہیں میرے نہیں بلکہ پچاس برس ہوئے کہ سافو کی زبان سے نکلے تھے"

تاشو (بڑے غور و تامل کے ساتھ) پچاس برس ہوئے!!

شاعر" ہاں عشق ہمیشہ سے یکساں رہا ہے جس طرح سافو پچاس برس ہوئے اسکے پنجہ میں گرفتار تھی۔ اسی طرح دنیا ابد الآباد سے رہی ہے اور آیندہ بھی ہمیشہ رہیگی"

یہ سنکر بیمار کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ سی آئی اور اس وقت سے جب کبھی چرخہ کے پاس بیٹھی انہیں اشعار کو گنگنایا کرتی۔ باوجود اس افشائے راز کے ہم لوگوں نے

کبھی کوئی ایسا سوال کرنا مناسب نہ سمجھا جو اُسکے محبوب کی یاد کو تازہ کردے۔ مگر جب کبھی بخار کے دورے آسے اُٹھتے بردیہ کا نام ہمیشہ زبان سے نکلتا۔ پھر جب ہوش آتا تو چپ ہو جاتی۔ ایک دن مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے پوچھا کہ بیٹی! بیہوشی کی حالت میں تو یہ کس کا نام رٹا کرتی ہے۔ یہ سُنکر وہ رو دی اور اپنا تمام حال دل مجھ سے صاف صاف کہہ سُنایا۔ پھر آسمان کی طرف دیکھ کر بڑے اعتقاد و جوش کے ساتھ بولی "اماں! مجھے یقین ہے کہ جب تک مجھے انکا دیدار نصیب نہ ہوگا میں ہرگز نہ مرونگی" کچھ دن ہوئے کہ اس نے یہ ضد کی کہ مجھے بڑے مندر میں لیچلو میں جاکر دعا مانگونگی۔ غرضکہ ہم لوگ جب لیگئے تو بوقت واپسی صحن سے ہو کر گذر رہے تھے کہ راستہ میں چند بچے کھیلتے نظر آئے۔ ان میں سے ایک چھوٹی سی لڑکی اپنی ہمجولی سے کچھ کہہ رہی تھی جسے سُنکر تاشو نے اپنے محافہ برداروں کو ٹھیرنے کا حکم دیا اور لڑکی کو پاس بُلا کر پوچھا "تم ابھی کیا کچھ کہہ رہی تھیں"۔

لڑکی:- "ہم اپنی گیاں سے اپنی بڑی بہن کا حال کہہ رہے تھے"

تاشو۔ (بڑی محبت سے لڑکی کو چمکار کر) وہ کیا ہے۔ ذرا ہم بھی سُنیں"۔

لڑکی۔ (مسکرا کر۔ ادب سے) "میں کہہ رہی تھی کہ کچھ دن ہوئے ہماری بڑی بہن کی منگنی ہوئی تھی مگر ہم نے اپنے دولہا بھائی کو نہیں دیکھا تھا۔ کل رات کا واقعہ ہے کہ جب ستارہ آسس [۱] آسمان پر چمک رہا تھا ہم سب مکان کی چھت پر بیٹھے نرد کھیل رہے تھے۔ اتنے میں کسی کے آنے کی آہٹ سُنائی دی اور یکایک دولہا بھائی سامنے کھڑے ہو گئے اور ایک بڑا سا سونے کا خوبصورت ہار اپنی دلہن کے گلے میں پہنا کر آباجان کے قدموں پر گر پڑے"۔

تاشو نے اُس لڑکی کو بڑی محبت سے پیار کر کے اپنا بیش بہا ہاتھ کا پنکھا انعام دیا

---

[۱] آسس (آسرس کی بیوی۔ جو اسکی بہن بھی تھی) ڈاگ اسٹار یعنی شعرالیمانی بن گئی۔ اس ستارہ کا طلوع آغاز سیلاب کی علامت تھا اور مبارک سمجھا جاتا تھا۔ (ولکنس)

پھر جب ہم گھر پہنچے تو میں نے دیکھا کہ اُسے کوئی غیر معمولی خوشی ہے۔ کچھ دیر بعد میری طرف مسکرا کر کہنے لگی "اماں جان - آپ نے دیکھا مجھے مندر میں جانے سے کیا فائدہ ہوا۔ وہاں جو بات بچوں کی زبان سے نکلتی ہے وہ ضرور پوری ہوتی ہے۔ آج کا شگون بہت مبارک ہوگا۔ اور اس لڑکی کا کہنا دیکھ لیجیے کہ آخر صحیح نکلے گا اور وہ ضرور آئیں گے اور اپنے ساتھ ایک سونے کا ہار بھی لائیں گے۔ آپ نے سُنا بھی اور کچھ سمجھیں بھی۔ پیاری اماں! میرا دل بولتا ہے کہ ضرور ایک مرتبہ پھر اُن سے ملکر رہوں گی۔

کل کا ذکر ہے میں نے تاشو سے کہا۔ تمہاری بہن کو خط لکھ رہی ہوں کچھ تم بھی لکھواؤ گی اس پر اس نے جواب دیا کہ میری طرف سے پیاری نیتیس کو بہت بہت آداب و اشتیاق و دید کے بعد یہ لکھ دیجیے کہ بہن میں آج کل بہت ناتوان و ضعیف ہوگئی ہوں۔ ذرا سی طاقت آجائے تو آپ کو اپنا مفصل حال لکھوں مگر آج جب میں یہ خط بھیجنے لگی تو اُس سے نہ رہا گیا اور ابھی ابھی بڑی مشکلوں سے ایک خط لکھ کر میرے پاس لائی ہے۔ اور کہتی ہے کہ اسے بھی اپنے لفافہ میں بند کرکے بھیج دیجیے اور بہن کو لکھ دیجیے کہ سوائے اپنے اور کسی کو نہ دکھائیں۔ اب بیٹی میں اپنا خط ختم کرتی ہوں۔ قاصد بڑی دیر سے انتظار کر رہے ہیں۔ کیا کہوں میں تو چاہتی تھی کہ تمہیں کوئی اچھی خبر سُنا کر خوش کرتی مگر جدھر نگاہ جاتی ہے سوائے غم و اندوہ کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ تمہارے بھائی کا بھی حال ناگفتہ بہ ہے وہ سوائے بچاریوں کے اور کسی کی بات ہی نہیں سُنتے۔ نلیقو تپ کا ان پر اس قدر اثر ہے کہ اب اسی کو ملک کے تمام سیاہ و سفید کا مالک سمجھنا چاہیے کیونکہ تمہارے غریب باپ نے اندھے ہو نیکے بعد سامیتیک کو عنان حکومت دیکر پورا آزاد کر دیا اور یہ فرمان جاری کر دیا کہ وہی عنقریب مالک تخت و تاج ہو جائیں گے اسلیئے مناسب ہے کہ ابھی سے انہیں تمام شاہانہ اختیارات بخش دیئے جائیں۔ اسی کے بعد تمہارے بھائی نے فنیس کے بیگناہ بچوں کو رہوڈوپس کے مکان سے

زبردستی پکڑ بلایا۔ پھر اُن دو لاکھ سپاہیوں کی اولاد کو جو سامتیک اول کے زمانہ میں خفا ہو کر ملک حبش چلے گئے تھے بلانے کے لئے پیغام بھیجے۔ تاکہ یونانی فوج کو نکال کر انہیں اپنا پشت پناہ بنائے۔ مگر اس میں اسے ناکامی ہوئی۔ سامتیک کی ان حرکتوں سے یونانیوں میں سخت بے چینی پھیل گئی۔ انکے سردار ارسٹومیقس نے مع اپنے دس ہزار سپاہیوں کی نوکری چھوڑنے کی دھمکی بھی دی مگر اس نے کچھ پرواہ نہ کی اور افسوس ہے کہ فینس کے بچوں میں سے ایک کو نہایت بیدردی سے قتل کرا دیا۔ اس حادثہ کے بعد دوسرے دن یکایک ارسٹومیقس غائب ہو گیا۔ معلوم نہیں کدھر چلا گیا کسی کو آج تک پتہ نہ چلا۔ باقی ماندہ سپاہ روپیہ کے لالچ سے ابھی تک مصر میں موجود ہے مگر ظاہر ہے کہ اسکی حالت بھی کس قدر ناقابل اعتبار ہے۔ یہ تمام واقعات گذر گئے مگر تمہارے باپ کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ اب تارک الدنیا ہو کر ملکی باتوں میں کچھ دلچسپی نہیں لیتے۔ اور اپنا تمام وقت عبادت گذاری میں صرف کرتے ہیں۔ شہزادہ کتنا ہی ظلم و ستم کرے انہیں کچھ پرواہ نہیں۔ مجھ سے صوبوں کے ناظم اور افسران فوج کہتے تھے کہ اگر یہی حالت کچھ دنوں اور رہی تو مصر کی خیر نظر نہیں آتی۔ سامتیک آج ایک بات کرتا ہے اور کل اسی کے خلاف حکم نافذ کرتا ہے۔ ہر کس و ناکس اس سے متنفر ہے۔ حکومت کا اعتبار و بھروسہ لوگوں کے دل سے اٹھتا جاتا ہے اور ہر طرف تباہی و ادبار کے نشان نظر آ رہے ہیں۔ پیاری بیٹی۔ اب میں تجھ سے رخصت ہوتی ہوں۔ دیکھ پردیس میں اپنے ماں باپ کو بھول نہ جانا۔ اور مجھے معاف کرنا کہ اتنے عرصہ تک تجھے ان باتوں سے بے خبر رکھا۔ تاشو کے لئے دعا مانگنا۔ کری سس اور دوسرے ایرانی دوستوں کو ہمارا سلام کہنا اور بریدیہ سے اپنی بہن کا حال کہہ کر جتا دینا کہ وہ غریب اب لب گور ہے اور تمہیں اپنا آخری سلام بھیجتی ہے۔ ہاں اور اگر تم سے ممکن ہو سکے تو شاہزادہ کی کوئی نشانی لیکر اپنی بہن کو بھیجدو۔ تاکہ وہ بھی دیکھ کر اسے کچھ تسکین ہو جائے۔ اور سمجھے کہ وہ ابھی تک اسے بھولا نہیں ہے۔ اچھا تو اب الوداع

دیوتا ہمیشہ تمہیں اپنی سسرال میں خوش وخرم رکھیں اور ہمیں سلامتی کے ساتھ تم سے پھر ملائیں۔"

باب سولہواں

بوگس کی سازش

جس طرح صبح روشن کے بعد یکایک ابر سیاہ آکر مطلع صاف کو مکدر کر دیتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات خوش آیند امیدیں مایوسی وغم کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں تیتبیں اس خط کا کس شوق کے ساتھ انتظار کر رہی تھی مگر اُسے پڑھتے ہی اسکی تمام مسرت و خوشی پر پانی پھر گیا۔ اور دل پر رنج واندوہ کا ایسا غبار چھا گیا کہ ایک لحظہ بھر میں اسکی زندگی کا وہ زمانہ جو اپنے پیاروں وعزیزوں کے ساتھ کس لطف وعیش کے ساتھ کٹا تھا۔ بالکل خواب وخیال معلوم ہونے لگا۔ وہ اس وقت لباس شاہانہ زیب تن کئے دُلہن بنی ہوئی زار و قطار رو رہی تھی اور سوائے اپنے والدین کی مصیبت اور بہن کی علالت کے کوئی دوسرا خیال نہ آتا تھا۔ آنے والی زندگی کی آرزوئیں وامیدیں۔ حکومت و دولت کی خواہشیں وتمنائیں تمام دل سے مفقود ہو گئیں اور کمبوجیہ کی پیاری محبوبہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے عاشق کو بھی بھول گئی۔ وہی لڑکی جو کچھ دن بعد ایک عظیم الشان سلطنت کی ملکہ ہو کر کمال جاہ وحشم حاصل کرنے والی تھی ان سب باتوں کو فراموش کر کے اسوقت ہی اپنے خاندان کی مصیبت پر نوحہ وغم وگریہ وزاری کر رہی تھی اور کوئی آس پاس نہ تھا جو اس کے ٹوٹے ہوئے دل کو تھوڑی دیر کے لئے تسکین و دلاسا دیتا۔

اب دن بہت زیادہ ڈھلکر سورج قریب غروب پہنچگیا۔ لیکن شاہزادی اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔ اتنے میں ماندانہ باقی سنگار ختم کرنیکے لئے آہستہ سے کمرے کے اندر داخل ہوئی اور اپنی مالکہ کو میز پر سرنگوں دیکھکر یہ سمجھی کہ شاید ابھی تک سو رہی ہیں اٹھانا مناسب نہیں عبادتگاہ سے آنے کے بعد بہت تھک گئی تھیں اسلئے آرام کرنا ضروری ہے تاکہ آج رات کے جشن میں بالکل تر و تازہ ہوکر شامل ہوں اور انکے حسن و جمال کے سامنے دوسرے ایسے ہی نظر آیئں جیسے چاند کی روشنی میں تمام تارے مدہم ہو جاتے ہیں۔

یہ سوچتی ہوئی ماندانہ آہستہ سے دبے پاؤں واپس چلی گئی۔ باہر نکلتے ہی اس نے سیدھا باغ کا رخ کیا اور ایک کیاری کے پاس جھک کر کچھ پھول توڑنے لگی۔ پھر اپنی چوڑی کے دیکھنے میں جسکے جواہرات چمک رہے تھے ایسی محو ہوگئی کہ اسکی نظر اس شخص پر نہ پڑی جو اپنے پنجوں کے بل کھڑا ہوا کھڑکی کی طرف گردن جھکائے نتیتس کے کمرے میں جھانک رہا تھا اس نے جیوں ہی آہٹ پاکر خواص کو پلٹ کر دیکھا۔ فوراً الگ ہوکر کھڑا ہوگیا۔ اور اسکے پاس آکر زنانی آواز سے بولا" سلام! بی ماندانہ کہو تمہارا مزاج تو اچھا ہے"

ماندانہ یہ سنکر چونک پڑی اور بوگس کو پہچان کر بولی" اے ہے میرا کلیجہ دھک سے ہوگیا۔ کوئی غیر مرد ہوتا تو مجھے غش ہی آجاتا۔ تمہاری آواز تو زنانی ہے اُس سے ڈر نا کیا"

بوگس سمجھ گیا کہ اس پر یہ طنز یہ جملہ کسا گیا ہے۔ مگر ظاہرداری سے مسکراتا ہوا ہاتھ مٹکا کر بولا "میں اس بھولے پن کے قربان جاؤں۔ سچ کہتا ہوں تجھ ایسی خوبصورت و نازک چڑیا اس محل کے پنجرے میں بند رہے گی تو کسی دن دم گھٹ کر جان پر آبنے گی۔ گھبراؤ نہیں تیرے دن بھی اب پھرنے والے ہیں۔ تیری بیوی عنقریب ملکہ ایران ہونگی اور یقین ہے کہ ضرور کوئی بانکا ترچھا نوجوان ڈھونڈ ھکر اس سے شادی کر دیں گی۔ تو اس قید محن سے نجات حاصل کرکے عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرےگی"

ماندانہ۔ (چیخ کر شوخی و طراری سے)" آپ اپنی ہمدردی و شفقت تہہ کر کے رکھ چھوڑیئے

مجھے خوب معلوم ہے کہ میری بیوی کے بے مثل حسن و جمال کو دیکھ کر بہت سے دلوں پر سانپ لوٹ رہے ہیں۔ میری قسمت میں جو ہوگا وہ بلا آپ کی مدد کے مل جائیگا۔"

بوگس "کیوں نہ ہو اس میں کیا شک۔ اچھی صورت کے چاہنے والے بھی پیدا ہو جاتے ہیں شمع کو دیکھ کر پروانے گرتے ہیں۔"

ماندانہ (ناک بھوں چڑھا کر) معاف کیجئے مجھے پروانوں کی ضرورت نہیں۔ خصوصاً آپ سے تو خدا ہمیشہ کے لئے پناہ میں رکھے۔"

خواجہ سرا۔ (مسکرا کر) اے ہے ایسی نفرت۔ تمہارا کہنا میرے سر آنکھوں پر۔ مگر پیاری یہ تو بتاؤ۔ آخر مجھ سے کیا قصور ہوا جو تم اس قدر ناراض ہو۔ بھول گئیں۔ میری ہی وجہ سے آج اس مرتبہ پر پہنچی ہو۔ میں کیا تمہارا ہم وطن نہیں اور تم پر کوئی حق نہیں رکھتا۔"

ماندانہ (جھنجلا کر) آخر آپ کا مطلب کیا ہے اور حق ہم وطنی کیوں جتایا جا رہا ہے۔ اگر یہی ہے تو اس شہر کے قریباً نصف باشندے جو میدیہ کے رہنے والے ہیں میرے ہم وطن ہونیکے سبب سے کل ہی مجھے اپنی ملکہ کیوں نہیں بنا دیتے۔ یہ غلط ہے کہ تمہارے وسیلہ سے مجھے یہ مرتبہ حاصل ہوا بلکہ موبد اعظم **اروپیتس** نے ملکہ **کاسندانہ** سے میری سفارش کی تھی نہ کہ تم سے۔ بڑے آئے احسان جتانیوالے۔ جاؤ اپنے گھر جا کر بیٹھو۔ یہاں تمہیں کوئی نہ پوچھے گا۔"

بوگس "خدا کی پناہ ایسا غصہ و بے اعتنائی! آپ کو کچھ یہ بھی خبر ہے کہ میرا اب بھی اس محل میں کافی اقتدار ہے اور بلا میری اجازت کوئی یہاں قدم نہیں رکھ سکتا۔"

ماندانہ "مجھے سب کچھ معلوم ہے بلکہ آپ سے بھی زیادہ خبردار ہوں مگر۔ ۔ ۔ ۔"

بوگس "مگر عورت ذات بڑی ناشکر گذار ہوتی ہے اور کبھی کسی کے احسان کی مستحق نہیں۔"

ماندانہ۔ (بگڑ کر) ذرا زبان سنبھال کر بولیے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں کوئی رذیل

کمینی عورت نہیں بلکہ شریف خاندان سے ہوں۔ جو اپنے احسانمندوں کو پہچانتی ہے مگر آپ ایسوں کو پاپوش پر مارتی ہے۔"

بوگس "تم بات بات پر چراغ پا کیوں ہوتی ہو۔ میں تمہیں رذیل کب کہتا ہوں۔ کیا مجھے معلوم نہیں کہ تمہارے والدین شریف مجوس خاندان سے تھے۔ اور جب عین عالم شباب میں انکا انتقال ہو گیا۔ تو ہمارے موبد اعظم کے والد مکرم کے سایہ عاطفت میں تم نے پرورش پائی۔ انہوں نے تمہیں اپنے بچوں کی طرح رکھا۔ پھر خیر سے جب تم جوان ہوئیں اور بالیاں پہننے کے دن آئے تو گوماتا ہمارے موبد کا چھوٹا بھائی تمہاری پیاری صورت دیکھکر سو جان سے عاشق ہو گیا! اور گوابھی اٹھارہ انیس برس سے زیادہ عمر کا نہ تھا مگر تم سے نکاح کا خواہشمند ہوا۔ اب شرماؤ نہیں۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے آخر اس میں حرج ہی کیا۔ تم نے کونسی بُری بات کی جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ عشق و محبت ہو ہی جاتا ہے اور گوماتا و ماندانہ کا جوڑ بھی کیا ہی اچھا ہے۔ سچ کہتا ہوں مجھے یہ دونوں نام ایسے پیارے لگتے ہیں کہ اگر شاعر ہوتا تو اپنے ہیرو کا نام گوماتا اور اسکی معشوقہ کا ماندانہ رکھتا۔"

ماندانہ ۔ (جو شرم سے پسینے پسینے ہو گئی۔ اپنے پیر کو زور سے زمین پر مار کر) "خبردار جو اس قسم کی ہنسی دل لگی مجھ سے کی۔ تم نے مجھے سمجھا کیا ہے۔"

خواجہ سرا ۔ "اے ہے تو میں نے کون سی بُری بات کہی۔ یہی کہا نا کہ دونوں کا جوڑ بہت اچھا ہے۔ اس میں خفا ہونے کی بات ہی کیا ہے۔ اگر خفا ہی ہونا ہے تو اردو بستیس کی خبر لو جس نے تم دونوں میں مفارقت و جدائی پیدا کر دی اور اپنے بھائی کو راغہ بھیجکر تمہیں حرم شاہی میں ملازم کرا دیا۔"

ماندانہ "تم بڑے گستاخ ہو۔ اور میرے محسن پر ناحق تہمت و الزام لگاتے ہو۔"

بوگس ۔ اگر ایک حرف بھی جھوٹ کہتا ہوں تو خدا کرے میری زبان ہی سڑ جائے۔ تم ابھی نادان و ناتجربہ کار ہو تمہیں دنیا کی خبر ہی کیا۔ موبد نے اپنے حسین بھائی کو اس لئے

دور بھیجدیا کہ اسکی شادی کسی بڑے گھرانے میں ٹھیرائے۔ تمہیں تو وہ ایک معمولی سی یتیم لڑکی سمجھتا ہے۔ جو اسی کی روٹیوں پر پلکر اتنی بڑی ہوئی ہے۔ اس لئے تمہیں ایک معقول بہانے سے اپنے گھر سے چلتا کردیا۔ اب وہ منیزہ و نوشابہ کے رتبہ کی امیرزادیوں کی فکر میں ہے تاکہ انکی وجہ سے اُسے رسوخ و عزت حاصل ہو (کان کے پاس آکر) تم سے ایک راز کی بات کہتا ہوں کسی سے ذکر نہ کرنا۔ ارولیستس کو آجکل خاندان شاہی سے کوئی تعلق پیدا کرنے کی حد درجہ کاوش ہے۔ کیونکہ جنگ ماساجیت کے زمانہ میں اُسے ملک پر حکومت کرنے کا ایک لاجواب موقع ملجائیگا۔ وہ خود تو اب بوڑھا فرتوت ہے اور شادی بیاہ کے لائق نہیں اس لئے اپنے چھوٹے بھائی سے کام نکالنا چاہتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ نہایت حسین و جمیل ہے اور شہزادہ بردیہ سے بہت کچھ مشابہ ہے"۔

ماندانہ۔ (جس کی تنک مزاجی اب یکایک غائب ہوگئی تھی) "ہاں تم سچ کہتے ہو۔ ایک بار مجھے بھی شہزادہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ میں سمجھی کہ گوماتا سامنے کھڑی ہیں پھر اپنی غلطی پر سخت پشیمان ہوئی۔ واقعی دونوں ایک دوسرے سے ایسے ملتے ہیں جیسے توام بھائی ہوں۔ اور حسن و جمال میں بھی دونوں لاثانی ہیں"۔

یہ جملہ بے اختیار زبان سے تو نکل گیا۔ مگر لڑکی کی آنکھیں نیچی ہوگئیں اور چہرہ مارے شرم کے سرخ ہوگیا۔

بوگس۔ (مسکراکر) "اے ہے میری گلرو۔ گل اندام۔ تم ایسی لجاتی و شرماتی کیوں ہو۔ بیشک دونوں حسن کی تصویریں ہیں اور آپس میں بہت مشابہ ہیں لیکن نظرباز پہچان ہی لیتے ہیں۔ مثلاً آج ہی صبح میں باہر نکلا تھا کہ راستہ میں موبداعظم کے بھائی۔۔۔"

ماندانہ۔ (اچھل کر سخت حیرت و استعجاب سے) "کیا کہا؟ کیا واقعی گوماتا یہاں موجود ہیں؟ تم نے انہیں دیکھا ہے؟ یا مجھے ستانے کیلئے بات بنارہے ہو؟"

بوگس۔ "میری الھڑ نادان! تجھے میرا اعتبار نہیں۔ متھرا کی قسم آج ہی تو میں اُن سے

ملا ہوں۔ دیر تک تمہارا ہی ذکر رہا۔ وہ بڑی بیتابی و شوق سے سب حال پوچھتے رہے۔
سچ کہتا ہوں ایسا خوشرو جوان تو کبھی میری نظر سے گذرا نہیں۔ بڑی بڑی شربتی آنکھیں
ہیں۔ سنہرے گھونگر والے بال۔ اور گلاب کی طرح سرخ و سفید رخسارے ہیں جنہیں دیکھ کر
خود میرے دل کا عجب حال ہو گیا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ اب جس بات کو وہ کہے اور میں رد
کروں۔ یہ ناممکن۔ اسکے لئے جان تک حاضر ہے (ماندانہ شرما کر منہ پھیر لیتی ہے)
میری پریچہرہ نازنیں! تم تو ابھی سے شرمائی جاتی ہو۔ میں نے پوری بات کہاں ختم کی۔
(لڑکی کے کان میں آہستہ سے) آب تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ ہی غریب بوگس جس کے
ساتھ ایسی رکھائی سے پیش آئی ہو۔ اپنی ایک بے وفا شوخ ہموطن کی محبت کا کیسا حق
ادا کرتا ہے"

لڑکی۔ (تذبذب و شش و پنج میں) "مجھے تمہارا بالکل اعتبار نہیں اور نہ تمہاری چکنی
چپڑی باتوں میں آؤنگی۔ نہ معلوم میری طرف سے تمہیں یکایک ایسے خلوص و محبت کا
جوش کیونکر پیدا ہو گیا"

بوگس۔ (اپنی جیب سے ایک فیتہ نکال کر جس پر نہایت خوشنما سنہرا اور دہیلا کام تھا)
"اسے بھی پہچانتی ہو کہ نہیں"

ماندانہ۔ (بیساختہ اچھل کر) "یہ تمہیں کیسے ملا۔ میری نشانی ہے۔ چلتے وقت میں نے
انہیں دی تھی"

بوگس۔ (گردن ہلا کر) "میں خوب جانتا تھا کہ لوگوں نے میرے خلاف تمہیں اس قدر
بھکا دیا ہے کہ ہرگز میری بات کا یقین نہ کرو گی۔ اسی لیے بطور ایک ثبوت کے گوماتا
سے اس فیتہ کو مانگ لایا ہوں"

ماندانہ۔ (بیتابانہ جوش محبت سے) "نہیں نہیں مجھے اب تمہارا بالکل اعتبار ہے۔ خدا
کے لیے جلد کہو انہوں نے کیا پیغام دیا ہے۔ میں بہت ڈر رہی ہوں۔ شام ہونے

آئی اور اتنی دیر ہوگئی۔ ابھی مجھے اپنی بیگم کو دعوت کے لئے کپڑے پہنانا ہیں"

بوگس۔ (یکایک ایسا سنجیدہ منہ بناکر کہ مندانہ ڈر گئی) گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں زیادہ نہ روکوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ تم دل ہی دل میں شک کر رہی ہو کہ تمہارے لئے میں ناحق اتنی تکلیف گوارا کرکے کیوں اپنے کو خطرہ میں ڈالنا چاہتا ہوں۔ اب اس کا اصلی سبب سنو۔ تمہیں اطمینان ہوجائیگا۔ وجہ یہ ہے کہ موبد اعظم سے میری سخت دشمنی ہے۔ وہ ہمیشہ بادشاہ سے میری شکایتیں کیا کرتا ہے اس لئے میں اسے نیچا دکھانا چاہتا ہوں اور اسکا غرور توڑنے کی فکر میں ہوں اور وہ اس طرح کہ اسکے خلاف مرضی تمہاری و تگو ماتا کی شادی نہ کرادوں تو میرا نام بوگس نہ رکھنا کل رات بوقت طلوع ستارہ تشترؔ[1] تمہارا عاشق زارتم سے یہاں ملنے آئیگا۔ میں کوئی چال چلکر پہرے والوں کو ملالونگا تاکہ اُسے اندر آنے سے نہ روکیں۔ وہ صرف ایک گھنٹہ تمہارے پاس ٹھہر سکتا ہے۔ اس عرصہ میں سب باتیں طے ہوجائیں گی اور آئندہ بھی کوئی مزاحم نہوگا کیونکہ تم شہنشاہ کی منظور نظر ملکہ کی خواص ہو اور مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور تمہاری مرضی کے موافق شادی کے لئے سفارش کریں گی۔ اچھا تو یاد رکھنا بھولنا نہیں۔ جیوں ہی ستارہ تشتر آسمان پر نمودار ہو پس سمجھ جانا کہ تمہارا بھی کوکب شادمانی و اختر کامرانی بڑی آب و تاب کے ساتھ چمکنے والا ہے (مندانہ کو فکرمند و خاموش دیکھکر) سچ بتاؤ آنکھیں نیچے کئے اب کیا سوچ رہی ہو۔ شاید میری طرف سے دل پسیجا ہے اور احسان مانتی ہو۔ کیوں یہ ہی بات ہے نا؟ اس کا معاوضہ جب جی چاہے تو کبھی دیدینا۔ اور غریب بوگس پر کوئی بُرا وقت آکے پڑے تو اپنی ملکہ ذی شان سے اسکے لئے سفارش کرنے میں دریغ نہ کرنا۔ اچھا تو اب بتاؤ میں جاکر تگو ماتا سے ملوں کہ نہ ملوں۔ اور اُن سے جاکر کہوں کہ تمہاری معشوقہ ایسی بیوفا نہیں ہے

---

[1] شاید سیریس (شعری) سے مراد ہے جسے اہرمزد نے تمام ستاروں کا پاسبان مقرر کیا تھا۔ تشتر یا تسترکو بعض لوگ ستارہ تیر یا عطارد بھی کہتے ہیں۔ اس کی قدیم ایرانی پرستش کرتے تھے۔ اور اسے مشرق کا حاکم و ابر و مینہ لانے والا سمجھتے تھے۔ (ایران نامہ)

اور تم سے ملنے کی بڑی آرزو رکھتی ہے۔(مانڈانہ کو گم صم دیکھ کر) تم ابھی تک سوچ ہی رہی ہو۔ یہاں اندھیرا ہوا جاتا ہے اور مجھے بھی دیر ہو رہی ہے۔آج مجھے بیگمات کی تیاری وغیرہ کا بہت سامان کرنا ہے۔اور یہ بھی یاد رکھو کہ گوماتا بھی زیادہ نہیں ٹھیر سکتے وہ پرسوں ضرور بابل سے روانہ ہو جائیں گے۔کیونکہ اردوسپتس کو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ پھر تم سے ملنے کی کوشش نہ کریں۔اس لئے صرف کل ہی موقع ہے یہ ہاتھ سے گیا تو پھر نہیں آسکتا (مانڈانہ سخت کشمکش و پیچ میں ہے) جو سویا وہ کھویا۔تم ابھی تک سوچ ہی رہی ہو۔شاید یہ تمہاری مرضی کے خلاف ہے۔اچھا تو میں اب یونہی واپس جاتا ہوں اور تمہارے غریب عاشق کو ٹکا سا جواب دیدونگا جسے سن کر اسے غش آجائے تو عجب نہیں۔ایسی محبت سے فائدہ ہی کیا کہ کوئی ذرا سی تکلیف گوارا نہ کر سکے۔بہتر ہوگا کہ اب آئندہ اس کا خیال ہی اپنے دل سے بھلا دو (ٹھنڈا سانس لیکر) خدا حافظ۔(رکتی ہوئی زبان سے) میرا اپنا کام تو بلا تمہاری مدد کے بھی حاصل ہو جائیگا۔"

غریب مانڈانہ کے دل میں ایک عجب طوفان بپا تھا۔کبھی تو اپنے عاشق سے ملنے کا خیال بے چین کئے دیتا تھا۔کبھی سوچتی تھی کہیں بوگس کی اس میں کوئی شرارت و دھوکہ بازی نہ ہو۔دل بھی یہی بولتا تھا کہ اسے صاف جواب دیدے اور ابھی گوماتا سے نہ ملے۔دور اندیشی۔احتیاط و عقل سلیم جذبات پر غالب آتے تھے۔وہ کہنے ہی والی تھی کہ جاکر اُن سے کہدو ابھی ملنا مناسب نہیں ہے کہ اتنے میں اسکی نگاہ پھر اُس ریشمی فیتہ پر پڑی جسے اس نے کس محبت سے اپنے پیارے عاشق کے لئے تیار کیا تھا۔بس کیا تھا۔غضب ہو گیا۔بچپن سے مزید ارسین تخیلہ کے سامنے پھرنے لگے پرانی ملاقاتوں کی یاد نے اس کو تڑپا دیا اور ایک لحظہ بھر میں خواہش وصل و شوق دیدار نے تمام پاس و لحاظ۔عزت و حرمت و اندیشہ ناک خیالوں کو دھوئیں کی طرح اُڑا دیا۔ اور قبل اسکے کہ بوگس رخصت ہو اسکی زبان سے بیساختہ نکل گیا"اچھا میں کل

ملونگی" یہ کہتے ہی ایک آہوئے نو رمیدہ کی طرح متوحش و سراسیمہ گھر کے اندر بھاگ گئی -
بوگس جلدی جلدی قدم بڑھاتا چمن کی روشوں کو پھلانگتا اب محل کی چار دیواری کے پاس پہنچا - یہاں اس نے نہایت احتیاط سے ایک چور دروازہ کھولا اور جب اُسے اطمینان ہوگیا تو آہستہ سے اُسے بند کر دیا اور باہر سے بہت سے گھونگھے وسیپیاں وغیرہ جو وہاں بکثرت پڑے تھے بچھا دیئے تاکہ آنے جانیوالوں کو کوئی شبہ نہ ہو - بعدہٗ کچھ دیر تک کھڑا سوچتا تھا پھر یکایک کھلکھلا کر ہنس پڑا اور اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر مار کر جوش مسرت سے کہنے لگا " وہ مار لیا ہے - اب کہاں بچکر نکلتی ہے - اس کی بیوقوف خواص کیسی آسانی سے میرے چکمے میں آگئی - اور میاں گوہاتا بھی اب میرے اشاروں پر کام کریں گے -
منتیتس آج خوشی کے دن رو رہی تھی - نیلی سوسن بھی کل رات شگفتہ ہونے والی ہے
ہاہاہا - میری تدبیریں خوب راست آئیں گی - مصر کی مغرور و حسین شاہزادی ! تو غریب بوگس سے بڑی حقارت و نفرت سے پیش آتی ہے ذرا ٹھہر تو جا - کل تیری اچھی طرح گت بنے گی - اور اپنی حرکتوں کا مزہ چکھے گی "
ان الفاظ کے ساتھ اسکی آنکھوں سے کینہ پروری - حسد و خصومت کے شعلے نکلنے لگے - وہ بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھا اور تھوڑی دور گیا تھا کہ ایک دوسرے خواجہ سرا سے ملا - یہ تیگلیسی افسر باغبان تھا - بوگس اُسے دیکھتے ہی مسکرا کر بولا " کیوں بھئی نیلی سوسن کا کیا حال ہے "

افسر باغبان - (اپنے پیارے و دلپسند پھول کا نام سنتے ہی جوش مسرت سے)
" ہرمزد کے فضل و کرم سے سب خیریت ہے میری پھولوں کی شہزادی آج خوب زوروں پر ہے مگر کل اس کا تماشا دیکھنا - جیوں ہی ستارہ تستر طلوع ہوگا وہ اس بہار و شان کے ساتھ شگفتہ ہوگی کہ دیکھنے والے غش غش کر جائیں گے - میری عین خواہش و تمنا ہے کہ کوئی اسکے دید سے محروم نہ رہ جائے - ورنہ ایک عرصہ تک پھر ایسا موقع ہاتھ نہ آئیگا

میری پیاری سوسن دس برس میں صرف ایک ہی رات اپنے اوج کمال پر پہنچتی ہے۔ کل وہ رات ہوگی۔ ہماری مصری شہزادی نے بھی آنے کا وعدہ کیا ہے اور آپ بھی شہنشاہ و دیگر امرا کو مطلع فرما دیجئے گا کہ کل ضرور بوقت معینہ یہاں تشریف لائیں۔"

بوگس۔ تمہاری تمنائے دلی یقیناً پوری ہوگی لیکن شہنشاہ کی تشریف آوری کسی قدر محال ہے۔ کیونکہ رسم شادی سے پہلے وہ اس باغ میں قدم رنجہ فرمانا پسند نہ کریں گے تاہم دیگر امرا و ہخامنشی جنہیں فن باغبانی سے بڑی دلچسپی ہے ضرور تشریف لائیں گے اور اس نادر موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں گے۔ شاید میں کریسس کو بھی آنے پر آمادہ کر سکوں۔ وہ پھولوں وغیرہ کے ایسے شائق نہیں لیکن پھر بھی یہ ایک عجیب چیز ہے اسے دیکھنے خوشی سے آئیں گے۔"

باغبان۔ "ہاں۔ کریسس بڑے قدر دان ہیں انہیں ضرور لائیگا۔ ذرا آکر دیکھیں تو میری سوسن رانی دنیا کے تمام پھولوں سے کہیں زیادہ دلکش و خوشنما ہے۔ جب آپ پہلے آئے تھے تو اُس کی چھوٹی چھوٹی کلیاں سبز پتیوں سے گھری ہوئی پانی پر تیر رہی تھیں اب وہ بڑی ہوگئیں ہیں اور کل رات مبارک ستارے کو دیکھتے ہی ہنس پڑیں گی اور آسمانی رنگ کے ایک بڑے گلاب کی شکل بن جائیں گی۔"

باغبان اپنی ترنگ میں ابھی اور کچھ کہنے والا تھا کہ **بوگس** سلام کر کے رخصت ہوگیا اور پھاٹک سے نکل کر اس جگہ پہنچا جہاں اسکی دو پہیوں والی گاڑی کھڑی تھی اور کوچبان منتظر تھا۔ اس نے مالک کے بیٹھتے ہی گھوڑوں کی راسیں پکڑلیں جنکی گردنوں میں پھندنے و گھنٹیاں لٹک رہی تھیں اور تیزی سے دوڑتا ہوا بہت جلد حرم شاہی[۵۱] کے باہر پہنچ گیا۔

---

[۵۱] شاہان ایران کے حرم میں سب سے بڑی عزت مادر شاہ کی تھی جسکے سامنے خود بادشاہ سر جھکا دیتا تھا اور دسترخوان پر سب سے زیادہ معزز جگہ پر بیٹھا تھا بعد بانوئے بانوان یا شہنشاہ کی خاص بیوی کا مرتبہ تھا۔ یہ عموماً خواہر شاہ یا ہفت سرداران داریوش اول کے خاندان سے ہوتی تھی۔ اسے تاج پہننے کا حق تھا۔ اور اسکے لئے

کمبوجیہ کے محل میں اس وقت ایک عجب ہلچل مچی ہے تمام بیگمات اپنے جشن میں شامل ہونے کی تیاریاں کر رہی ہیں اور نہا دھو کر خوب بناؤ سنگار کے بعد تر و تازہ و حسین بنکر جانا چاہتی ہیں۔ بوگس کے سپرد اسکا خاص انتظام ہے۔ وہ فوراً اس حصہ محل کی طرف رجوع ہوتا ہے جہاں زنانے حمام واقع ہیں۔ یہاں ایک عجیب تماشہ نظر آتا ہے عورتوں کے چلانے ہنسنے و کھلکھلانے کی آوازیں آرہی ہیں۔ خاص حمام ایک گنبد نما عالی شان کمرے کی شکل ہے جس میں گرم و خوشبودار بھاپ کی لپیٹیں دماغ کو معطر کر رہی ہیں اور قریباً تین سو خوش اندام و حسین عورتیں نیم برہنہ نہانے کے لئے جمع ہوئی ہیں۔ انکے جسم پہ باریک ریشمی کپڑے ہیں جو پانی کی وجہ سے ایسے چپک گئے ہیں کہ سڈول و بلوریں بدن بخوبی نمایاں ہیں اور انکا گلابی رنگ چھن چھن کر باہر نکل رہا ہے۔ حمام کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بہت بڑی جاگیر و بکثرت نوکر چاکر مقرر تھے۔ کبھی بادشاہ اس سے خفا ہو جاتا تو کسی دوسری غیر خاندانی عورت کو ملکہ بنا سکتا تھا مگر یہ شاذ تھا عموماً اس ملکہ کا بہت بڑا اثر تھا جسکی خاص مثالیں اتوسا ملکہ داریوش اول و پریزاد بانوے داریوش ثانی تھیں۔ تیسرے درجہ میں دیگر منکوحہ عورتوں کا شمار ہے اور چوتھے میں کنیزیں اور داشتہ عورتیں ہیں۔ جو مختلف ممالک سے اپنے حسن و جمال گانے بجانے و تعلیم و تربیت کے لحاظ سے منتخب کرکے حرم شاہی میں داخل کی جاتی تھیں۔ یہ سب جداگانہ عمارات میں رہتی سہتی۔ خواجہ سراؤں کی زیر نگرانی و تعلیم تھیں۔ اور بوقت شب کھانیکے بعد بادشاہ کے روبرو ناچتی گاتی تھیں بعض اوقات جب وہ سیر و شکار یا جنگ پر جاتا تو اپنی چند منتخبہ کنیزوں و بیویوں کو بھی ہمراہ رکھتا تھا۔ شروع میں حرم کی تعداد زیادہ نہ تھی مگر آئندہ چل کر جس طرح بادشاہ عیش و عشرت میں پڑ گئے وہ بھی بڑھتی گئی اور تیسرا دارا کے قریب چار سو کنیزیں و زنان عقدی تھیں۔ ساسانی اس سے کہیں زیادہ سبقت لے گئے۔ بہرام گور کی عشق مزاجی مشہور ہے۔ اسکے حرم میں ہر طبقہ و ہر قوم کی عورت موجود تھی۔ لیکن خسرو پرویز نے ان سب کو مات کر دیا۔ بقول طبری اسکے محل میں بارہ ہزار داشتہ عورتیں تھیں جنکے کام کاج۔ بناؤ سنگار وغیرہ کے لئے قریباً ۸۴ ہزار خواصیں و چھوکریاں حرم شاہی میں موجود تھیں۔ (ایران نامہ۔ رالنس)

چھت سے پانی کی بوندیں ساون بھادوں کی طرح برس رہی تھیں اور نیچے مرمر کے فرش پر پری جمال نہانے والیاں ادھر اُدھر اچھل کود یا ایک دوسرے سے اٹھکھیلیاں و چہلیں کر رہی ہیں۔ کہیں انکے دس بیس کے غول ایک جگہ لیٹے ہوئے ہنسی دل لگی میں مشغول ہیں کہیں چکنے پتھر پر ایک لیٹی ہوئی اپنا بدن ملوا رہی ہے۔ کہیں دو تین میں بچوں کی طرح کسی بات پر جھگڑا ہو رہا ہے۔ کہیں ایک نے شرارت سے اپنے سامنے والی کو پاپوش ماردی ہے اور وہ چیختی ہوئی کھڑی ہو گئی ہے۔ کہیں دوسری سب سے الگ تھلگ آنکھیں بند کئے ایسے آرام سے لیٹی ہے کہ دنیا مافیہا سے بیخبر ہے۔ کہیں ایک طرف چند نازنینان ارمن کھڑی ہوئی آوازیں ملا کر اپنی زبان میں کوئی مستانہ راگ گا رہی ہیں۔ دوسری طرف بعض ایرانی خواتین عرب نلسطینیں کو ایسا بُرا بھلا کہہ رہی ہیں گویا وہ ایک ہوّا ہے جس سے بچوں کو ڈرایا جاتا ہے۔ ان سب کے آس پاس اور ادھر اُدھر بہت سی کنیزیں جو بالکل برہنہ ہیں اور اپنے سروں پر گرم چادریں لئے ہوئے ٹہل رہی ہیں تاکہ اشارہ پاتے ہی اپنی بیگموں کے بدن ڈھانپ دیں۔

باہر پھاٹک پر خواجہ سرا جو حفاظت کے لئے کھڑے ہیں جلد فارغ ہونیکی تاکید کر رہے ہیں مگر نہانے والیاں انکی کچھ پرواہ نہیں کرتیں۔ وہ اپنی باندیوں و چھوکریوں کو پکارتی ہیں اور بہت آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی بصد ناز و انداز آگے بڑھتی ہیں۔ اب نصف گھنٹے کے بعد یہ تمام سین بالکل کایا پلٹ ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرا وسیع و تاریک کمرہ ہے جس کی دیوارں سے ملے ہوئے اونچے اونچے ملایم گدے و قالین بچھے ہیں۔ اور جس طرح گلاب کی پنکھڑیاں شبنم کے بوجھ سے بے حس ہو جاتی ہیں اسی طرح ان گدوں پر نازنینان حرم بیحس و حرکت لیٹی ہوئی آنکھیں بند کئے اپنے خواب و خیال کے مزے لے رہی ہیں۔ انکے لمبے لمبے بالوں کی لٹیں جو بکھری ہوئی پیچھے پڑی ہیں ابھی تک تر ہیں۔ کنیزیں ریشمی رومالوں سے انہیں سکھا رہی ہیں۔ اور شتر کے بالوں کی چھوٹی تھیلیوں سے بدن پر بھی مالش کرتی جاتی ہیں پھر ایک نہایت ہلکی ریشمی چادر اوپر سے ڈھانپکر دبے پاؤں باہر نکل جاتی ہیں تاکہ کوئی آواز

دا آہٹ نہ ہونے پائے اور شہزادیوں کے آرام و نیند میں خلل نہ پڑے۔ خواجہ سرا ابھی باہر سے دھمکاتے ہیں کہ جو شور مچائیگا اُسے آج رات محفل میں شامل ہونیکی اجازت نہ ملیگی۔

اس طرح آرام و استراحت میں ایک ساعت اور گذر جاتی ہے کہ اتنے میں ایک گھنٹہ زور سے بجتا ہے۔ اسکی آواز چاروں طرف گونجتے ہی تمام سین پھر یکایک بدل جاتا ہے۔ نازنینان حور وش آنکھیں ملتی انگڑائیاں لیتی ہوئی بصد ناز و انداز اپنی جگہ سے اٹھتی ہیں۔ مٹھائیاں و فواکہات لائے جاتے ہیں۔ کنیزیں حاضر ہوتی ہیں اور طرح طرح کے عطریات و خوشبودار روغن جسم پر ملتی ہیں۔ بال سنوارتی کاکلیں بناتی لٹوں میں موتی پروتی اور بیش بہا زیورات و قسم قسم کے رنگین اونی و ریشمی لباسوں سے اپنی بیگموں کو آراستہ کرتی ہیں۔ پھر خوبصورت پاپوشیں جن میں موتی و جواہرات ٹکے ہیں پیروں میں پہناتی ہیں۔ مرصع کار سنہرے پٹکے نازک کمروں میں باندھتی ہیں اور جب سب بناؤ سنگار ختم ہو جاتا ہے تو باہر خبر دیجاتی ہے اور سردار خواجہ سرا یعنی بوگس کمرے میں داخل ہوتا ہے اسے دیکھتے ہی ہر طرف سے نعرہ ہائے خوشی بلند ہوتے ہیں۔ اور پندرہ بیس حسینان مہ وش حلقہ بنا کر اُسے بیچ میں گھیر لیتی ہیں اور ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر ناچتی اور اسکی تعریف میں گیت گاتی ہیں۔

شہنشاہ کی سالگرہ کے دن ہر بیگم کو اجازت ہے کہ اپنی کوئی ایک خواہش بیان کرے جو حتی المقدور پوری کی جاتی تھی۔ اس لئے جب ناچنے والیاں تھک کر علیحدہ ہوگئیں تو بہت سی صاحب غرض آتی ہیں اور بوگس سے لپٹ کر اسکی خوشامد درآمد کرتی ہیں۔ کوئی بڑے ناز سے اسکے گال تھپتھپاتی ہے کوئی اسکے ہاتھ چومتی ہے اور کان میں جھک کر کوئی پوشیدہ بات کہتی ہے اور بڑی لجاجت سے اُسے اپنی سفارش پر آمادہ کرنا چاہتی ہے۔ بوگس پہلے تو مسکراتا رہا پھر عاجز آکر اپنے کانوں میں انگلیاں دینے لگتا ہے اور اور یورش کرنیوالی عورتوں کو آہستہ سے پیچھے ڈھکیل کر ایک ایک کو پکڑ کر اسی کی سی کہتا ہے میدیہ کی ناہید سے کہتا ہے کہ فینک کی پریزد کو سزا دلاؤنگا اور پریزد سے کہتا ہے گھبرا

نہیں ناہید کی خبر لونگا۔ مرجانہ سے وعدہ کرتا ہے کہ تجھے مریم سے زیادہ خوبصورت زیور دلاؤ نگا
اور مریم سے کہتا ہے کہ مرجانہ سے میں ناخوش ہوں تجھے اس سے بھی اچھے جواہرات لادونگا
ان تمام باتوں پر بھی اُسے جب اپنی رہائی کے آثار نہیں معلوم ہوتے اور چاروں طرف سے
ہجوم اور بھی زیادہ بڑھتا نظر آتا ہے تو چپکے سے اپنی جیب سے ایک طلائی سیٹی نکال کر زور سے
بجاتا ہے۔ اس آواز کے سنتے ہی پری جمالوں کا جمگھٹا یکایک منتشر ہوجاتا ہے۔ سب ہُوا مار کر
جلدی سے پیچھے ہٹ جاتی ہیں جو ہاتھ اوپر اُٹھے تھے نیچے گرجاتے ہیں۔ قدم ٹھٹک کر رک
جاتے ہیں۔ زبانیں بند ہوکر منہ پر مُہر لگ جاتی ہے۔ اور ہر طرف دفعتہً خاموشی و سناٹا چھا جاتا ہے
خواجہ سرا کی اس طلسمی سیٹی کی آواز ایسی ہی موثر ثابت ہوئی جس طرح باوا ئیو نکو سامنے قانون بغاوت
کا اعلان کیا جائے۔ کیونکہ اس کا مطلب تھا " شہنشاہ کا واسطہ۔ خاموش " بھلا پھر کسکی
مجال تھی کہ حکم عدولی کرسکتی اور اگر جرأت ہوتی تو سخت سزا کی مستوجب گردانی جاتی۔ خصوصاً
آج یہ آواز اور بھی زیادہ قابل تعظیم سمجھی جاتی تھی۔ اور سب سہمی ہوئی سر جھکائے کھڑی ہیں۔
بوگس نے یہ حالت دیکھی تو مسکراتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور اپنی اس حرکت کی تلافی کی غرض
سے انہیں دم دلاسے دیتا ہے۔ انکے حسن و جمال کی تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے گھبراؤ
نہیں میں آج شہنشاہ سے سب کی سفارش کروں گا۔ پھر اُن سے کہتا ہے کہ دو قطاروں
میں ترتیب وار برابر جماکر کھڑی ہو جاؤ۔ سب فوراً اس حکم کی تعمیل کرتی ہیں اور جس طرح ایک
فوجی افسر اپنے سپاہیوں کا معاینہ کرتا ہے اسی طرح بوگس بھی سب عورتوں کو فرداً فرداً غور
سے دیکھتا ہے۔ اکثر ایسی ہیں جنکے بناؤ سنگار میں وہ کوئی عیب نہیں نکال سکتا۔ مگر
بعض کو انکے عیوب دور کرنیکے لئے ہدایتیں دیتا ہے۔ مثلاً رخساروں کا رنگ پھیکا ہے
ذرا سا غازہ مل لو۔ یا وہ بہت سرخ ہیں قدرے سفید سفوف لگالو یا کاکلیں بہت نیچی ہیں
انہیں ذرا اونچا کرلو سیاہ بھوؤں کا رنگ ہلکا ہے تھوڑا اور کاجل پھیر لو اور ہونٹ زرد ہیں ذرا
اور سرخ بنالو۔ غرضکہ اسی قسم کے اور بہت سے نکات بتاکر بالآخر وہ باہر نکلتا ہے اور

وہاں سے قدسیا کے پاس چلا جاتا ہے۔ قدسیا بحیثیت شہنشاہ کی منکوحہ بیوی ہونے کے معمولی حرم سے علیحدہ ایک خاص کمرے میں رہتی تھی۔ وہ خاندان ہخامنش کی شہزادی اور بادشاہ کی منظور نظر بیوی تھی مگر آج کل اس کی نظروں سے اتر جانے کی وجہ سے نہایت مغموم و اداس رہتی تھی۔ تاہم اُس وقت وہ بھی نہایت شان و شوکت کے ساتھ لباس فاخرہ سے آراستہ پیراستہ اور زیورات سے لدی ہوئی ایک اونچی سی کرسی پر جلوہ گر تھی اسکے سر پر ایک خوبصورت تاج تھا جس سے ایک نہایت باریک سنہری ریشمی نقاب پیچھے لٹک رہی تھی اور چاروں طرف نیلی و سفید دھاریوں کا ایک سر بند تھا جس سے اُسکی عالی نسبی و بنت ہخامنشی ہونیکا پتہ چلتا تھا۔ اسکے حسین ہونے میں کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ مگر حرم کی سست و کاہل زندگی نے جسم کو مائل بہ فربہی کر کے کسی قدر بھدّا کر دیا تھا۔ سر بند کے نیچے سے اُسکے سنہری بالوں کی گھنی لٹیں۔ چاندی کی چھوٹی چھوٹی زنجیروں و سونے کی مہروں و سکوں میں الجھی ہوئی اس کی سفید و شفاف کنپٹی و گردن پر نہایت خوبصورت و دلکش معلوم ہوتی تھیں۔ بوگس کے داخل ہوتے ہی فوراً اسکی پہلی نظر اپنے آئینہ پر پڑی اور دوسری خواجہ سرا پر۔ پھر جلدی سے اُٹھ کر اسکے سامنے آئی اور بیتابانہ پوچھنے لگی۔

"کیوں میں اچھی لگتی ہوں کہ نہیں اور وہ مجھے دیکھ کر آج خوش بھی ہونگے؟"

بوگس۔ (جس کے لبوں پر حسب معمول مسکراہٹ تھی۔ قدسیا کو سر سے پیر تک بغور دیکھکر) "میری طاؤس طناز! میری بلبل شیریں مقال! کون ہے جو تیری دلفریب صورت دیکھکر خوش نہ ہو۔ تجھے آج شہنشاہ میری نگاہوں سے دیکھے تو سو جان سے قربان ہو جائے۔ تیرے اس جملہ نے مجھے تڑپا دیا۔ اس میں کس غضب کا جذبۂ شوق۔ حسرت و ارمان بھرے ہیں اور یہ موہنی شکل بھی اس وقت ان جذبات کا ایک سچا آئینہ بن گئی ہے نیلگوں آنکھیں جوش و ولولہ جوانی سے شب اہرمن کی طرح سیاہ و فتنہ خیز معلوم ہوتی ہیں اور لبہائے شیریں نے وا ہوتے ہی دانتوں کی جھلک سے میری آنکھوں کو اسی طرح چکا چوند

کردیا ہے جس طرح البرز کی برف سے ڈھکی ہوئی سفید چوٹیاں نگاہوں کو خیرہ کر دیتی ہیں۔"
فدمیہ اپنی تعریف سنکر بہت ہی خوش ہوئی اور بڑے دلربایانہ ناز و انداز سے خواجہ سرا کا
ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی "چلو ابھی محفل شاہی میں چلیں کہیں دیر نہ ہو جائے۔ بوگس میں سچ کہتی
ہوں جب مصریہ کو اپنی جگہ بیٹھا دیکھوں گی تب تمہیں میرے انتہائے سوزش جگر کا
حال معلوم ہوگا اور میری آنکھوں سے شعلہ ہائے آتش کا تماشہ دیکھو گے۔"
بوگس۔ (تسکین بخش انداز سے) "پیاری اطمینان رکھ۔ اُسے زیادہ دن تیری جگہ
بیٹھنا نصیب نہ ہوگا۔"
ملکہ (بڑی بیتابی سے) "تو کیا تمہاری تدابیر راست آگئیں۔ بوگس! میرے اچھے
بوگس! جلد جواب دو۔ کوئی بات مجھ سے نہ چھپانا۔ مجھ سے قسم لیلو جو ذرا بھی اپنی زبان
ہلاؤں۔ بلکہ ہر طرح تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں۔"
بوگس "مجھے معاف کرو۔ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر تمہاری تسکین وہی و اطمینان کیلئے
صرف اس قدر بتائے دیتا ہوں کہ سب کچھ تیار ہو چکا ہے جال بچھ گیا ہے اور بس دشمن
کے پھنسنے کی دیر ہے۔ عنقریب میری خوبصورت فدیا پہلے سے بڑھکر اعلیٰ مرتبہ پر
پہنچ جائے گی مگر شرط یہ ہے کہ آنکھ بند کر کے میری ہدایات پر عمل کرے۔"
فدمیا (نہایت خوش ہوکر) "وہ کیا ہیں؟ میں بجان و دل انہیں بجالاؤں گی۔"
بوگس "شاباش! وفاداری وہمت اسی کا نام ہے میرے کہنے پر چلو گی تو ضرور ہم
کامیاب ہونگے۔ ممکن ہے کہ بعض باتیں تمہیں ناگوار گذریں مگر یاد رکھو آخر میں انہیں کا
پھل اچھا ملیگا۔ اب ذرا غور سے سنو اور بیچ میں ٹوکنا ٹاکنا نہیں کیونکہ مجھے بہت جلدی ہے
اور وقت تنگ ہے۔ سب سے پہلے تم اپنے یہ تمام زیور وغیرہ اُتار کر پھینکدو اور صرف وہ جیغہ
جسے بادشاہ نے بوقت کتخدائی عطا فرمائی تھی پہنے رہو۔ پھر ان سب ریشمی و بھڑکدار
کپڑوں کو بھی اُتار ڈالو اور ایک سادہ سوده معمولی سا لباس پہن لو۔ اور اسی طرح دربار میں جاؤ۔

اور وہاں جب ملکہ کا سندانہ کا سامنا ہو تو بڑے ادب سے اُنکے قدموں کا بوسہ لینا اور دختر فرعون کو بھی دیکھتے ہی نہایت عاجزی سے گردن جھکا کر سلام کرنا۔"

فدیما۔ (بڑی چراغ پا ہو کر) "یہ تو ہرگز مجھ سے نہ ہو سکے گا۔"

بوگس۔ اب زیادہ چون و چرا کا موقع نہیں۔ جلدی جلدی زیور اُتارو (فدیما حکم بجالاتی ہے) شاباش یہ ٹھیک ہے تم اسی طرح کہنا مانوگی تو ہمیں ضرور فتح ہوگی (فدیما کو افسردہ دیکھکر) کیا کہنا! کیا خوبصورت صراحی دار گردن ہے۔ کیا گورا گورا رنگ ہے جس کے سامنے قاف کی پریوں کا حسن بھی ماند معلوم ہوتا ہے۔"

فدیما۔ "لیکن ۔ ۔ ۔ ۔"

بوگس۔ "جب تمہاری باری شہنشاہ سے مانگنے کی آئے تو غمزدہ لہجہ سے کہنا کہ جب سے حضور کے آفتاب کرم نے اس لونڈی کی طرف سے منہ چھپالیا اس کے مردہ دل میں اب کوئی تمنا و ہوس باقی نہیں رہی۔"

فدیما۔ "میں ضرور یہی کہونگی۔"

بوگس۔ "جب تمہارے والد تم سے پوچھیں کہ بیٹی کیسی ہو تو فوراً رو دینا۔"

فدیما۔ "اس میں بھی کچھ حرج نہیں میں رونے لگونگی۔"

بوگس۔ "مگر شرط یہ ہے کہ سب کے سامنے رونا تاکہ تمہارے خاندان والے بھی اچھی طرح دیکھ سکیں۔"

فدیما۔ "ہائے! اس میں تو میری بڑی ذلت و خفت ہوگی۔"

بوگس۔ "ذلت کیسی۔ تم انکی نگاہوں میں اور اونچی ہو جاؤگی۔ اب ذرا جلدی سے یہ سرخ غازہ اپنے رخساروں سے پونچھ ڈالو اور سفید رنگ مل لو ۔ ۔ ۔ ۔ اس سے بھی زیادہ ہلکا۔"

فدیما۔ "بوگس! تم بھی عجب اندھیر کرتے ہو اور ایسی باتیں کہتے ہو جن کا کرنا محال ہے

لیکن خیر مجھے تمہاری تعمیل حکم میں کوئی عذر نہیں"
خواجہ سرا۔ (خادمہ سے مخاطب ہوکر) "جلدی اپنی بیوی کے لئے سبز رنگ والی پوشاک لا"
فدیما۔ (ٹھنک کر) "اسے ہے! میں اُسے پہنونگی تو بالکل ہی لونڈی سی معلوم ہونگی"
بوگس۔ (مسکراکر) "یہ صرف وہم و خیال ہے۔ بھلا تمہارے حُسن خداداد کو کسی اچھے لباس کی ضرورت ہے؟ ہیرے ولال کی چمک کہیں سات پردوں میں چھپائی چھپ سکتی ہے"
فدیما۔ "واہ! واہ! ان باتوں سے کیا ہوتا ہے۔ مصریہ مجھے دیکھ کر نہ ہنسے گی؟ اسکے سامنے میں کیسی ہیچ نظر آونگی"
بوگس "یہ بھی محض تمہارا وہم ہے۔ بخلاف اسکے ہر شخص تمہاری سادگی کی داد دیگا۔ اور دل میں کہے گا کہ اگر تم بھی عمدہ لباس پہنتیں تو مغرور دختر فرعون سے بازی لیجاتیں"
فدیما۔ "لیکن میں جھک کر تو اُسے ہرگز سلام نہ کرونگی"
خواجہ سرا۔ (منہ بناکر) "نہیں تمہیں ضرور کرنا پڑیگا"
فدیما۔ (رونی شکل بناکر) "تمہاری شاید یہ مرضی ہے کہ میں سب کے سامنے حد درجہ ذلیل و خوار ہو جاؤں اور کہیں کی نہ رہوں"
بوگس "عجب ناقص العقل عورت ہو۔ میں اپنے وجوہات چند لفظوں میں بیان کرتا ہوں۔ سنو اور آنکھ بند کرکے میرا حکم مانو۔ میرا سب سے بڑا یہ مقصد ہے کہ خاندان ہخامنش تمہارے دشمن کے برخلاف ہو جائے۔ بھلا سمجھو تو کہ جب ایک اجنبی کے سامنے تمہیں اس بُری حالت میں دیکھیں گے تو تمہارے دادا انتافرس اور تمہارے والد اُتانس کے غیظ و غضب کی کیا حالت ہوگی۔ تمہاری ذلت اور اپنی سخت ہتک سمجھیں گے اور ہمارے ساتھ بکمال ہمدردی شامل ہو جائیں گے اور اگرچہ اس وقت کمبوجیہ کی منظور نظر کے خلاف کچھ نہ کہیں لیکن جب مجھے ضرورت ہوگی فوراً میری مدد کریں گے۔ علاوہ بریں جب مصریہ بادشاہ کی نظروں سے گر جائیگی تو

اُسے تمہاری یہی ادائیں۔ یہی سج دھج یعنی سادہ لباس۔ اُترا ہوا چہرہ۔ عاجزی و منکسر مزاجی بہت اچھی و بھلی معلوم ہونگی اور اُسکے سب خاندان والے بلکہ پروہت بھی اس بات پر زور دیں گے کہ اپنی خاندانی بیوی کے سامنے جسکے اخلاق و اطوار ایسے شستہ و حمیدہ ہوں کسی دوسری عورت کو ترجیح دینا خلاف مصلحت و راستی ہے۔ بھلا بتاؤ تو تمام ایران میں کوئی ایسی خاتون ہے جسے تم سے بڑھ کر نجیب الطرفین ہونیکا دعوے ہو سکے۔ یا تم سے بڑھ کر تاج شاہی کی سزاوار ہو۔ تمہاری موجودہ حالت ایک اتفاقیہ امر ہے۔ اور اگر پھر اپنے پرانے جاہ و عروج کے خواہشمند ہو تو ایک عارضی ذلت سے جسمیں ہماری ہی ایک مصلحت مضمر ہے۔ ہرگز اپنے دل کو آزردہ و پریشان نہ کرو۔"

قدیما۔ (مطمئن ہوکر) سچ کہتے ہو۔ میں اب سمجھ گئی اور تمہارے ہی کہنے پر عمل کرونگی"

بوگس۔ (خوشی سے) اگر یہ ہے تو مجھے اپنی کامیابی کا اب پورا یقین ہو گیا۔ قریب آکر اور اُسے بغور دیکھ کر) تمہاری سیاہ و آہو مثال آنکھیں کیسی چمک رہی ہیں۔ (بلائیں لیکر) پیاری قدیما! میں تجھ پر دل و جان سے نثار۔ اہرمزدہ وہ دن لائے کہ میں بادشاہ کو پھر تیرا دالہ و شیدا دیکھوں اور مشتاق وصل تیرے حجرے کے دروازے تک لیجاؤں (خادم کو آواز دیکر) کوئی ہے! ذرا بیگمات سے کہنا کہ اب اپنی اپنی پالکیوں میں بیٹھ جائیں میں پہلے سے جاکر انکی جگہوں کا انتظام کرتا ہوں"

یہ کہکر سردار خواجہ سرا جلد ہی سے رخصت ہوکر باہر نکل گیا۔

دعوت شاہی کا عظیم الشان کمرہ روز روشن کی طرح منور تھا اور ہزاروں چراغوں کا عکس ان سونے کی تختیوں سے جو در و دیوار پر آویزاں تھیں جگمگا رہا تھا۔ وسط ہال میں ایک بہت بڑی لمبی میز بچھی تھی جس پر اس کثرت سے طلائی و نقرئی برتن رکھے تھے کہ انکے بوجھ سے ٹوٹی جاتی تھی۔ نہایت خوشنما ساغر۔ جام صراحیاں۔ عود دان رکابیاں و پیالے وغیرہ جو مختلف ملکوں کی صناعیوں کا نمونہ تھے نظر آتے تھے۔ میز کی زیبائش

دیکھنے والے اور طعام لانے والے خدام وخاصہ بردار بھی اس وقت اپنے اپنے کاموں میں نہایت درجہ مصروف تھے درباریوں وامیروں کی آمد شروع ہو گئی تھی اور جدھر نظر اٹھتی تھی ایک غیر معمولی جاہ وحشم اور دولت وثروت کا سماں پیش تھا۔ اتنے میں میر ساماں نے جو امرائے دربار سے تھا۔ آبدار شاہی سے جو خود بھی ایک نہایت معزز امیر تھا یوں خطاب کیا۔ "کیوں بھئی! سب صراحیاں بھری ہیں نا؟ شرابوں کا ذائقہ بھی چکھ لیا؟ ساغروں کی تو کمی نہیں ہے؟ اور ریولی گرائیس کی بھیجی ہوئی شراب بھی آ گئی کہ نہیں؟"

آبدار شاہی "جی ہاں سب تیار وموجود ہیں۔ بڑے بڑے نادر نمونے ہیں، جیوس کی خمر ایسی لاجواب ہے کہ سچ عرض کرتا ہوں اسکے سامنے بخت نصر کی مے ناب کی بھی کچھ حقیقت نہیں۔ لیجے ذرا چکھئے تو"

یہ کہہ کر اس نے اپنے ایک ہاتھ میں سونے کی ایک صراحی لی اور دوسرے میں ایک خوبصورت طلائی ساغر پکڑا اور اس خوبی سے شراب انڈیلی کہ زمین پر ایک قطرہ بھی نہ گرنے پایا پھر نہایت ادب سے میر ساماں کے سامنے اُسے پیش کیا۔ جس نے آہستہ آہستہ سوچ کر ایک گھونٹ پیا بعدہٗ خالی ساغر واپس کر کے اور اپنے ہونٹ آستین سے پونچھ کر کہنے لگا۔

"واہ کیا ذائقہ ہے! شراب کیا ہے امرت ہے اور خصوصاً جب تم ایسا جوہر شناس وباسلیقہ شخص اسے پیش کرے تو مزا اور بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔ سچ ہے کہ اجنبی لوگ اسی لئے ہمارے ایرانی ساقیوں کے اس قدر مدح سرا ہیں اور انہیں اس فن خاص میں یگانہ روزگار تسلیم کرتے ہیں"

شاہی آبدار۔ (اپنے دوست کی پیشانی کا بوسہ دیکر) میں آپ کی اس قدر دانی و ہمت افزائی کا بہت مشکور ہوں اور اپنے اس معزز عہدے کو جو شہنشاہ کے خاص

اعتبار وبھروسے کی نشانی ہے نہایت درجہ باعثِ فخر سمجھتا ہوں۔ مگر بھائی سچ تو یہ ہے کہ اب بابل کی گرمی نے ناک میں دم کر دیا اور یہاں کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ آپ کو کچھ خبر ہے کہ اکبا تان یا پارساگرد کب جانا ہوگا؟"

میر ساماں "میں نے اسکے متعلق آج بھی شہنشاہ سے پوچھا تھا اُنکا تو یہ ارادہ تھا کہ ماساجت کی جنگ پر بابل ہی سے روانہ ہوں لیکن آج کے واقعات نے لڑائی کو کسی قدر مشتبہ کر دیا۔ اگر یہ ہوا تو شادی کے تین دن بعد شوس کی طرف کوچ ہو جائیگا"

آبدار "شوس! یہ تو بابل سے کچھ ہی زیادہ سرد ہے۔ علاوہ بریں نئے محل کی ابھی تک تعمیر بھی نہیں ختم ہوئی"

میر ساماں "نہیں۔ آج ہی تو شوس کی سترپ نے خبر بھیجی ہے کہ محل شاہی اب بالکل تیار ہو گیا اور ایسا خوش وعالی شان ہے کہ کوئی عمارت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ شہنشاہ یہ سنتے ہی بڑی خوشی سے فرمانے لگے کہ شادی کے تین ہی دن بعد شوس روانہ ہونگا تاکہ دختر فرعون کو اپنا نیا محل دکھا کر یہ بتاؤں کہ ہم ایرانی بھی فن تعمیرات میں مصریوں سے کچھ کم نہیں ہیں۔ اور چونکہ شاہزادی گرم ملک کی عادی ہیں اس لئے شوس کی آب وہوا انہیں موافق آئیگی۔ غرضکہ دیر تک یہی ذکر کرتے رہے جس سے مجھے معلوم ہوا کہ ہمارے شہنشاہ اس عورت پر ایسے مفتوں وشیدا ہیں کہ بیان سے باہر ہے"

آبدار۔ ہاں مجھے بھی حیرت ہے۔ جب سے وہ آئی ہے کسی دوسری بیگم کی طرف رخ تک نہیں کرتے۔ اور اب ضرور اُسے اپنی ملکہ خاص بنائیں گے"

میر ساماں "مگر یہ نہایت بیجا بات ہے۔ کیونکہ فدیما بلحاظ اپنے حسب ونسب سب پر فوقیت رکھتی ہے"

آبدار۔ (خوفزدہ ہو کر) "بھائی آہستہ سے بولو مجھے بھی تم سے اتفاق ہے۔ مگر شہنشاہ کا حکم سب پر بالا وافضل ہے"

میر ساماں ''ہاں اور کیا۔ مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ''

آبدار۔ بیشک وفاداری و نمک حلالی کا تو یہی تقاضا ہے کہ ہمیشہ اپنے آقا کے سامنے سر جھکا کر اسکے ہاتھوں کو بوسہ دیں اگرچہ وہ ہاتھ اپنی اولاد کے خون ہی سے کیوں نہ آلودہ ہوں''

میر ساماں ''تمہیں کیا معلوم نہیں کہ شہنشاہ نے میرے بھائی کو قتل کرا دیا تھا لیکن میں اسکی طرف سے کوئی کینہ دل میں رکھوں تو ایسا ہی بیجا ہوگا جیسا خدا سے اپنے والدین کی موت کی شکایت کروں دیکایک چونک کر باآواز بلند) غلامو! پردوں کو ایک طرف ہٹا دو۔ شہنشاہ کی سواری آرہی ہے۔ ارے احمقو! کھڑے کیا دیکھتے ہو۔ جلدی آگے بڑھو۔ (اپنے دوست سے) بھائی خدا حافظ۔ آج تمہارے لئے بڑے معرکہ کی رات ہے''

باب سترھواں

جام زہر آلود

حاجب مع اپنے مددگاروں کے مہمانوں کی پیشوائی کے لئے آگے بڑھا اور انہیں خیر مقدم کرکے مخصوص مقامات پر بٹھایا۔ جب سب آچکے تو تھوڑی دیر بعد نفیری و قرنا کی آوازیں سنائی دیں۔ افسران خاصہ نظر آئے اور سرپردہ اٹھتے ہی شہنشاہ عالم پناہ داخل ہوا فوراً ہی سب حاضرین سرو قد کھڑے ہو گئے اور ''شہنشاہ کا بول بالا رہے'' کے نعروں سے تمام ہال گونج گیا۔

سب سے آگے آگے ملکہ کاسندرانہ تھی جس کا ہاتھ کری سس پکڑے تھا۔ اسکے پیچھے بادشاہ تھا۔ اور ایک نہایت خوبصورت ارغوانی قالین انکے قدموں کے لئے

دروازے سے میز تک بچھا تھا۔ نادرشاہ کا تخت کمبوجیہ سے زیادہ اونچا اور پرتکلف تھا اور میز کے سب سے زیادہ ممتاز سرے پر رکھا گیا تھا۔ بادشاہ کے بائیں جانب اسکی منکوحہ بیویاں تھیں مگر سب سے قریب اور بالکل اسکے بازو ہی میں نلتیتس کی کرسی تھی۔ پھر اتوسا و فدیما تھیں جنکے قریب ہی پوگس بھی بیٹھا ہوا تھا اور بعد ازاں موبد اعظم۔ دیگر پیشوایان مذہب اور مختلف صوبوں کے ستر پ تھے اور پاس ہی بلشزر یہودی کی کرسی تھی اسکے بعد ایرانی و میدی امرا و دیگر عہدہ داران و عمائدین سلطنت درجہ بدرجہ اپنی اپنی جگہوں پر نظر آتے تھے۔ شہنشاہ کے دست راست پر سب سے پہلے شہزادہ بردیہ تھا۔ اسکے بعد کریسس۔ گشتاسپ۔ گاوبروا۔ آریاسپ۔ اور دوسرے امرائے ہخامنش تھے جو اپنے اپنے مرتبے و عمر کے لحاظ سے بالترتیب بیٹھے تھے۔ ان سب سے دور اور میز کے آخری سرے پر شاہی کنیزیں و محل کی داشتہ عورتیں تھیں۔ بعض بیٹھی تھیں بعض کھڑی ہوئی گانے بجانے کا سامان کر رہی تھیں اور انکی پشت پر بہت سے نگہبان خواجہ سرا استادہ تھے جن کا یہ فرض تھا کہ ان عورتوں کو مردوں کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے سے باز رکھیں۔

نلتیتس جو بادشاہ کے بالکل قریب ہی بیٹھی تھی اپنی نئی ارغوانی پوشاک میں بڑی دلربا و دلفریب معلوم ہوتی تھی۔ اس کا چہرہ گو اس وقت زرد تھا مگر اس پر عجب رعب و شان برس رہی تھی۔ وہ بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ کبھی کبھی اسکے لب حرکت کرتے تھے اور مڑ مڑ کر بار بار اپنے عاشق کو دیکھتی تھی جو کچھ دیر تک اسے اسکی محبت پر محمول کرتا تھا۔ مگر پھر یکایک اسے یہ محسوس ہوا کہ یقیناً کوئی نیا واقعہ ہوا ہے جو میری پیاری کے اضطراب کا باعث ہے جس نے اسکے ہنس مکھ چہرے کو متین و غم آلود بنا دیا ہے اور اسکی شفاف و چمکتی ہوئی آنکھوں کو فکر و تردد سے بھر دیا ہے۔ وہ اس کا سبب معلوم کرنے سے قاصر تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ تنہائی میں موقع ملا تو ضرور پوچھونگا اس وقت سب کے سامنے

اپنی محبت کا اظہار قرین مصلحت نہیں ہے۔ یہ ارادہ کرتے ہی وہ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ ماں بہن بھائی اور قریبی اعزا کی پیشانیوں کا بوسہ لیا پھر اہرمزد کے فضل وکرم کا شکریہ ادا کیا اور اپنے و تمام ایرانیوں کے حق میں سال نو کی برکت و خوش بختی کی دعا مانگی۔ بعدہ حاجب کو حکم دیا کہ اب جو شخص میری بخشش خسروانہ کا امیدوار ہو اور اپنی کوئی خاص حاجت و التجا رکھتا ہو پیش کیا جائے۔ بہت سے لوگ سامنے حاضر کئے گئے اور سب خوشی خوشی اپنی مرادیں پاکر واپس گئے۔ ان میں سے اکثر نے دربار سے پہلے حاجب سے اپنی حاجتیں بیان کرکے اجازت حاصل کر لی تھی یہی طریقہ عورتوں نے بھی اختیار کیا تھا اور پہلے سے سردار خواجہ سرا کو اپنی درخواستوں سے مطلع کر دیا تھا۔ عورتوں میں سب سے پہلے سوائے ملکہ کاسندانہ کے جو اپنی جگہ پر بیٹھی رہی محل شاہی کی تمام خواتین و بیگمات جن کا رہنما بوگس تھا۔ صف باندھے بادشاہ کے سامنے سے گذریں۔ اسی جلوس میں فدیما تھی اُس کے ہمراہ ایک دوسری عورت بھی ہے جس کا لباس غیر معمولی زرق برق تھا اور مکار خواجہ سرا نے اُسے اس جگہ اس غرض سے رکھا تھا کہ اسکے مقابلہ میں فدیما کی سادگی اور غربت اور بھی زیادہ نمایاں ہو اور وہ حد درجہ قابل افسوس و رحم تصور کی جائے یہ تدبیر پوری کارگر ہوئی کیونکہ اپنی پوتی و بیٹی کو اس ہیئت کذائی میں دیکھتے ہی انتا فرس اور اتانس کی آنکھوں سے غیظ وغضب کے شعلے نکلنے لگے۔ پھر وہ کمبوجیہ کے سامنے پہنچی جو اس کی نمائش و اسراف پسند طبیعت کو بخوبی جانتا تھا اور اُسے اس حالت میں دیکھکر نہایت متحیر ہوا۔

بادشاہ۔ (خفا ہوکر) "فدیما! اسکے کیا معنی کہ تو ایک جوگن کا بھیس بنائے ہوئے یہاں آئی ہے۔ کیا تو دربار کے آداب و آئین سے ایسی نابلد ہے اور یہ تک نہیں جانتی کہ مابدولت کے سامنے ایک ناموزوں لباس میں آنا جرم ہے۔ سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی اور دن ہوتا اور تو میری ایک قریبی عزیز کی دختر نہ ہوتی تو یقیناً اس گستاخی کی سزا

پاکر تنہا قید میں کچھ دن گذارتی جہاں شاید تجھے اپنی اس حماقت پر افسوس آتا"۔
قدمیہ تو اس موقع کے منتظر ہی تھی۔ یہ الفاظ سنتے ہی بادشاہ کے قدموں پر گر کر زار و قطار رونے لگی اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر اس بیکسی و منت سے کمبوجیہ کو دیکھنے لگی کہ اُسے بے اختیار رحم آگیا اور اُسے زمین سے اُٹھا کر نہایت مہربانی سے پوچھنے لگا" تم کیا چاہتی ہو؟ کوئی خواہش رکھتی ہو تو بیان کرو"۔
قدمیہ (سسکیاں لیکر رکتی ہوئی زبان سے)" میری کوئی خواہش نہیں جب میرے آقا ہی نے اپنا منہ موڑ لیا۔ اور میرے آفتاب ہی نے اپنی روشنی سے مجھے محروم کر دیا تو اس بدنصیب کے دل میں بھلا کونسی آرزو ہو سکتی ہے"۔
کمبوجیہ۔ (لاپروانہ انداز سے اپنے شانوں کو جنبش دیکر) تو کیا واقعی تم کچھ نہ مانگو گی۔ پہلے تو یہ حال نہ تھا میرے تحائف آنسوؤں کی جھڑی کو فوراً بند کر دیتے تھے۔ اب بھی جو مانگنا ہو مانگو۔ زر و جواہر کی کمی نہیں۔ کیا وہ تمہاری تسکین و خوشی کے لئے کافی نہیں؟"
قدمیہ" یہ لونڈی حضور سے کچھ نہ مانگے گی جب اس کا آقا بادشاہ اور اس کا خاوند ہی بدل گیا تو دنیا کے تمام زر و جواہر مٹی کے برابر ہیں"۔
بادشاہ۔ (رکھائی سے منہ پھیر کر) تو میرے پاس اب تمہارا کوئی علاج نہیں اور نہ میں تمہاری کچھ مدد کر سکتا ہوں"۔
یہ سنتے ہی قدمیہ کا چہرہ مارے غصہ و شرم کے سرخ ہو گیا۔ بڑی خیریت ہوئی کہ بوگس نے سفید غازہ ملنے کی ہدایت کی تھی ورنہ یہ کیفیت افشا ہو جاتی۔ اُس نے بدقت اپنے جذبات ضبط کئے اور خواجہ سرا کے حکم کے بموجب مادر شاہ و نتتیس کو جھک کر سلام کرتی ہوئی آنسو بہاتی تمام امرائے ہخامنش کے سامنے سے گذر گئی۔
قدمیہ کی یہ ذلت و رسوائی دیکھ کر اتانس دانتا فرس غصہ کے گھونٹ پی کر رہ گئے دوسرے امیروں کے بھی تیوروں پر بل پڑ گئے اور اپنے خاندان کی بدنصیب شاہزادی

سے حد درجہ کی ہمدردی اور اجنبی عورت کی طرف سے عناد وخصومت انکے دلوں میں پیدا ہوگئی
اب بعض رسومات کے ختم ہوتے ہی قسم قسم کے لذیذ کھانے پیش کئے گئے اور سب سے
آخر میں بادشاہ کے سامنے ایک طلائی ٹوکری لائی گئی جس میں مختلف فواکہات تھے
اور بیچ میں ایک عجیب وغریب انار تھا جو اس قدر بڑا تھا کہ ایک لڑکے کے سر سے
کم نہ ہوگا۔ کمبوجیہ اسے دیکھکر نہایت متحیر ہوا اور ہاتھ میں لیکر کہنے لگا" یہ کس کے
باغ کا انار ہے"

موبد اعظم۔ (ہاتھ باندھ کر) ایک عرصہ سے اس غلام کو باغبانی کا شوق ہے۔ اسکی
سالہا سال کی کوششوں کے بعد یہ ثمر بے بہا پیدا ہوا ہے

گر قبول افتد زہے عز و شرف

بادشاہ۔ (خوش ہوکر) " بادولت کو تمہارا یہ تحفہ بہت پسند آیا۔ ہم عنقریب جنگ پر جانے
والے ہیں۔ اسے دیکھکر ہمیں اپنے جانشین و نائب کے انتخاب میں آسانی ہوگئی۔
متھرائی قسم! جو شخص ایک چھوٹے سے پودے کی اس خوبی کے ساتھ نشوونما
کرسکے۔ وہ سلطنت کی خبرگیری اور رعایا کی بہبودی سے کبھی کبھی غافل نہ ہوگا۔ ایسا
خوبصورت انار آجتک کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ ارونسپتیں ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں اور
محض زبانی اظہار خوشنودی پر اکتفا نہ کرکے سب کے سامنے اعلان کرتے ہیں کہ
زمانہ جنگ اور ہماری غیر موجودگی میں تم ہی نائب سلطنت مقرر کئے گئے۔ (امراء سے
مخاطب ہوکر) دوستو! اب امن وعیش کی زندگی زیادہ مناسب نہیں۔ ہم ایرانیوں
کی طبیعتیں بلالطف جنگ کبھی سیر نہیں ہوسکتیں"

یہ سننا تھا کہ تمام امراے ہخامنش یکزباں ہوکر چلا اُٹھے " شہنشاہ کا بول بالا
رہے" فدیما کی وجہ سے جو غصہ پیدا ہوا تھا ایک لحظہ کیلئے فرو ہوگیا ہر طرف سے جنگ کے نعرے بلند ہوئے
لڑائی کے سین آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ پرانے کارنامے یاد آگئے۔ شہرت دوام و فتح

ونصرت کی امیدیں دلوں کو بیچین کرنے لگیں اور بڑے جوش وخروش سے شراب کے دور چلنے لگے۔ شہنشاہ بھی جو اپنے مہمانوں کی خاطر مدارات میں آج غیر معمولی طور سے سرگرم تھا اُنکے شور وشغب وچنگی و لولوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ مگر اس سے بھی زیادہ اسکی مسرت ودلفریبی کا باعث وہ پری جمال لڑکی تھی جو اسکے پہلو میں جلوہ گر تھی اور گو دن بھر کی تکان و تاج کے بوجھ نے اسکے خوبصورت چہرے کو کسی قدر کمھلا دیا تھا۔ تاہم اس کا حسن وجمال اس وقت اوج کمال پر تھا اور کمبوجیہ کے دل پر ایک عجب جادو خیز اثر ڈال رہا تھا۔ اس پر ایک مدہوشی کا عالم طاری تھا۔ اس کا دل انتہائے خوشی سے بھرا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ اس کی حکومت۔ طاقت وجبروت کے ساتھ صرف ایک بات کی کمی تھی یعنی محبت تو قدرت نے اب ایک ایسا معشوق بھی اُسے عطا کر دیا جو خود بھی اُس پر جان و دل سے فریفتہ تھا اور جس نے اسکی طبیعت کی سختی وبیرحمی کو ایک لحظہ میں ایسا مبدل بہ رحم وکرم کر دیا کہ سب حیران تھے اور وہ خود بھی اپنے اس عجب انقلاب کو محسوس کرتا تھا۔ غرضکہ اس وقت پیمانۂ مسرت لبریز تھا اور دمبدم ناب کے جام پر جام چڑھا رہا تھا۔ کہ اتنے میں اسی جوش وترنگ میں اپنے بھائی بردیہ کی طرف پلٹ کر اس نے دیکھا اور بڑی محبت سے اسکا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا " جان برادر! مجھے یاد ہے کہ آج تم مجھ سے کوئی التجا کرنیوالے تھے جسے قبول کرنے کا میں نے وعدہ کیا تھا۔ اچھا بتاؤ۔ راز دل کہہ ڈالو۔ میں اسکے سُننے کا بہت مشتاق ہوں۔ (شہزادہ اپنی گھبراہٹ کو جام شراب پی کر دور کرنا چاہتا ہے) ڈرو نہیں (ہنس کر) ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ ذرا شراب پینے سے ہمت بڑھ جائے گی مگر دیکھو۔ کوئی معمولی سی بات نہ مانگنا۔ آج میری بخشش وانعام کا دروازہ کھلا ہے (شہزادہ ہچکچاتا ہے) تم شاید سب کے سامنے کہنا نہیں چاہتے۔ اچھا تو قریب آجاؤ میرے کان میں کہو۔ میں سنوں تو سہی کہ وہ کون ایسی بات ہے جس کا ذکر آتے ہی میرا خرد بھائی ایک دوشیزہ لڑکی کی طرح شرمائے جاتا ہے۔" بردیہ کے رخساروں پر

ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا۔ اسکے دل میں ایک عجب اضطراب تھا جب بھائی کو ایسا مہربان دیکھا تو اس نے مسکرا کر گردن نیچی کرلی اور دبی زبان سے اپنی عشق و محبت کی تمام داستان کہہ سنائی۔ اس نے اپنی معشوقہ کے حسب و نسب کو خوب بڑھ چڑھ کر بیان کیا اور اسکی سیرت و صورت تعلیم و تربیت کی تعریفوں کے طومار باندھ دیئے اپنے بیان کی تصدیق کے لئے کریسس کو شاہد بنانا چاہتا تھا کہ بادشاہ نے اُسے روک دیا اور اسکی پیشانی کا بوسہ لیکر بآواز بلند کہا "پیارے بھائی! اسکی کچھ ضرورت نہیں میں سمجھ گیا۔ تم اپنی مراد پاکر دلشاد ہو۔ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ عشق و محبت کا کتنا زبردست اثر ہوتا ہے۔ میں تمہاری خاطر۔ والدہ مکرمہ کو خود رضامند کرنے کی کوشش کرونگا" یہ سُنتے ہی بردیہ مارے خوشی کے اُچھل پڑا اور بے اختیار بھائی کے قدموں پر گر پڑا۔ کمبوجیہ نے بڑی محبت سے اُسے اُٹھا کر گلے لگایا۔ اور نیتیش و کاسندانہ کی طرف مخاطب ہوکر بولا "میں تم کو ایک بڑی خوشخبری سُنانا چاہتا ہوں۔ ہمارے خاندان محترم کے شجر عالی میں نئے شگوفے کھلنے والے ہیں۔ یعنی بھائی بردیہ اپنی مجرد زندگی جو دیوتاؤں کو حد درجہ ناپسند ہے[1] چھوڑ کر اب کتخدائی و خانہ آبادی کی طرف راغب ہوئے ہیں پیاری نیتیش

---

[1] ۔ مذہب زردشت میں مجرد رہنا گناہ تھا۔ اس کے لئے سخت احکام تھے۔ دریاشت نہم میں مذکور ہے (بند ۲۳) "می فرماید (اسے ہوما) عطا فرما دختران را کہ از یک مدت بے شوہر ماندہ اند۔ یک جفت دانا و توانا کہ زود آنہار اخواستگاری بکند" نکاح بیوگان وکثرت ازدواج ہر دو جائز تھے لیکن تورانیوں یا دیو پرستوں میں شادی کرنا منع تھا۔ عموماً سن بلوغ پر پہنچتے ہی والدین بیاہ کردیتے تھے۔ انتخاب انہیں کی رائے پر منحصر تھا لیکن کبھی لڑکی بھی پسند کرسکتی تھی۔ کثرت اولاد نہایت مبارک سمجھی جاتی تھی۔ کثیر الاولاد لوگوں کو بادشاہ کی طرف سے انعام و اکرام عطا کئے جاتے تھے۔ آج کل بھی ایرانیوں میں یہ خیال موجود ہے۔ مشہور ہے کہ فتح علی شاہ کی تین ہزار سے زیادہ اولاد تھی۔

(رالنس ایران نامہ)

میرا عزیز بھائی تمہارے وطن جانے کا ارادہ رکھتا ہے اور تمہارے ہی دریائے نیل کے ساحل سے پھر ایک ایسا جوہر بے بہا لانا چاہتا ہے جس کی ایک لاجواب مثال اس وقت میرے سامنے موجود ہے۔"

یہ الفاظ ابھی پورے طور سے ادا بھی نہ ہونے پائے تھے کہ یکایک اتوسا چلا کر پکاری "بہن خیر تو ہے۔"

دختر فرعون غش کھا کر اسکے آغوش میں گر پڑی تھی اور وہ جلدی جلدی اسکی پیشانی پر شراب کے چھینٹے دے رہی تھی۔ چند لحظہ بعد جب شہزادی ہوش میں آئی تو ملکہ کاسندانا گھبرا کر پوچھنے لگی "کہو بیٹی! کیا حال ہے۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

نتیتیس نے آنکھیں کھول دیں اور بہت آہستہ رک رک کے یہ کہا "آہ! یہ خوشی کہیں مجھے شادی مرگ نہ ہو جائے۔ پیاری تاشو تیری مراد۔ تیری تمنائے دلی اب برآئی۔"

شہزادی کی حالت دیکھکر سب اس قدر گھبرا گئے تھے کہ کسی نے یہ الفاظ نہ سنے۔ بادشاہ بھی جلدی سے اسکے پاس گیا۔ اور اپنے ہاتھوں کا سہارا دیکر اُسے اُٹھانے لگا۔ پھر جب اسکی طبیعت کچھ سنبھلتی ہوئی معلوم ہوئی تو شراب کا ایک جام بھر کر بڑی محبت سے اسکے ہاتھ میں دیا۔ اور قسمیں دیکر کہنے لگا اسے ضرور پیو۔ طاقت آجائے گی۔ پھر اپنا سلسلہ گفتگو تمام کرنیکے لئے اس طرح گویا ہوا:۔

"پیاری نتیتیس۔ بھائی بردیہ تمہارے وطن اس غرض سے جا رہا ہے کہ شہر نوکراتیس میں معزز خاتون روڈوفس کی نواسی سافو سے شادی کرکے اُسے یہاں لے آئے۔"

ان الفاظ نے بس غضب ہی تو ڈھا دیا۔ شہزادی کا عجب حال ہو گیا۔ سب لوگ بکا بکا اسکی طرف دیکھنے لگے۔

اتوسا پر خوف و ملامت آمیز لہجہ میں کہنے لگی "خدا کے لئے بہن ذرا اپنی

طبیعت سنبھالو"

کرمی سس چلاکر بولا "خبردار نیتتیس!" مگر افسوس یہ تمام باتیں بیکار گئیں نیتتیس کے چہرے پر موت کی سی زردی چھا گئی۔ اسکے ہاتھ کانپنے لگے اور بادشاہ کا عطیہ ساغر انگلیوں سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا اور ایک لحظہ میں چکنا چور ہو گیا۔ ہر طرف عجب ہل چل مچگئی۔ مادر شاہ چلاکر بولی "یہ کیا تھا" کرمی سس دا توسا ہاتھ ملکر رہگئے۔ اور تمام درباریوں کی نگاہیں اب بادشاہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ جسکے چہرہ کا رنگ کا یکایک بدل گیا۔ پیشانیوں پر بل پڑ گئے۔ ہونٹ تھرتھرانے لگے۔ ہاتھ زور سے مٹھیاں باندھے کانپنے لگے اور غیظ و غضب سے تمام جسم میں لرزہ پڑگیا۔ وہ ہانپتا ہوا تخت پر سے اُٹھا نیتتیس اسکی صورت دیکھکر ڈر گئی اور نہایت عاجزی سے اس کا مُنہ تکنے لگی مگر وہ بالکل متوجہ نہ ہوا اور بوگس سے بھرائی ہوئی آواز میں چلا کر بولا "خواجہ سرا! ابھی فی الفوران تمام عورتوں کو میرے سامنے سے لیجا۔ میں انکی صورت دیکھنا نہیں چاہتا ہماری محفل اب صرف مردوں کیلئے ہے۔ مادر مہربان آپ بھی جا کر آرام سے سوئیے مگر ذرا مار آستین سے ہوشیار رہیے گا۔ (نیتتیس سے طنز آمیز لہجہ میں) شہزادی والا تبار! آپ بھی اپنے خلوت کدہ میں تشریف لیجائیے اور اب کی بار اپنے دیوتاؤں سے ذرا ایسا مکر و فریب سیکھکر آئیے گا جو اتنی جلد تشت از بام نہ ہو جائے۔

(درباریوں سے) دوستو! کل ہمارے سیر و شکار کے لئے کوچ ہے۔ آج خوب سیر ہو کر شراب پیو۔ میں بھی تمہارا ساتھ دونگا۔ آبدار! وہ بڑا جام خوب لبالب بھر کے لانا۔ مگر پہلے شراب کو اچھی طرح چکھ لینا۔ کیوں دختر فرعون یہ ٹھیک ہے نا؟ تمہیں تو معلوم ہوگا کہ مجھے کس بات کا خوف ہے (قہقہہ مار کر) ہاہا! ہر قسم کی سم قاتل۔ زہر آلود شرابیں۔ سحر و جادو مصر ہی سے تو ایجاد ہوئے ہیں"

شہزادی کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ وہ سر نیچے کئے اپنی جگہ سے اٹھی اور لڑکھڑاتی ہوئی دربار کے باہر نکل گئی اور پالکی میں بیٹھتے ہی روانہ ہو گئی۔ بوگس بھی ہمراہ تھا۔

وہ محل تک اسکے ساتھ گیا اور ایک دوسرے خواجہ سرا کو جو وہاں کا محافظ تھا سپرد کر کے واپس جانے سے پہلے شہزادی کے پاس جاکر بڑی بدتمیزی و تمسخر سے کہنے لگا۔ "یہاں کی تنہائی آپ کے لئے موزوں ہوگی اور اپنے پیارے بردیہ اور اُسکی معشوقہ کے تصور کا خوب موقع ملے گا۔ سچ کہتا ہوں میں تو حیران رہ گیا کسی دوسرے کا عشق سنکر میں نے تمہاری طرح آجتک کسی کو ایسا پریشان و مضطرب نہیں دیکھا (قریب آکر خیر خواہی سے) خیر اس میں مضائقہ ہی کیا ہے۔ تم اپنے دل کی بادشاہ ہو۔ اگر کوئی پیغام شہزادہ کو بھیجنا ہے تو یہ غلام حاضر ہے۔ بوگس غریب ولاچار ہے مگر اس معاملہ میں تمہارے لئے جان تک دینے کو تیار ہے تم اُس سے بہت نفرت کرتی تھیں مگر اب وہی تمہارا سچا خیر خواہ ہے۔ تم اُسے ذلیل و حقیر سمجھتی تھیں مگر اب وہی سکینر کے خوبصورت پھول کو گرتا دیکھ کر حسرت و یاس سے ہاتھ ملتا ہے۔ اس کی رائے پر اب بھی کوئی نہ چلیگا تو مصر کی واپسی کجا بابل کی سیاہ مٹی ہی میں اُسے دفن ہونا نصیب ہوگا۔ بوگس پر اب بھی تمہیں اعتبار نہیں تو جاؤ خوش رہو آرام سے سوؤ۔ جو اُسے کہنا تھا کہہ چکا۔ (رونی شکل بناکر) میری پژمردہ و کچلی ہوئی گلاب کی پنکھڑی! میری خوبصورت ناگن میری مارآستین، ہے ہے! تو نے اپنے ہی کو زخمی کر لیا۔ میں کس دل سے تجھے رخصت کروں۔"

شہزادی۔ (مارے غصہ کے آگ بگولا ہوکر) "بدذات و بدتمیز! دور ہو میرے سامنے سے"

خواجہ سرا۔ (ہنس کر) اے ہے اب بھی ایسا دماغ۔ ایسی چراغ پا کیوں ہوتی ہو۔ یہ غلام تن تسلیمیں کر کے آپ کی اس قدر دانی کا شکریہ ادا کرتا ہے۔"

نیتیس "دیکھ تو میں تیری اس بیہودگی و بدتمیزی کی کیسی شکایت کرتی ہوں۔"

بوگس "ہا ہا۔ اب بھی شکوہ و شکایت کا حوصلہ ہے۔ مجھے آپ کی عنایت و کرم سے یہی امید تھی۔"

شہزادی (پیر زمین پر مار کر) "دور ہو بدذات"۔
بوگس: گھبرایئے نہیں میں جاتا ہوں۔ بھلا مجال ہے کہ حضور کے حکم سے سرتابی کرسکوں"۔
نیتیس کے دل میں اب کوئی شبہ نہ رہا۔ وہ بوگس کی طعن آمیز گفتگو سے سمجھ گئی کہ یہ آفت اُسی کی لائی ہوئی ہے۔ یہ خیال آتے ہی وہ کانپ اٹھی اور اُس سے حد درجہ متنفر اور دہشت زدہ ہو کر تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی اپنے کمرہ کی طرف چلی۔ **بوگس** نے چلتے چلاتے ایک آوازہ اور کسا "مغرور حسین شاہزادی۔ اس غریب کو یاد رکھنا کہیں بھول نہ جانا عنقریب ایک اور پُر لطف تماشا ہونے والا ہے جس سے تجھے معلوم ہو جائیگا کہ یہ خاکسار بھی اپنی الفت وجان نثاری کے کیسے عمدہ ثبوت دیسکتا ہے"۔

جیوں ہی شہزادی نظر سے اوجھل ہوئی **بوگس** نے خوب کڑک کے باغ کے پاسبانوں سے کہا "خبردار بہت ہوشیار رہنا۔ میرے سوائے کوئی یہاں نہ آنے پائے حتیٰ کہ بادشاہ کی ماں یا بہن کو بھی اجازت نہیں ہے۔ اور کری **سس** یا موبد اعظم شہزادی سے ملنا چاہیں تو ہرگز انہیں گھسنے نہ دینا۔ سمجھے کہ نہیں۔ میں پھر کہے دیتا ہوں کہ اگر کسی کی عاجزی والتجا یا روپیہ پیسے کے لالچ سے تم نے حکم عدولی کی تو تمہاری جان کی خیر نہیں ہے۔ میری بلا اجازت اب ان باغات میں کوئی پرندہ پر نہ مارنے پائے۔ اچھا میں اب جاتا ہوں اور ہاں (جیب سے چند اشرفیاں نکال کر) یہ تو تمہیں انعام دیتا ہوں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی جتائے دیتا ہوں کہ کسی نے دانستہ یا نادانستہ اپنے کام میں غفلت ولاپرواہی کی تو تمہارا کی قسم اُسے کچا ہی کھا جاؤنگا"۔

پاسبانوں نے نہایت ادب سے سرِتسلیم خم کیا اور سردار خواجہ سرا کو اپنی ہوشیاری ووفاداری کا یقین دلایا۔ وہ بوگس کی طبیعت سے واقف تھے کہ اُسے ہنسی دل لگی کرنے کی عادت نہیں ہے اور نہ اسکی جیب سے بھی اس آسانی سے روپے نکلتے ہیں اس لئے یقیناً کوئی خاص وجہ ہے اور اہم واقعات ظہور میں آنیوالے ہیں۔

جب بوگس مجلس شاہی میں واپس آیا تو بادشاہ کی تمام بیویاں رخصت ہو چکی تھیں اور صرف چند رقاصہ یا مغنیہ عورتیں اپنی اپنی جگہ کھڑی ہوئی مصروف رقص وسرود تھیں مگر لوگوں کے شور وشغب میں انکی آوازیں بالکل سنائی نہ دیتی تھیں۔ اکثر شراب کے نشہ میں بدمست تھے۔ گذشتہ واقعات بھول گئے تھے اور اس طرح زور سے چلا رہے تھے کہ بظاہر شہنشاہ کی موجودگی کا پاس ولحاظ بھی انکے دلوں سے اٹھ گیا تھا۔ کوئی مخمور ومتوالا جھومتا ہوا اپنے دوستوں پر گر رہا تھا۔ کہیں دو فوجی افسر نشے میں چور ایک دوسرے سے بغلگیر ہو رہے تھے۔ کہیں ایک بیہوش امیر کو دو غلام اٹھائے باہر لئے جا رہے تھے کہیں ایک پختہ۔ خرانٹ بادہ کش شراب کے ایک بڑے سے قدحے کو ایک ہی سانس میں غٹ غٹ کر کے اپنی مردانگی کے جوہر دکھا رہا تھا اور اسکے دوست خوشی میں تالیاں بجا کر داد دے رہے تھے۔ مگر ان سب سے بیخبر اور دور میز کے سرے پر کمبوجیہ اپنی کہنیاں ٹیکے بڑی دیر سے خاموش بیٹھا ہوا ابھی تک جام شراب کو تک رہا تھا۔ اسکا چہرہ زرد تھا۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور بردیہ پر کبھی نظر پڑ جاتی تھی تو دانت پیس کر رہ جاتا تھا۔ جتنا وہ سوچتا تھا اسے یقین ہوتا جاتا تھا کہ نیتیتس بڑی فریبی ودغاباز ہے۔ بظاہر تو اس سے محبت کا اظہار کرتی تھی مگر حقیقت میں بردیہ پر جان دیتی تھی۔ اس عورت نے اپنی چالبازی وتصنع سے بڑے شرمناک طریقہ سے اسے دھوکے میں رکھا مگر جب اسے معلوم ہوا کہ اس کا عاشق کسی دوسرے کا دلدادہ ہے تو سب اپنی چالیں بھول گئی۔ اور ایسی متاثر ہوئی کہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔

نیتیتس دعوت کے کمرے سے جب باہر جا رہی تھی تو فدمیا کے باپ اماسس نے بآواز بلند اس پر یہ طعنہ مارا تھا " معلوم ہوتا ہے کہ مصر کی عورتیں اپنے دیوروں کے عشق ومحبت میں بڑی دلچسپی لیا کرتی ہیں۔ ہماری ایرانی خواتین میں بھلا یہ بات کہاں ان بیچاریوں کے لئے تو بس اپنے شوہر کافی ہیں "

کمبوجیہ نے اسے اچھی طرح سنا مگر اس کی غیرت نے تقاضہ نہ کیا کہ کچھ جواب دیتا۔ دوسرے لوگ بھی سرگوشیاں کر رہے تھے انکی طرف سے بھی اس نے اپنے کان بند کر کے ایسی لاپروائی کا اظہار کیا کہ گویا کچھ سنا ہی نہیں لیکن دل کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ رشک و حسد کا ایک عجیب طوفان بپا تھا۔ رفتہ رفتہ بدگمانی درجہ یقین تک پہنچ گئی تھی اور غیظ و غضب کی آگ آہستہ آہستہ بھڑک رہی تھی۔

بالآخر بہت سوچ سمجھ کر اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ بردیہ کا اس میں زیادہ قصور نہیں۔ نتیتیس ہی کی ساری شرارت ہے۔ وہی اسکے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی اور جب اپنی طرف سے لاپرواہ پایا۔ دوسرے کا گرفتار عشق دیکھا تو دل قابو سے باہر ہو گیا کسی کا پاس و لحاظ نہ رہا اور سب کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کر دیا۔

اگر اسے شمہ برابر بھی بھائی پر شبہ ہوتا تو فوراً اسی وقت اسکے قتل کا حکم دیتا۔ مگر وہ بے قصور ہے۔ اس جعل و فریب میں اس کا کوئی حصہ نہیں تاہم یہ تمام مصیبتیں اسی کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔ اس خیال کے آتے ہی بردیہ کی طرف سے جو پرانا بغض و عناد دل میں بھرا تھا پھر عود کر آیا اور یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی پرانا جذبہ واپس آتا ہے تو اسکی شدت میں بھی افزونی ہو جاتی ہے اس نے بڑی دیر تک مختلف پہلوؤں سے اس مسئلہ پر غور کیا مگر سمجھ میں نہ آیا کہ ایسی بے وفا عورت کو کیونکر سزا دینا چاہیے سزائے موت اسے گوارا نہ تھی اور نہ وہ اسے ایسے جرم کے لئے کافی سمجھتا تھا۔ تو کیا بصد ذلت و خواری اسے اپنے ہی وطن واپس کر دیا جائے ؟ یہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ اسے اپنے وطن سے بڑی الفت ہے اور وہاں جائے گی تو والدین ہر طرح کی خاطر و پاسداری کریں گے۔ تو کیا پہلے اسے اپنے سامنے بلا کر اقبال جرم سن لے پھر ایک تنگ و تار قید خانہ میں بند کر دے۔ یا اپنے کسی حرم کو بطور ایک لونڈی یا کنیز حوالہ کر دے یا بوگس کے سپرد کر کے ہمیشہ کے لئے غار مذلت و خواری میں پھینکدے۔ یہی سب سے بہتر تدبیر ہے

ایک بدعہد و بدکار عورت اسی سزا کی مستحق ہے۔ لیکن ... لیکن ... پھر اسکے بعد اس کا کیا حال ہوگا؟ اسکی زندگی کا مزا تو اب جاتا رہا۔ عیش و خوشی ہمیشہ کے لئے خاک میں مل گئے۔ سزا دینا تو آسان ہے مگر خود اپنی سوہان روح کا کیا علاج اپنا درد دل کیونکر جائے یہ دنیا تو اسکے لئے دوزخ سے بدتر ہو جائے گی۔ نہیں۔ یہ سب کمزوری کی باتیں ہیں وہ صبر و استقلال سے کام لیگا۔ اور ان تمام جذبات کو دل سے نکال دینے کی کوشش کریگا۔ اور ہاں پرویہ کی تو اب کبھی صورت نہ دیکھے گا۔ آگ و پانی باہم مل جائیں لیکن ایسے بھائی کی رفاقت اسے منظور نہیں۔ کیا عجب کہ اسکے مرنیکے بعد اسی کمبخت کی اولاد ایک دن صاحب تاج و تخت ہو۔ لیکن ہنوز وہ دن دور ہے اور جبتک وہ زندہ ہے بتا دیگا کہ دولت و حکومت کس کے ہاتھ میں ہے۔ اس خیال نے اپنی طاقت و قدرت کا ایک ایسا زبردست احساس دل میں پیدا کر دیا جس نے دوسرے خیالات کو دہوئیں کی طرح اڑا کر از سر نو اسے بیدار کر دیا۔ اسکی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور اسی جوش و خروش میں اپنے ہاتھ میں جو طلائی جام لئے تھا اس زور سے زمین پر مارا کہ شراب کی بوچھار سے قریب بیٹھے ہوئے لوگ تربتر ہو گئے۔ پھر گرجتی ہوئی آواز میں سب سے خطاب کرکے بولا "خاموش! فضول بک بک اور شور و شغب بند کرو۔ میں تم سے جنگ کے متعلق اب مشورہ لینا چاہتا ہوں اور یہ پوچھتا ہوں کہ قوم ماساجیت کو کیا جواب دیا جائے۔ گستاشپ! تم یہاں سب سے زیادہ بزرگ و دانا ہو اسلئے اپنی رائے کا پہلے اظہار کرو۔

دارا کے معزز پدر نے یہ سنکر اپنی گردن جھکا لی اور بہت غور و فکر کے بعد جواب دیا۔

جہاں پناہ! ان خانہ بدوش سفرا نے ایسی شرائط پیش کی ہیں کہ سوائے جنگ کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ مگر غیر آباد و بنجر میدانوں میں کس سے لڑنے جائیں؟ تاہم ہماری فوجیں اب بالکل تیار و مستعد ہیں اور ہماری تلواریں اتنے عرصہ سے بیکار پڑی ہیں کہ مجھے اندیشہ ہے کہیں زنگ آلود نہ ہو جائیں۔ اس لئے انکی آزمائش کے لئے ایک

مضبوط و طاقتور حریف کی تلاش ضروری ہے۔ اور یہ نہایت آسان بات ہے کیونکہ میری رائے ناقص میں اس دنیا میں اپنا دشمن پیدا کرلینا حکمت عملی کا ایک معمولی سا کرشمہ ہے۔"

یہ سُننا تھا کہ تمام ایرانی سردار جوشِ مسرت کے نعرے مارنے لگے لیکن کریسس نے نہایت متانت و سنجیدگی سے جواب دیا۔

"گستاسپ! میں تم سے عمر میں کچھ کم نہیں ہوں۔ مگر تم ایک سچے ایرانی کی طرح صرف جنگ و جدل ہی میں مسرت و خوشی دیکھتے ہو۔ یہ عصا جو کسی زمانہ میں سپہ سالاری کا نشان تھا اب تمہارے ہاتھ میں عصائے پیری کا کام دیتا ہے لیکن تمہارے جذبات و خیالات میں اب بھی نوجوانی کی گرمی و خوبو پائی جاتی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ دشمن کا ملنا بہت آسان ہے مگر یہ کونسی عقلمندی ہے کہ خواہ مخواہ زبردستی اُسے ڈھونڈا جائے۔ یاد رکھو جو شخص بے سمجھے بوجھے درپئے خصومت و آزار ہوتا ہے وہ اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی مارتا ہے۔ اگر فی الواقعی کوئی دشمن موجود ہے اور ہمارے خلاف منصوبے و ارادے کر رہا ہے تو بیشک اپنی مدافعت کی غرض سے اس پر پہلے حملے کر دیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں لڑائی طرفین کے لئے ایک آفت ہے اور عقلمند وہی شخص ہے جو مصیبت پڑنے پر بہادری سے اُس کا مقابلہ کرے نہ کہ اُسے خواہ مخواہ اپنے سر پر لانے کی آرزو و خواہش رکھے۔

عزیز من۔ بلا کسی وجہ بنی نوع انسان کا خون بہانا میں ایک اخلاقی جرم سمجھتا ہوں اور دیوتاؤں کی ناراضگی کا باعث جانتا ہوں۔ ہمیں ایسی جنگ سے اجتناب کرنا چاہیے اور اپنے موقع کا منتظر رہنا چاہیے۔ یعنی اگر کوئی طاقت ہم پر زیادتی و تشدد کرنا چاہے یا ہماری آزادی کی خواہاں ہو تو ہمارا فرض ہوگا کہ جان توڑ کر لڑیں اور اس خیال کے ساتھ کہ ایک نیک و مبارک کام درپیش ہے میدان جنگ میں قدم رکھیں اور یا تو دشمن کو زیر و زبر کریں یا خود ہی اپنے ملک پر فدا ہو جائیں۔"

یہ تقریر سُن کر صرف چند ہی نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ عام طور پر سب یکزبان

ہو کر یہی چلا رہے تھے۔ "گشتاسپ سچ فرماتے ہیں۔ ہمیں ضرور کسی سے لڑنا چاہیئے"

بعدہٗ پرکزاسپ سفیر الملک کے باری آئی اس نے مسکرا کر کہا "بہتر ہوگا کہ ہم ان دونوں بزرگوں کی رائے پر کاربند ہوں۔ کری سس کی بموجب حریف کو منتظر رہیں لیکن گشتاسپ کا مقصد پورا کرنیکے لئے ایسے زود رنج و سریع الحس بن جائیں کہ جو کوئی بخوشی خاطر اپنے آپ کو ہماری سلطنت کا جزو نہ سمجھے اسے اپنے ملک کا دشمن سمجھیں۔ مثلاً اہل ہند سے دریافت کیا جائے کہ وہ ایران کے مطیع و فرماں بردار ہوتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ اپنی غرور و زعم میں انکار کردیں تو صاف ظاہر ہوگیا کہ انہیں ہم سے الفت نہیں ہے اور ایسی حالت میں خواہ مخواہ وہ ہمارے دشمن خیال کئے جائیں گے"

دوہ یا۔ (باواز بلند) یہ سب فضول ہے ہمیں بہر نوع کسی سے جنگ کرنا چاہیئے"

گادبروا۔ "مجھے کری سس کی رائے زیادہ پسند ہے"

ادتا باز۔ "اور میں بھی اسی کا ہمخیال ہوں"

آریا سپ، انتا فرس و دیگر امراء چلا کے بولے "ہم بھی گشتاسپ کی رائے کو افضل سمجھتے ہیں"

اب سپہ سالار بگا باز یعنی پدر دوہ یا اپنی جگہ سے اٹھا اور میز پر اس زور سے گھونسا مارکر کہ تمام برتن کھڑکھڑانے لگے اور بہت سے جام اوندھے ہو گئے بڑے جوش سے بولا "میری رائے میں بھی **ماساجت** سے لڑنا فضول ہے اس لئے کہ وہ ابھی سے دم دبا کر بھاگنا چاہتے ہیں۔ مگر کسی نہ کسی سے جنگ ضرور ہونا چاہیئے"

موبد اعظم۔ "میں بھی اسکی تاکید کرتا ہوں ان وحشیوں سے جنگ لاحاصل ہے۔ ہرمزد نے اپنا غضب نازل کرکے پہلے ہی ان سے **کورش اعظم** کا بدلہ لے لیا"

اب ہر طرف سے بدمست و مخمور سردار جنگ جنگ کے نعرے بلند کرنے لگے کمبوجیہ جو نہایت خاموشی و اطمینان سے باتیں سن رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر اب

اپنی جگہ سے اُٹھا اور ایک بڑی گرجتی ہوئی آواز سے جو تمام کمرے میں گونج گئی بولا "خاموش! اب کان کھول کر ماہدولت کا ارشاد سُنو" ان الفاظ میں اس غضب کا اثر تھا کہ لوگوں کے دل ہل گئے۔ شرابیوں کا نشہ ہرن ہو گیا اور سب چُپ چاپ فرمان شاہی سُننے کیلئے گوش برآواز ہو گئے۔

شہنشاہ "میں نے تم لوگوں سے صلح و جنگ کا سوال کب کیا تھا؟ مجھے خوب معلوم ہے کہ تم فطرتاً جنگی تکالیف کو امن و امان کی بیکارانہ زندگی پر ترجیح دیتے ہو میں تو تم سے صرف یہ دریافت کرنا چاہتا تھا کہ ماساجیت کو کیا جواب دیا جائے۔ کیا میرے باپ کے خون کا کافی انتقام لیا جا چکا؟ اس پر اکثر نے ہاں مگر بعض نے نہیں کہا۔ کیا ہم انکی شرائط منظور کریں اور اس قوم وحشی کو جسے پوری طور سے سزا مل چکی ہے امان دیدیں؟" سب نے یکزبان ہو کر تائید کی۔

بادشاہ "بس یہی تمہاری زبان سے سننا چاہتا تھا۔ کل کے دن بموجب اپنی قدیم رسم و عادت۔ جو مسئلہ ہم نے بوقت مے نوشی طے کیا ہے اس پر ہوش و حواس کی حالت میں سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کریں گے۔ میں اب رخصت ہوتا ہوں اور صبح تڑکے مرغ سحری کی مبارک[1] بانگ ختم ہوتے ہی تم سے باب پل کے قریب ملونگا اور سیر و شکار کے لئے روانہ ہونگا۔"

---

[1] زمانہ اوستا سے آجتک مرغ (خروس) خانگی کی تعریف میں شعرا رطب اللسان ہیں وہ صبح صادق کے آمد کی خبر دیتا ہے اور لوگوں کو کاروبار کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ قدیم زمانہ میں اُسے پراوش (دد بین) کا لقب دیتے تھے۔ اور سروشا ورنیر العینی نقیب ایزد سروش بھی کہتے تھے۔ اوستا میں بانگ خروس کی اس طرح تاویل کی گئی ہے۔ "بیدار شوید۔ اے مردم۔ وایزد نیکوئی راستائش بکنید۔ وا ہرمن را نفرین نمائید وگرنہ اہرمن خواب را بر شما مسلط سازد و شمار انہ شاید کہ بمکر و اغواے او فریفتہ بشوید۔"

(ایران نامہ)

ہر طرف سے نعرہائے "فتح ونصرت" "شہنشاہ کا بول بالا رہے" بلند ہوئے اور کمبوجیہ دربار سے اُٹھ کر چلا گیا۔

بوگس خواجہ سرا شہنشاہ کے رخصت ہونے سے کچھ دیر قبل چپکے سے کھسک گیا تھا اور باہر جا رہا تھا کہ صحن محل میں ایک لڑکے کو دیکھ کر جو باغات متعلقہ میں کام کیا کرتا تھا ٹھٹک گیا۔

بوگس "تیرا یہاں کیا کام ہے"

لڑکا "میں شہزادہ بردیہ کی تلاش میں ہوں"

بوگس۔ (کان کھڑے کر کے) "کیا تیرے اُستاد مالی نے شہزادہ کے لئے درختوں کی قلمیں یا بیج بھیجے ہیں"

لڑکا۔ (مسکراتے ہوئے گردن ہلا کر) "نہیں"

بوگس۔ (نہایت حیرت زدہ ہو کر) "تو کسی اور نے تجھے بھیجا ہے"

لڑکا "ہاں! اور ہی کوئی ہے"

بوگس۔ (مسکرا کر) "میں سمجھ گیا۔ شہزادی نے اپنے دیور کے لئے کوئی پیغام دے کر تجھے بھیجا ہے"

لڑکا۔ (بھونچکا ہو کر) "تمہیں کیسے معلوم ہو گیا"

بوگس۔ (چمکار کر) "واہ خود شہزادی نے مجھ سے اس کا ذکر کیا تھا۔ لا جو پیغام لایا ہے۔ مجھے دیدے۔ میں شہزادہ کو ڈھونڈھ کر دیدونگا"

لڑکا "میں تو انکے سوائے اور کسی کے ہاتھ میں نہ دونگا"

بوگس۔ (آنکھیں نکال کر) "کیسا بیوقوف ہے۔ لا مجھے دیدے۔ میں اس کام کو تجھ سے اچھی طرح جانتا ہوں"

لڑکا "نہیں میں تو نہیں دیتا"

بوگس (زور سے اس کا ہاتھ پکڑ کر) چپ بدمعاش! دے نہیں تو میں ......"
دونوں ابھی جھگڑ رہے تھے کہ اتنے میں بادشاہ آ پہنچا۔ لڑکا اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگا بوگس نے چلا کر پہرے والوں کو آواز دی کہ اسے پکڑنا جانے نہ دینا۔

کمبوجیہ "یہ کیا معاملہ ہے"

بوگس "حضور والا یہ نالائق بدتمیز لڑکا محل میں بلا اجازت گھس آیا ہے اور میں پوچھتا ہوں تو کہتا ہے کہ خاتون مصر کی طرف سے شہزادہ بردیہ کے لئے ایک پیغام لایا ہے"

یہ سنتے ہی کمبوجیہ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور تمام جسم کانپنے لگا۔ لڑکا جب پکڑ کر سامنے لایا گیا تو گھبرا کر بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا جس نے بڑی تیز نگاہ سے اسکی طرف گھور کر دیکھا پھر خواجہ سرا سے یوں مخاطب ہوا "تجھے کچھ معلوم ہے کہ دختر فرعون کا میرے بھائی سے کیا کام ہے"

بوگس "حضور یہ غلام خود حیران ہے۔ اسی لڑکی کا قول ہے کہ صرف شہزادی کے ہی ہاتھ میں اسے خط دینے کے لئے حکم دیا گیا ہے"

غریب قاصد نے جس کے ہوش و حواس بادشاہ کو دیکھتے ہی غائب ہو گئے تھے۔ اب کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ایک خط اپنی جیب سے نکال کر سامنے پیش کیا کمبوجیہ نے اسے جلدی سے چھین کر پڑھنا چاہا۔ مگر جب یونانی تحریر دیکھی جس سے وہ نابلد تھا تو غصہ سے زمین پر پیر مارنے لگا۔

بادشاہ "(لڑکے کو زور سے جھنجوڑ کر) سچ بتا بدمعاش۔ یہ تجھے کس نے دیا"

لڑکا "(تھر تھر کانپ کر) میری مالکہ کی خواص مندانہ دختر مجوس نے"

کمبوجیہ "میرے بھائی بردیہ کے لئے"

لڑکا "جی حضور! انھوں نے حکم دیا تھا کہ شہزادہ کو وعدت سے پہلے دیدینا اور میری بیوی تشتیس کی طرف سے سلام کہہ کر کہنا ...... (لڑکا اس قدر سہما ہوا تھا کہ بمشکل اسکے

سنہ سے آواز نکلتی تھی) شہزادہ صاحب دعوت سے پہلے حضور کے ساتھ تھے اسلئے مجھے موقعہ نہیں ملا۔ اب میں انکی تلاش میں جا رہا تھا...... (بہت رُک رُک کر) ملکہ سنداننہ نے کہا تھا کہ اس کام کو اچھی طرح انجام دیگا تو ایک اشرفی انعام دونگی۔"

کمبوجیہ۔ (یہ خیال کرکے کہ اُسے دھوکہ دینے کے لئے یہ تدبیر کی گئی تھی۔ گرجتی ہوئی آواز سے) تجھے اس میں ناکامیابی ہوئی! سپاہیو اس بدذات لڑکے کو گرفتار کرلو۔"

غریب لڑکے نے پھر قدموں پر گر کر نہایت منت و سماجت سے رونا شروع کیا۔ لیکن کوڑے بردار چشم زدن میں اُسے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ اور بادشاہ جلدی جلدی قدم رکھتا ہوا اپنی خوابگاہ کی طرف بڑھا۔ بوگس بھی جس کی خوشی کی انتہا نہ تھی پیچھے پیچھے گیا۔

جب بادشاہ کمرہ میں داخل ہوا تو خدام اس کا کپاس اُتارنے آگے بڑھے مگر اسنے جھڑک کر سب کو باہر نکال دیا اور بوگس کو قریب بلا کر آہستہ سے کہا" اب میں تجھے اسوقت سے شہزادی پر محافظ مقرر کرتا ہوں۔ خبردار ہوشیار رہنا۔ اگر بلا میرے علم و اجازت کوئی پیغام یا غیر شخص اس تک پہنچ گیا تو تیری جان کی خیر نہیں ہے۔"

بوگس "لیکن حضور والا۔ اگر ملکہ کا سنداننہ یا شہزادی اتوسا...."

کمبوجیہ" میری طرف سے انہیں کہلا بھیج کہ اگر شاہزادی کو نامہ پیام بھیجنے کی کوشش کی گئی تو مابدولت کی سخت ناراضی کا باعث ہوگا۔"

بوگس۔ (ہاتھ جوڑ کر) جہاں پناہ۔ اگر جان کی امان پاؤں تو ایک التجا کروں۔"

بادشاہ۔ (غصہ سے" میں اس وقت کچھ نہیں سننا چاہتا۔"

بوگس۔ (گڑگڑا کر) میرے آقا۔ میرے مولی مجھ پر رحم کیجئے۔ میں بیمار ہوں۔ کل کسی اور کو باغات کا نگہبان مقرر فرمایئے۔"

بادشاہ۔ نہیں تو ہی اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے۔"

بوگس "حضور مجھے سخت بخار چڑھا ہے۔ آج مجھے تین بار غش کے دورے آئے۔ اگر یہی کیفیت کل بھی رہی اور کوئی شخص اندر۔۔۔۔۔"

کمبوجیہ۔ (جھنجلا کر) تو بتا تیرے بجائے اور دوسرا کون ہے؟

بوگس۔ (جلدی سے) کندلس خواجہ سرا بھروسے و اعتبار کے قابل ہے۔ صرف ایک دن کے لئے وہ میری جگہ کام کرے پھر میں خود اچھا ہو جاؤنگا۔"

کمبوجیہ "خیر کندلس کو میں صرف کل کے لئے مقرر کرتا ہوں اُسے اچھی طرح سمجھا دینا کہ اگر کوئی غفلت یا لاپروائی کی تو فوراً سر قلم کر دیا جائیگا۔"

بوگس۔ (نہایت عاجزی سے ہاتھ جوڑ کر) "جہاں پناہ! اس غلام کی اب ایک عرض اور ہے کل رات باغات معلقہ میں نیلی سوسن کا پھول شگفتہ ہوگا۔ گشتاسپ انتافرس۔ گاوبردا۔ کریسس اور اروپتیس یہ عجیب تماشہ دیکھنے کے ازحد مشتاق ہیں۔ اگر مناسب رائے عالی ہو تو چند لمحوں کے لئے ان امیروں کو باغ میں آنے کی اجازت دیدی جائے میں کندلس کو سمجھا دونگا کہ کسی کو شہزادی کے پاس نہ جانے دے۔

کمبوجیہ "کندلس اپنی جان عزیز رکھتا ہے تو ذرا آنکھیں کھول کر نگہبانی کرے جا! اب تو میرے سامنے سے دور ہو۔"

بوگس نہایت ادب سے سر جھکا کر باہر نکل گیا۔ یہاں اس نے اپنے غلاموں مشعل برداروں کو بلا تکلف اشرفیاں تقسیم کرنا شروع کیں۔ اس کا دل مارے خوشی کے بانسوں اچھل رہا تھا۔ اسکی تمام تدبیریں و چالیں نہایت خوبی کے ساتھ کامیاب ہونے والی تھیں اور نتیتس کی قسمت کا فیصلہ ایک امر طے شدہ معلوم ہوتا تھا علاوہ بریں اس کا سب سے بڑا رقیب دشمن یعنی کندلس بھی عنقریب اس کے جال میں پھنس کر اپنی حرکتوں کا مزہ چکھنے والا تھا۔

کمبوجیہ نے باقی ماندہ رات نہایت بے چینی و اضطراب میں ٹہلتے ہوئے گذاری۔ بالآخر اُس نے یہی ٹھان لیا کہ نلتتیس کو پہلے اپنے سامنے بُلا کر اُسی کی زبان سے اقبال جرم سُنے گا پھر مجوزہ سزا کا عمل درآمد کریگا۔ اور پرو پیہ کو جسے مصر جانے کی اجازت وہ دے ہی چکا ہے۔ واپس آنیکے بعد کسی دور دراز صوبہ کا حاکم بنا کر ہمیشہ کے لئے اُسے دربار سے نکال دے گا۔ بھائی کو وہ اب بھی بے قصور سمجھتا تھا۔ تاہم وہ اپنی طبیعت سے بھی بخوبی واقف تھا کہ اگر وہ آنکھوں کے سامنے رہا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی دن غصہ سے بے قابو ہو کر اسکی زبان سے کوئی ایسا حکم نکل جائے کہ بعدہٗ پچھتانا پڑے۔

طلوع آفتاب سے دو گھنٹہ بعد ایرانی سواروں کا ایک بہت بڑا گروہ۔ تیر و تبر نیزے و کمند وغیرہ سے مسلح بابل کے اس عظیم الشان شکارگاہ[۵] کی طرف جا رہا تھا جہاں پہلے ہی جانوروں کو گھیرنے و پکڑنے کا پورا سامان تھا کئی ہزار تازی کتے اور بکثرت ہوشیار خادم موجود تھے۔ یہی وہ شاہی خدم و حشم تھا جس میں زیادہ تر امرائے ہنحامنش شامل تھے۔ مگر شہنشاہ تن تنہا سب سے آگے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سرپٹ اڑا ہوا چلا جا رہا تھا۔

[۵] شاہان ایران زمانہ قدیم سے سیر و شکار کے بڑے شائق تھے۔ اکثر اپنے امراء و مصاحبین کو لیکر بڑے خدم و حشم کے ساتھ صیدگاہوں کو روانہ ہوتے تھے۔ بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوتا تھا۔ یا ساسانیوں کے زمانہ میں کبھی ہاتھی پر بیٹھتا تھا۔ شکاری کتے۔ چیتے و باز وغیرہ ساتھ ہوتے اور تفریح طبع کے لئے مغنیوں و مطربوں کے طائفے بھی ہمراہ ہوتے تھے۔ شیر کا شکار زمین پر کھڑے ہو کر تلوار یا بھالوں سے ہوتا تھا۔ خونخوار چیتوں پر دور سے تیر برسائے جاتے تھے۔ ارنا بھینسا جنگلی سور بارہ سنگھے اور ریچھ وغیرہ کو قریب سے مارا جاتا تھا۔ اور ہرن و گورخر کا تعاقب تیز رفتار گھوڑوں پر کیا جاتا تھا۔ علاوہ عام جنگلوں کے بادشاہوں کی خاص شکارگاہیں بھی تھیں جنھیں فردوس کہتے تھے۔ یہاں مختلف جانور شیر۔ چیتے و ہرن وغیرہ محفوظ رکھے جاتے تھے۔ علاوہ بریں پرندوں کا شکار۔ شاہین۔ باز و شکرے وغیرہ سے ہوتا تھا جسکے انتظام کے لئے ایک خاص افسر یعنی شاہ بین مقرر تھا۔ (رالنس۔ وغیرہ)

باب اٹھارواں

بردیہ کی گرفتاری

شکار ختم ہوگیا۔ واپسی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ بہت سی گاڑیوں میں بکثرت جانور لدے ہوئے آئے جن میں زیادہ تر بنڈیلے سور تھے جنہیں کمبوجیہ نے خود اپنے ہاتھ سے مارا تھا۔ بابل میں واپس آنیکے بعد امراسب سے پہلے محل شاہی کے پھاٹک پر جمع ہوئے پھر ایک دوسرے کو الوداع کہہ کر اپنے اپنے گھر سدھارے۔ وہاں آتے ہی اپنے چرمی شکاری کپڑے اُتار کر نہانے دھونے میں مصروف ہوئے پھر زرق برق پوشاکیں پہن کر دربار کیلئے تیار ہوگئے۔

دوران شکار میں کوئی نیا واقعہ ظہور میں نہیں آیا سوائے اسکے کہ بادشاہ نہایت افسردہ خاطر تھا۔ خصوصاً اپنے بھائی سے بہت کھچا کھچا رہا۔ ایک بار اتفاقیہ جب وہ سامنے آگیا تو بمشکل اپنے جذبات ضبط کرکے اس نے رکھائی سے حکم دیا کہ اب جلد مصر جانے کی تیاری کرے۔ باختر۔ راغہ اور سائی نوپ کی آمدنی اسکے اخراجات کیلئے کافی ہوگی اور بعد از شادی ایک اور بڑا شہر اسکی بیوی کو بخشدیا جائیگا۔ بردیہ نے بھائی کی اس بخشش وفیاضی کا شکریہ ادا کرنا چاہا۔ مگر وہ جلدی سے منہ پھیر کر دوسری طرف چلا گیا اور اپنے امیروں سے گورخر کے شکار کے متعلق گفتگو میں مشغول ہوگیا۔

مراجعت کے دوسرے دن ہمارے نوجوان ہیرو نے ایک بہت بڑی الوداعی دعوت دی اور اس میں اپنے خاص خاص احباب مثلاً کریسس۔ دارا۔ ددیہا۔ گنجیس کو مدعو کیا۔ کریسس نے کہلا بھیجا کہ وہ کچھ دیر سے آئیگا کیونکہ آج رات

اس کا ارادہ ہے کہ باغ معلقہ میں نیلی سوسن کی شگفتگی کا تماشہ دیکھے۔

کرہی سس نے علی الصباح منتیس سے ملنے کی کوشش کی تھی مگر پہرے والوں نے اُسے روک دیا تھا اب اُسے امید تھی کہ شاید اس بہانے سے اُسے کامیابی ہو جائے اور اُس سے پوچھے کہ آخر دعوت میں اسکے عجیب برتاؤ کا کیا سبب تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں کوئی غلط فہمی نہ ہوئی ہو جو شاہزادی کے آفت و وبال کا باعث ہو۔

شام کا سہانا وقت تھا۔ شاہی باغ کے ایک خوشنما کنج میں جہاں فوارے اچھل رہے تھے محفل عیش وطرب منعقد تھی۔ بردیہ اور اُسکے دوست جمع تھے۔ باہم ہنسی مذاق ہو رہا تھا اور شہزادہ کو اُس کی آیندہ ہونے والی شادی کی مبارکبادیں دی جا رہی تھیں۔

آریاسپ۔ (ایک معمر امیر جو کورش اعظم کے مصاحبین میں تھا۔ جام شراب چڑھا کر) بردیہ تم بڑے خوش نصیب ہو مصر جنت نشان اپنی حور تمثال معشوقہ کو لینے جا رہے ہو مجھ غریب کو دیکھو کہ ابھی تک شادی وکتخدائی کی لذتوں سے ناواقف ہوں۔ مر جاؤں گا تو میری لاش پر کوئی رونے والا تک نہ ہوگا۔ اور نہ کوئی اولاد دعائے خیر سے مجھے یاد کریگی"

ددہ یا۔ (جام شراب منہ تک لیجا کر)"آپ ناحق یہ اندیشہ کرتے ہیں۔ سچ کہتا ہوں کہ شادی کے بعد حقیقت معلوم ہوتی ہے اور روزانہ کم از کم ایک بار تو اپنے کئے کو پچھتانا پڑتا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ اپنی عقلمندی پر افسوس کرتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ عورت کا انتخاب ایسا ہی مشکل ہے جیسا ایک بادام کا چھلکا دیکھ کر کوئی اسکے اندر کا حال دریافت کر سکے۔ صرف اسے توڑنے کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ میٹھا ہے یا کڑوا یا بالکل مغز سے خالی ہے۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے جو کافی وسیع ہے کیونکہ ابھی میری عمر بائیس برس کی بھی نہیں لیکن پانچ بیویاں کر چکا ہوں اور بہت سی لونڈیوں باندیوں کو گنتا نہیں جن میں خوبصورت بدصورت ہر طرح کی شامل ہیں"

آریاسپ نے یہ سنکر اپنے دوست کو بغور دیکھا اور اسکے ہونٹوں پر ایک تلخ آمیز مسکراہٹ سی پائی گئی۔

گیجیس :- آپ کو اب بھی شادی کرنے سے کون بات مانع ہوسکتی ہے ؟ گو آپ ساٹھ کے قریب ہیں۔ تاہم بہت سے نوجوان آپ کے رنگ روپ۔ شجاعت و طاقت کے سامنے مات ہیں۔ آپ کے لئے زروجواہر کی بھی کمی نہیں۔ ہمارے شہنشاہ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ اگر چاہتے تو اب تک بیس پچیس خوبصورت و نوجوان بیویاں کر سکتے تھے "

آریاسپ۔ (مسکراکر) "میاں لڑکے پہلے اپنی خبر لو۔ تیس برس کے ہوگئے اور ابھی تک بن بیاہے ہو "

گیجیس۔ (آہ سرد بھر کر) میں تو مجبور ہوں مجھے تو ایک آرکل (الہامی قول) نے شادی سے منع کر دیا ہے "

آریاسپ۔ (منہ بناکر) آرکل! کیا بے عقلی کی بات کہتے ہو۔ مجھے حیرت ہے کہ تم ایسا سمجھدار شخص وہم پرست ہو اور ان فضولیات پر اعتقاد رکھے۔ آیندہ کی باتیں تو صرف عالم رویا ہی میں ظاہر ہوسکتی ہیں۔ میں تو سمجھتا تھا کہ اپنے باپ کا واقعہ یاد کرکے کہ یونانی پروہتوں نے انہیں کیسا دھوکہ دیا تھا۔ تمہیں ایک اچھا سبق مل گیا ہوگا "

گیجیس :- افسوس ہے کہ آپ ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے "

آریاسپ :- اور نہ انکے سمجھنے کی آرزو رکھتا ہوں۔ تم ایسے وہمی و قیانوسی لوگ آرکل کو اس لیے سچا جانتے ہیں کہ اسکے سمجھنے سے معذور رہیں۔ اور جو بات تمہاری عقل میں نہیں آتی اسے معجزہ یا کرامت سے تعبیر کرکے فوراً ایمان لے آتے ہو۔ اور اپنے عینی مشاہدات کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ آرکل ہی تمہارے باپ کو پہلے دھوکہ دے چکا ہے۔ اور انکی تباہی کا باعث ہوا ہے مگر تم پر اب بھی اس قدر اس کا اثر باقی ہے کہ

اپنی زندگی کے تمام عیش و راحت کو قربان کئے بیٹھے ہو۔"

گیجیس "معاف کیجئے۔ میں آپ کے ان کلمات کو کفر والحاد سے کم نہیں سمجھتا۔ دیوتاؤں کی پیشین گوئی کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ یہ ہمارا قصور ہے ہم نہ سمجھ سکیں تو انہیں الزام نہیں دیں گے۔"

آریاسپ "بیشک وہی قابل الزام ہیں۔ اگر ہمارے سچے ہمدرد و بہی خواہ ہوتے تو اپنی مبہم باتوں کے سمجھنے کی عقل بھی دیتے۔"

دارا "کہاں کی یہ فضول بحث نکالی ہے۔ آریاسپ آپ اپنا حال کچھ بتائیے کہ اب تک اپنے دین و مذہب کے خلاف کیوں عمل کرتے رہے۔ کیوں محفلوں مجلسوں میں لوگ آپ پر طعنہ زن ہوتے ہیں۔ عورتیں منہ بناتی ہیں مگر آپ خاموش کچھ جواب نہیں دیتے۔ اور ہر دولہا و نوشہ کو بڑی گرمجوشی سے مبارک باد دینے کو تیار ہو جاتے ہیں مگر خود ہمیشہ شادی سے جان چراتے ہیں۔"

آریاسپ آنکھیں نیچی کر کے کسی سوچ میں پڑ گیا پھر سر ہلا کر ایک گھونٹ شراب پی اور کہنے لگا "دوستو! یہ ایک راز ہے جسے فی الحال میں کسی سے نہیں کہہ سکتا۔"

دارا "نہیں آپ کو قسم ہے ضرور بتائیے۔ ہم سب آپ سے سننے کے بہت مشتاق ہیں۔"

آریاسپ "عزیزو! مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری آرزو پوری نہیں کر سکتا۔ مجھ سے اب زیادہ اصرار نہ کرو (بردیہ کی طرف دیکھ کر) خوش نصیب بردیہ! میں یہ جام تمہاری

لہ آرین یونانی مورخ لکھتا ہے کہ ایران میں شادی کی رسوم بڑی دھوم سے ہوتی تھیں شادی کے دن دولہا دو بھوکا رہتا تھا۔ وقت شب اسے اونٹ و بیل کی ہڈی کا گودا کھانے کو دیا جاتا اور جب سب مہمان دعوت کے بعد رخصت ہو جاتے تو وہ اپنے حجرہ میں جاتا جہاں کچھ دیر بعد دلہن داخل ہوتی۔ جسے دیکھتے ہی وہ اٹھ کر خوش آمدید کہتا اور اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھاتا جسے دلہن بوسہ دیکر بیٹھ جاتی ساسانیوں کے زمانہ میں شادی کی متعدد قسمیں ہو گئی تھیں نئی نئی رسومات رائج تھیں جن کا بیان اس ناول سے تعلق نہیں رکھتا۔ (دالتس وغیرہ)

خوبصورت ویرہی جمال سافو کی صحت کا پیتا ہوں۔ (کچھ دیر بعد دارا کی طرف اشارہ کرکے)
اور یہ دوسرا۔ اپنے عزیز از جان دارا کی کتخدائی و خانہ آبادی کے لئے اٹھاتا ہوں"
بردیہ۔ (اپنا جام بھر کر جوش مسرت سے) "میں آپ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں"
دارا۔ (زمین کی طرف دیکھ کر۔ بیدلی سے) "آپ کے خلوص و محبت کا میں بھی مشکور ہوں"
آریاسپ۔ (حیرت سے) "ہیں! پسر گستاشپ! اسکے کیا معنی کہ تم اپنی شادی کا نام سنتے ہی ایسے افسردہ ہو گئے۔ کیا دختر گاوسروا تمام ایرانی لڑکیوں میں سوائے شہزادی اتوسا کے سب سے زیادہ حسین و ممتاز نہیں"
دارا۔ (ناک بھوں چڑھا کر) کیوں نہیں؟ مجھے کب انکار ہے"
آریاسپ۔ (مسکرا کر) پھر تمہیں کس بات کا رنج ہے؟ اور اس کشیدگی کا سبب؟
دارا نے ایک آہ سرد بھری اور کچھ جواب نہ دیا۔
آریاسپ۔ (گردن ہلا کر) "آپ کا تو عجب حال ہے۔ اہا! اب میں سمجھا۔ میاں صاحبزادے تم ضرور کسی دوسرے کے عشق میں مبتلا ہو۔ اگر یہ میرا قیاس غلط نکلے تو اپنا نام بدل ڈالوں"
ددہ یار "عجب تماشا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سب کی عقل چرنے گئی ہے۔ ایک صاحب خود تو بلا وجہ تجرد کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ مگر اوروں کی شادی نہ کرنے پر آوازے کستے ہیں۔ دوسرے کو آرکل نے ایسا ڈرادیا ہے کہ شادی کے نام سے گھبراتا ہے۔ اور ہمارے جناب بردیہ ایک ہی پرفتون و قانع ہیں۔ اب رہے دارا انہوں نے تو بیاہ کے نام سنتے ہی ایسی صورت بنائی گویا ابھی کسی کے جنازہ کے ساتھ ہو کر آئے ہیں مجھے سخت حیرت ہے کیونکہ ہمارے معزز گستاسپ نے جس لڑکی سے انکی نسبت ٹھیرائی ہے وہ اپنے حسن و جمال میں یکتائے روزگار ہے"
آریاسپ (چلا کر) واقعی سچ کہتے ہو۔ یہی تو مجھے بھی حیرت ہے۔ دارا! تم واقعی بڑے

ناشکرے ہو۔"

دارا کو اپنے دوستوں کی یہ چھیڑ چھاڑ و مذاق زیادہ پسند نہ آیا۔ بردیہ نے فوراً اُسے محسوس کیا اور بڑی محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔ "دارا اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے مجھے خود افسوس ہے کہ تمہاری شادی کی شرکت سے محروم رہونگا۔ امید ہے کہ میرے واپس آنے تک تمہاری یہ اُداسی و مردہ دلی دور ہو جائے گی۔"

دارا۔ "زمنہ بناکر" مجھے اس میں شک ہے۔ کیا عجب کہ آپ کی واپسی تک کئی ایک بیویاں میرے حرم میں موجود ہوں۔"

دڈہ یا۔ "ہرمزد ایسا کرے۔ میں تو بہت خوش ہونگا۔ اگر ہم سب گیجیس آریاسپ کی پیروی کریں تو یقیناً خاندان ہخامنش کا جلد خاتمہ ہو جائے۔ (بردیہ سے) تمہاری بھی غلطی ہے کہ صرف ایک بیوی پر قناعت کرتے ہو۔ اگر اپنے لئے نہیں تو قوم و نسل کا تو خیال کرتے اور کم از کم تین بیویاں ایک ساتھ گھر لاتے۔"

بردیہ۔ "مجھے یہ رسم پسند نہیں۔ اس سے ہم اخلاقاً عورتوں کی نظر میں گر جاتے ہیں۔ یہ کون طریقہ انصاف ہے کہ جن سے ہم عفت و وفا کی خواہش رکھیں انہیں کے سامنے اپنی ایک ایسی مثال قایم کریں جو بالکل برعکس ہو۔ اور آج ایک کل دوسری عورت لاکر ہمیشہ کے لئے انکے سچے جذبات کا خون کریں۔"

دڈہ یا۔ "آپ کا یہ خیال بالکل فضول و بے معنی ہے۔ یقین جانئے میں اپنی زبان کاٹ ڈالوں مگر جھوٹ نہ بولوں گا تاہم یہ کہتا ہوں کہ عورت ذات فطرتاً بڑی چالاک و دھوکہ باز ہے اس کے ساتھ اسی قسم کا سلوک جائز و روا ہے۔"

بردیہ۔ "یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ یونانی عورتوں کو دیکھئے کیسی باشعور و وفا کیش ہیں۔ وجہ یہ کہ انکے ساتھ مختلف برتاؤ کیا جاتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جیسا کسی کے ساتھ طریقہ اختیار کیا جائے گا ویسا ہی وہ نکلے گا مجھے بخوبی یاد ہے کہ سافو نے ایک یونانی عورت کا

ذکر کیا تھا۔ جس کا نام پنلپی[1] تھا۔ اور جو باوجودیکہ ہزاروں لوگ اسکے ساتھ عقد کی خواہش و آرزو میں رہے لیکن وہ بیس برس تک اپنے شوہر کے انتظار میں صبر و شکر کئے بیٹھی رہی"

وودہ یا۔ (زور سے ہنس کر) "میری بیویوں میں سے وہ ہوتی تو ایک دن بھی انتظار نہ کرتی اور میں بھی اتنے عرصہ کے بعد واپس آکر گھر خالی پاتا تو سچ تو یہ ہے کہ دل میں بہت خوش ہوتا کہ اچھا ہوا ایسی عورت سے جو ابتک بڑھیا ہوگئی ہوگی نجات ملی۔ بعدہٗ نئی نویلی پری رخوں سے اپنا محل بساتا۔ مگر ہمارے یہاں یہ ناممکن ہے کیونکہ ہماری غریب عورتوں کو مردوں سے ملنے کی اجازت نہیں اس لئے کیا کریں بے یار و مددگار سے ایک پرلپی خاوند ہی بھلا"

آریاسپ "تمہاری بیویاں یہ باتیں سُن پائیں تو کیا کریں"

وودہ یا۔ (خوفزدہ ہوکر) "کیا کریں؟ فوراً میرے خلاف اعلان جنگ کردیں۔ یا اس سے بھی بدتر کہ آپس میں صلح کرلیں"

آریاسپ "یہ کس طرح"

وودہ یا "کس طرح اس سے معلوم ہوا کہ آپ حد درجہ بھولے و ناتجربہ کار ہیں"

---

[1] یونانی مذہبی افسانوں میں ذکر ہے کہ پی نلوپی۔ آڈی سیوس کی بیوی تھی۔ اسکے باپ کا نام آئی کے ریس تھا اور ماں ایک سمندر کی پری تھی جس کا نام پری بوا تھا۔ جنگ ٹرائی کے زمانہ میں جب اس کا شوہر جنگ پر گیا ہوا تھا تو اتھاکا (مقام) اور قرب وجوار کے جزائر کے امیر امرا اسے تصرف میں لانا چاہتے تھے۔ مگر یہ اپنی ہوشیاری سے ٹالتی رہی حتی کہ جنگ ختم ہوگئی اور اس کا شوہر آگیا اور اسکے بہکانے والوں کو قتل کردیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسکی شوہر کی غیر حاضری کے زمانہ میں ایک شخص ہرمیز سے اس کے ایک لڑکا پین پیدا ہوا تھا۔ جب آڈی سیوس واپس ہوا تو اس نے اپنی بیوی کی غداری کا حال معلوم کرکے اسے طلاق دیدی۔ جسکے بعد وہ اسپارٹا چلی گئی وہاں سے منٹی نیا چلی گئی اور وہیں مرگئی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آڈی سیوس اور سرسی کے لڑکے ٹلی گونس نے جب اپنے باپ کو قتل کردیا تو پھر پی نلوپی نے اس سے شادی کرلی اور اسکے ساتھ جزیرہ ایلا یا جزائر بلسٹ میں قیام اختیار کیا۔ ۱۲ (انسائیکلوپیڈیا)

آریاسپ "بجا و درست۔ تو پھر آپ ہی مجھے اپنے غیر معمولی تجربہ سے آگاہ فرمائیے۔"

دُدہ یا۔ بخوشی۔ میں تیار ہوں۔ سُنئے۔ پانچ چڑیاں اپنے گھونسلے میں آرام سے رہ سکتی ہیں لیکن پانچ بیویاں ایک ساتھ بسر نہیں کر سکتیں۔ میرے یہاں یہ کیفیت کسی قدر مبالغہ کے ساتھ پائی جاتی ہے اور رات دن ایسی چخ چخ بک بک رہتی ہے کہ خدا کی پناہ۔ میں چونکہ اب عادی ہو گیا ہوں اس لئے کچھ پرواہ نہیں کرتا بلکہ انہیں لڑتا دیکھ کر مجھے لطف آتا ہے۔ اب سُنئے۔ سال بھر کا عرصہ ہوا کہ ایک دن سب نے آپس میں صلح کر لی بس غضب ہو گیا۔ میری زندگی میں اس دن سے بدتر شاید ہی کوئی دوسرا دن ہوگا۔"

آریاسپ "تم مذاق کرتے ہو۔"

دُدہ یا "نہیں میں سچ عرض کرتا ہوں۔ ذرا سُنئے تو سہی۔ سبب یہ ہوا کہ ایک میرے کمبخت خواجہ سرا نے ایک بوڑھے جوہری کو محل کے اندر آنے کی اجازت دیدی بس کیا تھا سب بیویاں اس پر ٹوٹ پڑیں اور ہر اک نے اپنے لئے ایک ایک زیور پسند کیا میں نے جب مکان میں قدم رکھا تو پہلے تو ایک مٹکتی ہوئی آئی اور بڑی لجاجت سے زیور کے لئے روپیہ مانگنے لگی۔ میں نے صاف انکار کر دیا کیونکہ وہ بہت گراں تھا۔ بعدہٗ یکے بعد دیگرے باقی ماندہ بھی آئیں اور وہی سوال کیا میں نے بھی ویسا ہی ٹکا سا جواب دیا پھر غصہ میں جھنجلایا ہوا باہر چلا گیا جب واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سب بیویاں اپنے بال کھولے ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالے رو رہی ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی ایک ساتھ کھڑی ہو گئیں اور ایسی بے نقط سُنائی کہ میں دم دبا کر بھاگا۔ اب رات کا وقت آیا۔ میں نے خوابگاہ کا ارادہ کیا تو پانچوں دروازے بند تھے۔ دوسرے دن پھر وہی آہ و زاری پھر وہی صلواتیں طعن و تشنے شروع ہوئے تو میرے لئے سوائے اسکے اور کوئی چارہ نہ رہا کہ گھر چھوڑ کر بادشاہ کے ساتھ شکار کھیلنے نکل جاؤں۔ لیکن آخر کب تک باہر رہتا۔ جب شکار سے واپس آیا تو بہت تھکا ماندہ بھوکا پیاسا اور سردی کے مارے ٹھٹھر رہا تھا

کیونکہ وہ زمانہ موسم بہار کا تھا اور ہم اکبا تان میں تھے جہاں کوہ الوند کی چوٹیاں برف سے
ڈھکی رہتی ہیں۔ غرضکہ جب گھر میں داخل ہوا تو وہاں نہ کوئی چراغ تھا نہ آتشدان۔ نہ کھانے
پینے کو کچھ میسر۔ ان کمبختوں نے میرے خلاف سازش کر کے سب آتشدان بجھا دیئے تھے
اور بکاول کو بھی منع کر دیا تھا کہ کھانا وغیرہ نہ پکائے۔ کیا عرض کروں مجھے کس قدر تکلیف
ہوئی۔ دانت کچکچا کر رہ گیا اور اس پر طرہ یہ کہ انہوں نے زیور بھی ہضم کر لئے اور جوہری کو میرے
پیچھے لگا دیا۔ یہ بدمعاش ابھی میں نے نوکروں کو مار پیٹ کر مشکل سے کھانا تیار کرایا تھا کہ
میرے سر پر آموجود ہوا اور اپنے روپیہ کا تقاضہ کرنے لگا۔ میں نے اسے ایک چپت رسید
کی اور گھر سے نکال دیا۔ مگر اب سوؤں تو کہاں سوؤں۔ سب طرف کے دروازے بند
القصہ بڑی بے چینی سے وہ رات کٹی اور صبح اٹھتے ہی میں نے اپنی حرکت پر توبہ کی۔
جوہری کو اسکے دام دے اور بیویوں کو ہاتھ جوڑ کر منایا۔ اس دن سے مجھے ایسا سبق
حاصل ہوا ہے کہ کبھی نہ بھولونگا۔ اور انکے اتحاد و یکجہتی سے ایسا خائف رہتا ہوں کہ شاید
بھوت پریت سے بھی نہ ڈرتا ہوں۔ میرے لئے انکی نا اتفاقی ہی میں خیریت ہے اسی
کو اپنی نجات کا باعث سمجھتا ہوں اور جب آپس میں انہیں لڑتے جھگڑتے دیکھتا ہوں تو
مارے خوشی کے پھولوں نہیں سماتا۔"

بردیہ۔ (ہنس کر) "واقعی تمہاری حالت قابل رحم ہے۔"

دوہ یا۔ "قابل رحم! واہ یہ خوب کہی۔ میں آپ سب سے زیادہ مزے میں ہوں۔ میری
بیویاں اپنے حسن و جمال و ناز و انداز میں کسی سے کم نہیں اور مجھے خوش رکھتی ہیں۔
اب رہا آیندہ کا خیال تو جب انکا حسن ڈھلنے لگے گا۔ دوسروں کی تلاش کرونگا جو پرانی
عمر رسیدہ بیویوں کے سامنے اور بھی زیادہ دلفریب معلوم ہونگی .... ارے غلام
شمع حاضر کر۔ سورج اب غروب ہو گیا۔ اندھیرے میں مے نوشی کا کچھ لطف نہیں آتا۔"
اتنے میں دارا اٹھ کر باہر چلا گیا اور کہنے لگا "ذرا سننا! بلبل کس مزے سے گا رہی ہے۔"

آریاسپ ۔ (چلاکر) متھرا کی قسم اسپر گشتاسپ! تم ضرور کسی کے عشق میں مبتلا ہو۔ جو شخص مئے ارغوانی کے مزے چھوڑ کر بلبل کا نغمہ سننے باہر جائے اسکے دل پر ضرور حضرت عشق کا تیر لگا ہے (گردن ہلاکر) اگر اس میں سرمو فرق ہو تو میرا نام نہ رکھنا۔"

بردیہ ؎ آپ صحیح فرماتے ہیں۔ یونانیوں کی زبان میں ہماری بلبل کا نام فلومل ہے اور بقول انکے وہ کسی کی شیدا و متوالی ہے اور نغمہ سرائی کرکے اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتی ہے۔ ہر ملک والے بلبل کو عشق و محبت کا پرند کہتے ہیں (دارا سے مخاطب ہوکر) اگر آپ اُسے سننے نہیں گئے تھے تو بھلا بتلائیے کیوں ایسی جلدی بھاگ کر باہر چلے گئے"۔

دارا ؎ "تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے نجم شناسی کا بھی شوق ہے۔ آج ستارہ تیشتار اس آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوا ہے کہ میں آپ لوگوں کی صحبت چھوڑکر اُسے دیکھنے باہر چلا گیا اب رہی بلبل وہ بھی اتفاق سے اس وقت گا رہی تھی۔ تو کیا میں اپنے کان بند کرلیتا۔"

آریاسپ ۔ (ہنس کر) "نہیں بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے یہ تو آپ کی اس محویت اور اس جوش و وجد کے ساتھ تعریف کرنے ہی سے معلوم ہو گیا تھا۔"

دارا ۔ (جھلاکر) "مجھے یہ مذاق پسند نہیں"

آریاسپ ؎ "عجب نادان لڑکے ہو! اب تو واقعی تمہارا راز اور بھی افشا ہو گیا۔ اگر عاشق نہ ہوتے تو میرے اس کہنے کا بُرا نہ مانتے۔ اور بجائے خفا ہونیکے قہقہہ مارتے۔ لیکن خیر میں اب تنگ نہ کرونگا۔ بھلا بتاؤ تو ستاروں کو دیکھ کر کیا معلوم ہوا؟"

یہ سنتے ہی دارا نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔ اور ایک نحیف ستارہ مندل کو جو افق پر نمودار ہوا تھا بڑے غور سے دیکھنے لگا۔ دڈہ یا اسکے چہرہ کو کسی قدر سنجیدہ دیکھ کر بولا "اس وقت کوئی اہم معاملہ درپیش ہے۔ دارا! ذرا بتاؤ تو کہ آسمان پر کیا ہو رہا ہے؟"

دارا ۔ (رکتی ہوئی زبان سے) "کچھ اچھے آثار نہیں۔ (بردیہ سے) بردیہ! میں تم سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں"

بردیہ "کیوں آخر اسکی کیا ضرورت۔ یہاں سب اپنے ہی دوست ہیں جن سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ کہو کیا کہتے ہو"

دارا "تاہم"

بردیہ "فرمائیے۔ میں سننے کے لئے تیار ہوں"

دارا "نہیں یہاں نہیں۔ معاف کرنا۔ میں تمہیں تنہا اپنے ساتھ باغ میں لیجانا چاہتا ہوں"

بردیہ اپنے مہمانوں کی طرف ایک معنی خیز نگاہ سے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور دارا کے گلے میں ہاتھ ڈال کر چمن کی طرف نکل گیا جب دونوں کچھ دور پہنچ گئے تو سپر گستاشپ نے اپنے پیارے عزیز دوست کا ہاتھ پکڑ کر بڑی گرمجوشی سے کہا

"بردیہ! میں نے آج متواتر تین بار افلاک میں ایسی نشانیاں دیکھی ہیں۔ جو تمہارے حق میں نہایت مضر ہیں۔ ایک منحوس ستارہ تمہارے مبارک سیارہ کے اس قدر قریب آرہا ہے کہ معمولی نجوم جاننے والا بھی اسے دیکھ کر فوراً کہدیگا عنقریب تم پر کوئی آفت آنے والی ہے۔ اس لئے برادرمن میں تم سے بڑی منت سے کہتا ہوں کہ فوراً مصر روانہ ہوجاؤ کیونکہ ستاروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ آفت دور دراز ملک میں نہیں بلکہ یہیں آنے والی ہے"

بردیہ۔ (حیران ہوکر) "کیا واقعی تم نجوم کو سچا جانتے ہو اور ستاروں کی پیشین گوئی پر اس قدر اعتماد رکھتے ہو"

دارا "ہاں مجھے پورا یقین ہے کہ ستارے کبھی دھوکا نہیں دیتے"

بردیہ "اگر ایسا ہے تو انکی پیشین گوئی ایک امر ناگزیر ہے۔ اس سے بھاگنا فضول ہے"

دارا۔ "یہ صحیح ہے کہ کوئی اپنی قسمت سے بھاگ کر بچ نہیں سکتا۔ مگر تقدیر کی مثال ایک بڑے باز استاد کی طرح ہے جو ان چیلوں وشاگردوں کو زیادہ پسند کرتا ہے جو اسکے سامنے دم نہ ماریں اور بہادری سے مقابلہ کریں۔ بردیہ! یہ آسمانی راز ہیں۔ تم انہیں نہیں

سمجھ سکتے۔ میرا کہنا مانو اور فوراً اس ملک کو چھوڑ دو۔"

بردیہ" یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ابھی تو مجھے والدہ و ہمشیرہ سے رخصت ہونا باقی ہے۔"

دارا" کسی دوسرے کے ذریعہ انہیں پیغام پہنچا دو۔ یا کری سس جا کر سمجھا دیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ہرگز برا نہ مانیں گی۔"

بردیہ۔" وہ مجھے اپنے دل میں بزدل و کمزور تصور کریں گی۔"

دارا" یہ تمہاری سخت غلط فہمی ہے۔ انسان کے سامنے سے بھاگنا تو بیشک شرمناک ہے۔ مگر طالع بد سے بچنے کی کوشش کرنا عاقلوں کا کام ہے۔"

بردیہ" تم خود اپنے قول کی تردید کر رہے ہو۔ بھلا بتاؤ کہ بڑے باز استاد اپنے اس شاگرد پر خوش ہوگا جو اسکے سامنے سے بھاگ جائے۔"

دارا" کیوں نہیں۔ وہ ضرور کہے گا کہ دیکھو کیسا ہوشیار و چالاک تھا کہ اپنے سے زیادہ طاقتور کو دیکھکر کنا ئی کاٹ گیا۔"

بردیہ" مگر وہ زبردست طاقت اسے چھوڑے گی کب؟ بالآخر پکڑ پائے گی اور دبوچ کر مسل ڈالے گی۔ تم خود ہی کہتے ہو کہ تقدیر کا لکھا مٹ نہیں سکتا تو پھر میرے بھاگنے سے کیا فائدہ۔ اگر میری کوئی ڈاڑھ درد دے تو فوراً اکھاڑ کر پھینک دوں۔ یہ عورتوں و بزدلوں کا کام ہے کہ ڈر کے مارے ہفتوں منہ پکڑے بیٹھے رہیں اور بڑی تکلیفیں سہہ کر آخر جھک مار کر وہی دانت اکھڑوائیں۔ میں بہادری کے ساتھ خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں بلکہ چاہتا ہوں کہ جلد سامنے آجائے تاکہ جلد نجات ملے۔ اور جو کچھ ہونا ہے ابھی ہو جائے۔"

دارا" (مایوس ہوکر) تم بڑی نادانی کرتے ہو۔ میرا کہنا نہیں مانتے اور اسکی اہمیت کو نہیں سمجھتے"

بردیہ" تو کیا تمہیں میری جان کا خوف ہے۔"

دارا۔ نہیں۔"

بردیہ۔ تو پھر صاف صاف کیوں نہیں کہتے۔ آخر کیا بات ہے؟"

دارا :- سیئیز کا مصری پروہت تمہیں یاد ہوگا وہ اپنے علم میں ایسا استاد ہے کہ آجتک میں نے اس کا کوئی ہمسر نہیں دیکھا۔ میں نے نجوم کو اسی سے سیکھا تھا۔ اور جو کچھ مجھے حاصل ہوا ہے وہ اُسی کا طفیل ہے۔ ایک دن اُس نے تمہارا زائچہ نکالا اور مجھ سے بلا کر کہا کہ بردیہ کو سمجھا دینا ہوشیار رہے اُسے بڑے بڑے خطروں کا سامنا ہونے والا ہے "

بردیہ :- " تم نے پہلے ہی اس کا ذکر مجھ سے کیوں نہیں کر دیا "

دارا ۔ تمہیں قبل از وقت خوفزدہ کرنا میں نے مناسب نہ سمجھا۔ لیکن اب آگاہ و خبردار کرتا ہوں کیونکہ تمہارا طالع بد بہت قریب آ پہنچا "

بردیہ ۔ میں تمہارا بہت ممنون و مشکور ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آیندہ ہوشیاری و احتیاط سے کام لونگا۔ سچ تو یہ کہ مجھے ان باتوں کی مطلق پرواہ نہ ہوتی مگر اب ایک دوسرے کا خیال دامنگیر ہے جس کی خاطر میں اپنے آپ کو فضول خطروں میں ڈالنا پسند نہیں کرتا "

دارا :- ہاں بیشک۔ اب حالت دگرگوں ہے۔ میں بھی کچھ آپ کے ان جذبات کو بخوبی سمجھ سکتا ہوں "

بردیہ ۔ (حیرت زدہ) تم ! اور میرے جذبات۔ کیا درحقیقت آریاسپ کا خیال صحیح ہے دیکھو اب مجھ سے راز دل نہ چھپانا "

دارا ۔ (رکتی ہوئی زبان سے) " وہ محض ایک خواب و خیال ہے۔ ایک امید موہوم ہے "

بردیہ :- کیوں ؟ کس لئے ؟ بھلا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ تم کسی پر عاشق ہو اور وہ تمہارے جذبات کی پرواہ نہ کرے "

دارا :- پرواہ نہ کرے ! یہ کون کہتا ہے ؟ "

بردیہ :- میں ابھی سمجھا نہیں تو کیا اسکے سامنے جاتے ہوئے ڈرتے ہو یا اُسے دیکھتے ہی قوتِ گویائی سلب ہو جاتی ہے۔ (مسکرا کر) واہ ! واہ ! ایسا جری شکاری۔ ایسا بہادر و سورما جس کا ایران میں کوئی ثانی نہ ہو اور یہ حالت میں کس طرح یقین کروں "

دارا " بردیہ مجھے تم پر اپنے باپ سے بھی زیادہ اعتبار و بھروسہ ہے۔ اگر اجازت دو تو راز دل کہہ سناؤں "

بردیہ " کہو۔ میں بڑی بے چینی سے سننے کا مشتاق ہوں "

دارا " آنکھیں نیچی کر کے " میں تمہاری بہن کورش اعظم کی پری جمال دختر اتوسا پر عاشق ہوں "

بردیہ کچھ دیر تک سکتہ کے عالم میں خاموش کھڑا رہا پھر اپنے عزیز دوست کا ہاتھ پکڑ کر بڑی محبت و گرمجوشی سے بولا:۔

" میرے کان دھوکا تو نہیں دیتے ہیں کیا واقعی تمہیں اتوسا سے الفت ہے ؟ (آسمان کی طرف دیکھ کر) اے زمین و آسمان کے مالک ! میں کہاں تک تیرا شکریہ ادا کروں اے پاک امشا پسند[1] ! گواہ رہنا۔ اور اس مبارک خبر کو صحیح کرنا۔ دارا ! اب آج سے

---

[1] ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مذہب زردشت کے اعتقاد کے موافق توام قوتیں اس دنیا پر ہمیشہ اپنا عمل کر رہی ہیں۔ نیکی و بدی میں برابر جنگ جاری ہے۔ ہرمزد اہرمن کی جد و جہد کا سلسلہ نامتناہی ہے۔ اول الذکر کی امداد کے لئے دیگر ایزدان ذی وقار ہیں جو اسکے زیر حکم ہر وقت حاضر ہیں۔ ان میں متھرا کا مرتبہ سب سے بڑا ہے۔ پھر سروش ہے جو ہرمزد کا خاص پیغامبر فرشتہ ہے اور اسکی افواج ملکوتی کا افسر اعلیٰ ہے وہی انسانکے پاس اپنے آقا کی گوناگوں نعمتیں لایا کرتا ہے۔ اسی نے موسیقی ایجاد کی اور رسم دریافت کیا اور بعد مردن وہی ارواح نیک کو تخت ہرمزد کے سامنے لیجاتا ہے۔ اسکے نیچے کام کرنے والے فرشتگان و یاد (ہوا)۔ ایریاتم شادی بیاہ رچانے والا اور تستریا (شعرا) ہیں جو خشک سالی کے اوپر غالب ہو کر مینہ برساتا ہے۔ علاوہ ہریں ہرمزد کے چھ مشیر خاص ہیں جو ہمیشہ اسکے تخت کے گرد موجود رہتے ہیں۔ (در حقیقت صفات ذات باری سے مراد ہو گی) انکا نام امشا پسند ہے۔ پہلا بہمن جو ہرمزد کا وزیر اعظم ہے اور زراعت و مولیشی کی خبر گیری کرتا ہے دوسرا اردی بہشت یہ انوار و تجلیات آسمانی کا محافظ ہے اور نار مقدس آتش کو قایم رکھتا ہے تیسرا شہر دریہ زر و جواہر مال و دولت کو تقسیم کرتا ہے چوتھا اسفندار یہ نیکی کی دیوی ہے اور بنجر زمینوں کو سر سبز و شاداب رکھتی ہے

مجھے تمہارے ستاروں سے بالکل خوف نہ رہا۔ بجائے مصیبت و آفت لانیکے انہوں نے میرا دل ایسی خوشی و مسرت سے بھر دیا کہ بیان سے باہر ہے۔ آؤ! میں تمہیں اپنے سینہ سے لگالوں اور تمہارے عشق و محبت کی پوری داستان سنوں تاکہ میری مدد سے جو بات تم امید موہوم سمجھتے ہو۔ شاید جامہ اصلیت پہن کر پردہ ظہور میں آجائے۔"

دارا: "اہرمزد ایسا کرے۔ اب سنئے میرا واقعہ یہ ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ مصر روانہ ہونے سے پہلے ہم سب دربار شاہی کے ساتھ اکباتان سے شوسا گئے تھے۔ میں قشون جاودانی کے اس دستہ کا جسکے سپرد شاہی حرم کی حفاظت تھی سردار تھا۔ اثنائے راہ میں ہم کوہ الوند کے ایک درہ سے ہوکر گذر رہے تھے کہ اتفاقاً جس گاڑی میں تمہاری والدہ و بہن سوار تھیں اسکے گھوڑے ٹھوکر کھا کر نیچے گر پڑے اور اسکا جوا دھرے سے علیحدہ ہوکر گاڑی کا باقی ماندہ حصہ ایک عمیق غار کی طرف جھک گیا اور جبتک ہمیں خبر ہو اور گھوڑے تیز کرکے نزدیک پہنچیں۔ نظروں سے غائب ہوگیا۔ میں یہ دیکھ کر سخت پریشان ہوا اور سوچنے لگا کہ اب شاید گاڑی پرزے پرزے ہوگئی ہوگی اور جو لوگ اس میں بیٹھے تھے ان کی ہڈیاں بھی نظر نہ آئیں گی۔ لیکن غار کے کنارے کھڑے ہوکر جو دیکھتا ہوں تو حکمت ایزدی کا ایک عجیب کرشمہ نظر آیا۔ گاڑی جسکے پہیئے وغیرہ سب ٹوٹ گئے تھے صنوبر کے دو تناور درختوں میں الجھ کر رہ گئی تھی اور انکی مضبوط شاخوں نے اسے سنبھال کر اُلٹنے نہ دیا تھا۔ میں نے یہ حال دیکھا تو فی الفور گھوڑے سے کود کر بلا سوچے سمجھے ایک درخت کے سہارے غار میں اترنا شروع کیا۔ تمہاری ماں و بہن نے مجھے دیکھتے ہی مدد کے لئے اپنے ہاتھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) پانچواں خورداد۔ یہ نباتات کی روئیدگی کے لئے دریاؤں کا پانی بہاتا ہے۔ چھٹا امرداد جو باغوں و چراگاہوں کا محافظ ہے اور درختوں کو سرسبز و بار دار کرتا ہے۔

اہرمن کی مجلس یا کونسل میں بھی چھ مشیر ہیں جو اسکے حریف کے چھ مشیروں سے مقابلہ کرتے ہیں۔ انہیں سے ایک کا نام اندر ہے جو آریائی ہند کے دیوتا اندر سے بالکل مختلف معلوم ہوتا ہے۔ (برالنس وغیرہ)

پھیلا دیئے اور چلّا چلّا کر رونے لگیں۔ انکی حالت واقعی نہایت خطرناک تھی کیونکہ گاڑی کی تمام کیل پرزے ڈھیلے ہو گئے تھے اور ہر لحظہ اندیشہ تھا کہ باقی ماندہ ڈھانچہ بھی ٹوٹ گیا تو پھر کچھ سہارا نہ رہے گا اور یقیناً سب نیچے گر پڑیں گے جہاں پہاڑ کی کھوہیں بڑے بڑے مہیب و ڈراونے دیو اپنے منہ کھولے ہوئے ایک لحظہ بھر میں انہیں لقمہ کر جائیں گے۔

غرضکہ میں شاخوں کو پکڑے پکڑے جب بمشکل تمام گاڑی کے پاس پہنچا تو تمہاری بہن نے نگاہ اُٹھا کر ایک عجب امید و بیم منت و عاجزی سے میری طرف دیکھا۔ بس وہی نگاہ تھی جو میرے دل کے پار ہو گئی اور ہمیشہ کے لئے مجھے گھائل کر گئی۔ لیکن اس وقت میں اسے نہ سمجھ سکا کیونکہ سوائے انہیں بچا نیکے اور کوئی خیال میرے دل میں نہ تھا۔ اب میں نے دیکھا کہ گاڑی کا تختہ ڈگمگا رہا ہے اور عورتیں گرنے ہی والی ہیں بس تنہ درخت سے ٹیک لگا کر چشم زدن میں میں نے دونوں کو پکڑ لیا مجھے اپنی قوت بازو پر ناز ہے مگر اس وقت انہیں اور اپنے تئیں سنبھالنا معمولی کام نہ تھا۔ میرا بدن پسینہ پسینہ ہو گیا۔ ہاتھ کانپنے لگے۔ میں ڈرا کہ اب گرا اور دونوں کو لیکر خود بھی کھڈ کے اندر غائب ہو گیا کہ اتنے میں کسی نے اوپر سے ایک رسّی پھینکی۔ التوسا میری گردن میں لپٹی ہوئی تھی۔ اور میں بائیں ہاتھ سے ملکہ کو تھامے تھا۔ اب صرف داہنا ہاتھ خالی تھا جس سے میں نے بدقت اپنی کمر میں رسّی باندھی اور اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔ جسے سُنتے ہی انہوں نے جلدی سے ہمیں اوپر کھینچ لیا اس طرح ہماری جانیں بچ گئیں۔ اور میں ہرمزد کا بے انتہا شکر بجا لایا۔ پھر ایک پروہت نے میرے زخموں پر پٹی باندھی۔ بعدہٗ بادشاہ نے اپنے سامنے طلب کیا اور بہت خوش ہو کر اپنے گلے کی طلائی زنجیر اور ایک صوبہ کا خراج انعام میں بخشا۔ کچھ دیر بعد ملکہ کاسندانہ نے بھی مجھے اپنے روبرو بلایا اور بڑی محبت سے میری پیشانی کا بوسہ لیکر تمام بیش بہا جواہرات جو وہ اسوقت پہنے تھیں مجھے عطا فرمائے اور کہا کہ تمہاری آئندہ بیوی کے لئے دیتی ہوں شہزادی التوسا بھی اس وقت اپنی والدہ کے پاس بیٹھی تھیں مجھے دیکھتے ہی کھڑی ہو گئیں

اور اپنی حسب عادت بڑی گرمجوشی سے میری پیشانی کا بوسہ لیکر اپنی ایک انگوٹھی اتار کر خود اپنے ہاتھ سے میری انگلی میں پہنادی۔ اس وقت میرے دل کی عجب حالت ہوگئی مارے خوشی کے بلّیوں اچھل رہا تھا اور میں خیال کرتا تھا کہ زندگی میں اس سے زیادہ مبارک و مسرت خیز کوئی دن نہ آئیگا۔ اس واقع کے بعد پھر کبھی مجھے شہزادی سے ملنے کا اتفاق نہ ہوا۔ البتہ گذشتہ سالگرہ کے موقعہ پر اتفاق سے ہم دونوں آمنے سامنے بٹھائے گئے اور جیوں ہی میری آنکھیں اُنسے دوچار ہوئیں میں تمام دنیا ومافیہا بھول گیا۔ اور یہ معلوم کر کے ازحد خوش ہوا کہ انکے دل سے بھی پُرانی یاد بالکل محو نہیں ہوئی ہے۔

ملکہ کا ستدانہ ......"

پردیپ" دارا! میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ والدہ مکرمہ بخوشی تمہیں اپنی فرزندی میں قبول فرمالیں گی۔ تمہارے والد بھی شہنشاہ سے عرض کر سکتے ہیں۔ وہ ہمارے چچا ہیں۔ اور کورش اعظم کی دختر کو اپنے پسر کے لئے پورے دعوے کے ساتھ مانگ سکتے ہیں"

دارا" تم شاید اپنے والد مکرم کا خواب بھول گئے۔ مجھے خیال ہے کہ کمبوجیہ کے دل سے وہ ابھی تک محو نہیں ہوا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ کبھی کبھی مجھے شک و شبہ کی نگاہوں سے دیکھتا ہے اور اب معلوم نہیں کہ راضی ہو کہ نہ ہو"

پردیپ" وہ محض ایک خواب تھا۔ اور عرصہ کی بات ہوگئی۔ سب لوگ بھول گئے ہونگے۔ مجھے تمہارے کہنے سے اب یاد آیا کہ والد نے مبشیک اپنی وفات سے کچھ دن پہلے ایک رات یہ خواب دیکھا تھا کہ تمہارے مونڈھوں پر دو پر نمودار ہوئے ہیں۔ اسکی تعبیر بعض جاہلوں نے یہ بتائی کہ تم ایک دن اسکی سلطنت پر قابض ہونے کی کوشش کروگے۔ بھائی کے دل میں یہ بات ضرور ایک عرصہ تک کھٹکتی رہی لیکن جب تم نے ہماری ماں وبہن کو موت کے پنجے سے چھڑایا تو کرسیس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ وہ پیشین گوئی اب پوری ہوگئی کیونکہ سوائے ایک پر دار عقاب یعنی دارا کے کون ایسے

خطرناک مقام پر جانے کی جرات کر سکتا ہے۔"
دارا۔ کری سس نے بیشک اس طرح سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن مجھے خیال ہے کہ بادشاہ کو انکی یہ تقریر زیادہ پسند نہ آئی۔ وہ سوائے اپنے اور کسی کو عقاب سے تشبیہ دینا پسند نہیں کرتے کریسس واقعی دلیر ہیں کہ کمبوجیہ کی بیجا تعریف نہیں کرتے۔"
بردیہ "کری سس معلوم نہیں اس وقت کہاں ہیں۔ انہوں نے تو میری دعوت میں شامل ہونے کا وعدہ کیا تھا لیکن ابھی تک نہیں آئے۔"
دارا "شاید باغات معلقہ میں ہونگے۔ یا دربار سے ابھی تک فرصت نہ ملی ہوگی۔"
دوہ یا " (بآواز بلند) یہ کونسی انسانیت ہے کہ ہمیں تو دعوت میں بلایا اور خود تم دونوں علیحدہ بیٹھ کر خفیہ باتیں و مشورے کر رہے ہو۔"
بردیہ "معاف کرنا۔ ہم سے بیشک خطا ہوئی۔ اب فوراً واپس آتے ہیں (دارا کا ہاتھ محبت سے دبا کر اسکے کان میں) تمہارا حال سنکر مجھے اس قدر خوشی ہے کہ خواہ کوئی مصیبت پیش آئے۔ لیکن پرسوں سے پہلے تو سفر کو روانہ ہوتا نہیں۔ کل جا کر والدہ کا عندیہ دریافت کرونگا اور جبتک تمہاری کامیابی کی صورت نظر نہ آئے گی یہاں سے نہ جاؤں گا۔"
یہ کہہ کر بردیہ تو اندر چلا آیا۔ مگر دارا باہر ہی کھڑا ہوا افلاک کا بغور مشاہدہ کرتا رہا۔ اب اسکے چہرہ پر رنج و محن کے آثار پیدا تھے خصوصاً جب ستارۂ قستر غروب ہو گیا تو اس نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر بڑے افسوس سے کہا "آہ! میرے غریب بردیہ! تیری مصیبت کے دن آگئے۔"
اب دوستوں نے آواز دی کہ اندر آؤ۔ وہ لوٹنے والا ہی تھا کہ اتنے میں ایک نیا ستارہ افق پر نمودار ہوا جس پر نگاہ پڑتے ہی دارا کی افسردہ دلی یکایک خوشی و انبساط سے بدل گئی اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہنے لگا "دارا! کیا درحقیقت

تمہارے شانوں پر پر نکلنے والے ہیں۔ یہ عجیب و غریب ستارہ تو بڑی امیدیں دلاتا ہے۔"
پھر کچھ سوچتا و مسکراتا ہوا احباب کی مجلس میں چلا گیا۔
کچھ دیر بعد کریسس بھی سامنے سے آتا ہوا نظر آیا۔ اسے دیکھتے ہی سب مہمان استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ اس وقت چاندنی رات تھی۔ نووارد کی نگاہ جیونہی بردیہ پر پڑی اسکے حیرت و استعجاب کی انتہا نہ رہی اور ایک سکتہ کے عالم میں جہاں کھڑا تھا وہیں رہ گیا۔
گیجیس۔ (اپنے باپ کا ہاتھ پکڑ کر۔ پریشان لہجہ میں) "ابا جان! خیریت تو ہے۔"
کریسس۔ (رکتی ہوئی دبی آواز سے) ہاں۔ ذرا ٹھیرو۔ ہٹ تو جاؤ (بردیہ کے پاس آکر اُسکے کان میں) بدنصیب لڑکے! تو ابھی تک یہاں موجود ہے! اب تاخیر کا موقعہ نہیں جلدی بھاگ۔ کوڑے بردار تیری گرفتاری کے لئے آنے ہی والے ہیں۔ ذرا بھی دیر کی تو جان کی خیر نہیں۔"
بردیہ (کچھ نہ سمجھ کر) "ہیں آپ کیا فرماتے ......"
کریسس (خشم آلود و غمگین لہجہ سے) آہ بردیہ! تو نے آج نہ صرف اپنے بھائی کی عزت کو خاک میں ملا دیا بلکہ ایسے جرم کا مرتکب ہوا جس کی مجھے امید نہ تھی۔"
بردیہ "(انتہائے حیرت سے) "جناب یہ آپ کیا کہتے ہیں؟ اور کیسے مجرم ٹھیراتے ہیں۔"
کریسس "(منہ بنا کر) کیا کہتا ہوں؟ زیادہ گفتگو کا وقت نہیں۔ اب جلد بھاگ اور کہیں روپوش ہو جا۔ شاید یہ ممکن ہو کہ دختر فرعون سے ملنے کی بُرے ارادے سے نہ گئے ہو۔ تاہم اپنے بھائی کی طبیعت سے واقف تھے۔ پھر جان بوجھ کر آگ میں کیوں کودے۔"
بردیہ۔ "میری سمجھ میں ابھی تک نہیں آیا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"
کریسس "میں کہہ چکا کہ اب بات چیت کا موقع نہیں۔ خدا کے لئے جلد بھاگو۔

کمبوجیہ کے دل میں ہمیشہ تمہاری طرف سے بغض وحسد تھا اور تم جانتے تھے کہ اُسے اپنی منگیتر سے کتنی محبت ہے۔ پھر اس سے خفیہ طور سے ملنے باغ میں جانا.....“

بردیہ ”آپ مجھے ناحق الزام دیتے ہیں۔ جب سے نتیتس یہاں آئی ہیں۔ میں نے ایک دن بھی باغات معلقہ میں قدم رکھا ہو تو......“

کریسس۔ (جھنجلاکر) ”اب جھوٹ بولکر ایک دوسرے گناہ کے مرتکب ہوتے ہو۔ میں نے.....“

بردیہ ”میں قسم کھاتا ہوں کہ.......“

کریسس ”ایسی قسم کھاؤ کہ کوئی اس کا یقین بھی کر سکے۔ دیکھو میں پھر کہتا ہوں سپاہی اب آنے ہی والے ہیں۔ بھاگو جان بچانا ہو تو دیر نہ کرو“

بردیہ ”میں بیگناہ ہوں۔ کیوں بھاگوں۔ اپنی بات پر قایم رہونگا“

کریسس ”نادان لڑکے! تجھے شاید خبر نہیں کہ خود میں نے اور گشتاسپ اور دیگر امرائے سلطنت نے ابھی ایک گھنٹہ بھی نہیں گذرا کہ تجھے باغات معلقہ میں دیکھا تھا“

ابتک بردیہ کریسس کا مطلب بالکل نہیں سمجھ سکا تھا لیکن یہ آخری جملہ سُنتے ہی اس نے اپنے دوستوں کی طرف اشارہ کرکے کہا

”بھائیو! کریسس فرماتے ہیں کہ ابھی ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا کہ انہوں نے اور دیگر معزز امرا نے مجھے باغات معلقہ میں دیکھا تھا مگر آپ سب شاہد ہیں کہ سر شام سے میں یہیں ہوں اور ایک لحظہ کے لئے بھی کہیں باہر نکل کر نہیں گیا۔ معزز کریسس کو میں کیسے جھوٹا کہہ سکوں لیکن یہ ضرور عرض کرونگا کہ انہیں کوئی سخت غلط فہمی ہوئی ہے اور شاید کسی دیو خبیث نے انہیں دہوکہ میں ڈال دیا ہے“

گیجیس۔ ”پیارے باپ۔ میں قسم کھاکے کہتا ہوں کہ بردیہ بڑی دیر سے ہم سب کے ساتھ اسی باغ میں موجود ہیں اور کہیں باہر نہیں گئے“

آریاسپ۔ دارا۔ ودہ یا۔ (یکزبان ہوکر) "ہم بھی سب قسم کھاکر اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔"

کری سس (نوجوانوں کو یکے بعد دیگرے ملامت آمیز نگاہ سے دیکھ کر خشمگین آواز سے) معلوم ہوتا ہے کہ تم سب نے میرے خلاف سازش کرلی ہے اور مجھے دھوکہ دینا چاہتے ہو۔ کیا یہ سمجھتے ہو کہ میں اندھا یا پاگل ہوں؟ تم لوگوں کی شہادت کیا معزز گستاشپ گاوبروا۔ انتافرنس اور موبدِ اعظم کے سامنے کچھ وقعت رکھ سکتی ہے؟ میں جانتا ہوں کہ تم اپنے دوست کی اس حرکت ناشائستہ کو اپنی محبت والفت کی وجہ سے چھپانا چاہتے ہو۔ مگر افسوس کہ یہ سب بے سود ہے اور اسے اس سنگین جرم سے بری نہیں کرسکتی۔"

معمر آریاسپ۔ (بآواز بلند پرجوش لہجہ سے) میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ بردیہ بڑی دیر سے ہمارے ساتھ ہیں اور کہیں باہر نہیں گئے۔ اگر جھوٹ بولتا ہوں تو اہرمن کی لعنت مجھ پر۔ اور میں تباہ وغارت ہو جاؤں۔"

گیجیس:۔ "اگر میں بھی دروغ گو ہوں۔ تو آپ کی فرزندی سے خارج ہو جاؤں۔"

دارا۔ "اے پاک وسچے ستارو! ....."

بردیہ۔ (دارا کا قطع کلام کرکے اور دوسرے دوستوں کو بھی جو زور سے چلّا رہے تھے اشارہ سے خاموش کرکے) میں دیکھتا ہوں کہ شاہی سپاہیوں کا ایک دستہ میری گرفتاری کے لئے سامنے آرہا ہے میں بیگناہ ہوں اور ہرگز بھاگنا نہیں چاہتا ورنہ اور بھی موردِ الزام ٹھہرایا جاؤنگا۔ البتہ آپ سے کری سس آخری بار اس قدر اور عرض کرتا ہوں کہ مجھے اپنے پدر بزرگوار کی روح پاک۔ اپنی پیاری ماں کی اندھی آنکھوں اور آفتاب کے نور تاباں کی قسم۔ اگر ایک حرف بھی میں آپ سے جھوٹ بولا ہوں یا آپ کو کسی طرح دھوکہ دینے کی کوشش کی ہو۔"

کری بس (کسی قدر نادم ہوکر) حیرت ہے! میری آنکھوں نے آجتک مجھے ایسا دہوکہ نہیں
دیا اور تم یہ کہتے ہو! بہرحال جو کچھ بھی تم نے کیا میں اُسے معلوم کرنا نہیں چاہتا لیکن صرف
تمہاری محبت اس وقت مجھے مجبور کررہی ہے اور پھر کہتا ہوں کہ خدا کے لئے جلد بھاگو۔ کمبوجیہ
کے مزاج سے واقف ہو۔ اب بھی وقت ہے۔ میری گاڑی باہر موجود ہے سوار ہوکر
گھوڑوں کی راسیں چھوڑ دو کسی طرح یہاں سے تو نکل جاؤ۔ میں دیکھتا ہوں کہ سپاہی اب
آگئے ہیں مگر وہ خوب جانتے ہیں کہ کس کی جان معرض خطر میں ہے اور حتی المقدور
اتنی تاخیر کریں گے کہ تمہیں بھاگنے کا موقعہ مل جائیگا (قریب آکر بڑی منت سے) دیکھو بردیہ!
میرا کہنا مان لو۔ جلدی جاؤ۔ اب دیر نہ کرو“

دارا۔ (نہایت التجا و اصرار سے) ”ہاں بردیہ! جان بچانے کی اب یہ ہی صورت ہے۔
جاؤ۔ جاؤ۔ میں تو پہلے ہی آسمانی پیشین گوئی سے آگاہ کرچکا تھا مگر تم نے نہ مانا“

سب دوست اب بیتاب ہوکر بردیہ کو مجبور کرنے لگے مگر اُس نے نہ مانا اور اپنا
سر ہلا کر بڑے استقلال سے کہنے لگا ”میں آج تک کبھی نہیں بھاگا ہوں۔ اور نہ اب
ایسا کرونگا۔ موت بزدلی سے بدرجہا بہتر ہے۔ ظلم و ستم برداشت کرونگا مگر ذلت و
خواری مجھے منظور نہیں“

اتنے عرصہ میں سپاہی بھی آگئے بردیہ نے انکے افسر کی طرف دیکھکر کہا ”خوش آمدید
بِلشن تم مجھے گرفتار کرنے آئے ہونا؟ ذرا ٹھہر جاؤ۔ میں اپنے دوستوں سے رخصت
ہولوں“ بِلشن کورش اعظم کے زمانہ کا ایک معزز فوجی افسر تھا۔ اسی نے بردیہ کو
سب سے پہلے فن سپہ گری کا سبق دیا تھا اور اپنے بچوں سے بھی زیادہ اُس سے محبت
کرتا تھا اسوقت اسکی آنکھوں میں آنسو بھرے تھے۔ زبان میں لکنت تھی اور بمشکل یہ الفاظ
ادا ہوسکے ”پیارے شہزادے! میں کیا کہوں کہ اس وقت میرے دل پر کیا گذر رہی
ہے۔ تمہیں اپنے دوستوں سے بھی رخصت ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ بادشاہ کا

حکم ہے کہ انہیں بھی گرفتار کر لیا جائے۔ (قریب آکر آہستہ سے) شہنشاہ اس وقت مارے غصہ کے آپے سے باہر ہیں اور تمہاری جان کی خیر نہیں معلوم ہوتی (بردیہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر) بیٹا! میں تمہارے باپ کا پرانا نمک خوار ہوں اور تم پر ہاتھ ڈالنا گناہ سمجھتا ہوں۔ اب جلد اپنی جان بچانے کی تدبیر کرو۔ مجھے اپنے سپاہیوں پر پورا بھروسہ ہے میں اُن سے کہدونگا تو ہرگز وہ تمہارا تعاقب نہ کریں گے۔ میرا کچھ خیال نہ کرو۔ میں اب بوڑھا و عمر رسیدہ ہوں۔ اگر تمہارے بجائے قتل ہو جاؤنگا تو ایران کو کچھ زیادہ صدمہ نہ پہنچیگا

بردیہ۔ (معمر سردار کا ہاتھ بڑی محبت سے دبا کر) "بس! تم میرے سچے ہمدرد و بہی خواہ ہو۔ میں تمہارا کھانا تک شکریہ ادا کر دں۔ لیکن مجھے یہ منظور نہیں کہ تمہیں اپنی وجہ سے کسی مصیبت میں ڈالوں میں بیگناہ ہوں اور جانتا ہوں کہ بھائی کمبوجیہ گو مغضوب الغضب ہیں مگر ناانصاف نہیں ہیں۔ (دوستوں سے خطاب کر کے) آؤ! بھائیو۔ اب شہنشاہ کے پاس چلیں دیکھیں ہماری قسمت کا کیا فیصلہ ہوتا ہے"

باب اُنیسواںؔ

سزائے موت

دو گھنٹہ بعد بردیہ اور اُسکے رفقا دربار شاہی میں حاضر کئے گئے۔ کمبوجیہ ایک طلائی تخت پر فروکش تھا۔ اس کا چہرہ زرد۔ آنکھیں دھنسی ہوئی اور حالت بالکل متغیر تھی۔ اسکی پشت پر کئی حکیم و طبیب اپنے ہاتھوں میں مختلف ظروف و آلات لئے کھڑے تھے۔ کیونکہ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ مرگی یا صرع کا ایک سخت دورہ اُسے

اٹھا تھا۔ اس دل و دماغ پراگندہ کرنے والی بیماری سے جب سے تلتیش ایران آئی وہ محفوظ رہا تھا لیکن آج کچھ ایسے غیر معمولی اسباب بہم ہو گئے کہ یہ پرانا مرض پھر عود کر آیا۔ جس سے کچھ دیر تک وہ بیہوش رہا اور ابھی پوری طور سے افاقہ پذیر نہ ہوا تھا کہ بردیہ لایا گیا۔ اگر وہ چند گھنٹے قبل آتا تو یقیناً اپنے ہاتھ سے فوراً اُسے قتل کر دیتا۔ مگر اب بیماری کی کمزوری نے غصہ اس قدر کم کر دیا کہ وہ مجرموں کی سماعت کے قابل ہو سکتا تھا۔

تخت کے داہنی جانب۔ گادبروا۔ گستاشپ۔ انتافرنس۔ اروسپتس وکریسس مؤدبانہ استادہ تھے اور انکے پیچھے سردار خواجہ سرا بوگس بھی کھڑا ہوا دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ بائیں جانب ملزم تھے جن میں صرف بردیہ کے ہاتھوں میں بھاری بھاری ہتھکڑیاں تھیں۔ باقی ماندہ صرف پہرہ والوں کی حراست میں تھے۔ انکے علاوہ تمام دربار ہال کئی سو امراء و عمائدین سلطنت سے بھرا ہوا تھا۔ جو اپنے ہاتھ باندھے خائف و خاموش نظر آتے تھے۔

کچھ دیر سکوت کے بعد کمبوجیہ نے آنکھیں اُٹھا کر مقید شہزادے کی طرف بڑے غیظ و غضب سے دیکھا اور اُروسپتس سے مخاطب ہو کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا:۔

"مُوبد اعظم! تیرا کیا فتویٰ ہے؟ جو شخص اپنے بھائی کو دغا دے۔ اپنے بادشاہ کی عزت و آبرو لے۔ اور اپنی زبان و قلب دروغگوئی سے سیاہ کرے۔ اُسے کیا سزا ملنا چاہیئے"

اُروسپتس۔ (نہایت ادب سے سامنے آکر) "اگر یہ تمام جرم ثابت ہو جائیں تو نہ صرف اس دنیا میں بلکہ مرنیکے بعد بھی چینود[۱] کے پل پر اُسے سخت سزا ملے گی۔ اسنے

[۱] زردشتیوں کا عقیدہ ہے کہ بعد مردن تین روز تک روح مردہ کے سر کے پاس کھڑی ہوئی اپنے اعمال کے مطابق خوش یا غمگین رہتی ہے۔ چوتھے دن جنوب سے ایک خوشبودار ہوا چلتی ہے اور نیک روح کو اڑا کر لیجاتی ہے۔ مگر جنت میں داخل ہونے سے پہلے اُسے ایک پل پر سے جسے چینود کہتے ہیں گذرنا پڑتا ہے یہاں سروش اسکی رہنمائی کرتا ہے یا ایک حور شمائل دوشیزہ لڑکی نظر آتی ہے۔ روح اس سے

تین گناہوں کا ایک ساتھ ارتکاب کر کے احکام آسمانی کی سخت خلاف ورزی کی اسلئے ہمارے شرع شریف کی رو سے وہ کسی رحم و کرم کا ہرگز مستحق نہیں ہو سکتا۔"

بادشاہ۔(ہاتھ اُٹھا کر) بس معلوم ہو گیا۔ بردیہ کو سزائے موت دی جائے۔ سپاہیو! اسے لیجاؤ اور گلا گھونٹ کے مار ڈالو۔ (درد آمیز و خشمگین صورت بنا کر) فوراً لیجاؤ۔ میرے سامنے سے دور کرو۔ (بردیہ کچھ کہنا چاہتا ہے) چُپ کمبخت! میں تیری ریا و فریب کی باتیں سُننا نہیں چاہتا۔ دور ہو۔ سپاہیو! اسے جلد سامنے سے لیجاؤ۔"

لبشن یہ حکم بجا لانیکے لئے آگے بڑھا تھا کہ اتنے میں **کری سس** صفِ امرا سے یکایک باہر نکل کر بادشاہ کے سامنے زمین پر گر پڑا اور اُسکے قدموں پر سر رکھ کر نہایت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پوچھتی ہے کہ تو کون ہے تو وہ جواب دیتی ہے کہ میں تیری ضمیر ہوں۔ بعد ازاں اُسے بہمن کے پاس لیجاتی ہے جو اپنے تخت سے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کرتا ہے اور یہ کہتا ہے" خوش ہوا سے روح کہ تو دنیائے فانی سے عالم غیر فانی میں آگئی ہے۔" یہاں سے سروش اب اُسے ہرمزد کے دربار میں لیجاتا ہے جہاں فرحان و شاداں وہ اُسکے وزرا و دیگر امشاسپند کو سلام کرتی ہوئی داخل فردوس بریں ہوتی ہے۔ اور جنت کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ سمت مشرق کوہ البرز کی چوٹی یعنی دماوند پر واقع ہے۔ یہاں ہمیشہ روشنی رہتی ہے نہ رات ہے نہ دن۔ نہ سردی و گرمی۔ نہ بیماری و دُکھی نہ رنج و غم۔ نیکوں کی روحیں موسم بہار کا تازہ گھی کھاتی ہیں اور ابدالآباد تک آرام و راحت سے رہتی ہیں۔

بخلاف اسکے ارواح بد کو چینود کے پُل پر ایک خونخوار بدہیبت عورت کا سامنا ہوتا ہے۔ وہ پُل پار نہیں کر سکتیں اور لڑکھڑا کر ایک عمیق غار کے اندر گر پڑتی ہیں جو انہیں دوزخ میں پہنچا دیتا ہے۔ یہاں اہرمن کی سلطنت ہے۔ ہر طرف تاریکی ہے۔ سانپ بچھو و خونخوار جانور ہیں۔ دوزخی اہرمن کی غلامی کرتے ہیں۔ طرح طرح کی مصیبتیں اور سزائیں پاتے ہیں اور جب بھوک لگتی ہے تو زہر آلود کھانوں سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

(رالنس وغیرہ)

عاجزی سے بولا" اے شہنشاہ والاتبار! اے آقائے نامدار! یزدان پاک حضور کے اقبال کو دن دونا رات چوگنا بڑھائے۔ ہرمزد کا فضل ہمیشہ شامل حال رہے۔ اور امشا اسپند مدام تخت شاہی کی نگہبانی کریں۔ جہاں پناہ کے پدر بزرگوار کورش اعظم نے اس نمک پروردہ کو خاص طور پر مشیر سلطنت ہونے کی عزت بخشی تھی اس لئے اسکی پیرانہ سالی و دیرینہ خدمات پر خیال فرما کر ایک عرض سن لیجئے اور وہ یہ ہے کہ جو حکم زبان اقدس سے ابھی صادر ہوا ہے کہیں خدانخواستہ آیندہ کے لئے باعث ندامت و افسوس نہ ہو کیونکہ حالتِ غیظ و غضب میں جب طبیعت قابو سے باہر ہوتی ہے تو قوتِ فیصلہ پر بھروسہ نہیں رہ سکتا اور اسی لئے بڑے بڑے سلاطین و عقلا ایسے موقع پر احتیاطاً کوئی حکم نافذ نہیں فرماتے اور بخوبی جانتے ہیں کہ اگر ملزم بیگناہ ہے تو اس کا خون آسمان پر چڑھ کر ایسا بادل بنے گا جس کی بوچھار تیروں و سنانوں سے زیادہ دل پر اثر کریگی۔ جہاں پناہ تو مجسم عدل و انصاف ہیں۔ اس لئے ممکن نہیں اور مجھے یقین نہیں آسکتا کہ اس اہم معاملہ میں بلا پوری تحقیق و تفتیش اور جانبین کے بیانات سننے کوئی حکم نافذ فرمائیں گے البتہ شرائط انصاف کی تکمیل کے بعد اگر اس شخص کا جرم ثابت ہوجائے اور وہ اقبال بھی کردے تو اس کا قتل بیشک واجب ہوگا اور اس طرح نہ صرف تمام عالم میں حضور اقدس کے عدل و انصاف کا ڈنکا بج جائیگا بلکہ پاک آسمانی دیوتا بھی آپ کی اس دادگستری سے بہت شاداں و خوش ہونگے۔"

کمبوجیہ کے دل پر ان کلمات نے پورا اثر کیا۔ وہ خاموشی کے ساتھ سنتا رہا بعدہٗ ہاتھ کے اشارہ سے بسش کو روک کر اس نے بوگس سے کہا کہ بردیہ کا جرم بالتشریح سب کے سامنے بیان کرے۔

خواجہ سرا۔ (سرنگوں ہوکر نہایت ادب سے) " جہاں پناہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس غلام نے بوجہ اپنی علالت۔ باغات معلقہ کی نگہبانی کندلس کے سپرد کردی تھی

جو کچھ ہوا اُسی کی غفلت سے ہوا اور وہ سزائے موت پاکر اپنی کیفرِ کردار کو پہنچا۔ اُس دن بوقت شام جب اس غلام کی طبیعت کچھ سنبھلی تو اپنے اطمینان کی غرض سے کہ سب انتظامات ٹھیک ہیں یا نہیں۔ باغات کے اندر داخل ہوا۔ حضور والا کا ارشاد تھا کہ شہزادی نے جناب بردیہ کی خدمت میں ایک خفیہ خط روانہ کیا تھا اس لئے انکے محل کی خاص طور سے نگرانی کرنا چاہیئے۔"

بادشاہ۔ (جھلاکر) چپ نامعقول! فضول باتوں کا کیوں ذکر کرتا ہے۔"

خواجہ سرا۔ (گردن جھکاکر) غلام سے غلطی ہوئی۔ جب یہ ناچیز خادم باغ میں پہنچا تو ستارۂ تستر طلوع ہوچکا تھا اور بہت سے امراجن میں جناب کریسس و موبدِ اعظم بھی تھے کھڑے ہوئے نیلی سوسن کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ میں نے کندلس کو آواز دیکر بلایا اور ان حضرات کے سامنے بلاکر پوچھا کہ سب ٹھیک ہے۔ اس نے کہا ہاں کل انتظامات درست ہیں اور ابھی ابھی شاہزادی کے پاس سے آیا ہوں جس نے تمام دن روتے روتے گذارا ہے اور آج نہ کچھ کھایا ہے نہ پیا ہے۔ یہ سُنکر مجھے سخت تشویش ہوئی اور اس خیال سے کہ شاید شہزادی صاحبہ کی طبیعت کچھ ناساز ہو میں نے کندلس سے کہا کہ جلد ایک طبیب کو بلالا اور خود بھی انکی مزاج پرسی کے لئے روانہ ہونیوالا ہی تھا کہ یکایک چاندنی کی روشنی میں ایک شخص دور کھڑا ہوا نظر آیا۔ میں اپنی بیماری کی وجہ سے اس قدر کمزور تھا کہ بمشکل زیادہ چل سکتا تھا اور اتفاق سے سوائے ایک باغبان کے اور کوئی میری مدد کے لئے بھی اس وقت نزدیک نہ تھا۔ سب نوکر چاکر باغ کے پھاٹک پر کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ اس لئے خود باغ کو طے کرکے محل کے قریب آیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ وہی شخص شہزادی کے دریچے کے نیچے کھڑا ہوا آہستہ سے سیٹی بجا رہا ہے۔ اتنے میں کھڑکی کھلی اور ایک دوسرا شخص اندر کمرے سے کود کر زمین پر اُترا اور اپنے ساتھی سے ملنے کے لئے آگے بڑھا چاندنی رات میں مجھے اس

کو دینے والے شخص کی صورت بخوبی نظر آرہی تھی لیکن جب میں نے یہ دیکھا کہ یہ تو شہزادہ بردیہ ہیں تو میرے ہوش اُڑ گئے۔ سامنے ایک انجیر کا درخت حائل تھا لیکن نہ صرف میں نے بلکہ دوسروں نے اور معزز امرا نے بھی ان دونوں آدمیوں کو بخوبی دیکھ لیا۔ خاصکر جب درختوں کی آڑ میں وہ قریب سے گذرے تو ہم سے صرف چار ہی قدم کا فاصلہ تھا اور ایسے صاف نظر آتے تھے کہ کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہی۔ میں اپنے دل میں سوچ ہی رہا تھا کہ فرزند کورش کو گرفتار کرنے کا مجھے حق ہے یا نہیں۔ کہ اتنے میں کریسس نے بردیہ کا نام لیکر آواز دی جسے سنتے ہی دونوں آدمی ایک شمشاد کے درخت سے پیچھے جاکر یکایک غائب ہوگئے۔ ہم نے اُن کا پیچھا کیا اور بہت ڈھونڈا مگر کہیں پتہ نہ لگا۔ پھر میں محل کے اندر گیا وہاں بھی کوئی نہ تھا ہاں البتہ شہزادی صاحبہ کی خوابگاہ کا در کھلا تھا اور وہ اپنی مسند پر بیہوش پڑی تھیں۔"

یہ سنکر تمام درباری حیرت سے ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگے اور بادشاہ نے اُن امرا سے جو باغ کی سیر کو گئے تھے غضبناک لہجہ میں پوچھا "کیا تم سب اس خواجہ سرا کی تصدیق کرتے ہو؟"

سب "جی ہاں"

بادشاہ "تم لوگوں نے مجرم کو دیکھ کر گرفتار کیوں نہ کیا؟"

امرا "جہاں پناہ! ہمارا کام سپہ گری ہے نہ کہ پاسبانی"

بادشاہ۔ (دانت کچکچا کر) "یہ کیوں نہیں کہتے کہ تمھیں اپنے بادشاہ سے زیادہ اُسکے بھائی سے الفت اور اسکی خاطر و پاسداری منظور ہے"

امرا۔ "قصور معاف۔ جہاں پناہ سے زیادہ بھلا کسی کی عزت ہماری نگاہوں میں ہو سکتی ہے۔ شہزادہ سے بھی ہمیں اسی لئے الفت تھی کہ وہ حضور کے بھائی و فرزند کورش ہیں مگر اس واقعہ کے بعد اب اُنسے اتنی ہی زیادہ نفرت ہمارے دلوں میں پیدا ہوگئی"

بادشاہ "کیا تم نے بردیہ کو اچھی طرح پہچان لیا تھا"

امرا "جی ہاں"

بادشاہ "کریسیس تمہیں بھی شاید اس سے انکار نہیں ہوسکتا"

کریسس "میں بھی منکر نہیں۔ میں نے بھی چاندنی رات میں فرزند کورش کو ایسے ہی صاف طور سے دیکھا جیسا اس وقت حضور کو دیکھ رہا ہوں لیکن ممکن ہے کہ کسی غیر معمولی شباہت نے ہم سب کو دھوکہ میں ڈال دیا ہو"

ان الفاظ کے سنتے ہی بوگس کا چہرہ زرد ہوگیا مگر کمبوجیہ نے ناراضی کے ساتھ گردن ہلا کر کہا "میرے ایسے بڑے اولوالعزم سرداروں کو اپنی آنکھوں پر بھروسہ نہیں ہے تو بھلا کس کی بات سچی و معتبر سمجھی جائے۔ اگر تم لوگوں کی شہادت قابل وقعت نہیں ہے تو بھلا کون انصاف و فیصلہ کرسکتا ہے"

کریسس "ہماری طرح قابل اعتبار دوسرے لوگ بھی یہاں موجود ہیں جنہیں سنکر حضور معلوم کریں گے کہ شاید ہم ہی نے دھوکہ کھایا ہو"

کمبوجیہ مارے غصہ کے اٹھ کھڑا ہوا اور بڑے زور سے اپنا پیر زمین پر مار کر گرجتی ہوئی آواز سے بولا "کون ہے؟ جو اس مجرم کے موافق شہادت دینے کی جرأت کرتا ہو"

آریاسپ ۔ دارا ۔ گیجیس و دوہ یا ۔ (ہم زبان ہوکر) "حضور والا! ہم ہیں۔ ہم ہم"

بادشاہ ۔ (چلاکر) "دغاباز! نمک حرامو! (کریسس کی نگاہ سے متاثر ہوکر۔ انصاف کا خیال کرکے) تمہارا کیا بیان ہے؟ خبردار۔ ذرا سوچ سمجھ کر کچھ زبان سے نکالنا اور سمجھے رہنا کہ جھوٹی گواہی کی بھی سزا موت سے کم نہیں ہے"

آریاسپ "حضور والا! ہمیں یہ اچھی طرح معلوم ہے مگر ہم قسم کھاکر کہتے ہیں کہ شکار سے واپس آنے کے بعد ہم ایک لحظہ کے لئے بھی بردیہ سے جو اپنے باغ میں موجود تھا جدا نہیں ہوئے"

دارا ئے میں بھی حضور کے بھائی کی بیگناہی کی پوری طور سے شہادت دے سکتا ہوں کیونکر مینے انہیں کے ساتھ ستارہ تستر کو طلوع ہوتے دیکھا ہے۔ تعجب ہے کہ بوگس نے اسی وقت انہیں دوسری جگہ کیسے دیکھا"

گستاشپ اپنے فرزند کی زبان سے یہ الفاظ سنکر حیرت سے چونک پڑا۔ کمبوجیہ بھی کسی قدر شک و شبہ میں پڑکر ایک ایک کا منہ تکنے لگا کبھی ایک گروہ کو کبھی دوسرے کو دیکھتا تھا۔ اور حیران تھا کہ وہی جو کبھی مخالفت نہ کرتے تھے اب کیوں ایک دوسرے کے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ بردیہ خاموش تھا اور آنکھیں نیچی کئے بصد افسردہ دلی حسرت و یاس اپنی زنجیروں کو دیکھ رہا تھا۔ جب سب چپ ہو گئے تو اسے موقع ملا۔ اور نہایت ادب سے سر جھکا کر بولا" برادر مکرم! کیا مجھے بھی چند الفاظ عرض کرنیکی اجازت مل سکتی ہے؟"

کمبوجیہ" بول! تو کیا کہتا ہے"

بردیہ" میں صرف والد مرحوم کی یاد آپ کے دل میں تازہ کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے ہمیشہ اپنے اقوال و افعال سے مجھے و آپ دونوں کو نکوئی و پاکبازی کا سبق سکھایا اور دروغ کو بدترین گناہ بتایا تھا۔ شاید آپ بھی اس سے انکار نہ کریں گے کہ آج تک میری زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکلا ہے جو راستی و صداقت سے دور ہو۔ میرے خیال میں جھوٹ بولنا ہزاروں ذلیل سی ذلیل موتوں سے بدرجہا بدتر ہے۔ خصوصاً ایک فرزند کورش کے لئے تو ایسا باعث ننگ و نام ہے کہ کبھی اسکی تلافی نہیں ہو سکتی۔ میں جانتا ہوں کہ اس وقت بحیثیت ایک عادل و منصف کے آپ کو سخت مشکلات کا سامنا ہے۔ کیونکہ آپ کے ملک کے بڑے بڑے معززین ایک دوسرے کی مخالفت کر رہے ہیں۔ دوست دوست کے اور باپ بیٹے کے خلاف گواہی دیرہا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اگر تمام ایران ایک ہو جائے اور قسمیں کھا کر کہے کہ شہنشاہ سے

فلاں فعل سرزد ہوا ہے مگر آپ اسکی تردید کریں تو کیا میں کسی دوسرے کو باور کر سکتا ہوں نہیں۔ بلکہ بآواز بلند کہونگا کہ تم سب جھوٹے ہو اور فرزند کورش کی زبان سے دروغ نکلنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا سمندر کے پانی سے آگ کے شعلوں کا ظاہر ہونا خلاف فطرت سمجھا جاتا ہے۔ ہم دونوں کا مرتبہ اس قدر بلند و عالی ہے کہ صرف آپ ہی میرے خلاف کچھ کہہ سکتے ہیں اور آپ کے خلاف صرف آپ ہی کا نفس گواہی دیسکتا ہے۔

(ان الفاظ نے کمبوجیہ کا غصہ بہت دھیما کر دیا) اب میں ہرمزد متھرا و تمام ارواح مقدس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو الزام مجھ پر لگایا گیا ہے سراسر جھوٹ ہے میں بالکل بیگناہ ہوں اور اگر اپنی واپسی کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی باغات معلقہ کے اندر گیا ہوں تو مجھ پر ہزاروں لعنتیں برسیں اور یزدان پاک کی رحمت و بخشش سے ہمیشہ کیلئے محروم ہوجاؤں

بردیہ کی یہ گفتگو ایسی صداقت آمیز تھی اور اسکی آواز میں سچائی کا ایسا جوش تھا کہ بادشاہ پر بہت اثر ہوا۔ اس نے فوراً اس کی ہتھکڑی کھول دینے کا حکم دیا پھر کچھ دیر سوچکر بولا " مجھے تمہاری قسم پر اعتبار ہے لیکن سخت حیرت ہے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ خیر میں اپنے نجومیوں و کاہنوں کو بلا کر پوچھونگا (موبد اعظم کی طرف مخاطب ہوکر) اُرپسنتس تمہارے ذہن میں کوئی بات آتی ہے "

اُرپستس ۔ (غور و خوض کے بعد) جہاں پناہ! اس غلام کا تو یہ خیال ہے کہ شاید کوئی بدذات دیو[1] ہمارے معزز شاہزادے کے درپے آزار ہے اور حضور کے دامن

---

[1] مُغ (یعنی ماگی) تورانی النسل تھے اس لئے آخر الذکر کے اکثر باطل پرستی مذہب زردشت میں شامل ہوگئی۔ عوام کا عقیدہ تھا کہ ہزاروں دیو خبیث ارواح اور بلائیں انسان کے درپے آزار ہیں۔ جن کے دفعیہ و تدارک کے لئے مجوس سے منتر پڑھوائے جاتے تھے۔ بچوں کے لئے گنڈے تعویذ جن کا رواج زمانہ قدیم میں بھی تھا حاصل کئے جاتے تھے اور جادو و ٹوٹکے سے بچنے کیلئے طرح طرح کی تدابیر عمل میں لائی جاتی تھیں۔ (رالنس وغیرہ)

پاک کو بھی اپنے بھائی کے خون سے آلودہ کرنا چاہتا ہے۔" بادشاہ اور سب حاضرین کو یہ بات بہت پسند آئی اور اب کمبوجیہ عنقریب اُٹھ کر اپنے بھائی کو گلے سے لگانے والا تھا کہ اتنے میں ایک خادم حاضر ہوا اور ایک خنجر شہنشاہ کے سامنے پیش کر کے دست بستہ کہنے لگا کہ ابھی ابھی شہزادی نطیتس کی کھڑکی کے نیچے زمین پر پڑا ہوا ملا ہے۔

جیوں ہی کمبوجیہ کی نظر اس خنجر پر پڑی جس میں بیش بہا یاقوت و ہیرے جڑے تھے یکایک اس کا چہرہ پھر متغیر ہو گیا اور بردیہ کی طرف گھور کر اس زور سے اُسے پھینکا کہ سب جواہرات ٹوٹ گئے۔

بادشاہ۔ (چلا کر) "بدبخت! یہ تیرا ہی تو خنجر ہے۔ آج ہی صبح تو اسی سے تو نے میرے سامنے ایک جنگلی سور مارا تھا۔ کریسس تم بھی تو اس خنجر کو پہچانتے ہو گے کیونکہ میرے والد نے تمہارے ہی خزانے سے سارڈیس میں حاصل کیا تھا۔ بردیہ سے بکمال غیظ و غضب جھوٹے و دغا باز! اب تو تیرا جرم ثابت ہو گیا۔ بھلا دیوؤں کے پاس بھی خنجر ہوا کرتے ہیں۔ خاص کر یہ جو ہر جگہ مل بھی نہیں سکتا۔ (زہر آلود ہنسی سے) تیرا مُنہ فق ہے اور اپنی کمر ٹٹول رہا ہے! کہ خنجر ہے کہ نہیں؟"

بردیہ۔ (حد درجہ سراسیمہ و متحیر ہو کر) "غائب ہو گیا! کہیں مجھ سے گر پڑا ہو گا یا شاید کسی دشمن ......"

کمبوجیہ۔ (گرجتی ہوئی آواز سے) ہشن! اس مکار و مردود کو فوراً زنجیروں سے باندھ اور اوس کے جھوٹے گواہوں کو بھی قید خانہ میں ڈال دے۔ کل میں ان سب کو بڑی اذیت سے جہنم واصل کرونگا۔ یاد رکھنا ان میں سے کوئی بھی چھوٹ گیا تو تمام پہرے والوں کے سر قلم کر دیئے جائیں گے۔ میں اب ایک لفظ بھی نہیں سُننا چاہتا۔ ان بد ذاتوں کو میرے سامنے سے جلد دور کر۔ اور لوگسس تو فوراً محل میں جا کر مصری شاہزادی کو گھسیٹتا ہوا میرے روبرو لا۔ لیکن نہیں ٹھہر میں نے قسم کھائی ہے کہ اس ناگن

کی صورت کبھی نہ دیکھونگا۔ کل صبح دوپہر ہوتے ہی وہ بے حیا وبیہوا تمام شہر میں بذلت وخواری کوڑے مار کر پھرائی جائے۔ پھر میں ......" بادشاہ صرف اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ یکایک اُسے مرگی کا دورہ ہوا اور بیہوش ہوکر فرش زمین پر گر پڑا اس خوفناک منظر کو دیکھتے ہی لوگوں میں ایک تہلکہ مچگیا۔ اور ہر طرف سے چلانے کی آوازیں آنے لگیں اتنے میں ملکہ کاسندانہ بوڑھے سپہ سالار ریگا باز کا ہاتھ پکڑے اندر داخل ہوئی۔ اسے ان واقعات کی خبر ابھی پہنچی تھی جسے سنتے ہی باوجود اتنی رات گذر جانیکے وہ جلدی سے اپنے خلوت کدہ سے نکل کھڑی ہوئی تاکہ کمبوجیہ کو جلد بازی ظلم تعدی سے باز رکھے۔ اسے بردیہ و نتتس دونوں کی بیگناہی کا پورا یقین تھا اور مزید حالات معلوم کرنیکے لئے کئی بار اس نے دختر فرعون سے ملنے کی کوشش بھی کی تھی جو بالکل بیبود ہوئی۔ پہرے والوں نے اسکے مرتبے اور اعزاز کا بھی کچھ خیال نہ کیا اور محل کے اندر جانے نہ دیا۔ بعد ازاں کریسس نے آکر تمام واقعہ کہہ سنایا اور بردیہ کی بیگناہی جتا کر بادشاہ کے پاس جلد جانے کے لئے کہا۔

کمبوجیہ کا دورہ اس مرتبہ زیادہ دیر تک نہ رہا۔ خادموں نے فوراً اُسے اٹھا کر تخت زریں پر لٹا دیا اور اوپر سے ایک ریشمی چادر ڈھانپ دی۔ کاسندانہ قریب آکر بیٹھ گئی۔ کریسس بھی نیچے کھڑا ہوگیا اور پس پشت حکیم وطبیب مریض کی حالت پر سرگوشیاں کرنے لگے اور اُسے دوائیاں سنگھانے لگے۔ جیوں ہی بادشاہ کو ہوش آیا وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ ملکہ نے نہایت محبت سے اسکے سر پہ ہاتھ پھیر کر کہا کہ اپنی طبیعت قابو میں رکھو اور ایسا پیچ وتاب وغم وغصہ نہ کرو کہ تمہاری صحت پر خراب اثر پڑے۔

بادشاہ "مادر مہربان آپ سچ فرماتی ہیں۔ میری طبیعت جب ہی درست ہوسکتی ہے کہ تمام غصہ پیدا کرنے والے اسباب سامنے سے دور ہوجائیں اور وہ بیحیا بے غیرت اپنے دغاباز عاشق کے ساتھ جہنم واصل ہو جائے۔

کاسندانہ نے بردیہ کی بیگناہی کا اظہار کرکے بہت سمجھایا بجھایا۔ آنسو بہائے۔ عاجزی سے کام لیا۔ جھڑکیاں بھی دیں مگر کمبوجیہ پر کچھ اثر نہ ہوا اور جھنجلا کر ماں سے کہنے لگا۔

"آپ کا سمجھانا فضول ہے۔ دونوں کا جرم ثابت ہو چکا ہے۔ اور ان لوگوں نے جن پر مجھے پورا بھروسہ ہے بردیہ کو باغ سے نکلتے دیکھا ہے۔ یہ آپ ہی کے لاڈ و پیار کا نتیجہ ہے کہ اُسے اپنے بڑے بھائی کی منگیتر پر نظر بد ڈالنے کی جرات اور اس سے خفیہ خط و کتابت کرنے کی ہمت ہوئی۔"

کری سس "حضور نے یہ بھی معلوم فرمایا کہ اُس خط میں کیا لکھا ہے۔"

کمبوجیہ (غصہ سے) "نہیں وہ یونانی زبان میں تھا۔ اُس چالاک و بدذات عورت نے ایسی زبان میں خط لکھا کہ یہاں کسی کی سمجھ میں بھی نہ آسکے۔"

کری سس "اگر حضور مجھے وہ خط دکھائیں تو شاید میں اس کا ترجمہ کرسکوں۔"

کمبوجیہ۔ (ہاتھی دانت کے ایک ڈبیے کی طرف اشارہ کرکے) "اس میں وہ خط رکھا ہے۔ نکال کر پڑھو مگر خبردار کوئی بات مجھ سے چھپانا نہیں کل ہی ایک یونانی سوداگر سے جو بابل میں آیا ہے۔ اسے پڑھوا کر تمہارے بیان کی تصدیق کرونگا۔"

کری سس نے ڈبیا کھولکر خط نکالا اور اُسے کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ مگر مشکل سے ختم کرنے پایا تھا کہ اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ایک آہ سرد بھر کر نہایت مغموم آواز سے ملکہ سے کہنے لگا "کیا واقعی سپندورا کا قصہ صحیح ہے؟ میں تو اُسے جھوٹ کہونگا اور آیندہ کبھی اُن شاعروں کو الزام نہ دونگا جو عورتوں کی مذمت کرتے ہیں۔ وہ سب دغاباز و بے وفا ہیں۔ آہ اے ملکہ عالم! کیا کہوں۔ دیوتاؤں کا معاملہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نے شاید دھوپ میں بال سفید کئے ہیں یا میری عقل پر پتھر پڑ گئے جسے کندن سمجھا تھا وہی کھوٹا و ناقص نکلا۔ جسے امرت خیال کرتا تھا وہی افسوس کہ سم قاتل نکلا۔"

ان الفاظ کا سُننا تھا کہ ملکہ زار و قطار رونے لگی۔ اور کمبوجیہ نے بھی مضمون خط

سُنا تو غصہ کے مارے مٹھیاں باندھ کر دانت پیسنے لگا۔ نیتیتس نے لکھا تھا۔

"ازطرف دختر فرعون۔ شہزادہ بردیہ پسر کورش کو معلوم ہو۔ میں تم سے تنہائی میں ایک راز کی بات کہنا چاہتی ہوں کل تمہاری والدہ کے یہاں ملونگی تو شاید موقع مل سکے۔ اس وقت صرف اسی قدر لکھنا کافی سمجھتی ہوں۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہو کہ ایک غریب محبت کی ماری کسی کی آرزوے وصل میں تڑپ تڑپ کر جان دے رہی ہے۔ کسی کے انتظار میں اسکی آنکھیں پتھرا گئی ہیں۔ کون ہے جو دم واپسیں ایک لحظہ میں اُسے نئی زندگی بخش سکتا ہے۔ وہ تم ہو۔ ہاں بردیہ وہ تم ہی ہو۔ دیکھو کل ضرور ملنا۔ مجھے ایک بہت بڑا وعدہ تم سے لینا ہے"

کمبوجیہ کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ آئی جس میں ناامیدی۔ یاس و تلخی بھری ہوئی تھی۔ اسکی ماں کو بھی سخت صدمہ ہوا اور اپنے لڑکے کی تسکین دہی کے لئے جھکی مگر اس نے روک کر غصہ سے کہا "ماں۔ یہ تمہارے نیک و چہیتے بیٹے کے ڈھنگ ہیں مجھ سے دور ہی رہو۔ وہ اُس بے حیا کے دام میں کیسا آگیا! پھر سر دربار میرے سامنے جھوٹی قسمیں کھاتا ہے! دوسرے نوجوان لڑکے بھی اُسی کے بہکانے میں آگئے اور جھوٹ بول کر ہمیشہ کے لئے ننگ خاندان ہوگئے۔ سچ تو یہ کہ میں انکو زیادہ الزام نہیں دیسکتا۔ سب قصور اُس بیحیا و بدذات عورت کا ہے جس کی شکل و صورت تو پریوں کی مگر سیرت چڑیلوں سے بھی بدتر۔ ایسی چالاک و فتنہ پرداز کہ میں بھی اُسکے جل میں آگیا۔ مگر اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کہ میں اسکے کرتوتوں کا کیسا مزا چکھاتا ہوں۔ اب آپ جائیے رخصت ہوجیے۔ میں یہاں تنہا رہنا چاہتا ہوں"

یہ سُنتے ہی سب لوگ رخصت ہوگئے اور کمبوجیہ بھی تن تنہا اپنی خوابگاہ میں چلا گیا وہ کبھی بیٹھتا تھا کبھی ٹہلتا تھا۔ غرضکہ اسی بے چینی میں تمام رات گذر گئی اور مقدس مرغ سحری کی بانگ سنائی دی۔ اب آفتاب عالمتاب کی کرنیں چھن چھن کر کمرے میں آنے لگیں

وہ تھکا ماندہ اپنے پلنگ پر لیٹ گیا اور تھوڑی دیر کے لئے اسکی آنکھ جھپک گئی۔

نوجوان بردیہ اور اسکے رفقا ایک تیرہ و تار زنداں میں پڑے ہوئے تھے۔ انہیں بھی نیند نہ آئی۔ بردیہ نے سب سے پہلے گیجبیس سے اپنی معشوقہ کے نام خط لکھوایا۔ پھر دوّہ یا نے یہ صلاح دی کہ شراب پی کر رنج و غم مٹانا چاہیے۔ غرضکہ مئے ارغوانی کے جام چلنے لگے اور آپس میں اس طرح باتیں شروع ہوئیں۔

دوّہ یا "اب زندگی کے چند گھنٹے اور باقی ہیں جنہیں خوشی و مسرت کے ساتھ کاٹنا چاہیے صبح ہوتے ہی آخر موت کا جام پینا ہے۔ افسوس کہ ہم غریبوں کی صرف ایک ہی گردن ہے۔ اگر دو ہوتیں تو شاید زندگی کی کچھ توقع ہو سکتی"

آرباسپ "سچ کہتے ہو۔ یہ وقت غنیمت ہے خوشی کے ساتھ گذارنا چاہیے اور اپنی دونوں آنکھوں کو جو ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں گی اچھی طرح کھلا ہوا رکھنا چاہیے"

گیجبیس "ہم بیگناہوں کو بھلا موت کا کیا خوف و رنج ہو سکتا ہے"

دوّہ یا۔ (دارا اور بردیہ سے جو آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے) "بھئی تم دونوں بھی عجب چیز ہو۔ یہ بھی کوئی وقت راز و نیاز کی باتیں کرنے کا ہے۔ آؤ ایک ایک جام اور چڑھائیں متھرا کی قسم میں موت سے بہت ڈرتا تھا۔ مگر آج مجھے سیہ رو اہرمن کا مطلق خوف نہیں بلکہ انتظار ہے کیونکہ ہم سب کو ایک ساتھ پکڑ کر لیجائیگا۔ میں اپنے دوستوں کے ساتھ جان دینا تنہا زندہ رہنے سے بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں"

دارا "سب سے پہلے ہمیں ذرا یہ سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے کہ آخر اس واقعہ کی اصلیت کیا ہے اور کیونکر ظہور میں آیا"

دوّہ یا "مجھے اسکی مطلق پرواہ نہیں۔ جب مرنا ہی ہے تو سمجھنے بوجھنے کی کیا ضرورت بس یہی کافی ہے کہ میں بیگناہ ہوں۔ اور دروغ کا کبھی مرتکب نہیں ہوا۔ لشن! ذرا طلائی جام میں شراب لانا۔ مجھے ان پیتل و مٹی کے پیالوں میں مئے ناب اچھی نہیں لگتی۔ مکبوجیہ

ہمیں اپنے عزیزوں سے ملنے سے منع کر دیا ہو۔ مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس آخری وقت خورونوش کے لطف سے بھی محروم کر دیئے جائیں۔"

بردیہ۔ دوست یہ جام سفال نہیں۔ بلکہ تلخی موت ہے جس نے مئے ارغوانی کا مزہ اس طرح بدل دیا ہے۔"

دڈہ یا۔ "نہیں میں سچ کہتا ہوں۔ یہ نہیں۔ بلکہ مجھے تو یاد ہی نہیں۔ کہ گلا گھوٹنے سے بھی کوئی مر سکتا ہے (گیجبیس کا ہاتھ پکڑ کر) ایسے خاموش کیوں ہو۔ ذرا بردیہ کو تو دیکھو۔ ابھی سے گھبرائے جاتے ہیں اور خوشی سے جان دینا نہیں چاہتے۔ کیوں دارا! تمہارا کیا حال ہے؟"

دارا۔ "میں سوچ رہا تھا کہ شاید ارویسپتس کا کہنا صحیح ہوگا اور کوئی دیو روسیاہ بردیہ کی شکل بن کر شہزادی کے باغ میں گیا ہوگا۔"

دڈہ یا۔ "یہ تمہارا وہم وخیال ہے۔ مجھے ان باتوں پر یقین نہیں۔"

دارا۔ تمہیں معلوم نہیں کہ شاہ کاؤس کو بھی ایک دیو نے ایک خوبصورت مغنی کی شکل بن کر دھوکا دیا تھا۔"

آریاسپ۔ "ہاں واقعی سچ کہتے ہو۔ شہنشاہ کورش کی محفلوں میں یہ داستان اکثر گائی جاتی تھی اور میں نے اتنی بار سنی ہے کہ اب زبانی یاد ہو گئی ہے۔ اگر کہو تو سناؤں۔"

سب نوجوان۔ (یک زبان ہو کر) "ہاں ضرور سناؤ۔ ہم بہت مشتاق ہیں۔"

آریاسپ نے کچھ دیر تک غور کیا پھر ایک نہایت دلکش آواز سے یہ اشعار گانا شروع کئے۔

مراورا جہاں بندہ شد سربسر	چو کاؤس[۱] بگرفت گاہ پدر

[۱] ماخوذ از شاہنامہ مصنفہ فردوسی۔

(الف) ابوالقاسم منصور فردوسی = سنہ ومقام پیدائش۔ سنہ ۹۴۱ء۔ مقام شدب نواح طوس صوبہ خراسان موجودہ نیز یا فرجو بیس میل شمال مشہد یا تین میل جنوب وزان واقع ہے۔ فردوسی ایک معمولی دہقان تھا۔

زہر گونہ گنج آگندہ دید	جہاں سربسر پیش خود بندہ دید
ہم از طوق و ہم تخت و ہم گوشوار	ہماں تاج زریں زبرجد نگار

(بقیہ صفحہ گذشتہ) سنہ و مقام وفات ۴۱۱ھ یا ۱۰۲۰ء - مقام طوس۔

(ب) شاہنامہ بحیثیت علم ادب۔ آگسٹس کا قول تھا کہ میں نے روم کو مٹی کی، اینٹوں کا پایا تھا اور سنگ مرمر کا بنا کر چھوڑا۔ اور اسی طرح فردوسی سے قبل ایرانی علم ادب کالعدم تھا۔ مگر اس نے ایک ایسی تصنیف دنیا کو ودیعت کی جس کی آیندہ شاعر صرف نقل ہی کر سکتے ہیں اور بہتر لکھنا تو کجا اسکی ہمسری تک کا دعویٰ کریں تو باطل ہے جس طرح یورپ میں ہومر کی شاعری ہے اسی طرح ایشیا میں فردوسی کی نظم اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ اسکے اشعار میں غضب کی شیرینی ہے۔ کوئی لفظ۔ کوئی جملہ ایسا نہیں جو کرخت و ناگوار معلوم ہو۔ شروع سے لیکر آخر تک وہ ایک نہ ٹوٹنے والا نغمہ یا راگ ہے جو ایک تیز رو دریا کی طرح بہتا ہوا چلا جاتا ہے اور اسکی نازک لہریں کانوں میں پڑتے ہی خراج احسنت و آفریں وصول کرتی ہوئی چلی جاتی ہیں اور ہماری یہ حالت ہوتی ہے کہ گویا لب جو استادہ ہیں اور الفاظ کی بحر محیط میں ایک ایسی دنیا کے افعال۔ جذبات و خیالات کا مشاہدہ کر رہے ہیں جو اب صفحہ ہستی سے نابود ہو گئے ہیں۔ مگر اسکی عالی شان عمارات کے مرقعے۔ اسکے نامآور سورماؤں اور جاندار دلوں کی تصویریں اس طلسمی آب رواں میں اپنا عکس ڈالتی ہوئی نکل جاتی ہیں۔ اور ہم حیران و ششدر رہ جاتے ہیں

(پروفیسر گودل)

(ت) شاہنامہ بحیثیت تاریخ۔ شاہنامہ کا ماخذ غالباً کتاب کارنامک یا دیگر صحائف مذہبی ہیں جن میں قدیمی حکایات و افسانے واقعات اصلی کے ساتھ عجب دلچسپ طریقہ سے مخلوط ہو گئے ہیں۔ اس میں زیادہ تر پیشدادی۔ کیانی و ساسانی عہد کے واقعات ہیں۔ زمانہ ہخامنش کو بالکل ہی نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مجوس جن کا فرض تاریخی حالات قلم بند کرنا تھا۔ اس عہد میں زیادہ بااثر نہ تھے اور نہ انکی کچھ عزت تھی۔ اس لئے انہوں نے ایک طرح کا انتقام لیا ہے۔ اور اس پُرشوکت خاندان کے شہنشاہوں کا یا تو کہیں ذکر نہیں کیا یا انہیں دوسرے عہد کے حکمرانوں سے ملا کر بالکل ناقابل امتیاز بنا دیا ہے۔ قدیم ایرانی شاہی کتب خانے اور دیگر صحائف سکندر اعظم جلا کر تباہ کر دیئے تھے اس لئے صرف مجوس کے حافظے

ہماں تازہ اسپان آگندہ یال ۔۔۔ بگیتی نہ دانست کس را ہمال
چناں بُد کہ در گلشن زرنگار ۔۔۔ ہمی خورد در روزے مے خوشگوار

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یا انکے پس ماندہ کتبات پر دارومدار رہگیا تھا جس سے ظاہر ہے کہ نتیجہ کیا ہو سکتا تھا۔ پیشدادی اور کیانی عہد کے واقعات تاریخی حیثیت سے بالکل غیر معتبر ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ شاید قدیم ایرانیوں نے جو ایک دہقانی قوم تھی قدرت کے مختلف کرشموں کو جامہ انسانیت پہنا کر افسانے گڑھ لئے مثلاً فریدون (اوستا یہ تھرائی تاونا) وہ قوت ہے جو خشک سالی یا ضحاک (اوستا = ازی دہاکا) سے مصروف جنگ ہے اور جمشید و ضحاک و فریدوں سے ممکن ہے موسم خزاں۔ سردی و بہار مراد ہو۔ بعض کا دعویٰ ہے کہ چونکہ قدیم آریائے ایران و آریائے ہند ایک ہی قوم تھے۔ اس لئے دونوں کی روایات کا ماخذ ایک ہی ہے اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ بہت مشابہت رکھتے ہیں۔ اندر و رستم دونوں پہلوے مادر سے پیدا ہوئے تھے۔ دونوں سرخ روتھے پرخوراک اور شائق مے نوشی تھے۔ دونوں کے پاس گرز۔ کمان و کمند تھی اور انکے کارنامے بھی یکساں تھے۔ اندر کے مختلف نام اور متعدد شکلیں ہیں اسی طرح شاید فریدوں۔ تشتریا۔ گرشاسپ و رستم ایک ہی ہوں یا زال۔ فرامرز و رستم ایک ہی شخص کے لقب ہوں جنہیں افسانہ گو نے جدا کر کے ایک کو پدر دوسرے کو پسر بنا دیا ہو واس رت کو فریدوں۔ راما کو سیاوش اور راخراسیاب کو راون سے تشبیہ دیجاتی ہے۔ افراسیاب کو دریودھن سے بھی ملایا جاتا ہے کیونکہ بعد شکست جان بچانیکے لئے ان دونوں نے پانی میں چھپنے کی کوشش کی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ آریائے ہند و ایران کی بہت سی باتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں مثلاً زبان اور بعض رسومات جیسے قربانی اسپ سفید و انتخاب شوہر وغیرہ۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مورخین ایران ہخامنش کی تاریخ سے بالکل بے بہرہ معلوم ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ انہوں نے سلاطین قصص و ان بادشاہوں کو مخلوط کر دیا ہو۔ اور متعدد تاجداروں کے نام کو ایک شخص تصور کر لیا ہو۔ اس حساب سے کیقباد جس کی مدت حکومت سو برس ہے۔ مراد از چیش پاپیش اول و دوم ہو۔ کیکاؤس مدت سلطنت ۱۵۰ سال۔ کمبوجیہ اول۔ دوم۔ سوم و چہارم ہو۔ کیخسرو نبیرۂ کیکاؤس (۶۰ سال) کورش اول۔ دوم و سوم ہو۔ وقس علیٰ ہذا لیکن غالباً یہ صحیح نہیں۔ پیشدادی و کیانی خاندان بالکل جدا تھے۔ اور مشرقی ایران میں جیسے سرزمین

یکے تخت زریں بلورینش پائے	نشستہ برو پر جہاں کدخدائے
ابا پہلوانانِ ایراں بہم ؟ز	ہمیں رائے زد شاہ بر بیش و کم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) باختر کہنا چاہئے حکمراں تھے۔ کیونکہ اوستا میں یما (جمشید) تھرائی تنا (فریدوں) کاوی اُسا (کیکاؤس) فرانگرسین (افراسیاب) اور ہوسروا (کیخسرو) وغیرہ کے نام مذکور ہیں آخر الذکر غالباً ۸۰۰ سال قبل مسیح حکمراں تھا۔ اسی طرح گستاشپ جسکے زمانہ میں زردشت کا ظہور ہوا۔ اسی خاندان سے تھا اور دارائے اعظم کے پدر گستاشپ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا لیکن فردوسی جس نے تاریخ و افسانہ کو باہم ملا دیا ہے اسکی رو سے گستاشپ کا بیٹا اسفندیار تھا جسے رستم نے اسکے باپ کے اشارہ سے جنگ میں مارا بعدہٗ اس کا پوتا بہمن جسے وہ اردشیر درازدست کہتا تھا تخت پر بیٹھا۔ (یہ تاریخ کی رو سے ہخامنشی تاجدار زریر کا بیٹا تھا اور ۴۶۶ تا ۴۲۵ ق م حکمراں تھا) اس نے اپنی بہن ہما سے شادی کی جس سے دارا پیدا ہوا۔ بہمن کا بھائی جس کا نام ساسان تھا۔ اس واقعہ کے بعد جلاوطن ہو کر غریبانہ زندگی بسر کرنے لگا۔ اسی کا لڑکا اردشیر بابکان ہوا جو بانی خاندان ساسان تھا۔ یعنی اس حساب سے سکندر اور ساسانیوں کے عروج میں صرف ۲۶۶ برس گذرے لیکن صحیح تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ۵۴۹ سال کا زمانہ گذرا تھا۔ اب افسانہ کے چنداں واقعات کو دیکھنا چاہئے جن کی مثال یا مشابہت تاریخ میں پائی جاتی ہے۔

شاہنامہ	تاریخ
(۱) کیکاؤس نے مصر (ہاماوران) و بربر سے جنگ کی اور سودا دختر فرعون سے شادی کی لیکن اس نے مہمان بُلا کر اُسے دہوکہ سے پکڑ لیا۔ پھر رستم کی مدد سے اُسے نجات حاصل ہوئی۔	کمبوجیہ دختر فرعون سے شادی کا خواستگار ہوا۔ اس نے دوسرے کی لڑکی نیتتیس نامی اسکے عقد میں دی۔ کمبوجیہ نے مصر کو فتح کیا پھر نوبیا اور سوڈان پر حملہ کیا۔ جہاں اسے ہزیمت دی۔
(۲) سرخہ پسر افراسیاب کو رستم نے قتل کیا سیاوش کے انتقام میں تہ تیغ کیا۔	(۲) سرخہ یا فرسار کا قوم اسکیت کے بادشاہ کا لڑکا تھا جسے دارا نے قید کر لیا۔
(۳) قبیلہ زال و رستم نے شاہان کیانی خصوصاً کیخسرو	(۳) قبیلہ آریاسپ سیستان میں ہخامنشی عہد میں نہایت

چنیں گفت اندر جہاں شاہ گیتی	گذشتہ زمیں در خورگاہ کیست
مراز یبد اندر جہاں برتری	بنا بر دزمن جست کس داوری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) شاہنامہ

کے زمانہ میں بڑی بڑی ملکی خدمات انجام دیں۔

۴. گشتاسپ باپ سے رنجیدہ ہوکر روم گیا اور کتایون دختر قیصر سے شادی کی۔

۵. کیخسرو نے آخری عمر میں دنیا ترک کی۔

۶. کیکاؤس نے دیو سفید سے شکست کھائی اور مقید ہوا۔

تاریخ

محترم تھا کورش اعظم نے اسے محسنین کا لقب دیا تھا۔

۴. شمالی آذربائجان (ماکو) کے بادشاہ کی دختر اداونس پر زریر عاشق ہوا اور اس سے شادی کی۔

۵. بعض روایات کی رو سے کورش اعظم نے بھی ایسا ہی کیا تھا مگر اسکے صحیح ہونے میں کلام ہے۔

۶. ہواکشترا یا سیاکزار شاہ میدیا نے لیدیا سے جو سفید رو قوم تھی شکست کھائی۔

(ش) پیشدادی اور کیانی عہد کے بخلاف ہخامنش کوئی آثار قدیمہ ابھی تک نہیں ملے جن سے انکی قدیم تاریخ کا کچھ پتہ لگ سکتا۔ البتہ مسلمان مورخین نے اپنی تصانیف میں بعض مقامات کو اس قدیم عہد کے ساتھ منسوب کیا ہے۔ جن کا مختصر حال خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

(۱) گستاشپ اور تورانیوں کی بہت بڑی جنگ موجودہ مقام سبزور کی سمت مغرب واقع ہوئی تھی۔

(۲) تبریز کے قریب کوہ سہند ہے۔ یہاں سے ۳-۴ دن کی مسافت پر مقام سوالان یا سولن ہے جہاں اوستا میں مذکور ہے کہ زردشت نے اہرمزد سے باتیں کیں۔

(۳) آذربائجان میں ۹۰ میل جھیل ارمیہ سے مقام احمد آباد ہے جہاں کیخسرو نے ایک بڑا محل تیار کیا تھا جھیل ارمیہ کے نواح میں ایرانی و تورانی ایک عرصہ تک لڑے۔ اسی جھیل میں افراسیاب نے کود کر جان بچانا چاہی تھی مگر کیخسرو کو خبر لگ گئی اور اس نے پکڑ کر مار ڈالا۔ اور اپنے غنیم پر فتح کی یادگار میں ایک بہت بڑا آتشکدہ یہاں بنایا۔

(۴) بیستون اور ہمدان کے راستہ میں ایک گاؤں سہنا ہے۔ یہاں مشہور ہے کہ کیخسرو کی قبر تھی۔

همی خورد باده همی گفت شاه	درو خیره مانده سران و سپاه
چو رامشگری دیو زی پرده دار	بیامد که خواهد بر شاه بار
چنیں گفت کز شهر مازندراں	یکے خوش نوازم ز رامشگراں
اگر در خورم بندگی شاه را	گشاید بر تخت او در راه را
برفت از در پرده سالار بار	برآمد خراماں بر شهریار
بگفتش که رامشگری بر در است	ابا بربط و نغز رامشگر است
همیں راه جوید بدیں پیشگاه	چه فرماں دهد نامور بادشاه
بفرمود تا پیش او تاختند	به رود و ساز انش بنشاختند
به بربط چو بایست بر ساخت رود	برآورد مازندرانی سرود

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۵- اصفہان سے ۳-۴ میل ایک اونچی پہاڑی ہے جس پر طہمورث نے ایک قلعہ و آتشکدہ بنایا تھا۔ کیکاؤس نے بھی یہاں ایک آتشکدہ بنایا۔ رستم و کاؤس نے افراسیاب کو اصفہان ہی کے قریب سخت شکست دی تھی۔ کاوہ لوہار جس نے ضحاک سے بدلہ لینے کے لئے فریدوں کو آمادہ کیا تھا اصفہان ہی کا باشندہ تھا۔

(۶) اسطخر کو طہمورث کی لڑکی اسطخر نے بنایا۔ اسکی تکمیل ہوشنگ کے زمانہ میں ہوئی۔ یہاں کیکاؤس کا ایک عالیشان محل تھا۔

(۷) شہر ابرکوہ (شیراز و نیرد کے راستہ میں) یہاں بقول یعقوب وہ راکھ کا ٹیلا تھا۔ جہاں آگ جلائی گئی تھی۔ اور سیاوش اپنی بیگناہی دکھانے کی غرض سے اس میں کود کر صحیح سالم نکل آیا تھا۔ سیاوش پر اسکی ماں سدابہ زوجہ کیکاؤس نے عصمت ریزی کا الزام لگایا تھا۔

(۸) رے (نزد طہران) اس کا بانی ہوشنگ پہلا بادشاہ ایران تھا۔ (۴۰۰ ق م) اسکے قریب دمیوند کوہ البرز کی چوٹی ۲۰ ہزار فیٹ اونچی ہے یہاں ضحاک ابھی تک مقید ہے اور ۱۱ ہزار برس بعد چھوٹ کر پھر دنیا کو مبتلائے عذاب کرنا چاہے گا مگر گرشاسب یا سام کرساپ کے ہاتھ مارا جائیگا۔

(ایران نامہ۔ رالنس۔ جنکیس۔ سائکس)

آریاسپ "اب نغمۂ مازندران[1] بھی سناؤں کہ نہیں؟"
سب "ہاں - ہاں - گائے جاؤ"
آریاسپ:

که مازندران شهر ما یاد باد
همیشه بر و بومش آباد باد

که در بوستانش همیشه گل است
بکوه اندرون لاله و سنبل است

هوا خوشگوار و زمین پرنگار
نه سرد و نه گرم و همیشه بهار

نوازنده بلبل به باغ اندرون
گراز نده آهو به راغ اندرون

همیشه نیاساید از جستجوی
همه ساله هر جای رنگست و بوی

گلاب است گوئی به جویش روان
همی شاد گردد ز بویش روان

دی و بهمن و آذر و فرودین
همیشه پر از لاله بینی زمین

همه سال خندان لب جویبار
بهر جای باز شکاری بکار

سراسر همه کشور آراسته
ز دینار و دیبا و از خواسته

بتان پرستنده با تاج و زر
همه نامداران زرین کمر

کسے کاندران بوم آباد نیست
بکام از دل و جان خود شاد نیست

کیکاؤس نے مازندران کی یہ تعریفیں سُنیں تو وہ کے چکمہ میں آگیا۔ زال و دیگر سرداران ایران نے بہت سمجھایا مگر باز نہ آیا۔ اور مازندران کو فتح کرنے لگا۔ مگر وہاں کے حکمران نے دیو سفید کی مدد سے اُسے شکست دیکر قید کرلیا اور اندھا کرکے ایک زندان تیرہ و تار میں ڈالدیا وارا۔ اور ہاں۔ بعد ازاں جب ہمارے نامور سورما رستم کو خبر ہوئی تو کس جوش و خروش کے ساتھ سیستان سے نکلا۔ اور یلغار کرتا ہوا مازندران کی طرف بڑھا۔ ہفت خان کو سر کیا ارژنگ کو مارا۔ دیو سفید سے مقابلہ کرکے اسے بھی تہ تیغ کیا۔ اور اسکے قلب کا خون

[1] موجودہ تبارستان۔

بادشاہ کی آنکھوں میں ٹپکا کر اُسے بینا کیا۔ پھر اُسے قید سے چھڑا کر ایران واپس لایا۔ یہی حال دیکھ لینا ہمارا بھی ہوگا۔ ہم بھی سب رہائی پاکر خوشی کے شادیانے بجائیں گے اور شہنشاہ ہماری ہگینا ہی کے قائل ہوجائیں گے۔ دیکھ لیشن! اگر اسکے خلاف ظہور میں آئے تو مصری حکیم ٹلنچاری اور دیگر موبدوں وکلدانیوں کے پاس جانا اور میری طرف سے کہنا کہ اب نجوم پڑھنا چھوڑ دو۔ تمہاری سب پیشینگوئیاں غلط نکلیں۔ دارا مرتے وقت کہہ گیا ہے کہ تم سب جھوٹے دغاباز ہو"

آریاسپ " میں بھی نجومیوں کا کبھی قائل نہ تھا اور ہمیشہ کہتا تھا کہ سوائے خواب یا عالم رویا کی پیشین گوئی کے اور کوئی قابل اعتبار نہیں۔ اسکی ایک نہایت عمدہ مثال مجھے یاد ہے کہ جنگ ساردیس سے پہلے ابردت کی بیوی پنتھیا نے خواب میں اپنے شوہر کو تیروں سے زخمی دیکھا تھا"

ددویا " ناحق تم نے جنگ کا ذکر کرکے میرا دل بےچین کر دیا! کہاں وہ بہادری وشجاعت کی موت۔ کہاں یہ ملزموں کی طرح گلے میں پھانسی لگاکر جان دینا۔ وائے قسمت!"

آریاسپ " ہاں میاں۔ سچ کہتے ہو۔ میں نے بھی ایسی موتیں دیکھی ہیں جو اس زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ کیا بیان کروں۔ کیا لوگ تھے اور اس دنیا میں اپنا کیا نام چھوڑ گئے"

ددویا " نہیں ضرور فرمائیے ہم سب سُننے کے بہت مشتاق ہیں"

دارا " اور خاصکر یہ راز کہ آپ نے آجتک شادی کیوں نہ کی۔ ہم سب عنقریب مرنیوالے ہیں۔ اس لئے اسکے افشا کرنے میں حرج ہی کیا ہے"

آریاسپ " یہ کوئی بڑا راز نہیں تم لوگ اپنے بزرگوں سے پوچھتے تو شاید وہ بتادیتے۔ گستاشپ وغیرہ کو سب معلوم ہے۔ اچھا تو سُنو۔ میں ہی کہتا ہوں۔ جب میں جوان تھا تو عورتوں کو نہایت ذلیل وحقیر سمجھتا تھا اور ان سے عشق ومحبت حماقت ودیوانگی تصور کرتا تھا۔ اُس زمانہ میں ملکہ پنتھیا کے حُسن وجمال کا شہرہ تمام عالم میں تھا۔ اب اتفاق وقت دیکھو

کہ جنگ سار دیس کے بعد جب وہ قید ہو کر کورش اعظم کے سامنے لائی گئی تو چونکہ میں اکثر شیخی مارا کرتا تھا کہ کسی عورت کا جادو مجھ پر نہیں چل سکتا اس لیئے اسکی نگہبانی کی خدمت میرے ہی سپرد کی گئی۔ میں نے اس کام کو نہایت ہوشیاری سے انجام دینے کا وعدہ کیا۔ اور بعدہٗ روزانہ اُس سے ملنے کا اتفاق ہوا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بالآخر مجھے ماننا پڑا کہ واقعی عشق ایک عجیب جذبہ ہے اور انسان کی قوت و ارادے سے کہیں زیادہ بالاتر ہے۔ میں نے بہت ضبط کیا مگر آخر نہ رہا گیا۔ ایک دن اپنا اظہار محبت کر دیا۔ جسے سُنکر پنتھیا بہت بگڑی اور خفا ہو کر کورش سے میری شکایت کر دی اور اُسے سمجھا بجھا کر اپنے شوہر سے صلح کرالی۔ بعد ازاں کورش و ابردت دونوں ملکر ایک غنیم کے مقابلہ کو نکلے۔ اُس وقت پنتھیا نے اپنے شوہر کو بلا کر اُسے پہلے اپنے تمام زیورات سے آراستہ کیا پھر کہا کہ دیکھو کورش کی میں لونڈی تھی جیسا چاہتا وہ میرے ساتھ برتاؤ کرتا مگر اس نے اپنی بہن سے زیادہ مجھے عزت و حرمت سے رکھا اس لئے تم پر واجب ہے کہ اب دادِ مردانگی دکھا کر اسکے احسانات کا بدلہ سرفروشی سے دو۔ ابردت کے دل پر اس بات کا بڑا اثر ہوا۔ اور ایسی جان توڑ کر لڑا کہ سب لوگ عش عش کرنے لگے۔ پھر اسی جنگ میں مارا گیا۔ پنتھیا کو خبر ہوئی تو فوراً اپنے شوہر کی لاش پر گئی۔ اور پہلے اُس سے بغل گیر ہو کر بہت روئی پھر خود بھی خنجر مار کر جاں بحق تسلیم ہو گئی۔ اسکے وفادار غلاموں کو یہ حال معلوم ہوا تو اُن سب نے بھی خودکشی کر لی کورش نے یہ واقعہ سُنا تو اُسے بہت رنج ہوا اور دونوں جان بازوں کی لاشوں کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ دفن کرا کے ایک عالی شان مقبرہ تعمیر کرایا جو ابھی تک سار دیس میں موجود ہے اور اس پر صرف یہ کتبہ کندہ ہے ”یہ پنتھیا ابردت اور اسکے وفادار غلاموں کی بے مثل شجاعت و شرافت کی یادگار ہے۔“ اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ جو ایسی عورت کا فریفتہ و دلدادہ ہو چکا ہو۔ وہ بھلا کسی دوسرے کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھ سکتا ہے۔“

ہمارے نوجوانوں پر آریاسپ کی اس گفتگو کا بہت بڑا اثر ہوا۔ وہ کچھ دیر تک بالکل خاموش و ساکت رہے۔ پھر بردیہ نے آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "اے بڑی شان و قدرت والے اہرمزد! ہماری قسمت میں کیا معمولی ڈاکوؤں کی طرح شرمناک طریقہ سے مرنا لکھا ہے! ہم پر کرم کر اور ابردت کی طرح ہمیں بھی موت دے۔"

ابھی یہ دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ سامنے کریسس آتا ہوا نظر آیا۔ اسکے ہاتھ بندھے تھے اور کوڑے بردار وں کی حراست میں تھا۔ نوجوانوں نے یہ حال دیکھا تو بڑی حیرت و بیتابی کے ساتھ اس سے ملنے کے لئے آگے بڑھے اور ایک ساتھ بہت سی باتیں پوچھنے لگے۔ گجیس نے اپنے باپ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور بردیہ نے بھی بغلگیر ہونا چاہا مگر کریسس کا ہنس مکھ چہرہ اس وقت بہت اداس تھا۔ اسکی محبت بھری آنکھوں سے تفکر و ناخوشی برستی تھی۔ اس نے بردیہ کا ہاتھ کسی قدر رکھائی سے جھٹک کر تھراتی زبان سے نہایت غمگین لہجہ میں کہا "دھوکے باز لڑکے! مجھ سے دور رہ۔ آج تک جس محبت کے ساتھ میں تجھ سے پیش آیا ہوں تو اسکے لائق نہیں ہے۔ چار مرتبہ تو نے اپنے بھائی سے مکر و فریب کیا۔ دوستوں کو دھوکہ دیا۔ اور اس غریب لڑکی سے بھی جو تو کرائیتس میں تیری محبت کا دم بھر رہی ہے بیوفائی و عہد شکنی کا برتاؤ کیا۔ علاوہ بریں بدنصیب دختر فرعون کا دل زہر آلود کر کے اس کی تباہی و بربادی کا بھی تو ہی باعث ہوا۔"

اولاً بردیہ خاموش رہا مگر جب کریسس کی زبان سے "دھوکہ دہی و عہد شکنی" کے لفظ سنے تو مارے غصہ کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور زور سے زمین پر پیر مار کے چلا کر بولا "بڑے میاں! تمہاری عمر و اگلے احسانات کا دل میں خیال آتا ہے۔ ورنہ اس وقت ان الفاظ کا مزہ چکھا دیتا۔" کریسس شہزادے کو خشمناک دیکھ کر مسکرایا اور کہنے لگا "کیوں نہ ہو۔ آخر تم کمبوجیہ ہی کے تو بھائی ہو اس قدر برافروختہ ہو کر اپنی

نادانی و جہالت کا اظہار کر رہے ہو۔ مجھے تو یہ امید تھی کہ اپنا پرانا ہی خواہ و اُستاد سمجھ کر کوئی بات مجھ سے نہ چھپاؤ گے اور اپنی حرکتوں پر نادم ہو کر معافی کے خواستگار ہو گے۔ مگر اس ناشکری کی حد ہو گئی کہ پشیمان ہونا تو ایک طرف خود مجھی کو اُلٹا ڈانٹتے ہو۔" معمر کریسس نے ایسے رنج آلود شکایت آمیز طریقہ سے یہ کہا کہ بردیہ کچھ جواب نہ دے سکا اس نے اپنے دل میں بہت ضبط کیا۔ اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اور انتہائے یاس و ناامیدی سے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بیٹھ گیا۔ کریسس یہ دیکھ کر سمجھا کہ شاید اپنی غلطی کو اب محسوس کر رہا ہے اُسے اس نوجوان لڑکے سے اس قدر الفت تھی کہ خواہ کیسا ہی قصور اس سے سرزد ہوتا مگر یہ ناممکن تھا کہ وہ اس کا ساتھ چھوڑ سکتا اس لئے جب اُسے ایسا مغموم دیکھا تو اسکا دل بھی بھر آیا اور قریب آکر اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیکر بڑی محبت سے سمجھانے لگا اور جسطرح ایک باپ اپنے لڑکے کو میدان جنگ میں زخمی دیکھ کر کہتا ہے یوں کہنے لگا:۔

"میرے لخت جگر۔ میرے فرزند دلبند۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس میں تیرا کچھ قصور نہیں شاید تو کسی دوسرے کے بہکانے میں آ گیا۔ آخر خود اپنی زبان سے تو کچھ کہہ۔ میں بھی تو سنوں کہ وہ کون کمبخت روسیاہ تھا جس نے تیرا پاک دل بُرائی کی طرف اتنی جلد پھیر دیا اور ہم سب کو ایک مصیبت و آفت میں ڈال دیا۔" ان کلمات نے بردیہ کے مجروح دل پر نشتر کا کام کیا۔ اسکے رنج و غم کی انتہا نہ رہی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ ہر مزد بھی جسے وہ منصف و عادل سمجھتا تھا اب اسکے خلاف ہو گیا۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ یہ کیسی منحوس و برگشتہ تقدیر ہے جس کے چکر سے نکلنا محال ہے۔ اسکی حالت ایک ایسے جانور کی سی تھی جسکے پیچھے شکاری پہنچ گئے ہونگے اور وہ خستہ و درماندہ زمین پر گر پڑا ہو۔ اسکی فطرتی شجاعت و دلیری۔ انسان یا خونخوار درندوں کے مقابلہ کے لئے زیادہ موزوں تھی۔ مگر نکبت و ادبار کے مصائب سہنے کا بہت کم مادہ تھا۔ کیونکہ شروع سے اسکی تربیت اسکے خلاف ہوئی تھی۔ وہ و کمبوجیہ دونوں عیش و عشرت کی گودوں میں پلکر

بڑے ہوئے تھے اور ابھی تک ناکامی کی تلخیوں اور زمانہ کی سختیوں سے ناواقف تھے۔
اور روحانی صعوبتوں کی برداشت کا مادہ نہ رکھتے تھے۔ بردیہ کے لئے اس سے زیادہ
کونسی بات سوہان روح ہوسکتی تھی کہ اس کا سب سے زیادہ عزیز و سچا دوست اسکی
شرافت وراست بازی پر شک و شبہ کرنے لگا۔ اس نے بہت ضبط کیا مگر اب دل قابو
سے باہر ہوگیا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ ددُہ یا نے اپنے دوست
کی یہ حالت دیکھی تو کرسیس کو بُرا بھلا کہنے لگا اور گیجیس نے بھی اپنے باپ سے
نہایت عاجزی سے کہا کہ ایک بےگناہ شخص کو اس طرح نشانہ ملامت نہ بنائیں۔ آریاسپ
اپنی جگہ سے اٹھ کر دونوں کو سمجھانے بجھانے لگا۔ داراجو ابتک ساکت و خاموش تھا
جب سب اپنی گفتگو ختم کر چکے تو کریسس کا ہاتھ پکڑ کر بولا "آپ و بردیہ ناحق ایک
دوسرے کا دل دُکھا رہے ہیں۔ ذرا فرمایئے تو کہ معاملہ کیا ہے۔ یہ عجب انصاف ہے کہ
ملزم سے اس کا قصور نہ بیان کیا جائے اور نہ اسکے عذر کی سماعت کی جائے۔ ابھی تھوڑی
دیر ہوئی کہ آپ بردیہ کو بےگناہ سمجھتے تھے۔ آخر اب کیا ہوا کہ آپ کی رائے بدل گئی اور
اس بیدردی سے اُسے ملامت و سرزنش کرنے لگے" اس پر کریسس نے تمام
واقعہ کہہ سنایا کہ کس طرح دختر فرعون نے ایک خط لکھ کر جو راستہ میں پکڑا گیا بردیہ سے
ملنا چاہا تھا۔ بادشاہ نے یہ خط اُسے دکھایا جسے پڑھتے ہی اسکے ہوش اُڑ گئے اور اُسے
یقین ہوگیا کہ اس دنیا میں کوئی عورت یا مرد قابل اعتبار نہیں ہے۔
کریسس :- بادشاہ کو پورا یقین ہے کہ نٹتیس بردیہ پر عاشق ہے۔ مجھے بھی
سخت حیرت ہے کیونکہ ابتک میں اس لڑکی کو عفت و عصمت کی ایک دیوی سمجھتا تھا۔
یہی وجہ ہے کہ میں اس کو (بردیہ کی طرف اشارہ کر کے) بُرا بھلا کہتا ہوں کیونکہ یقیناً اسی کا
قصور ہے کہ ایک بھولی بھالی لڑکی کو بہکا کر اُسے بدنام کیا۔ اور اپنے ماتھے پر بھی ہمیشہ
کے لئے ایک کلنک کا ٹیکہ لگا لیا"

بردیہ "(گھبرائی ہوئی آواز سے چلاکر اور کف افسوس ملکر)" میں کیونکر آپ کو یقین دلاؤں کہ میں بالکل بیگناہ ہوں۔ آپ ذرا بھی مجھ سے محبت کرتے تو ہرگز مجھے جھوٹا نہ سمجھتے آپ کو کچھ بھی میرا خیال ہوتا تو......"

کریسس (آبدیدہ ہوکر) "بیٹا یہ نہ کہہ۔ کبھی بھی تیری خاطر میں نے اپنی جان تک کی پرواہ کی ہے؟ میری موجودہ حالت پر نظر کر۔ یہ میرے قول کا ایک بدیہی ثبوت ہے۔ ابھی کچھ دیر ہوئی کہ کمبوجیہ نے باضابطہ تیرے قتل کا حکم نافذ کیا تھا میں نے سُنا تو دوڑتا ہوا اُسکے پاس گیا اور اسکے قدموں پر سر رکھ کر تیرے لئے بڑی منت و عاجزی کی مگر اس نے نہ مانا تو میں نے بھی غصہ میں اُسے بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔ اسے بھلا ایسی باتوں کی کب تاب ہوتی۔ آپے سے باہر ہوگیا۔ اور جلاد کو حکم دیا کہ فوراً مجھے تہ تیغ کردے۔ سپاہی مجھے اسکے سامنے سے پکڑ کر لیگئے۔ اور اُنکے افسر نے جو میرا قدیم ممنون احسان ہے کل تک میرے قتل کو ملتوی کر کے ذرا سی فرصت دی ہے کہ تم لوگوں سے آکر مل لوں۔ غرضکہ میرا بھی چل چلاؤ ہے جس سے میں رنجیدہ نہیں بلکہ خوش ہوں کہ اپنے بچوں کے بعد اس دنیا میں رہکر انکی مفارقت و جدائی کے صدمے نہ سہونگا۔"

یہ سُنتے ہی تمام دوست از حد رنج و افسوس کرنے لگے۔ صرف دارا خاموش و مستقل مزاج تھا اس نے کریسس سے شام کا واقعہ دوبارہ بیان کیا اور بردیہ کی بیگناہی کا پوری طور سے یقین دلایا۔ پھر شہزادہ نے بھی مختصر الفاظ میں نتیتیس کے متعلق جو اتہام اس پر لگایا تھا اس کی تردید کی اور ایسی صداقت اور سچے جوش سے قسم کھائی کہ پہلے تو کریسس کو حیرت ہوئی پھر اسکے بھی خیالات بدلنے لگے اور بالآخر بڑی محبت سے بردیہ کو گلے لگا کر کہنے لگا "اب میرے دل سے ایک بڑا غبار دور ہوگیا۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ تم بے گناہ ہو اور کبھی مجھ سے جھوٹ نہ بولوگے"

بعدازاں سب آپس میں اس عجیب واقعہ پر اپنی اپنی راے زنی کرنے لگے

مگر کسی کی سمجھ میں راز نہ آیا۔ البتہ یہ ذرا بھی شبہ نہ رہا کہ نتیتیس بردیہ پر ضرور عاشق ہوگی ورنہ اس قسم کا خط لکھنے کی جرأت نہ کرتی۔"

دارا "یہ تو ہم سب کو اُسی وقت معلوم ہوگیا تھا جب کمبوجیہ نے اپنے بھائی کی شادی کا اعلان کیا تھا اور دختر فرعون کے چہرہ پر مردنی چھاگئی تھی جام شراب اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ مجھے یاد ہے کہ اسوقت فدیمیا کے باپ نے یہ کہا تھا "کیا خوب ازنانِ مصر اپنے دیوروں کی شادی کی خبر سُنکر ایسی مضطرب و بیتاب ہو جاتی ہیں!!" اسی قسم کی باتوں میں باقی ماندہ رات بھی گذر گئی۔ اب سپیدۂ صبح نمودار ہوا اور آفتاب کی کرنیں قیدیوں کے حجرۂ زنداں میں چمکنے لگیں۔ انہیں دیکھ کر بردیہ کی زبان سے نکلا "آہ متھرا ہماری جدائی اور بھی مشکل و پُر الم کرنا چاہتا ہے"

کریسس "نہیں بلکہ وہ تو اپنی تجلی نور سے ہمارے سفر آخرت کو آسان بنا رہا ہے"

باب بیسواں

بوگس کی فتح
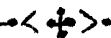
نتیتس ان افسوسناک واقعات سے بیخبر تھی۔ مگر اس کا دل رنج والم سے بھرا تھا۔ جشن سالگرہ کے موقع پر کمبوجیہ کا اس ذلت کے ساتھ اسے اُٹھا دینا۔ گو قصور اُسی کا تھا تاہم اُسے بہت شاق گذرا تھا۔ پھر اُسکی پریشانی اور بڑھ گئی کیونکہ نہ تو اس کے ناراض عاشق نے کچھ خبر لی اور نہ کاسندانہ یا اتوسا حسب معمول ملنے آئیں۔ انکی اس برتاؤ سے اسے سخت حیرت تھی اور کئی بار اُس نے کوشش بھی کی کہ خود انکے

پاس جائے اور اپنا رنج و دکھ بیان کرے لیکن کندلس خواجہ سرا نے اُسے باہر نکلنے کی اجازت نہ دی۔ اُسے پورا یقین تھا کہ جب وہ اسکی ماں کا خط دیکھیں گے تو تمام غلط فہمیاں رفع ہو جائیں گی۔ اور کمبوجیہ بھی اپنے کئے پر پچھتائیگا۔ وہ اُسکے غیظ و غضب کو عاشقانہ رشک وحسد پر مبذول کرتی تھی۔ اور ابی کوس کا یہ قول یاد کرکے دل ہی دل میں خوش تھی وہ جس طرح بخار کا حملہ بہ نسبت ایک کمزور کے مضبوط شخص پر زیادہ شدت کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح رشک وحسد کی آگ بھی ایک جذبۂ عشق سے بھرے ہوئے دل میں بہ نسبت اسکے جس کی محبت بالکل سطحی و عارضی ہے بڑی تیزی سے مشتعل ہوتی ہے۔" عشق کے فلسفی کا کہ اگر یہ قول صحیح ہے تو کمبوجیہ جس نے اپنے جوش رقابت کا اس درجہ اظہار کیا اُس سے کس قدر الفت رکھتا ہوگا۔

یہ خیال اگرچہ تسکین دہ تھا لیکن ساتھ ہی وطن کی غمناک خبریں اور دشمنوں کی طرف سے طرح طرح کے اندیشے دل میں آ رہے تھے کوئی ایسا حامی و ہمراز نہ تھا جس سے وہ انہیں کہہ سکتی اور خود ہی پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ جب نصف دن گذر کر دوپہر ہوگئی پھر بھی کسی نے خبر نہ لی تو بیتابی و بیقراری از حد بڑھ گئی اور شام ہونے تک اور بھی اسکی حالت زبوں ہوگئی۔ اب رات آئی انتظار کرتے کرتے وہ تھک گئی اور پلنگ پر جا لیٹنے کے ارادہ سے اٹھی تھی کہ اتنے میں بلا اطلاع کئے بوگس خواجہ سرا اندر داخل ہوا اور ہنس کر بڑے طنز سے اس سے کہنے لگا کہ جو خط آپ نے شہزادہ بردیہ یعنی اپنے عاشق دلدادہ کو بھیجا تھا وہ شہنشاہ کے ہاتھ لگ گیا۔ آپ کا راز طشت از بام ہو گیا اور غریب قاصد بھی مارا گیا۔ شہزادی پہلے ہی سے خستہ جان تھی اس منحوس خبر کو سنتے ہی بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔ بوگس نے اسے اٹھا کر پلنگ پر لٹا دیا اور کمرے کا دروازہ بڑی احتیاط سے بند کرکے باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد دو اجنبی ایک نوجوان دوسرا عمر رسیدہ اُس چور دروازے سے جسے بوگس نے پہلے سے تلاش کر رکھا تھا باغ کے اندر داخل ہوتے

آخر الذکر محل کی دیوار کے قریب پہنچکر کھڑا ہو گیا۔ اور نوجوان کھڑکی سے کسی کا اشارہ پاتے ہی اوپر چڑھکر اندر پہنچ گیا۔ یہاں اس سے اور اسکی بلانے والی مہ لقا نازنین سے عشق و محبت کی سرگوشیاں و قسما قسمی و شکوہ شکایت ہونے لگی کئی بار پیاری مندانا و پیارے گوماتا کی آواز آئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد بوڑھے آدمی نے نیچے سے تالی بجائی جسے سنتے ہی نوجوان نے جلدی سے تمتیتیس کی خادمہ کو گلے لگاکر الوداع کہا اور کھڑکی سے کود کر نیچے آیا اور ان لوگوں کے قریب سے جو نیلی سوسن کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ گذرتا ہوا مع اپنے ساتھی کی چور دروازے سے باہر نکل گیا۔ بعدہٗ مندانہ جلدی سے اپنی مالکہ کے حجرہ میں آئی۔ وہ اسکی عادات سے واقف تھی کہ ہر روز بوقت شام اپنے کمرے کی ایک کھڑکی سے جس کا رخ دریائے فرات کی طرف تھا طلوع انجم کا تماشہ دیکھتی ہے۔ یا سامنے والے میدان کے خوشنما نظارہ میں ایسی محو ہو جاتی ہے کہ کسی کو اپنے پاس نہیں بلاتی۔ اس لئے مندانہ کو اطمینان تھا اور اپنے عاشق سے ملنے کا اسے ایک اچھا موقعہ مل گیا تھا۔ وہ ابھی شہزادی کو ڈھونڈھ رہی تھی کہ کیا دیکھتی ہے کہ باغ آدمیوں سے یکایک بھر گیا۔ بہت سے سپاہیوں و خواجہ سراؤں کی آوازیں سنائی دیں۔ اور ہر طرف سے پہرہ والونکی بگل بجنے لگے۔ یہ کیفیت دیکھتے ہی پہلے تو اسکے ہوش اڑ گئے اور سمجھی کہ راز طشت از بام ہو گیا مگر تھوڑی ہی دیر بعد بوگس نے آکر چپکے سے اسکے کان میں کہا "گھبراؤ نہیں وہ بچکر نکل گئے"۔ اب اسے اطمینان ہوا اور جان میں جان آئی اور دوڑتی ہوئی اپنی مالکہ کے پاس پہنچی اور اسے بیہوش پاتے ہی لونڈیوں و کنیزوں کو جنہیں اپنی غرض سے مصلحتاً اس نے دوسری طرف بھیج دیا تھا۔ بلاکر کہنے لگی کہ شہزادی کو خوابگاہ میں لیچلو۔ یہاں لاکر اسے ایک پلنگ پر لٹا دیا اور ہوش میں لانے کی کوششیں کرنے لگی۔ تمتیتیس نے ابھی مشکل سے آنکھیں کھولی تھیں کہ اس کا جانی دشمن بوگس پھر نظر آیا۔ اس مرتبہ اسکے ساتھ تین چار اور خواجہ سرا تھے جنہیں اس نے حکم دیا کہ شہزادی کے ہاتھوں میں زنجیریں

ڈالدیں - غریب لڑکی حیرت و استعجاب و رنج کے مارے زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکال سکی اور خاموشی و صبر کے ساتھ اس ذلت و رسوائی کو برداشت کر گئی - بوگس نے بہت کچھ طنز آمیز جملے کسے مگر وہ کچھ نہ بولی تو چلتے چلاتے یہ کہنے لگا "میری قمری کو یہ قفس مبارک ہو شہنشاہ سے اب جا کر عرض کرونگا کہ حضور کی کبوتری کے کابک میں آج ایک نیا کبوتر نظر آیا اور آپ کی منظور نظر غیر مرد کے ساتھ گل چھرے اڑاتی پکڑی گئیں ...... تمہیں میری کچھ پرواہ نہ تھی اور اب بھی شاید یہی حال ہے - اچھا تو بندہ اب رخصتی آداب بجا لاتا ہے - سچ ہے کہ دوست صادق مصیبت یا موت کے وقت یاد آتے ہیں اور غریب بوگس بھی شاید اسی وقت یاد آئے جب قبر کی ٹھنڈی مٹی آپ کے نازک جسم پر پڑے گی - مگر گھبرانا نہیں اسے اپنے بلبل کی آسائش کا اس قدر خیال ہے کہ موٹے کپڑوں میں ہرگز اسے دفن نہ ہونے دیگا بلکہ ایک نہایت ملائم ریشمی کفن خاص اسکے لئے تیار کرائیگا - کہو تو اب خوش ہوئیں میرا احسان مانوگی اچھا تو لو یہ آخری سلام ہے (بسور کر) ہائے افسوس میری آنکھیں اس پیاری صورت کے دیکھنے کو ترسیں گی "

یہ کہہ کر وہ تو چل دیا مگر شہزادی کانپ اٹھی اور مندرانہ سے پوچھنے لگی کہ بتا آخر یہ کیا معاملہ ہے - خادمہ خواجہ سرا کے سکھانے پڑھانے میں تھی ہی اس نے جواب دیا کہ شہزادہ پردیسیہ باغ کے اندر چھپ کر آئے تھے اور بہت سے امیروں نے جو اس وقت یہاں موجود تھے انہیں محل میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا - شہنشاہ کو بھی خبر ہو گئی اور وہ اس قدر غضبناک ہیں کہ بیان سے باہر - اب ہم سب کی خیریت نظر نہیں آتی - یہ کہکر مندرانہ زار و قطار رونے لگی - شہزادی بھی اس کے دہوکے میں آگئی اور اپنا سچا ہمدرد سمجھی - اسکے دل میں عجب پیچ و تاب تھا - کبھی اپنے ہاتھوں میں زنجیریں دیکھکر جھنجلاتی اور بیتاب ہوتی کبھی گردن جھکا کر اپنی حالت زار پر غور کرتی - اور بے یار و مددگار ایک آفت ناگہانی میں اپنے آپ کو گھرا ہوا پاکر خون کے آنسو بہاتی - کچھ دیر تک تو اسکی

یہی حالت رہی پھر یکایک کچھ سوچکر کھڑی ہوگئی۔ وطن کا خط نکالا اور اس پر یہ الفاظ لکھ کر کہ میں بیقصور و بیگناہ ہوں منذانہ سے جو ابھی تک جوشیو سوئے ہمارے ہی تھی کہا کہ میرے مرنیکے بعد یہ خط مادرشاہ کو لیجا کر دیدینا۔ اس کی صندوقچی میں رخساروں پر ملنے کا ایک زہر آلود روغن تھا۔ اس نے چپکے سے اسکی ڈبیا نکال کر اپنے پاس رکھ لی۔ اور یہ ٹھان لی کہ اب اگر اور کسی ذلت کا سامنا ہوا تو اسے فوراً کھا کر جان دیدونگی۔ اس خیال سے اُسے کسی قدر تسکین ہوگئی اور دل میں کہنے لگی کہ وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو کیا مضائقہ آخر یہ بھی تو اسکی محبت کا ثبوت ہے میں اب ایک آخری خط اُسے لکھوں گی اور اپنے عشق کا پورے طور سے اظہار کرونگی۔ لیکن یہ مرنیکے بعد اُسے معلوم ہونا چاہیئے تاکہ وہ یہ نہ خیال کرے کہ میں نے اپنی جان بچانیکی غرض سے باتیں بنائی ہیں۔ جب یہ خط اُسے ملیگا اور اُسے پڑھ کر اپنی غلطی پر آگاہ ہوگا تو شاید اسکی آنکھوں سے آنسو نکل پڑیں اور اپنی حرکت پر نادم ہو کر کفِ افسوس ملے۔

نلتیتس کی یہی بڑی آرزو و تمنا تھی جس نے اُسکے دُکھے ہوئے دل کو ایک عجیب اطمینان و مسرت سے بھر دیا۔ اور باوجود اس مجبوری کے کہ دونوں ہاتھ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے کسی نہ کسی طرح یہ چند سطریں لکھنے لگی۔ "کمبوجیہ پیارے! ہرمزد ہمیشہ تمہیں خوش و خرم و تندرست رکھے۔ یہ خط تمہیں میری موت کے بعد ملیگا۔ میں نے ابھی تک تم سے اپنے عشق کا اظہار نہیں کیا تھا مگر اب سن لو کہ تمہارے سامنے نہ میں اپنے دیوتاؤں کو کچھ سمجھتی ہوں۔ نہ اپنی ناچیز جان بلکہ تمام دنیا کی کچھ پرواہ کرتی ہوں۔ اپنی والدہ و ہمشیرہ سے کہدینا کہ مجھے ذکر خیر سے یاد کریں۔ میں ایسی بری نہیں ہوں جیسا شاید وہ سمجھتی ہونگی۔ میری ماں کے خط سے انہیں معلوم ہو جائیگا کہ میں بالکل بیگناہ ہوں اور بردیہ سے صرف اپنی غریب بہن کی خاطر ملنا چاہتی تھی۔ بوگس کہتا ہے کہ میرے قتل کا حکم تم نے دیا ہے۔ وہ بیوقوف ہے۔ سمجھتا ہے کہ میں موت سے ڈرتی ہوں۔ یہ بالکل غلط ہے جلاد کے آنے سے پہلے ہی میں زہر کھا لونگی اور اپنے ہی سر یہ گناہ لونگی۔ کیونکہ میں نہیں

چاہتی کہ پیارے تم کسی مظلوم و بیکس کے خون ناحق کے سبب عذاب آخرت میں مبتلا ہو"

اس قدر کہہ کر اُس نے یہ نامہ پُر درد اور اپنی ماں کا خط دونوں مندانہ کے سپرد کئے اور کہا کہ بادشاہ کو میرے مرنے کے بعد دیدینا۔ بعدہ دوزانو ہو کر بڑے خضوع و خشوع کے ساتھ دعامیں مصروف ہوگئی۔ خادمہ نے ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے کہا "بیوی! اپنے مرنے کا خیال دل میں نہ لاؤ تم بہت تھک گئی ہو اور کمزور ہو۔ پلنگ پر لیٹ جاؤ اور تھوڑی دیر آرام کر لو"

لڑکی "نہیں۔ میری زندگی کی صرف چند گھڑیاں باقی ہیں۔ اب راحت و آرام کا وقت نہیں۔ تم جاؤ۔ جب مجھے ضرورت ہوگی تو بلا لونگی"

جب مندانہ چلی گئی تو اس نے نہایت خوش الحانی کے ساتھ اپنے مصری بھجن گانا شروع کئے۔ زردشتی تعلیم و تلقین بھول گئی اور اُس کی تمام توجہ اپنے وطن کے دیوتاؤں کی طرف مبذول ہوگئی اور انہیں سے اپنی آیندہ زندگی کی بہتری کے لئے دعائیں مانگنے لگی۔ یہ وہ روحانی زندگی تھی جو اسکے اعتقاد کے مطابق عالم تحت الثریٰ میں بسر ہوتی تھی۔ جہاں آسیرس کا راج تھا۔ جہاں مردہ کی روح اولاً ایک میزان میں سچائی کی دیوی اور کاتب آسمانی یعنی تھاتھ کے سامنے تولی جاتی تھی۔ پھر بارہ ججوں کے سامنے لائی جاتی تھی جو اُسکی حالت پر غور و خوض کر کے اپنا فیصلہ سناتے تھے۔ یہی وہ زندگی تھی جہاں اُسے اپنے پیاروں و عزیزوں سے ملنے کی امید تھی بشرطیکہ اس کا جسم جو حامل روح ہے محفوظ رہ سکے[۱۵] اور ججوں کا فیصلہ اُسکے خلاف نہ ہو۔ ورنہ اسی دنیا

[۱۵] اگر جسم محفوظ ہے تو مردہ تحت الثریٰ میں پہنچتے ہی اپنے اعضا سے کام لے سکیگا۔ اگر جسم میں کسی لباس یا عضو وغیرہ کی کمی ہے تو وہی اسکے ہمزاد یا سایہ میں پائی جائے گی۔ مصریوں کی اُمرز روح جو تحت الثریٰ میں داخل ہوتی ہے۔ اگر حساب کتاب میں پوری اُتری تو روح عالم یعنی آسرس سے ملحق ہو کر مشرقی نور کی ٹھنڈی شعاعوں میں عیش کے ساتھ بسر کرتی ہے۔ اور آلو کے سرسبز و شاداب میدانوں میں بلا مشقت کھیتی کرتی ہے ورنہ نہایت خوفناک سزاؤں کے بعد تحت الثریٰ سے نکال دیا جاتا ہے۔ اور مختلف جانوروں کے جسموں میں اُسکو

ہیں مختلف جانوروں کی شکلوں میں اُسے بار بار سرگردان و پریشان رہنا پڑیگا۔ مصری مذہب کا یہ عقیدہ کہ روح کی آیندہ قسمت کا دار و مدار تمام تر جسم کی حفاظت پر منحصر ہے۔ تلتیس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) متواتر جنم لینا پڑتے ہیں۔ بعدہٗ ایک مدت دراز کے بعد یا تو اُسے آسرس کا وصل نصیب ہوتا ہے۔ یا تزکیہ و صفائی کی تکمیل کے لئے از سر نو اپنا کٹھن راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوتی ہے (پروفیسر ایبرا)

سفر روح کے متعلق مصریوں کے عجیب و غریب اعتقاد تھے۔

(۱) مرنیکے بعد روح کو بڑے بڑے جنگل بیابان طے کرنا پڑتے ہیں۔ خونخوار درندے اور نہایت مہیب جانور راستہ میں ملتے ہیں۔ پھر ایک کنول کی جھیل نظر آتی ہے جسے پار کرنا دشوار ہے۔ بالآخر شغال رو انوبس دیوتا کی رہنمائی میں داخل جنت ہوتی ہے۔

(۲)۔ ایک زینہ کے ذریعہ آسمان پر چڑھتی ہے یا چڑیا بنکر بادلوں پر سوار ہو کر جاتی ہے۔

(۳) دیوی ماتا نوت اپنی گود میں اُٹھا کر لے جاتی ہے۔ لوہے کا آسمان راہ میں پڑتا ہے جسکے دروازے منتر پڑھنے سے کھلتے ہیں۔

(۴) بعض کا خیال تھا کہ مشرقی افق میں ایک عظیم الشان بھٹی ہے جس میں نیا سورج رہتا ہے۔ جب وہ برآمد ہوتا ہے تو اس بھٹی کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ہورس سنہ باز کی شکل میں روح کو لیئے ہوئے داخل ہوتا ہے اور سفر کرتا ہوا ایک جھیل کے پاس پہنچتا ہے جس کے وسط میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جہاں چشمہ حیات کے قریب ایک شجر حیات موجود ہے۔ ہاتھر دیوی نیک روح کو اس چشمہ کا پانی و درخت کا میوہ کھلاتی ہے۔

(۵) فرعون کی روح کے ساتھ خاص مراعات برتی جاتی تھیں۔ وہ کشتی را کے پاس پہنچتے ہی دیوتا کے کاتب کو نکال کر خود سوار ہو جاتی ہے اور روزانہ آسمانی نیل کو طے کرکے بوقت شب زیر زمین دوزخ نیل پر سفر کرتی ہے جہاں بالکل اندھیرا ہے اور صرف را دیوتا روشنی کر سکتا ہے۔ اسکے بارہ حصے ہیں۔ ایک میں آتشیں تالاب ہیں جہاں ارواح بد عذاب میں مبتلا ہیں۔ ہزاروں خونخوار جانور و اژدہے ہیں۔ جو را کو روکنا چاہتے ہیں مگر وہ اُنہیں مارتا ہوا نکل جاتا ہے۔ یہ جنت پہلے صرف فرعون کے لئے مخصوص تھی مگر بعدہ دوسرے بھی حقدار سمجھے جانے لگے

(۶) آسرس کی جنت یعنی آلو۔ یہاں گنہگار داخل نہیں ہو سکتے صرف نیک روحیں رہتی ہیں۔ جو ابد الآباد

دل میں ایسا جاگزیں ہوگیا تھا کہ ہرگز نہ نکل سکتا تھا۔ اس لئے جب وہ خیال کرتی کہ ایرانی رسم کے مطابق ممکن ہے کہ اس کا جسم چیل کوؤں وکتوں کو کھلا دیا جائے تو کانپ اٹھتی اور اپنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تک کھیتی باڑی کرتی ہیں اور دنیا کی طرح مختلف انتظامات اور لطف کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرتی ہیں۔ اس جنت میں داخل ہونے سے پہلے روح کو ایک ایوان عدالت میں لایا جاتا ہے یہاں آسرس ایک تخت پر جلوہ گر ہے۔ اس کے قریب آسس اور نبتھی کھڑی ہیں اور سامنے دوطرفہ مصر کے مختلف صوبوں کے دیوتا بیٹھے ہیں۔ وسط ہال میں ایک میزان ہے جس کے ایک پلڑہ پر روح کا دل (ضمیر) اور دوسرے پر ایک پر جو نشان یا علامت صداقت ہے رکھا جاتا ہے۔ ہورس اور انوبس دیوتا تولنے والے ہیں اور تھوتھ کاتب میزان ہے۔ قریب ہی ایک نہایت مہیب شکل دیوی نظر آتی ہے۔ جس کا سر مگرمچھ۔ جسم گینڈے اور پچھلے پیر شیرنی کی طرح ہیں۔ یہ اپنا منہ پھیلائے بیٹھی ہے اور ارواح بد کو نگل جاتی ہے۔ غرضکہ مردہ جب اس ہال میں پہنچتا ہے تو سب سے پہلے وہ آسرس کی حمدوثنا پڑھتا ہے پھر ۴۲ گناہوں سے (ظلم۔ بزدلی۔ جھوٹ۔ چوری۔ قتل۔ آگ بجھانا۔ متبرک جانوروں یا پرندوں کو مارنا۔ پڑوسی کے کھیت کا پانی نکال لے جانا وغیرہ وغیرہ) اپنی معصومیت کا اقرار کرتا ہے۔ یہ سنکر سب دیوتا خاموش رہتے ہیں اور میزان میں اس کا دل (ضمیر) تولا جاتا ہے اگر پورا اترا اور بارہ ججوں نے اسکے موافق فیصلہ کر دیا تو خیر ہے ورنہ دیوی لپک کر اسے نگل جاتی ہے یا سور کی شکل بنا کر باہر نکال دیا جاتا ہے۔ بعض وقت دل خود گواہی دیتا تھا جس سے مصری بہت ڈرتے تھے اور اپنے پروہتوں سے ایک تعویذ لیتے تھے جس کے اثر سے ضمیر خاموش اور مردہ کو الزام دینے سے باز رہتا تھا۔ غرضکہ نیکوں کی روح جب اس امتحان میں پوری اترتی ہے تو تھوتھ (جس کا سر پرند کا ہے) اسے نہایت سرسبز شاداب میدانوں میں لیجا کر دوسرے دیوتاؤں سے ملاتا ہے۔ یہاں وہ آسمانی نیل پر سفر کرتی ہے کھیتی باڑی میں مصروف ہوتی ہے اور دیگر تمام دنیاوی مشاغل سے حظ اٹھاتی ہے۔ نیز اپنے دوستوں وعزیزوں سے بھی مل سکتی ہے اور دنیوی جسم بھی بآسانی اختیار کر سکتی ہے۔ یہ تو معمولی لوگوں کا حال تھا۔ بادشاہ اپنی حسب حیثیت رہتے تھے اور عموماً دیوتاؤں کا مرتبہ پاکر انہیں کی صحبت ومجلس میں وقت بسر کرتے تھے (پروفیسر ولکنس)

نجات سے بالکل ناامید ہوجاتی کبھی سوچتی تھی کہ اس نئے مذہب کے مقابلہ میں شاید اُسی کے دیوتا جھوٹے ہوں بشاید یہی سچ ہو کہ مردہ جسم اپنے عناصر مادّی سے ملکر فنا ہوجاتا ہے اور روح کا اس سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا شاید وہی آفتاب عالمتاب جو اس وقت وادی فرات سے طلوع ہورہا ہے مظہر حقیقی کا پرتو ہے۔ یہ خیال آتے ہی قریب تھا کہ متھرا کی حمد و ثنا میں۔ ایرانی موبدوں کے سکھائے ہوئے بھجن گاتی۔ مگر اسکی زبان یکایک رک جاتی۔ اُسے شمس کی صورت میں اپنے وطن کا بڑا دیوتا را نظر آتا اور بجائے زرتشتی دعاؤں کے وہ گیت گانے لگتی جو مصری پروہت طلوع آفتاب کے وقت عموماً گایا کرتے تھے

گردن جھکاؤ سامنے اس دیوتا کے تم
سر اُسکے سامنے تم اطاعت سے خم کرو
قدرت سے اپنی آپ ہی پیدا ہوا ہے وہ
اے را تمام عزت و شاں ہیں ترے لئے
تیری ہی ذات سے ہیں یہ زرخیزیاں تمام
جو پاک دل ہیں اُنکا نگہباں ہے تو مدام
ہے عزت و جلال یہ زیبا ترے لئے
ان کھیتیوں پہ جو کہ ہیں سر سبز نیلگوں
آمد کو تیری دیکھ کے فرط نشاط سے

سب دیوتاؤں میں ہے بڑا جس کا مرتبا
فرزند آسماں ہے یہ صاحب جلال را
پاتا ہے روز از سر نو صبحدم بقا
تو بحر آسماں میں ہے کرتا سفر سدا
مخلوق سب ترے ہیں سمک سے یہ تا سما
کرتی ہیں زندگی انہیں کرنیں تری عطا
اے آسمان پیر کے فرزند دلکشا
گھاٹی سے آسماں کی ہے توڑا اتنا ضیا
بے اختیار جھومنے لگتے ہیں دیوتا

(از کتبہ لوح تابوت مصری در برلن میوزیم)

اس گیت سے اُسے بڑی تسکین ہوگئی اُسے اپنے بچپن کا زمانہ یاد آگیا اور آبدیدہ ہوکر بڑی حسرت و یاس سے آفتاب کو جس کی کرنیں ابھی ایسی تیز نہ تھیں کہ آنکھوں کو چکا چوند کردیں تکنے لگی۔ پھر اُسکی نگاہ اس سامنے والے میدان پر پڑی جہاں فرات کی لہریں دریائے نیل کی طرح دور سے زرد نظر آرہی تھیں۔ اسے اپنے وطن سے مشابہ یہاں بھی لہلہاتے ہوئے

کھیتوں و انجیر کی جھاڑیوں میں چھوٹے چھوٹے گاؤں چھپے ہوئے نظر آئے۔ جانب مغرب
شاہی رمنے و باغات جن میں بکثرت کھجور، بادام، اخروٹ اور صنوبر و شمشاد کے درخت تھے
میلوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ اسکے قریب محل کے چاروں طرف خوشنما چمن تھے جن کی
پھول پتیوں پر صبح کی شبنم اس وقت موتیوں کی طرح جھلک رہی تھی پھولوں کی خوشبو سے
بسی ہوئی شمیم انگیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ مرغان سحر اپنی نغمہ سنجی میں مصروف تھے نسیم
سحری کے جھونکے درختوں کی نازک ٹہنیوں کو جنبش دیکر اسطرح آپس میں اٹھکھیلیاں کر رہے
تھے کہ گویاں ہزاروں پریاں رقص کر رہی ہیں۔ یہ ایسا تماشہ تھا جسے شاہزادی ہر روز اپنے
دریچے میں بیٹھ کر دیکھا کرتی اور اسے اکثر خیال آتا کہ کیا عجب ہیں وہ عجیب و غریب پرند
بھی کبھی آتا ہو جسے فینکس [1] کہتے ہیں اور جو بقول برہمنوں کے ہر پانچ سو برس بعد

[1] فینکس یا عنقا ایک پرند ہے جس کے عجیب و غریب حالات پرانی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے
"میں نے اُسے خود نہیں دیکھا لیکن اُسکی تصویر مشاہدہ کی ہے۔ اُسکے بازو سنہرے سرخی مائل ہیں اور شکل عقاب کی طرح
ہے۔ کہتے ہیں کہ شہر ہیلیو پولس میں وہ ہر پانچ سو برس کے بعد آتا ہے یہاں کے باشندے اسکے متعلق ایک عجیب
واقعہ بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ پرند جس کا وطن ملک عرب ہے۔ جب اس کا باپ مرجاتا ہے تو پہلے انڈے کی شکل کا
مہندی کا ایک بڑا سا گولا بناتا ہے پھر اس میں سوراخ کر کے باپ کی لاش اندر رکھ کر اوپر سے بند کر دیتا ہے اور مصر کا
رخ کرتا ہے۔ جہاں شمس دیوتا کے مندر میں آکر وہ گولا دفن کر دیتا ہے"
پلینی کا بیان ہے "فینکس عرب کا ایک بہت بڑا پرند ہے جسکی عمر ۶۶۰ برس کی ہوتی ہے۔ جب بوڑھا ہو جاتا
ہے اور اسکے مرنیکے کا زمانہ قریب آتا ہے تو تیج پات اور لوبان وغیرہ کی شاخوں کا ایک گھونسلا بناتا ہے۔ اسے بخورات
سے بھرتا ہے پھر اس پر بیٹھکر مرجاتا ہے۔ بعدہٗ اسکی ہڈی و گودے سے ایک کیڑا نکلتا ہے جو بڑا ہو کر اسی کا ہم شکل
ہوتا ہے اور گھونسلا پنجوں میں دبا کر ہیلیو پولس آتا ہے۔ اور سورج دیوتا کے مندر میں باپ کی لاش رکھ کر چلا جاتا ہے
اسکی آمد کا زمانہ وہ وقت ہے جب ۳۶۵ دن کا شمسی سال ۳۶۵¼ دن کے معینہ یا سوتھک سال سے ملجاتا ہے
(یعنی ۱۴۶۰ برس کے بعد) اور تمام سیارے گردش کر کے اپنی پرانی جگہ واپس آجاتے ہیں"

را کے مندر واقع ہیلیوپولس[۱] میں حاضر ہوتا ہے اور اسکے متبرک شعلہائے آتش میں جلکر مرجاتا ہے پھر اسکی خاک سے ایک نیا پرند نمودار ہوتا ہے جو پہلے سے بھی زیادہ خوشنما ہوتا ہے اور اپنے وطن کی طرف اُڑکر چلا جاتا ہے۔ وہ انہی خیالات میں محو تھی اور دل میں کہہ رہی تھی اے کاش مجھے بھی ان تمام مصیبتوں کے بعد فینکس کی طرح ایک نئی اور خوش آیند زندگی نصیب ہوتی کہ اتنے میں کیا دیکھتی ہے کہ ایک طائر زرین جسکے دونوں بازو نہایت خوشنما وچمکدار تھے صنوبر کے اس درخت سے جو اسکے بیدرو عاشق کے محل میں تھا۔ اڑکر آسمان پر بلند ہوا اور منڈلاتا ہوا اُتر کے اس تاڑ کے درخت پر بیٹھ گیا جو اسکے دریچے کے بالکل ہی قریب تھا نتتیس نے ایسا عجیب وغریب پرند جس کے پیروں میں ایک طلائی زنجیر بندھی تھی آج تک نہ دیکھا تھا۔ اُسے اسکی دُم بجائے پروں کے سورج کی کرنوں کی معلوم ہوئی۔ وہ سمجھی کہ شاید یہی بنو[۲] یعنی رادیوتا کا مقبول پرند ہے اور بڑے ادب سے دوزانو بیٹھ کر اسکی طرف نگاہ جمائے ہوئے یہ پُرانا گیت گانے لگی۔

انسان کے سروں سے بہت اونچا ہوں میں اُڑتا	لیجاتے ہیں بازو مرے افلاک بریں پر
آتا مری شوکت میں ہے پر تو نظر اس کا	پیدا کیا جس نے مجھے وہ خالق اکبر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فینکس کی تصاویر مصری فتوحات کی یادگاروں۔ اُنکے محلات کے ستونوں وجہازوں کے مستولوں پر بھی نظر آتی ہیں ان میں وہ اپنے بازو پھیلائے ہوئے پچھلے پنجوں پر بیٹھا ہوا۔ اگلے پنجے انسان کے ہاتھ کی طرح دعا کے لئے اٹھائے ہوئے ہے بعض تصاویر میں اس کا چہرہ مثل انسان بنا ہے اور دو بازو ہیں۔ سر پر بالوں کی کلغی ہے اور ہاتھ دعا کے لئے بلند ہیں۔ ایک ستارہ بھی اسکے قریب موجود ہے۔

(پروفیسر ولکنس)

[۱] ہیلیوپولس یعنی الشمس یا بیت الشمس۔ جس کا نام بائبل میں آن یا عون آیا ہے۔ قدیم مصر کا ایک نہایت مشہور شہر تھا جسکے آثار قاہرہ کے نزدیک پائے جاتے ہیں۔

[۲] قدیم مصری فنیکس کو بنو کہتے تھے۔ (امیر)

میں حسن میں کمتر نہیں اُن پھولوں سے ہرگز	جو کھلتے ہیں دنیا کے چمن زاروں میں اکثر
دیکھے مری تابش کوئی اُس وقت کہ جب دم	ہے ڈالتا تیزی سے کرن مہر منور
خلقت کا مری راز کسی پر نہیں ظاہر	ہے مجھ پہ کھلا ماضی و آیندہ کا دفتر
میں روح ہوں اُس راکی جسے کہتے ہیں خورشید	دائم جو چمکتا ہے سرِ اہل جہاں پر

(از باب ۴۳ - کتاب مردگان)

طائر یہ گیت بظاہر بڑے شوق سے سنتا رہا - اور اسکے ختم ہوتے ہی اپنی گردن وپر ہلا کر اُڑ گیا - نمتیتس اُسے عنقا سمجھی مگر حقیقت میں وہ ایک راج ہنس تھا جو شاہی چڑیا خانہ سے اپنی زنجیریں توڑ کر باہر نکل آیا تھا - اسے دیکھتے ہی غریب لڑکی سمجھی کہ رادیوتا نے خاص اسی کی تسکین قلب کے لئے اپنا پرند بھیجا ہے - یہ خیال آتے ہی اسکی امیدیں از سر نو تازہ ہوگئیں اور دل مسرت و خوشی سے بھر گیا - قاعدہ ہے کہ جب تک امید کا رشتہ منقطع نہیں ہوتا انسان بڑی بڑی مصیبتیں جھیل سکتا ہے اور گو اسے خوشی فوراً نصیب نہ بھی ہو تاہم اسکا تصور ہی تسکین و تشفی کے لئے کافی ہے اور اس کے دل کے نازک کنول کو کھلانے و مرجھانے سے باز رکھتا ہے -

نمتیتس نے زہر کھانے کا ارادہ ترک کر دیا - اور تھکی ماندی تو تھی مسہری پر لیٹتے ہی خواب خرگوش کے مزے لینے لگی -

جن بدنصیب و جفاکشوں کی رات آہ و زاری میں جاگتے کٹی ہے وہ صبح صادق کی نورانی تجلی دیکھ کر خوش ہوتے ہیں مگر بد باطن و گنہگار ظلمت و تاریکی ہی کو پسند کرتے ہیں اور سورج کی پاک روشنی دیکھ کر گھبراتے و پریشان ہوتے ہیں - نمتیتس آرام سے سو رہی تھی مگر اسکی خادمہ مندانہ سرہانے بیٹھی ہوئی ابھی تک جاگ رہی تھی - اسکے دل میں ایک عجب جدوجہد ایک عجب پیچ و تاب تھا - کبھی کہتی ہائے افسوس کاش یہ سورج جو اسکی نیک و مہربان بیوی کی موت کا پیش خیمہ ہے نہ نکلتا اور ہمیشہ رات ہی رہتی جو گذشتہ افسوسناک

واقعات پر اپنا پردہ ڈالے رہتی اور انکا اثر زائل کر دیتی کبھی اپنے نفس کو حد درجہ ملامت و نفرین کرتی اور کہتی میں ہی بیحیا و گنہگار قابل سرزنش و سزا ہوں۔ میری ہی گردن پر اس غریب کے خون ناحق کا عذاب رہیگا۔ پھر کئی بار اسے خیال آیا کہ اپنی حرکات کا اقبال کر کے شہزادی کو موت کے پنجہ سے چھڑالے۔ مگر جان بڑی عزیز ہوتی ہے اس کا خوف اس ارادہ پر غالب رہا۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ اگر سچ سچ کہدیگی تو یقیناً گردن مار کر پیوند زمین کر دیجائیگی اور قبر کی گیلی گیلی مٹی جسم پر پڑیگی جس کے خیال ہی سے اُسے جھرجھری آجاتی تھی۔ اور آنکھ بند کر کے کانپنے لگتی تھی۔ پھر یہ کہہ کر اپنے دل کو تسکین دینے لگتی کہ ابھی تو میں جوان و نوعمر ہوں۔ نہ تو زندگی کے مزے اٹھا سکی ہوں نہ میری امنگیں و ارمان پورے ہوئے ہیں۔ اگر یہ امید ہوتی کہ حبس دوام سے زیادہ سزا نہ ملے گی تو شاید سب کچھ کہہ دیتی مگر جان کیوں دوں اور اگر دینا بھی چاہوں تو بھی شاید بے سود ہو اور شاہزادی رہائی نہ پاسکے کیونکہ اُسے بردیہ کے خط کا حال معلوم تھا اور یہ بھی جانتی تھی کہ بادشاہ کی نظر سے وہ گذر چکا ہے۔ شہزادی کا قصور ثابت ہو چکا ہے اور وہ کسی طرح موت کے پنجہ سے بچ نہیں سکتی۔ انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب کوئی خطا کرتا ہے تو خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر نہیں دیکھتا بلکہ طرح طرح کی بہانہ بازیوں سے اپنے آپ کو بیقصور و بری الذمہ بنانیکی کوششیں کرتا ہے یہی حال مندانہ کا تھا لیکن وہ شریر و بدطینت نہ تھی اور اپنی مالکہ سے کسی قدر الفت بھی رکھتی تھی۔ اس لئے جب کوئی تدبیر بن نہ آئی تو اسکے پلنگ کے نیچے دوزانو بیٹھ کر زار و قطار رونے لگی۔

بوگس کی رات بھی جاگتے گذری تھی اس کا رقیب خواجہ سرا اکندلس جس سے اُسے سخت نفرت تھی۔ تغافل و رشوت ستانی کے جرم میں بادشاہ کے حکم سے قتل کر دیا گیا تھا۔ اسے ذلیل و حقیر سمجھنے والی نفیتیس نہ صرف اپنے اعلیٰ مرتبہ سے نیچے گرگئی تھی بلکہ ایک شرمناک طریقہ سے موت کی سزا پانیوالی تھی۔ نادر شاہ کا بھی اثر بہت کچھ زائل ہو گیا تھا مختصر یہ کہ اب اس کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔ اور یہ سب کچھ اُسی کی ہوشیاری و چالاکی کا نتیجہ تھا۔

جس پر اُسے بڑا گھمنڈ تھا اور دل میں بہت خوش تھا کہ اب عنقریب اپنی چہیتی فدیما کو بادشاہ کے زانو بہ زانو ایک ذی اقتدار و منظورِ نظر ملکہ کی حیثیت سے دیکھے گا۔ گری سس ولو جوان امیرزادوں کے لئے فرمان قتل جاری ہونا بھی عین اسکی خواہش و منشار دلی کے مطابق تھا کیونکہ وہ اگر زندہ رہتے تو ممکن تھا کہ اُسکی سازشوں کا پتہ کسی طرح لگ جاتا اور بڑی مصیبت کا سامنا ہوتا۔ صبح ہوتے ہی اس نے بادشاہ کے محل سے رخصت ہوکر حرم کا رُخ کیا۔ یہاں فدیما ابھی تک جاگ رہی تھی مختلف افواہیں اسکے کان تک پہنچ چکی تھیں اور بڑی بیچینی سے خواجہ سرا کی آمد کی منتظر تھی۔ وہ اپنے سنگار کے کمرے میں ایک آرام دہ کوچ پر ایک باریک ور یشمی لباس پہنے لیٹی ہوئی تھی۔ اسکے پیروں میں موتی و فیروزے جڑی ہوئی زرد رنگ کی پاپوشیں تھیں۔ اسکے اردگرد بیس پچیس خواصیں دست بستہ کھڑی تھیں۔ جیوں ہی اس نے بوگس کے آنیکی آہٹ سُنی فوراً ان سب کو رخصت کر کے بے تحاشہ بھاگتی ہوئی خواجہ سرا کے سامنے آئی اور چھوٹتے ہی اس قدر سوالوں کی بھرمار کر دی کہ وہ بھی گھبرا گیا۔

بوگس (اپنا بھدا ہاتھ اسکے شانے پر رکھ کے بڑے پیار سے) "صبر میری بلبل! صبر سے کام لو۔ ذرا مجھے دم تو لینے دو۔ دیکھو تنگ نہ کرو میں جو کچھ کہوں اُسے چُپ چاپ بغیر زبان ہلائے سُنے جاؤ۔ اگر بات پر ٹوکا تو کبھی میری گفتگو ختم ہی نہ ہوگی۔ اور آج مجھے بہت سے کام ہیں اول تو مصریہ کی گدھے کی سواری کا تماشہ دیکھنا ہے۔ دوسرے اسکے قتل کے وقت بھی موجود رہنا ضروری ہے۔ (فدیما خوشی کے مارے اچھل پڑتی ہے) تم چاہو ہنسو۔ چلاؤ یا چھلانگیں مار کر اپنا اظہار مسرت کرو مگر میری گفتگو میں دخل در معقولات نہ دینا (فدیما فرط مسرت سے خواجہ سرا کے لپٹ جاتی ہے) ہاں بیشک میں اسی اخلاص و پیار کا مستحق ہوں۔ اچھا آؤ۔ اب آرام سے اس کوچ پر بیٹھ کر باتیں کریں (ملکہ کے رخساروں کو تھپ تھپا کر) دیکھو اب تمہیں ایک اچھی سی کہانی سُناتا ہوں۔ کچھ عرصہ گذرا کہ ایران میں ایک بادشاہ تھا جسکی بہت سی بیویاں تھیں مگر وہ ان سب سے زیادہ اپنی ایک ملکہ سے جس کا نام فدیما تھا الفت و پیار کرتا تھا۔

ایک دن اتفاق سے یکایک اس کا دل بدل گیا اور فرعون مصر کی لڑکی سے کتخدائی کا خواہشمند ہوا۔ اس لئے اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو ایک بڑی سفارت کے ہمراہ مصر روانہ کیا۔"

فدیما (بیتابانہ چلاکر) "کہاں کی فضول باتیں نکالیں ہیں۔ میں تو یہ سننا چاہتی ہوں کہ آج کیا ہوا۔"

بوگس "پھر وہی بےصبری و جلد بازی۔ اے ہے تم تو آندھی کے گھوڑے پر سوار ہو۔ سچ کہتا ہوں اگر ایک بار لقمہ دیا تو باہر نکل کر شجر و حجر سے اپنا قصہ کہنے لگونگا۔ ذرا مجھے اپنی کامیابی کا دل بھر کے لطف تو اُٹھا لینے دو۔ مجھے اسکے بیان سے ایسی ہی مسرت ہوتی ہے جیسے کوئی بت تراش اپنا ایک لاجواب نمونہ صناعی سامنے رکھکر بار بار اسکی دید سے حظ اُٹھائے۔"

فدیما "میں گذشتہ باتوں کے سُننے سے باز آئی۔ اب مجھے صبر کی تاب نہیں۔ معلوم نہیں یہ گھنٹے کس طرح تڑپ تڑپ کے گذرے ہیں۔ لوکر جاکر طرح طرح کی خبریں سناتے ہیں جس سے میری بےچینی لحظہ بلحظہ بڑہتی جاتی ہے۔ ہرمز د کا واسطہ اب نتیجہ سے آگاہ کردے۔ پھر کہے گا تو رات بھر تیری داستان سُنتی رہونگی۔"

بوگس۔ (مسکراکر اور بڑے اطمینان سے دونوں ہاتھ ملکر) "بچپن کے زمانہ میں جب میں کسی مچھلی کو اپنے کانٹے میں تڑپتا دیکھتا تھا تو خوشی کے مارے تالیاں بجاتا تھا۔ اسی طرح اس وقت بھی ایک خوبصورت سنہری مچھلی بیتاب ہے اور جبتک میں اچھی طرح اس کے تڑپنے کا تماشہ دیکھ نہ لونگا اُسے رہا نہ کرونگا۔"

یہ سُنتا تھا کہ **فدیما** اپنے پیروں کو زمین پر زور سے پٹکنے لگی اور ایک شریر بچے کی طرح مُنہ تھتا کر ٹھنکنے اور ضد کرنے لگی۔ خواجہ سرا جسے اُسے چٹخانے و چھیڑنے میں بڑا لطف آتا تھا یہ حالت دیکھکر اور بھی خوش ہوا اور اس قدر ہنسا کہ پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ پھر جب متعدد جام شراب ایسی خشمگین حسینہ کی صحت کے چڑھا چکا تو اس طرح گویا ہوا "مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ

شہنشاہ نے اپنے بھائی کو مہم تھوریمی پر محض اپنے رشک وحسد کی بنا پر بھیجا تھا۔ اسے خواہ مخواہ یہ وہم ہوگیا تھا کہ شاید مصریہ اس پر عاشق ہے مگر میں بخوبی جانتا تھا کہ وہ بڑی مستقل مزاج و مغرور عورت ہے اور شہزادہ کے حسن وجمال کی اتنی بھی پرواہ نہیں کرتی جتنی ایک یہودی سؤر کے گوشت یا مصری مٹر کی پھلیوں کی طرف رغبت ظاہر کرتا ہے[۵۱] لیکن مجھے ایک اچھا ذریعہ ہاتھ آگیا اور میں نے دل میں ٹھان لیا کہ بادشاہ کی اسی کمزوری سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے اور اسکے رشک وحسد کو بھڑکا کر اس عورت کو زک دینا چاہیئے جسنے ہم دونوں کی عزت خاک میں ملادی تھی۔ ایک عرصہ تک میں اسی ادھیڑبن میں رہا لیکن کوئی معقول تدبیر ذہن میں نہ آئی آخر کار جب جشن نوروز کا زمانہ آیا۔ اور تمام ملک سے پروہت بابل میں جمع ہونے لگے۔ آٹھ دن تک تمام شہر میں خوشیاں و رنگ رلیاں منائی گئیں اور دربار میں بھی ایک بڑی دعوت وجشن کے سامان ہونے لگے۔ تو مجھے یہ موقعہ نہایت موزوں معلوم ہوا۔ مگر کوئی ذریعہ یا وسیلہ نہ پاکر میں کسی قدر ناامید ہو چلا تھا کہ ایک دن اتفاقاً امشا اسپند کے فضل وکرم سے ایک ایسے نوجوان پر میری نظر پڑی جیسے گویا خود اہرمن نے میری تدابیر کی کامیابی کے لئے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔ یہ شخص گوماتا برادر موبد اعظم ارسپتس تھا جو بابل جشن نوروز کے تماشہ کی غرض سے آیا تھا۔ جب میں نے سب سے پہلے اسے اپنے بھائی کے مکان پر دیکھا تو حیران و ششدر رہ گیا اور سوچنے لگا کہ کوئی ہمزاد یا دیو تو نہیں ہے۔ کیونکہ شہزادہ بردیہ سے وہ اس قدر مشابہ تھا کہ میں نے آج تک ایسے توام بھائی بھی کبھی نہیں دیکھے۔ غرضکہ میں نے اُسے اپنے دام میں لانے کا ارادہ کیا اور اِدہر اُدہر کی باتیں کرکے ایسا شیشہ میں اُتارا کہ وہ میرے یہاں آنے پر آمادہ ہوگیا۔ میں نے اُسکی بڑی دہوم سے دعوت کی اور نہایت عمدہ شرابیں پلائیں تاکہ اُس کا حجاب وتکلف دور ہوجائے۔ آخر یہی ہوا اور اس نے شراب کے

---

[۵۱] بعض قسم کی پھلیاں دوالیں وغیرہ قدیم مصریونکو کھانا منع تھیں۔ اکثر سؤر کے گوشت سے پرہیز کرتے تھے (ڈنکنس)

نشہ میں اپنا تمام رازدل کہہ سنایا یعنی وہ بابل صرف قربانی وغیرہ کا تماشہ دیکھنے نہیں آیا ہے بلکہ اپنی معشوقہ سے جو دختر فرعون کی خواص ہے ملنے کی آرزو و تمنا رکھتا ہے۔ وہ اس لڑکی پر بچپن سے عاشق تھا مگر اسکے بھائی نے کسی مصلحت سے دونوں کو جدا کر دیا اور مندانہ کو بادشاہ کی منظور نظر سنگیتری کی خدمت کے لئے بھیجدیا۔ اب وہ اُس سے ملنے کے لئے تڑپ رہا تھا اور مجھ سے بڑی عاجزی سے کہنے لگا کہ کوئی تدبیر نکالوں۔ میں نے بھی بڑی ہمدردی جتا کر کہا کہ یہ تو نہایت مشکل ہے مگر دیکھو کوشش کرونگا تم مجھ سے پھر کل آکر ملو۔ دوسرے دن وہ آیا تو میں نے کہا کہ اس شرط پر مدد دینے کے لئے تیار ہوں کہ جو کہوں تم اس پر آنکھ بند کر کے عمل کرنا۔ وہ بخوشی راضی ہوگیا اور میری ہدایت کے بموجب رانغہ چلا گیا جہاں سے چھپکر چند روز ہوئے کہ واپس آیا تھا اور میرے ہی مکان میں مقیم ہوا تھا۔ اسی اثنا میں شہزادہ بردیہ بھی بابل آگئے۔ میں نے سوچا کہ اب موقع ہے بادشاہ کو دہوکہ دیکر ایک ہی وار میں مصریہ کا خاتمہ کر دونگا۔ سب سے پہلے میں نے تمہاری تحقیر و ذلت کا علانیہ اظہار کر کے تمہارے عزیز واقربا کو بھڑکایا اور انکے دلوں میں تمہارے رقیب کی طرف سے خصومت و عناد پیدا کیا۔ پھر اتفاق سے قسمت نے میری ایک عجیب طریقہ سے یاوری کی۔ تمہیں یاد ہوگا کہ نتیتس۔ بردیہ کی شادی کی خبر سنکر بیہوش ہوگئی تھی۔ مگر شاید یہ نہ جانتی ہوگی کہ اُسی شام اس نے اپنے باغ کے ایک مالی کے ہاتھ ایک خط بھی شہزادہ کو روانہ کیا تھا یہ بیوقوف لڑکا خط لئے ہوئے راستہ ہی میں پکڑا گیا۔ اور بادشاہ کے حکم سے فوراً قتل کر دیا گیا۔ پھر میں نے یہ انتظام کیا کہ شہزادی اپنے دوستوں سے کچھ خط و کتابت نہ کرنے پائے اور نہ کوئی اُس سے مل سکے۔ باقی جو گذرا وہ تمہیں معلوم ہی ہوگیا ہے۔"

قدریما "یہ تو بتاؤ گوماتا باغ سے کس طرح اپنی جان بچا کر نکل گیا۔"

بوگس "یہ بھی میرے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ باغ میں ایک چور دروازہ ہے جس کا حال صرف مجھی کو معلوم ہے۔ میں نے اسے خبردار کر دیا تھا وہ بآسانی اُس سے نکل کر

روپوش ہوگیا۔ علاوہ اس کے اتفاق سے بروبیہ کا وہ خنجر بھی میرے ہاتھ آگیا جو شکار میں اسکی ہیٹی سے کھلکر گر گیا تھا۔ اُسے میں نے دختر فرعون کی کھڑکی کے نیچے پھینکدیا۔ پھر مجھے یہ خیال آیا کہ شہزادہ کو دور رکھنا چاہئے اور بادشاہ یا کسی ایسے شخص سے ملنے نہ دینا چاہئے جو اسکی بریت کی گواہی دے سکیں۔ اس لئے میں نے ایک یونانی سوداگر کو جو آجکل اس شہر میں کپڑے وغیرہ بیچنے آیا ہے آمادہ کیا کہ اپنی زبان میں ایک خط لکھ کر شہزادہ کو بوقت طلوع ستارہ تستر کسی تنہا جگہ اس بہانہ سے کہ اُسکی معشوقہ سافو نے ایک ضروری پیغام بھیجا ہے ملنے کے لئے بلائے۔ مگر بدقسمتی سے قاصد کی حماقت کی وجہ سے یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی اور جب میں نے بعدہٗ سُنا کہ شاہزادہ اس وقت اپنے دوستوں کے ساتھ دعوت مے نوشی میں مصروف ہے تو نہایت خوفزدہ و مضطرب ہوا مگر کیا کرتا مجبور تھا۔ بہرحال تمہارے والد اور دیگر امرا کی شہادت کے سامنے انکے نوجوان لڑکوں کے بیانات کیا وقعت رکھ سکتے ہیں۔ بادشاہ کے سامنے اُنہوں نے ایک دوسرے کی تردید کی مگر شکر ہے کہ نتیجہ میرے ہی موافق نکلا اور شہزادہ۔ اسکے دوست اور کریسس بھی جو بادشاہ سے گستاخانہ پیش آیا تھا سب قید میں ڈال دیئے گئے۔ اور عنقریب دار پر چڑھا دیئے جائیں گے۔ اب اپنی سوتن دختر فرعون کے لئے جو فرمان بادشاہ کی طرف سے کاتب شاہی نے نافذ کیا ہے اُسے بھی بغور سُن لو۔ اور اپنا دل ٹھنڈا کرو۔ دیکھو کیا پرلطف ہے۔ لکھتا ہے:۔

"نتیتیس مصر کی شہزادی کو اسکی بدکاریوں کی سزا میں ایک گدھے پر سوار کرکے بابل کی تمام سڑکوں پر گشت کرایا جائے تاکہ لوگ اُسے دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور جانیں کہ شہنشاہ عالم پناہ کو قانون وانصاف کی پابندی اس قدر مدنظر ہے کہ ایک شہزادی و معمولی عورت دونوں اس کی نگاہ میں یکساں ہیں اور اپنے کردار کی سزا بے کم وکاست پاتی ہیں۔ یہ بدنصیب عورت بعد اپنی تشہیر وتذلیل کے آفتاب غروب

ہوتے ہی زندہ جلادی جائے اوران احکام کی بجاآوری بوگس سردار خواجہ سرا کے سپرد کی جائے۔ بحکم شہنشاہ عالی جاہ کمبوجیہ۔ دستخط میر کاتب آریا بگا"

میں یہ فرمان لیکر اپنی جیب میں رکھ چکا تھا کہ اتنے میں مادر شاہ واتوسا دونوں آشفتہ حال۔ بال پریشان و پیرہن دریدہ دربار میں داخل ہوئیں اور بڑی آہ و بکا۔ منت والتجا سے عفو و رحم کی خواستگار ہوئیں مگر بادشاہ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ اس کا غیظ و غضب اور بھڑک اُٹھا اور اگر اپنے والد مرحوم کے نام و ناموس کا خیال نہ ہوتا تو ان دونوں عورتوں کو بھی سزائے موت کا حکم سُنا دیتا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ کاسندانہ نے نتیتس کی رہائی کے لئے ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہ نکالا بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ اُسے بھی اسکے جرم کا یقین ہے۔ گوماتا کے متعلق ہمیں بالکل فکر نہ کرنا چاہیئے۔ میں نے تین آدمیوں کو خوب زر و جواہر دیکر اسکے ہمراہ کر دیا ہے کہ جیوں ہی وہ راغہ پہنچے اُسے پکڑ کر دریائے فرات کے اندر ایک ایسا غوطہ دیں کہ پھر کبھی سانس نہ لے سکے۔ مچھلیوں و کیڑوں کے مزے ہیں۔ خوب شکار انکے ہاتھ لگے گا۔ ہا۔ہا۔ہا۔ہا۔"

فدیما بھی قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ اور بوگس کی بہت ثنا و صفت کے بعد ایک مرصع جواہرات کا ہار اسکے گلے میں پہنا کر کہنے لگی "میرے پیارے محسن یہ تمہاری بیش بہا خدمات کا ایک ادنیٰ صلہ ہے۔ ہرمزد وہ دن لائے اور میں اپنا پرانا مرتبہ و عزت پاؤں پھر دیکھو تمہیں کیسا مالامال کرتی ہوں۔"